بعونِ صناعِ مکین و مکان و خلاقِ زمین و زمان

۸۰

اردو کا کلاسیکی ادب

تذکرہ

طبقات الشعرا

از

قدرت اللہ شوق

ناشر

مجلس ترقی ادب ۲- نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ لاہور

تذکرہ

طبقات الشعرا

[نوشتہ بسال ۱۱۸۸ھ-۱۷۷۴-۵ء]

مولفہ

قدرت اللہ شوق صدیقی

(ساکن موضع موی، ضلع بدایوں)

مرتبہ

نثار احمد فاروقی

استاد شعبۂ عربی، دہلی یونیورسٹی، دہلی ۷

فہرست

مقدمہ از نثار احمد فاروقی	
شجرۂ نسب	۱۸
تذکرۂ اسلاف	۱۹
مؤلف کے حالات	۲۲
اساتذہ	۲۳
تصانیف	۲۵
تلامذہ	۳۰
احباب	۳۲
قصۂ پدماوت کی تکمیل	۳۴
وفات	۳۹
طبقات الشعرا	۴۰
تذکرے کی اہمیت	۴۲
زمانۂ تالیف	۴۵
اختلاف نسخ	۴۶
نسخہ ۲	۴۹
نسخہ ۳	۴۹
زمانۂ کتابت	۵۲
تذکرے کے ماخذ	۵۶
تذکرے کی انتقادی حیثیت	۶۲
مراجع	۶۹

طبقهٔ اول

در بیان ایجاد شعر ریختہ و ذکر شعرائے دکھنی و بعضے معاصر آن ها ۔

۱	امیر خسرو	۴
۲	ولی	۵
۳	سعدی دکھنی	۱۵
۴	عبدالولی عزلت	۱۵
۵	ملا نوری	۱۶
۶	فخری	۱۷
۷	میر عبداللہ تجرد	۱۷
۸	عظام	۱۷
۹	عظام	۱۷
۱۰	میر جعفر	۱۸
۱۱	مرزا عبدالقادر فطرت	۲۰
۱۲	مرزا عبدالقادر بیدل	۲۰
۱۳	حکیم یونس	۲۱
۱۴	فضلی	۲۱
۱۵	آزاد	۲۱
۱۶	سراج	۲۲
۱۷	احمد	۲۳
۱۸	مرزا قاسم ادھم	۲۳
۱۹	شعوری جوالا پوری،	۲۴
۲۰	صبائی احمد آبادی	۲۴
۲۱	هاتفي	۲۴

طبقهٔ دوم

در ذکر شاعران ایہام گو

۲۲ ۔ شاہ مبارک آبرو - - - - - - - - ۲۴
۲۳ ۔ محمد شاکر ناجی - - - - - - - - ۳۰
۲۴ ۔ شرف‌الدین مضمون - - - - - - - ۳۴
۲۵ ۔ پریم ناتھ آرام - - - - - - - - ۳۵
۲۶ ۔ مصطفیٰ خاں یک رنگ - - - - - - - ۳۶
۲۷ ۔ احسن اللہ - - - - - - - - - ۳۸
۲۸ ۔ سعادت اللہ - - - - - - - - - ۳۸
۲۹ ۔ میر سجاد - - - - - - - - - ۳۹
۳۰ ۔ شیخ محمد حاتم - - - - - - - - ۴۷
۳۱ ۔ یک رو - - - - - - - - - - ۵۳
۳۲ ۔ صلاح‌الدین عرف مکھن پاک باز - - - - - ۵۳
۳۳ ۔ محمد اسماعیل بے تاب - - - - - - - ۵۴
۳۴ ۔ شہاب الدین ثاقب - - - - - - - ۵۵
۳۵ ۔ محمد مراد - - - - - - - - - ۵۶
۳۶ ۔ فضل علی دانا - - - - - - - - ۵۶
۳۷ ۔ محمد عارف - - - - - - - - - ۵۶
۳۸ ۔ کمترین - - - - - - - - - ۵۷
۳۹ ۔ قدر - - - - - - - - - - ۵۸
۴۰ ۔ عاجز - - - - - - - - - - ۵۸
۴۱ ۔ دلاور خاں بے رنگ - - - - - - - ۵۹
۴۲ ۔ مزمل - - - - - - - - - ۶۰

طبقهٔ سوم
در ذکر شعرائے متاخرین و بعضے نوشقان دیگر

۴۳ - مرزا مظہر - - - - - - - - - ۶۱
۴۴ - سراج الدین علی خان آرزو - - - - - - ۶۴
۴۵ - شاہ ولی اللہ اشتیاق - - - - - - - ۶۵
۴۶ - قزلباش خان امید - - - - - - - - ۶۵
۴۷ - مرزا گرامی - - - - - - - - - ۶۵
۴۸ - شرف الدین علی خان پیام - - - - - - ۶۶
۴۹ - بے نوا - - - - - - - - - - ۶۶
۵۰ - محتشم خان حشمت - - - - - - - - ۶۸
۵۱ - امیر خان انجام - - - - - - - - ۶۸
۵۲ - ناصر جنگ ناصر و آفتاب - - - - - - - ۷۱
۵۳ - نواب ہدایت علی خان ضمیر - - - - - - ۷۲
۵۴ - کرم اللہ خان درد - - - - - - - ۷۳
۵۵ - اشرف علی خان فغان - - - - - - - ۷۴
۵۶ - انعام اللہ خان یقین - - - - - - - - ۷۶
۵۷ - محمد علی حزین - - - - - - - - ۹۰
۵۸ - سید نوازش خان - - - - - - - - ۹۲
۵۹ - محمد علی حشمت - - - - - - - - ۹۲
۶۰ - مسکین - - - - - - - - - - ۹۲
۶۱ - سید عبدالرشید رشید - - - - - - - ۹۴
۶۲ - میر عبدالحیٔ تاباں - - - - - - - ۹۵
۶۳ - محمد یار خاکسار - - - - - - - ۹۹
۶۴ - محمد فقیہ دردمند - - - - - - - - ۱۰۱
۶۵ - خواجہ برہان الدین عاصمی - - - - - - ۱۰۹

۶۶	- حسن علی شوق	۱۱۰
۶۷	- رسوا	۱۱۲
۶۸	- اسد یار خان انسان	۱۱۳
۶۹	- هدایت الله هدایت	۱۱۴
۷۰	- محمدی بیدار	۱۱۵
۷۱	- مرزا رفیع سودا	۱۱۹
۷۲	- خواجه میر درد	۱۷۱
۷۳	- محمد حسین کلیم	۱۷۹
۷۴	- محمد قائم	۱۸۲
۷۵	- محمد تقی میر	۲۰۶
۷۶	- محمد میر سوز	۲۳۱
۷۷	- بیان	۲۴۰
۷۸	- میرابوالحسن وحشت	۲۴۱
۷۹	- مرزا داؤد سودائی	۲۴۱
۸۰	- میر رمضانی	۲۴۱
۸۱	- فرحت الله	۲۴۱
۸۲	- غافل	۲۴۱
۸۳	- مائل	۲۴۲
۸۴	- محمد اکرم	۲۴۲
۸۵	- عبدالهادی	۲۴۳
۸۶	- شمس‌الدین فقیر	۲۴۳
۸۷	- ولی الله ولی	۲۴۴
۸۸	- صابر سرهندی	۲۴۴
۸۹	- شاه شاکر صدیقی	۲۴۵
۹۰	- شیخ محمد حاجی حیف	۲۴۵

۹۱ - مرزا گھسیٹا عشق - - - - - - - ۲۴۸
۹۲ - نجم‌الدین شادان - - - - - - - ۲۴۹
۹۳ - میر محمدی اثر - - - - - - - ۲۴۹

طبقهٔ چہارم

در ذکر شعرائے تازہ گو و بعضی متوسطان دیگر
(د ۱۰ الف) مشتمل بر پنج مقالات ۔

مقالهٔ اولیٰ

در ذکر بعضے تازہ گویان سرآمد روزگار

۹۴ - فضل‌علی ممتاز - - - - - - - ۲۵۰
۹۵ - مرادعلی حیرت - - - - - - - ۲۵۳
۹۶ - بدھ سنگھ قلندر - - - - - - - ۲۵۷
۹۷ - اکرام‌الله محشر - - - - - - - ۲۶۲
۹۸ - حافظ امیرالدین امیر - - - - - - ۲۷۱
۹۹ - معین‌الدین - - - - - - - ۲۷۳
۱۰۰ - فیض‌الله بیگ فدوی - - - - - - ۲۷۴
۱۰۱ - محمدنعیم - - - - - - - ۲۸۰
۱۰۲ - محمدعلی شہرت - - - - - - - ۲۸۲
۱۰۳ - میر حیدرعلی حیران - - - - - - ۲۸۳
۱۰۴ - خواجه حسن - - - - - - - ۲۸۴
۱۰۵ - بہادرعلی ترسان - - - - - - - ۲۸۵
۱۰۶ - یٰسین‌علی خورشید - - - - - - - ۲۸۷
۱۰۷ - خواجه علی‌نقی محشر - - - - - - - ۲۸۸
۱۰۸ - نول‌رائے وفا - - - - - - - ۲۸۹
۱۰۹ - مرزا جعفرعلی حسرت - - - - - - ۲۹۰
۱۱۰ - شیخ بقاء الله بقا - - - - - - - ۲۹۷

۱۱۱	شیخ قلندر بخش جرأت	۳۰۲
۱۱۲	گردھاری لعل طرز	۳۱۷
۱۱۳	احمدعلی قپوب	۳۱۸
۱۱۴	تسکین خاں تسکین	۳۱۸
۱۱۵	غضنفرعلی غضنفر	۳۱۹
۱۱۶	باقرعلی ممنون	۳۲۲
۱۱۷	مشتاق	۳۲۲
۱۱۸	مرزا علی لطف	۳۲۳
۱۱۹	روف	۳۲۵
۱۲۰	میر ضیا	۳۲۷
۱۲۱	رنگین	۳۲۷
۱۲۲	علی محمد خاں خنداں	۳۲۸
۱۲۳	میر حسن	۳۲۹
۱۲۴	عنایت اللہ مشتاق	۳۳۳
۱۲۵	سلامت علی سلامت	۳۳۴
۱۲۶	حسن علی خاں یاس	۳۳۵
۱۲۷	مرزا قاسم علی رقت	۳۳۶
۱۲۸	پہاڑی مل	۳۳۷
۱۲۹	سنتوکھ رائے بے تاب	۳۳۷
۱۳۰	محمد پناہ خاں نثار	۳۴۳
۱۳۱	فیض علی فیض	۳۴۴
۱۳۲	تجلی	۳۴۶
۱۳۳	شیخ ظہوراللہ نوا	۳۴۶
۱۳۴	غلام حسین دکھنی محزوں	۳۴۸
۱۳۵	ضیاءالدین عبرت	۳۴۸

۱۳۶ - شیخ غلام کبریا کامل - - - - - - - - ۳۵۳
۱۳۷ - محمدی شیدا - - - - - - - - - ۳۵۷
۱۳۸ - میر طالب علی - - - - - - - - ۳۵۸
۱۳۹ - جلیل شاہ سائل - - - - - - - - ۳۵۹
۱۴۰ - غلام ہمدانی مصحفی - - - - - - - ۳۶۵
۱۴۱ - قدرت‌اللہ بلیغ - - - - - - - - ۳۶۹
۱۴۲ - محمدصبیح‌عالم خاں نیاز - - - - - - - ۳۷۱
۱۴۳ - میر ضیف - - - - - - - - - ۳۷۳
۱۴۴ - حکیم محمدکبیر سنبھلی - - - - - - - ۳۷۴
۱۴۵ - سجاد - - - - - - - - - - ۳۷۵
۱۴۶ - پروانہ علی شاہ پروانہ - - - - - - - ۳۷۸
۱۴۷ - شہید بلگرامی - - - - - - - - ۳۷۹
۱۴۸ - شید حسن‌علی حسن - - - - - - - - ۳۷۹
۱۴۹ - غلام‌حیدر مجذوب - - - - - - - - ۳۸۰
۱۵۰ - غلام‌محی‌الدین اویسی - - - - - - - ۳۸۴
۱۵۱ - امان‌اللہ نثار - - - - - - - - - ۳۸۶

مقالۂ دوم

در ذکر بعضی سلاطین روزگار و وزرائے نام دار و اُمرای والا تبار و بعضی منصب داران سرکار فیض آثار و مصاحبان شاہرادۂ عالی مقدار

۱۵۲ - شاہ عالم آفتاب - - - - - - - - ۳۹۲
۱۵۳ - مرزا جوان بخت جہاں‌دار شاہ - - - - - ۳۹۳
۱۵۴ - مرزا احسن بخت - - - - - - - - ۳۹۵
۱۵۵ - مرزا سلیمان شکوہ - - - - - - - - ۳۹۸
۱۵۶ - مرزا فرخندہ بخت قمر - - - - - - - ۴۰۰

۱۵۷ - نواب آصف‌الدوله آصف - - - - - - ۳۰۱
۱۵۸ - نواب غازی‌الدین خان - - - - - - - ۳۰۲
۱۵۹ - مرزا فتح علی فہم - - - - - - - - ۳۰۳
۱۶۰ - عمدۃ الملک ممتاز - - - - - - - - ۳۰۴
۱۶۱ - قلندرعلی خان - - - - - - - - ۳۰۴
۱۶۲ - گنابیگم - - - - - - - - - ۳۰۴
۱۶۳ - میر انشاء اللہ خان انشا - - - - - - - ۳۰۶
۱۶۴ - سعادت یار خان رنگیں - - - - - - - ۳۰۷
۱۶۵ - ہوش - - - - - - - - - ۳۰۷
۱۶۶ - مرزا جان طپش - - - - - - - - ۳۰۸
۱۶۷ - شیرعلی افسوس - - - - - - - - ۳۰۸
۱۶۸ - مشتاق علی خان - - - - - - - - ۳۰۸
۱۶۹ - سید پایندہ مساور - - - - - - - - ۳۱۲
۱۷۰ - محمد انورالدین قانع - - - - - - - ۳۱۴
۱۷۱ - صدرالدین وحشت - - - - - - - - ۳۱۷

مقالۂ سوم

در ذکر بعضی اُمرائے افغانان ایں دیار وغیرہ

افاغنۂ قرب و جوار

۱۷۲ - نواب محمد یار خان امیر - - - - - - ۳۲۲
۱۷۳ - نواب عبداللہ خان عاصی - - - - - - ۳۵۱
۱۷۴ - نواب عنایت اللہ خان - - - - - - - ۳۵۲
۱۷۵ - نواب محبت خان محبت - - - - - - - ۳۵۲
۱۷۶ - مصطفیٰ خان مست - - - - - - - ۳۶۵
۱۷۷ - منو خان محو - - - - - - - - ۳۶۷
۱۷۸ - نواب نصراللہ خان سلطان - - - - - - ۳۶۸

۱۷۹ - محمد معصوم همدم - - - - - ۴۷۰
۱۸۰ - ذوالفقار خاں - - - - - - ۴۷۲
۱۸۱ - محمد شرف عاصی - - - - - ۴۷۲
۱۸۲ - فیض‌الله خاں امید - - - - - ۴۷۵
۱۸۳ - مرتضٰی خاں مضطرب - - - - ۴۷۷
۱۸۴ - محتشم‌خاں افغان - - - - - ۴۷۸
۱۸۵ - غلام‌محمد خاں غلامی - - - - ۴۷۸
۱۸۶ - احسن‌خاں - - - - - - ۴۷۹
۱۸۷ - احمدخاں - - - - - - ۴۷۹
۱۸۸ - مولوی احمد خاں احمد - - - - ۴۸۰
۱۸۹ - کالوخاں هنر - - - - - - ۴۸۰
۱۹۰ - مهربان خاں رند - - - - - ۴۸۲
۱۹۱ - عباس‌خاں - - - - - - ۴۸۸

مقالهٔ چهارم

در ذکر بعضے عزیزان و یاران هم دم
و دوست داران ثابت قدم

۱۹۲ - عزیزخاں بےجان - - - - - ۴۸۹
۱۹۳ - غلام‌جیلانی بیدم - - - - - ۵۰۲
۱۹۴ - الف‌خاں ذوق - - - - - ۵۲۳
۱۹۵ - فتح چند ممنون - - - - - ۵۳۰
۱۹۶ - میر حسن مائل - - - - - ۵۳۵
۱۹۷ - غلام مرتضٰی - - - - - ۵۳۷
۱۹۸ - آخون زاده همت خاں - - - - ۵۳۷
۱۹۹ - ناصر خاں - - - - - - ۵۴۶
۲۰۰ - سید کرم‌علی - - - - - - ۵۵۴

۲۰۱ - محمد کبیر خان تسلیم - - - - - - - ۵۵۵
۲۰۲ - محمد اکرم - - - - - - - - - ۵۵۸

مقالهٔ پنجم

در ذکر بعضی برادران و خویشان و دوست‌داران و یاران دل ریشان و بعضی نو مشقان که چندان مایهٔ شاعری نه دارند و به سبب موزونی طبیعت خود را از خود زیاده پنداشته در جرگهٔ شعرا می شمارند

۲۰۳ - شیخ محمد واصل - - - - - - - - ۵۵۹
۲۰۴ - اعزالدین عزیز - - - - - - - - ۵۶۲
۲۰۵ - اسعد - - - - - - - - - - ۵۶۲
۲۰۶ - محمد معظم عباسی - - - - - - - - ۵۶۳
۲۰۷ - حافظ عزت‌الله عباسی - - - - - - - ۵۶۴
۲۰۸ - محمد جلیس - - - - - - - - - ۵۶۵
۲۰۹ - حافظ محمد معتصم عباسی - - - - - - - ۵۶۶
۲۱۰ - دوست علی عشق - - - - - - - - ۵۶۶
۲۱۱ - امام بخش - - - - - - - - - ۵۶۷
۲۱۲ - مفتون - - - - - - - - - - ۵۶۷
۲۱۳ - سید غالب علی - - - - - - - - ۵۶۸
۲۱۴ - سید محمد زمان - - - - - - - - ۵۶۸
۲۱۵ - حیات الله - - - - - - - - - ۵۶۹
۲۱۶ - عشرت - - - - - - - - - - ۵۶۹
۲۱۷ - گوهری - - - - - - - - - - ۵۷۰
۲۱۸ - نیازی - - - - - - - - - - ۵۷۱
۲۱۹ - مولوی مظهر علی - - - - - - - - ۵۷۲

۲۲۰ - غلام حسن - - - - - - - - - ۵۷۲
۲۲۱ - گوپال ناتھ - - - - - - - - - ۵۷۳
۲۲۲ - احمد علی حسرت - - - - - - - - ۵۷۳
۲۲۳ - محمد عابد دل - - - - - - - - - ۵۷۴
۲۲۴ - محمد روشن جوشش - - - - - - - - ۵۷۵
۲۲۵ - رند - - - - - - - - - - ۵۷۶
۲۲۶ - میر بھبنا شورش - - - - - - - - ۵۷۷
۲۲۷ - میر سلیم‌الله شاه‌جهاں آبادی - - - - - - ۵۷۷
۲۲۸ - خواجه امین‌الدین - - - - - - - - ۵۷۷
۲۲۹ - بجے سنگھ - - - - - - - - - ۵۷۸
۲۳۰ - نذیرالدین شائق - - - - - - - - ۵۷۸
۲۳۱ - سید محمد شهید - - - - - - - ۵۷۹
۲۳۲ - حافظ بدها شیفته - - - - - - - - ۵۸۰
۲۳۳ - واحدعلی عزیز - - - - - - - - ۵۸۴
۲۳۴ - اعلیٰ علی - - - - - - - - - ۵۸۴
۲۳۵ - مرزا فدوی بیگ - - - - - - - - ۵۸۵
۲۳۶ - ملا منو نثار - - - - - - - - - ۵۸۵
۲۳۷ - ولی‌الله - - - - - - - - - - ۵۸۶
۲۳۸ - شاه ظهورالله - - - - - - - - - ۵۸۶
۲۳۹ - محمد ماه حسینی - - - - - - - - ۵۸۶
۲۴۰ - واقف - - - - - - - - - - ۵۸۷
۲۴۱ - پاکباز - - - - - - - - - - ۵۸۸
۲۴۲ - شرف‌الدین والی رام پوری - - - - - - ۵۸۸
۲۴۳ - محمد نصیر - - - - - - - - - - ۵۸۹
۲۴۴ - محمد صلاح - - - - - - - - - - ۵۸۹

۲۴۵ - جولاں - - - - - - - - - - ۵۹۰
۲۴۶ - دیدار بخش دیدار - - - - - - - - ۵۹۰
۲۴۷ - راجا بلاس رائے - - - - - - - - - ۵۹۱
۲۴۸ - لاله هلاس رائے رنگین - - - - - - - ۵۹۱
۲۴۹ - قلندر - - - - - - - - - - ۵۹۲
۲۵۰ - بشیراحمد سرهندی - - - - - - - - ۵۹۳
۲۵۱ - شیخ احمد احمدی - - - - - - - - ۵۹۴
۲۵۲ - هرچرن داس - - - - - - - - - ۵۹۵
۲۵۳ - هبت رام صادق - - - - - - - - ۵۹۵
۲۵۴ - موزوں - - - - - - - - - - ۵۹۶
۲۵۵ - محمد خلیل - - - - - - - - - ۵۹۶
۲۵۶ - مرزا محمد رضا - - - - - - - - ۵۹۶
۲۵۷ - محمد بلاق خاکسار - - - - - - - - ۵۹۷
۲۵۸ - وهاب‌الدین موجد - - - - - - - - ۵۹۷
۲۵۹ - کاو حجام - - - - - - - - - ۵۹۸
۲۶۰ - خواجه محمد سعید - - - - - - - - ۵۹۹
۲۶۱ - خلیفه چندا - - - - - - - - - ۵۹۹
۲۶۲ - گیان - - - - - - - - - - ۶۰۰
۲۶۳ - سلیم‌الله راضی - - - - - - - - - ۶۰۰
۲۶۴ - پیر محمد مراد آبادی جرات - - - - - - - ۶۰۰
۲۶۵ - صوفی محمد اعظم - - - - - - - - ۶۰۱
۲۶۶ - حافظ کریم‌الدین صدیقی - - - - - - - ۶۰۲
۲۶۷ - گیانی مل کهتری - - - - - - - - ۶۰۲
۲۶۸ - فیض‌الله - - - - - - - - - - ۶۰۳
۲۶۹ - مرزا بهولن بیگ - - - - - - - - ۶۰۳

۲۷۰ - شیخ عبداللہ نکہت - - - - - - - ۶۰۴
۲۷۱ - مرحمت خان والہ - - - - - - - ۶۰۵
۲۷۲ - احمدالدین خان عبرت - - - - - - ۶۰۵
۲۷۳ - محمد شجاع الدین شوریدہ - - - - - - ۶۰۷
۲۷۴ - راجا بہادر سنگھ - - - - - - - ۶۰۸
۲۷۵ - ذوق رام حسرت - - - - - - - ۶۰۸
۲۷۶ - ہمت سنگھ - - - - - - - - ۶۱۱
۲۷۷ - ظہوراللہ - - - - - - - - - ۶۱۱
۲۷۸ - مرزا اسرف علی گستاخ - - - - - - ۶۱۱
۲۷۹ - برکت علی - - - - - - - - - ۶۱۲
۲۸۰ - منشی گج سنگھ - - - - - - - - ۶۱۲
۲۸۱ - محمد صدر عباسی - - - - - - - ۶۱۲
۲۸۲ - شاہ نورن رامپوری - - - - - - - ۶۱۳
۲۸۳ - غلام رسول غم - - - - - - - ۶۱۳
۲۸۴ - غلام علی عشرت - - - - - - - - ۶۱۴
۲۸۵ - مرزا قاسم بیگ - - - - - - - - ۶۱۵
۲۸۶ - میر ملہو - - - - - - - - - ۶ ۶
۲۸۷ - محمد اکرم آشنا - - - - - - - - ۶۱۹
۲۸۸ - محمد قدرت اللہ صدیقی شوق - - - - - ۶۲۳
۲۸۹ - خاتمہ - - - - - - - - - - ۶۳۹
۲۹۰ - ترقیمہ - - - - - - - - - - ۶۴۰

فہرست ضمیمہ

اسمائے شعراء

۱ - عنبر شاہ خان آشفتہ ۔ ۔ ۔ ۔ ٦۴۴
۲ - محمد ملوک احقر ۔ ۔ ۔ ۔ ٦۴٨
۳ - خواجہ احمد علی احمدی ۔ ۔ ۔ ٦۴٨
۴ - شاہ علی ارمان ۔ ۔ ۔ ۔ ٦٥١
٥ - حکیم عطاء اللہ قریشی انتظار ۔ ۔ ۔ ٦٥٢
٦ - تحمل ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ٦٥٥
٧ - منشی سید احسان تصور ۔ ۔ ۔ ٦٥٦
٨ - صلاح الدین تمکین ۔ ۔ ۔ ۔ ٦٥٧
٩ - میر ہدایت علی تمکین ۔ ۔ ۔ ۔ ٦٥٨
١٠ - نواب بخش اللہ ثروت ۔ ۔ ۔ ۔ ٦٥٩
١١ - جمال الدین جمیل ۔ ۔ ۔ ۔ ٦٦٠
١٢ - بریلوی جوہر ۔ ۔ ۔ ۔ ٦٦٢
١٣ - جھمن ناتھ جھمن ۔ ۔ ۔ ۔ ٦٦٣
١۴ - میر احسن علی خلق ۔ ۔ ۔ ۔ ٦٦۴
١٥ - حافظ یار جان راغب ۔ ۔ ۔ ۔ ٦٦٥
١٦ - بندرابن راقم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ٦٦٦
١٧ - میر محمد ناصر سامان ۔ ۔ ۔ ۔ ٦٧٠
١٨ - میرزا مغل سبقت ۔ ۔ ۔ ۔ ٦٧١
١٩ - خلیفہ محمد علی سکندر ۔ ۔ ۔ ۔ ٦٧٣
٢٠ - میرزا محمود بیگ شور ۔ ۔ ۔ ۔ ٦٧۴

۲۱ - شیدا - - - - - ٦٧٥
۲۲ - عاشور بیگ طالب - - - - ٦٧٥
۲۳ - طالب حسین طالب - - - - ٦٧٦
۲۴ - اسماعیل خان عاجز - - - - ٦٧٧
۲۵ - گوکل چند عاشق - - - - ٦٧٨

اشاریہ

۱ - اساریہ (مقدمہ) اشخاص - - - - ٦٨١
۲ - اساریہ (مقدمہ) مقامات - - - - ٦٨٧
۳ - اشاریہ (مقدمہ) کتابیں - - - - ٦٨٨
۴ - اساریہ (متن) اسخاص - - - - ٦٩١
۵ - اساریہ (متن) مقامات - - - - ٦٩٦
٦ - اشاریہ (متن) اصطلاحات - - - - ٦٩٨

مقدمه

تذکرۂ طبقات الشعرا

مؤلفۂ

قدرت‌الله شوق

مرتبہ

نثار احمد فاروقی

استاد شعبۂ عربی و فارسی ، دهلی یونی ورسٹی ، دهلی ے

مقدمه

تذکرۂ طبقات الشعرا کا مؤلف ، قدرت اللہ شوق رامپوری ، اصلاً موضع "موئی"[1] قصبہ کاٹر ، تحصیل بہیڑی ، ضلع بریلی ، کا باشندہ[2] ہے ۔ اُس کے باپ شیخ قبول محمد تھے اور وہ خواجہ کرم اللہ[3] کے اخلاف میں ہیں ۔ شوق نے خود اپنے خاندان کا حال "تاریخ جام جہاں نما" (قلمی نسخۂ رامپور) میں قدرے تفصیل سے لکھا ہے ۔ اُس کی رو سے خاندانی شجرہ یوں ہے :

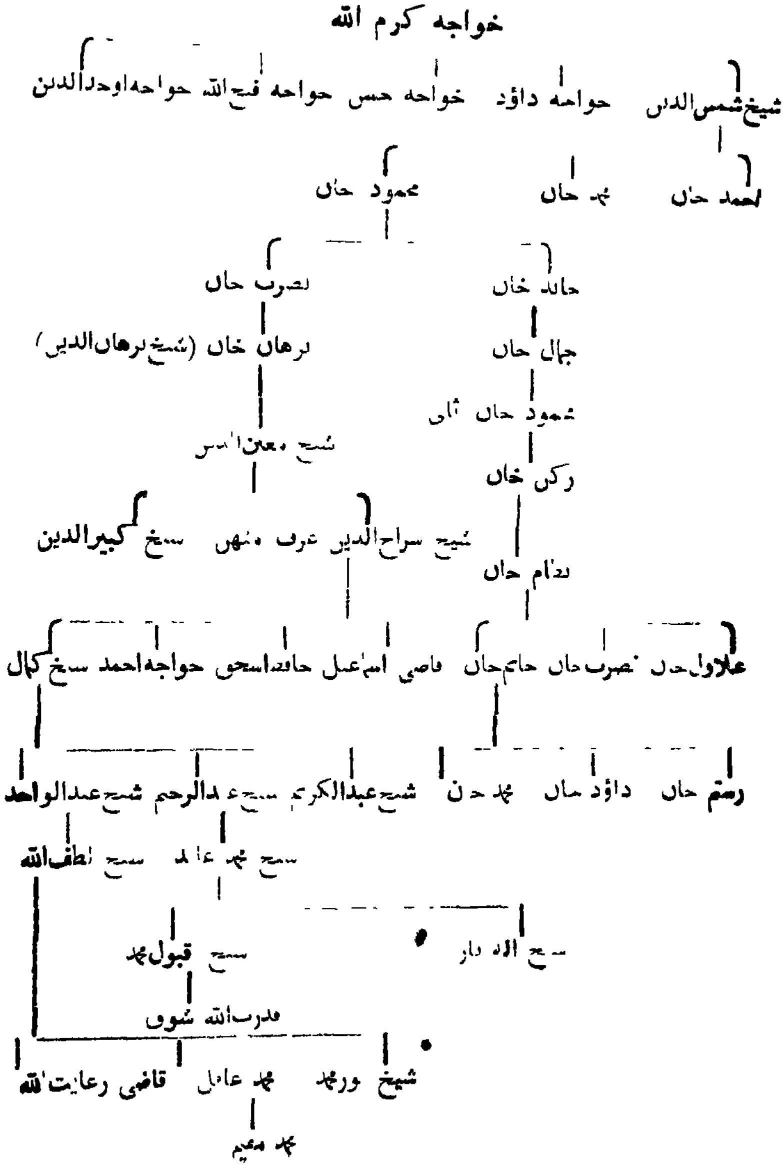
---

۱ ۔ موئی بہ فتح اول و دوم و ہمزہ و یاے معروف ، تحصیل بہیڑی میں چھوٹا سا گاؤں ہے ، یہ پہلے علاقۂ روہیل کھنڈ میں شامل تھا اور سرکار سنبھل کے ماتحت تھا ، جب حافظ رحمت خاں کا علاقہ سرکار انگریزی کی عملداری میں آ گیا (۱۷۷۴ء) تو یہ موضع ضلع بریلی میں شامل کر دیا گیا تھا ۔

۲ ۔ عبدالحی صفا بدایونی ("تذکرہ شمیم سخن" صفحہ ۱۳۱) نے باشندۂ امروہہ ضلع مراد آباد لکھا ہے ، یہ غلط ہے ۔

۳ ۔ قدرت اللہ شوق کے مورث اعلیٰ کا نام کہیں کرم اللہ اور کہیں کریم اللہ لکھا ہوا ملتا ہے ۔ خود "تاریخ جام جہاں نما" میں بھی یہ اختلاف موجود ہے ، لیکن کرم اللہ کئی بار لکھا ہے اس لیے ہم نے اسے ترجیح دی ہے ۔

شجرۂ نسب


خواجہ کرم اللہ
شیخ شمس الدین
خواجہ داؤد
خواجہ حسن
خواجہ فتح اللہ
خواجہ اوحدالدین
احمد خان
محمد خان
محمود خان
خالد خان
نصرت خان
جمال خان
برہان خان (شیخ برہان الدین)
محمود خان ثانی
شیخ معین الدین
رکن خان
شیخ سراج الدین عرف منجھن
شیخ کبیرالدین
نظام خان
علاول خان
نصرت خان
حاتم خان
قاضی اسمٰعیل
حافظ اسحق
خواجہ احمد
شیخ کمال
رستم خان
داؤد خان
محمد حسن
شیخ عبدالکریم
شیخ عبدالرحیم
شیخ عبدالواحد
شیخ محمد عابد
شیخ لطف اللہ
شیخ اللہ داد
شیخ قبول محمد
قدرت اللہ شوق
شیخ نور محمد
محمد عاقل
قاضی رعایت اللہ
محمد مقیم

تذکرۂ اسلاف

اپنے اسلاف کے بارے میں شوق کے بیان کا ملخص ترجمہ یہ ہے :

''میرے جدّ بزرگوار ، شیخ کرم اللہ شہید[1] و خواجہ نصیرالدین صدیقی اوحدی ، سید ناصر و سید ابراہیم کی رفاقت میں ، مع چھ ہزار سوار کے ، رائے پتھورا سے جنگ کے لیے آئے ۔ سنپت (سونی پت) کے نواح میں فروکش ہوئے ، رائے پتھورا سے جنگ ہوئی ، سید ناصر اور سید ابراہیم اس معرکے میں شہید ہوگئے ۔ چناں چہ ان دونوں کے مزار سنپت میں مشہور ہیں ۔ چند ایام کے بعد میران سید حسین خنگ سوار ، ہندوستان میں آئے اور اجمیر میں شہید ہوئے ۔ خواجہ کرم اللہ و خواجہ نصیرالدین کی اولاد بھی میران سید حسین کے ساتھ تھی ، وہ لوگ پھر سنپت میں آگئے اور وہیں آباد ہوگئے ۔ خواجہ کرم اللہ کے پانچ بیٹے تھے : شیخ شمس الدین خواجہ داؤد ، خواجہ حسن ، خواجہ فتح اللہ اور خواجہ اوحدالدین یہ لوگ خواجہ کرم اللہ کے مزار پر مقیم ہوگئے ۔ سلطان قطب الدین مبارک شاہ نے اُن کو اپنے پاس رکھا ، خانی کا خطاب دیا اور بڑے بیٹے شمس الدین کو پنج ہزاری منصب عطا کیا اور بقیہ بھائیوں کو پرگنہ باڑی و بیانہ میں جاگیر عطا کی ۔ ان کا حال ''تاریخ مبارک شاہی'' و ''تاریخ اکبری'' میں موجود ہے ۔ بیانہ کے قیام کے بعد

---

١ ۔ احمد علی خاں شوق نے شیخ کرم اللہ لکھا تھا (''اورینٹل کالج میگزین'' نومبر ١٩٣٠ ع) ہم نے یہاں تصحیح کردی ہے ۔

شمس الدین خاں سے ، احمد خاں ، محمد خاں اور محمود خاں تین بیٹے پیدا ہوئے ۔

شمس الدین خاں کا حال محمود شاہ کی سلطنت کے ضمن میں بیان کرچکا ہوں ۔ محمد خاں کا حال خضر خاں کی سلطنت کے ضمن میں اور محمود خاں کا حال بہلول لودی کے حالات میں درج کرچکا ہوں ۔ محمود کے دو بیٹے ، چاند خاں اور نصرت خاں ہوئے ۔ نصرت خاں کے بیٹے برھان خاں، چاند خاں کے بیٹے جمال خاں ہوئے جمال خاں کے بیٹے محمود خاں ثانی اور اُن کے بیٹے رکن خاں اور اُن کے بیٹے نظام خاں تھے ۔ نظام خاں کا حال بابر کے عہد حکومت کے سلسلے میں بیان کرچکا ہوں ۔ نظام خاں کے تین بیٹے تھے : علاول خاں ، نصرت خاں ، حاتم خاں ۔ حاتم خاں کے تین بیٹے : رستم خاں ، داؤد خاں اور محمد خاں اور اُن کی اولاد بیانہ میں موجود ہے اور سب صاحب دولت ہیں ۔

ایک زمانے کے بعد برھان خاں بن نصرت خاں بن محمود خاں بن شمس خاں نے خانی کا خطاب ترک کرکے توکل اختیار کیا ۔ خانقاہ میں ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے اور شیخ برھان الدین کے نام سے مشہور ہوئے ۔ شیخ برھان الدین کے بیٹے معین الدین ہوئے اور باپ کے قدم بہ قدم تھے شیخ معین الدین کے بیٹے شیخ سراج الدین عرف مٹھن اور شیخ کبیر الدین تھے ۔ اُن کے چچا زاد بھائیوں نے بابر بادشاہ سے کوئی شکایت کی ، شاہی فوج وہاں بھیجی گئی ، جدال و قتال ہوا ۔ سراج الدین بہ عمر ۱۲ سال اور کبیر الدین بہ عمر ۸ سال وہاں سے بھاگ کر

سنبھل میں سیخ رین‌الدین علی سہروردی انصاری کی خدمت میں آئے ۔ شیخ زین‌الدین علی نے اپنی لڑکی کا نکاح کبیرالدین سے کر دیا ۔ علاول خاں خلجی کو پرگنہ اجاؤن کی خدمت ملی ، وہ شیخ رین‌الدین علی کا مرید تھا ، اس نے اپنی لڑکی کا نکاح سراج الدین‌عرف مٹھن سے کردیا ۔ شیخ زین‌الدین علی کی وفات کے بعد ، بہ عہد ہمایوں ، دونوں بھائی سنبھل سے پرگنہ اجاؤں میں آ گئے اور علاول خاں کی وفات کے بعد سرولی پرگنہ دار میں کوہ کمایوں کے دامن میں آباد ہوئے ۔ راجا تاج خاں قوم کٹھیر ، جو اس وقت زمیندار اور حاکم دامن‌کوہ کمایوں کا تھا ، اس نے موضع موتی پرگنۂ کابر ، کہ فی الحال میرا مسکن ہے ، مع بارہ گانوں کے عنایت کیا ۔ سیخ سراج‌الدین عرف مٹھن کے چار بیٹے تھے؛ قاضی اسماعیل ، حافظ اسحق ، خواجہ احمد اور سیخ کمال ۔ ان کی اولاد کثیر ہوئی ۔ سب کی اولاد اس وقت موجود ہے ۔ سیخ کمال ، مؤلف کے جد کلاں ، کے تین لڑکے ہوئے : شیخ عبدالکریم ، شیخ عبدالرحیم اور شیخ عبدالواحد ۔

سیخ عبدالکریم کی نسل منقطع ہو گئی ، شیخ عبدالواحد سے سیخ لطف‌الله ، ان سے سیخ نور محمد ، محمد عاقل ، فضائل پناہ قاضی رعایت الله پیدا ہوئے ۔ سیخ محمد عاقل سے زبدۂ علمائے متاخرین مولوی محمد مقیم پیدا ہوئے ۔ مولوی محمد مقیم کی تصانیف سے حاشیہ ”شرح وقایہ“ رسالہ‌علم کلام و فقہ اور فارسی کی مثنویاں وغیرہ ہیں ۔

شیخ عبدالرحیم سے شیخ محمد عابد پیدا ہوئے ، جو

میرے جد حقیقی ہیں اور دنیوی شوکت و حشمت
بہت رکھتے تھے - شیخ محمد عابد سے شیخ اللہ یار اور
میرے والد شیخ قبول محمد پیدا ہوئے [1]-"

مؤلف کے حالات

قدرت اللہ شوق کی ولادت موضع موئی [2] میں ہوئی - رسمی ابتدائی درسیات کی تکمیل بھی ظاہرا وہیں کی ہوئی - مگر شوق کی سکونت زمانۂ شعور میں طویل عرصے تک رام پور ہی میں رہی قیاس چاہتا ہے کہ اس نے یہاں کے علما سے بھی انتہائی درسی کتابیں پڑھی ہوں گی -

شوق نے مختلف وقفوں میں آنولہ، پیلی بھیت ، بدایوں، بسولی، ٹانڈہ وغیرہ کا سفر بھی کیا ہے ، لیکن وہ کبھی دہلی یا لکھنئو

---

۱ - رک تاریخ "جام جہاں نما" (قلمی نسخہ رضا لائبریری رام پور) ترجمہ و تلخیص از احمد علی خاں شوق ، "اورینٹل کالج میگزین" جلد ۷ شمارہ ۱ ، نومبر ۱۹۳۰ع صفحات ۶۷ تا ۷۴ -

۲ - یہ جگہ اس زمانے میں ریاست رام پور کے زیر نگیں تھی ، اودھ کی ماتحتی سے ریاست رام پور نکل کر برٹش اقتدار کے تحت میں آئی تو یہ تمام حصۂ ملک ، ریاست رام پور سے جدا ہوگیا اور اسی روز سے رام پور سے ان لوگوں کی آمد کا سلسلہ کم ہوگیا - اس سے قبل موئی کے قاضی زادوں کا ایک محلہ رام پور میں علیحدہ آباد تھا ، جو اب تک "قاضی کی گلی" کے نام سے مشہور ہے اور مولوی قدرت اللہ مرحوم کے خاندان کے آدمی اس میں آباد تھے اور اب بھی کچھ لوگ موجود ہیں اور اسی خاندان کے کچھ لوگ بچھرایوں ضلع مرادآباد میں آباد ہوگئے - فی الحال (۱۹۳۰ع) موضع موئی کے بڑے جاگیر دار قاضی عنایت اللہ زندہ ہیں"- ("اورینٹل کالج میگزین" ، حوالہ ، ماسبق)

بھی گیا ہو ، اس کا ثبوت موجود نہیں[1] - زیر بحث تذکرے میں وہ علاقۂ روھیل کھنڈ کے شاعروں سے اپنی واقفیت کا زیادہ اظہار کرتا ہے ، حالاں کہ اُن کے بارے میں بھی ہمیں تفصیل سے کچھ نہیں بتاتا -

جس زمانے میں ۱۱۸۵ھ (۷۲-۱۷۷۱ع) قائم چاندپوری اور غلام ہمدانی مصحفی امروہوی ، کٹھیر میں نواب محمد یار خاں امیر (متوفی ۱۱۸۸ھ ۱۷۷۵ع) کے دربار سے وابستہ تھے ، شوق بھی آنولہ میں موجود تھا لیکن یہ تذکرہ پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ وہ شمالی ہند ، خصوصاً دھلی کے بعض بہت معروف شعرا کے سلسلے میں نہایت غلط اطلاعات فراہم کرتا ہے اور اُن کے بارے میں موٹی موٹی باتوں سے بھی بے خبر ہے - ایسے بیانات جن کی تصحیح یا تصریح ضروری تھی ہم نے اس تذکرے کے آخر میں "تعلیقات" کے تحت اُن سے بحث کی ہے -

اساتذہ

اس تذکرے میں شوق نے خود اپنے بارے میں بھی کچھ نہیں لکھا - یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ فن شعر میں کس کا شاگرد ہے - بعض تذکرہ نگاروں نے[2] جن میں امیر مینائی اور

۱- میرزا مظہر جان جاناں سے شوق نے اپنی ملاقات کا حوالہ دیا ہے - غالباً وہ اُن کے سفر روھیل کھنڈ کے زمانے میں ۱۱۸۵ھ (۱۷۷۱ع) ملا ہوگا -

۲ - "انتخاب یادگار" صفحہ ۱۸۳ ، "تذکرہ سعادت خان ناصر" اور "تذکرۂ گلشن بے خار" مولفہ نواب مصطفیٰ خان شیفتہ سے دریافت ہوا کہ فن شعر میں قائم چاندپوری تلمیذ مرزا رفیع سودا کے شاگرد تھے - رفتہ رفتہ ایسے استاد ہوئے کہ صاحب ارشاد ہوئے . . . " مگر شیفتہ نے کوئی ایسی عبارت نہیں لکھی جو شوق کے تلمیذ قائم ہونے پر مشعر ہو ، ملاحظہ ہو "گلشن بے خار" صفحہ ۱۱۲ -

پنڈت کیفی شامل ہیں' اسے قائم چاندپوری کا شاگرد بتایا ہے ،[۱]
مگر خود شوق کے کسی بیان سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی ۔ اگرچہ
یہ بات کچھ ایسی مستبعد نہیں ہے کہ اس سے لازماً انکار کیا جائے
پھر بھی کسی قدیم شہادت کی غیر موجودگی میں اور متاخرین کے
قول کی بنیاد[۲] پر ، اسے بغیر شک قبول نہیں کرنا چاہیے

شوق نے اپنے ایک استاد مولوی غلام طیب بہاری کا ذکر
تاریخ ''جام جہاں نما'' میں کیا ہے :

''متوطن بہار ، مولوی وہاج الدین گوپاموی کے شاگردوں
میں سے تھے اور بعض کتب مطوّلات ملا کمال الدین
صاحب سے بھی پڑھی تھیں ۔ جودت، ذہن اور جدت طبع
بدرجۂ اتم تھی ۔ علوم متداولہ میں کافی مہارت
تھی ، باوجود اشغال علوم ظاہری کے ، اکثر اوقات
ریاضت اور مجاہدۂ باطنی میں بھی کوشش کرتے تھے ۔
خدمت فقرا خصوصاً شاہ قدرت اللہ صفی پوری کی خدمت
میں حاضر ہوکر فائدہ حاصل کرتے تھے ، فقر میں بھی
کامل تھے ۔اکثر طلبہ آن کی خدمت میں فیض یاب ہوکر
فاضل ہوگئے ۔ ان اوراق کے مؤلف (قدرت اللہ شوق) نے
بھی ان سے فیض پایا اورکتب مطوّلات آن کی خدمت میں
پڑھیں ۔ اس خاکسار کےحال پر بہت عنایت فرماتے تھے''[۳]

---

۱ - ''خمخانۂ جاوید'' جلد پنجم : صفحہ ۸۲

۲ - ''تذکرہ شعرائے رام پور'' : حارج فانتوم (قلمی رام پور) میں بھی
شوق کو تلمیذ قائم چاندپوری لکھا گیا ہے ۔

۳- ''تذکرہ کاملان رام پور'' صفحہ ۲۹۸-۲۹۹ (ہمدرد پریس دہلی ۱۹۲۹ ع)

احمد علی خاں شوق اس پر اضافہ کرتے ہیں کہ :

"۱۱۹۷ھ میں مرگ مفاجات سے رحلت فرمائی اور رامپور میں مسجد عثمان کے نیچے دفن ہوئے ۔ عثمان خاں کی مسجد سمت رنگریز کی دوکان کے متصل ہے۔ میں نے جب ہوش سنبھالا ، ایک قبر صحن مسجد میں بائیں کی طرف دیکھی ہے ۔ اهل محلہ سے کوئی حال معلوم نہیں ہوا ۔ مگر غالباً یہی مزار ہے جو توسیع مسجد میں صحن میں کسی وقت آ گیا ہے ۔ مولوی عبدالقادر خاں[1] اپنے روزنامچے میں لکھتے ہیں کہ میں نے ان کو نہیں دیکھا تھا ، مگر ان کے ذهن و ذکا کا وصف بہت سنا ، ان کے فرزند مولوی محمد حیات نے علوم رسمیہ کی تکمیل کرلی تھی اب معلوم نہیں (۱۲۱۴ھ ۱۷۹۹ع) کہاں ہیں "۔

تصانیف

شوق کی مندرجہ ذیل تصانیف کا ہمیں علم ہے :

(۱) "تاریخ جام جہاں نما"

اس میں ہندوستان اور ایران کے سلاطین اور اولیا کے حالات ہیں۔ابتدا میں مقدمہ ہے ، پھر ۳۹ طبقے بنائے ہیں ۔ اس کی تالیف کا آغاز ۱۱۹۱ھ میں ہوا تھا۔ غالباً پہلی روایت رمضان ۱۱۹۹ھ[2] مطابق جولائی ۱۷۸۵ع میں اتمام کو پہنچی ، مگر مؤلف نے آخر دم تک اس میں اضافے اور ترمیمیں کی ہیں[3]۔" . . یہ فارسی زبان میں عالم

---

۱ - "وقائع عبدالقادرخانی" (اردو ترجمہ) صفحہ ۷۸ (عبارت میں ۱۲۱۴ھ ، مولوی عبدالقادر خاں کے روزنامچے کا زمانہ تحریر ظاہر کرتا ہے)

2 - STOREY : Bio. bibliography of Persian Literature V. I pt, I p. 143

۳ - "اورینٹل کالج میگزین" جلد ۷ ش ۱ (نومبر ۱۹۳۰ع)

کی تاریخ ہے ۔ خاتمۂ کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۹۱ھ (۱۷۷۷ع) میں اس کی تالیف ہوئی تھی ۔ مگر دھلی نیز روھیلوں کے حالات میں جا بہ جا اضافے کیے گئے ھیں ۔ چناں چہ دوسری جلد کے ورق ۳۷ ب پر ۱۱۹۲ھ ، ۷۱ ب پر ۱۱۹۳ھ ۷۵ ب پر ۱۱۹۵ھ ۷۶ الف پر ۱۱۹۶ھ ۷۸ الف پر ۱۲۰۳ھ ۸۲ الف پر ۱۲۰۸ھ ۸۷ الف پر ۱۲۱۲ھ ۸۸ ب پر ۱۲۱۳ھ ۹۰الف پر ۱۲۱۸ھ ۹۴ب پر ۱۲۲۱ھ اور ۹۵ الف پر ۱۲۲۳ ھ پائے جاتے ھیں ۔ مؤخرالذکر کو سوق نے ''اکنوں'' سے تعبیر کیا ہے ۔

علاوہ ازیں ، مولوی غلام طیب بہاری کو لکھا ہے کہ ۱۱۹۷ھ (۱۷۸۳ع) میں رام پور کے اندر انتقال کیا ۔ میر درد اور ملا حسن فرنگی محلی کی وفات ۱۱۹۹ھ (۱۷۸۵ع) میں بتائی ہے اس تاریخ کا ایک قلمی نسخہ کتاب خانہ عالیہ رام پور میں محفوظ ہے ۔ شیخ عبدالرحمان ولد شیخ نتھو ساکن محلہ گوجرٹولہ نے ۱۲۷۰ھ (۱۸۵۳-۵۴ع) میں اسے رام پور میں لکھا ہے ۔ جلد ساز نے اس نسخے کو دو جلدوں میں تقسیم کردیا ہے ۔ اوراق کی تعداد ۳۳۴ اور سائز درمیانی ہے ، خط نستعلیق اور کتابت پر اغلاط ہے''[1]

اس کتاب کا یہ واحد خطی نسخہ ہے جو رضا لائبریری رام پور میں محفوظ ہے ۔ یہ ابھی تک شائع نہیں ہوئی ہے ۔

(۲) تکملہ الشعرائے جام جمشید

اس کی تالیف کا آغاز ۱۱۹۹ھ (۱۷۸۵ع) کے بعد ہوا ، اضافوں کا سلسلہ تقریباً ۱۲۱۳ھ (۱۷۹۸ع) تک جاری رہا ۔ سبب تالیف کے ذیل میں شوق نے لکھا ہے کہ جب میں ''جام جہاں نما'' کی تالیف سے فارغ ہوا تو بعض دوستوں نے فرمائش کی کہ اس تاریخ میں شعرائے فارسی

---

۱ - ''دستور الفصاحت'' مرتبہ امتیاز علی عرشی (رام پور ۱۹۴۳ع) صفحہ ۷ ۔

کا تذکرہ نہیں ہے ، لہٰذا اس کے تکملے کے طور پر یہ تصنیف کی گئی - مقدمے میں جن کتابوں سے استمداد کا ذکر ہے اُن میں سے چند یہ ہیں :

۱ - "ریاض الشعرا" : والہ داغستانی
۲ - "مجمع النفائس" : سراج الدین علی خان آرزو
۳ - "کلمات الشعرا" : افضل بیگ سرخوش
۴ - "سرو آزاد" : غلام علی آزاد بلگرامی
۵ - "منتخب اللطائف" : رحیم علی خاں

یہ تذکرہ دو مقالوں میں تقسیم ہوا ہے :

مقالۂ اول : در ذکر شعراے عرب
مقالۂ دوم : در ذکر شعراے عجم

"کتاب خانہ عالیہ رام پور میں اس کے دو قیمی نسخے ہیں - ایک ۱۲۱۸ھ (۱۸۰۳ع) میں حافظ غلام محی الدین[1] نے صاحب زادہ

---

۱ - پنج شنبہ غرہ شعبان ۱۲۱۸ھ کو تمام ہوا ، اس میں ۱۸۷ صفحے ہیں (اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۰ع) امیر مینائی نے "تذکرۂ انتخاب یادگار" کی تالیف میں اس سے فائدہ اٹھایا ہے - لیکن وہ اس کا نام غلط سمجھے ہیں - کاظم خاں شیدا کے حال میں (صفحہ ۱۸۶) "تذکرۂ طبقات الشعرا" لکھتے ہیں - اسی طرح میر ملہو صفت کے حال میں ہے (صفحہ ۲۰۳) - قائم چاندپوری کے ذکر میں لکھے ہیں : "فارسی کلام ان کا حسن قدر طبقات الشعرا تذکرۂ فارسی مولوی قدرت اللہ شوق میں پایا ، وہ لکھنے میں آیا" - (صفحہ ۳۰۱) میر محمد نعیم کے ذیل میں "تذکرۂ تکملۃ الشعرا" تالیف مولوی قدرت اللہ شوق (صفحہ ۳۸۹) اور حاجی گل محمد وفا کے ترجمے میں صرف "تذکرۂ مولوی قدرت اللہ شوق" (صفحہ ۳۹۵) لکھا ہے - اس سے ظاہر ہے کہ یہی "تکملۃ الشعراے جام جمشید" ان کا ماخذ رہا ہے اور وہ اسی کا نام غلطی سے "طبقات الشعرا" بھی سمجھے ہیں -

مظفرعلی خاں بہادر کے لیے رام پور میں لکھا ہے ۔ دوسرا مصنف کے دستخطی نسخے سے ۱۲۴۴ھ (۱۸۲۸ع) میں چند کاتبوں نے نقل کیا ، اور مالک کتاب محمد عبدالسلام ہاسمی نے ۱۲۴۵ھ (۱۸۲۹ع) میں ربیع الاول کی ۱۱ تاریخ کو اس کا منقول عنه ، سے مقابله انجام کو پہنچایا ۔

اول الذکر نسخے کے دیباچے اور خاتمے میں اس کا نام ''تکملہ الشعراے جام جمشید'' اور دوسرے کے دیباچے میں ''تکملۃ الشعرا و مخزن دو در'' اور خاتمے میں''تذکرہ تکملۂ جام جہاں نما معروف به تذکرۂ مخزن دو در'' لکھا ہے ۔

کتاب میں سال تالیف مذکور نہیں ، البته دیباچے میں مصنف نے یه ظاہر کردیا ہے که ''جام جہاں نما'' سے فراغت کے بعد بعض اعزا و احباب کی فرمایش سے اسے تصنیف کیا تھا ۔ ''جام جہاں نما'' ۱۱۹۱ھ (۱۷۷۷ع) میں ختم ہوئی تھی ، لہذا اسے اس سن کے بعد شروع ہونا چاہیے ۔ چوں که مرزا مظہر اور سودا متوفی ۱۱۹۵ھ (۱۷۸۱ع) کو متوفی اور میر تقی میر کو لکھنئو میں مقیم بتایا ہے اور میر ۱۱۹۶ھ (۱۷۸۲ع)[۱] کے قریب وہاں گئے ہیں اس لیے قیاس یه ہے که اسی سال میں اس کا آغاز ہوا ۔

رھین کو ، جو ''عقد ثریا'' کی تالیف کے وقت (۱۱۹۹ھ) زندہ تھا ، لکھا ہے که اس کے انتقال کو دو برس ہوئے ، خواجه میر درد متوفی ۱۱۹۹ھ (۱۷۸۵ع) کے انتقال کو چند سال بتاتے ہیں ۔ بیدار متوفی ۱۲۰۹ھ (۱۷۹۴ع) کو زندہ لکھا ہے ، قائم متوفی ۱۲۰۸ھ (۱۷۹۳ع) یا ۱۲۱۰ھ (۱۷۹۵ع) کو کہتا ہے که چند سال پہلے فوت ہوگئے ۔ شاہ عالم بادشاہ دہلی کو لکھا ہے

---

۱ ۔ مولانا عرشی نے میر کے سفر لکھنئو کا سن ۱۱۹۷ھ (۱۷۸۳ع) لکھا ہے ، ہم نے یہاں ترمیم کردی ہے ۔

کہ ۴۰ سال سے تخت دہلی پر متمکن ہیں۔ انھوں نے ۱۱۷۳ھ (۱۷۵۹ع) میں تخت پر قدم رکھا ہے۔ اس حساب سے چالیسواں سال ۱۲۱۳ھ (۱۷۹۸ع) میں ہونا چاہیے۔ حکیم عطاء اللہ خاں غمیں کو زندہ بتایا ہے۔ اور ان کا ''قطعہ تاریخ وفات چیری صاحب'' نقل کیا ہے، جس سے ۱۲۱۳ھ برآمد ہوتے ہیں اس سے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ ۱۲۱۳ھ کے بعد اس کی تکمیل ہوئی ہے[1]۔''

(۳) دیوان اردو :

مختلف شہادتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ قدرت اللہ شوق نے اپنا دیوان اردو مرتب کرلیا تھا لیکن اب وہ دستیاب نہیں ہوتا۔ اپنے کلام کا کچھ انتخاب خود شوق نے ''تذکرۂ طبقات الشعرا''میں دیا ہے۔ اس کے علاوہ مصحفی[2]، شیفتہ[3]، امیر مینائی[4]، اور پنڈت کیفی[5] کے تذکروں میں بھی انتخاب کلام موجود ہے۔

عبدالغفور نساخ نے لکھا ہے ''ان سے دو دیوان و تذکرۂ شعرا

---

۱ - ''دستورالفصاحت'' : صفحہ ۱-۲ (حواشی) پر رجوع سود :
اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۰ع ''تذکرہ نویسی فارسی در ہند و پاکستان'' (طبع تہران ۱۹۶۳ع) صفحات ۳۶۸ تا ۳۷۴ -

Storey : Persian Literature v, 1 pt II P. 877

۲ - ''ریاض الفصحا'' : صفحہ ۱۵۰ (۱۸ اشعار) -

۳ - '' گلشن بے خار'' : صفحہ ۱۱۲ (۱ شعر)

۴ - ''انتخاب یادگار'' : صفحہ ۱۸۰

۵ - ''خمخانہ جاوید''جلد پنجم : صفحہ ۸۲ (۳۹ اشعار) - یہاں یہ لکھنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اردو کا یہ مشہور شعر قدرت اللہ شوق کا رائدہ فکر ہے :

غافل مجھے کرتا ہے یہ گھڑیال منادی
گردوں نے گھڑی عمر کی اک اور گھٹا دی

ادگار ہیں'' لیکن اس عبارت سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ نساخ کی ظر سے گذرے ہیں ۔

پنڈت کیفی کا بیان ہے کہ دیوان شوق ان کے کتب خانے یں موجود تھا ۔[2] پنڈت کیفی کا ذخیرۂ کتب اُن کی زندگی ہی میں ہت کچھ منتشر ہوگیا تھا ، اب میں یہ بتانے سے قاصر ہوں کہ ہ نسخہ کہاں ہوسکتا ہے ۔

(۴) تذکرہ طبقات الشعرا

یہی زیرنظر کتاب ہے اور اس پر گفتگو آئندہ اوراق میں ہوگی ۔

لامذہ

قدرت اللہ شوق کا شمار اپنے زمانے کے اساتذہ میں ہوتا تھا ۔ امپور اور اس کے نواح میں اُن کے شاگردوں کی خاصی تعداد رم سخن تھی ۔ مصحفی نے لکھا ہے :

''اکثر مردم آن نواح بہ حلقۂ شا گردش در آمدند ۔''[3]

اور شیفتہ کہتے ہیں کہ ''در حرگۂ فضلا ثبت است'' [4]

مختلف ذرائع سے شوق کے مندرجہ ذیل تلامذہ کا حال معلوم وتا ہے :

۱) اخون زادہ احمد خاں عملت: (''تذکرہ کاملان رام پور'' صفحہ ۸، ''انتخاب یادگار'' صفحہ ۲۶۵)[5] انھوں نے یکم ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ مطابق ۲۳ دسمبر ۱۸۴۳ ع کو انتقال کیا ۔ صاحب دیوان تھے ۔

---

۱ ۔ ''سخن شعرا'' ۔ صفحہ ۲۵۵ ۔

۲ ۔ ''خمخانۂ جاوید'' جلد پنجم ۔ صفحہ ۸۲ ۔

۳ ۔ ''ریاض الفصحا'' ۔ صفحہ ۱۵۰ ۔

۴ ۔ ''گلشن بے خار'' ۔ صفحہ ۱۱۲ ۔

۵ ۔ آئندہ حوالوں میں ''تذکرۂ کاملان رام پور'' کا مخفف کاملان ر ''انتخاب یادگار'' کا یادگار استعمال ہوا ہے ۔

(۲) حکیم احمد خاں فاخر : اردو میں شوق کے شاگرد تھے ، ۱۱۹۸ھ (۱۷۸۳ ع) میں پیدا ہوئے ۱۴ - صفر ۱۲۹۰ھ (۱۸۷۳ ع)کو وفات ہوئی - فن طب میں متعدد کتابوں کے مصنف ہوے (کاملان/۸ - ۹ نیز یادگار/۲۸۰)

(۳) الہ داد عرف شہراتی مخلص طالب : متوفی ۲۹ - شوال ۱۲۷۵ھ مطابق مئی ۱۸۵۹ ع (کاملان/۵۲ یادگار/۲۰۸)

(۴) غلام قادر مسکین والد مولوی فخرالدین : متوفی ۱۳ - رمضان ۱۲۱۶ھ مطابق جنوری ۱۸۰۲ع (کاملان/۳۰۱ یادگار/۳۴۱)

(۵) غلام محمد خان ساهر : متوفی ۱۲۲۵ھ (۱۸۱۰ ع) (کاملان/۳۰۳ یادگار/۳۳۴)

(۶) عنبر شاہ خاں آسفتہ[1] : فارسی میں شوق کے شاگرد تھے (یادگار طبقہ دوم/۵ - تذکرہ هندی/)

(۷) احمد خاں احمد : متوفی ۸ شعبان ۱۲۲۱ھ مطابق ۲۱ اکتوبر ۱۸۰۶ع (یادگار طبقہ دوم/۱۰)

(۸) شیخ غلام علی حرف : متوفی ۱۲۴۴ھ (۱۸۲۸ع) (یادگار طبقہ ۲ /۱۰۸)

(۹) شیخ کریم الدین صنعت : متوفی ۳ - محرم ۱۲۶۵ھ مطابق ۳۰ - نومبر ۱۸۴۸ع یادگار طبقہ ۲/۲۰۴)

(۱۰) میرزا سکھو عرف کرم خاں کرم : متوفی ۷ - ذی‌الحجہ ۱۲۵۳ھ مطابق ۵ - مارچ ۱۸۳۸ع (یادگار طبقہ ۲/۳۱۴)

(۱۱) میر محب علی مفلس : متوفی ۱۲۲۳ھ (۱۸۰۸ع) (یادگار/۳۴۷)

(۱۲) ناصر خاں ناصر : متوفی ۱۲۰۲ھ (۱۷۸۷ع) (یادگار/۳۷۱)

---

۱ - یہ لائق ذکر ہے کہ نظام رام پوری کے استاد اور پیر و مرشد، احمد علی احمد ، انھیں عنبر شاہ خاں آسفتہ کے شاگرد تھے (یادگار طبقہ ۲/۹) اس طرح نظام کا سلسلۂ تلمذ بھی شوق تک پہنچتا ہے ۔

(۱۳) مستقیم خان وسعت : متوفی ۹ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۶ھ مطابق ۲۷ اکتوبر ۱۸۳۰ع چہار شنبہ بہ عمر ۶۸ سال (تاریخ لطیف) (یادگار/۳۹۴)

احباب

قدرت اللہ شوق نے اس تذکرے میں اپنے دوستوں اور ملاقاتیوں کا بیان کثرت سے کیا ھے - آخری مقالہ خصوصیت سے اُنھیں شعرا کے بیان میں ھے جو مؤلف سے قرابت قریبہ رکھتے تھے یا اُن سے دوستانہ تعلقات تھے - اس ضمن میں جو نام آئے ھیں اُنھیں سہولت کے پیش نظر تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ھے -

(الف) جن سے قدرت اللہ شوق اپنی رشتہ داری کا مدعی ھے ، اُن میں صرف ایک نام شیخ محمد واصل کا آتا ھے -

(ب) جو شعرا اس کے احباب میں شامل تھے اُن میں سے چند کے نام یہ ھیں :

قدرت اللہ بلیغ (۱۶۱ الف)
صدرالدین خان وحشت (۱۸۵ ب)
نواب نصراللہ خان سلطان (۲۰۹ ب)
محمد معصوم ھمدم (۲۱۱ الف)
محمد شرف عاصی (۲۱۲ الف)
احمد خان (۲۱۵ ب)
عزیز خان بے جان (۲۲۰ ب)
غلام جیلانی رفعت [۱] (متوفی ۲۷ - ذی الحجہ ۱۲۳۴ھ مطابق ۱۶ - اکتوبر ۱۸۱۹ع دو شنبہ بہ وقت چاشت ، بہ عمر ۸۰ سال) (۲۲۷ الف)

---

۱ - رک : ”تذکرۂ کاملان رام پور“ صفحہ ۲۸۴ -

الف خاں ذوق (۲۳۷ ب)
میر حسن مائل (۲۴۳ ب)
سید کرم علی (۲۵۳ الف)
اعزالدین عزیز (۲۵۷ الف)
حیات اللہ بدایونی (۲۶۱ الف)
حافظ بدھا شیفتہ (۲۶۶ الف)
ولی اللہ سندبلوی (۲۶۹ الف)
محمد نصیر (۲۷۰ ب)
محمد ںلاقی خاکسار (۲۷۴ ب)
محمد اکرم آشنا [1] (۲۸۵ الف) (متوفی ۱۲۳۳ھ ۱۸۱۸ع
به عمر ۵۷ سال)

(ج) مندرجہ ذیل شعرا سے وہ ذاتی ملاقات کا دعوی کرتا ہے :
میرزا مظہر (۲۶ الف)
میر سوز (۹۷ الف)
فضل علی ممتاز (۱۰۵ ب)
مراد علی حسرت (۱۰۶ الف)
اکرام اللہ محسر (۱۱۱ الف)
فیض اللہ بیگ فدوی (۱۱۶ الف)
علی محمد خنداں (۱۴۱ الف)
جلیل شاہ سائل (۱۵۶ الف)
نواب محمد یار خاں امیر (۱۸۸ الف)
نواب فیض اللہ خاں امید (۲۱۳ ب)

---

۱ - یہ مولوی عبدالقادر غمگیں رام پوری (مرتب روز نامچہ) کے والد ھیں - حالات کے لیے رک : ''وقائع عبدالقادر خانی'' صفحہ ۴۹ - ۵۰ (اردو ترجمہ) (''انتخاب یادگار'' صفحہ ٦ میں سال وفات ۱۲۲۹ھ صحیح نہیں ہے)

دوست علی عشق (۲۵۹ ب)
محمد جلس جلس (۲۵۸ ب)

قصۂ پدماوت کی تکمیل

قدرت اللہ شوق کا ایک بالواسطہ کارنامہ اور بھی ہے ۔ یعنی حکیم ضیاءالدین عبرت (متوفی ۱۲۰۳ھ) نے نواب مجو خاں (متوفی ۱۲۰۹ھ) کی فرمائش پر ہندی کے مشہور قصہ پدماوت کو اردو میں نظم کرنا شروع کیا تھا ، لیکن ابھی اسے مکمل نہ کرنے پائے تھے جو آن کی اپنی زندگی کا افسانہ تمام ہوگیا ۔ اور یہ کتاب نا تمام رہ گئی ۔ قدرت اللہ شوق نے اس حصے کی تکمیل کے لیے غلام علی عشرت بریلوی (متوفی ۲۸ شوال ۱۲۳۶ھ)[1] سے فرمائش کی ۔ انھوں نے اسے ڈیڑھ مہینے میں نظم کر ڈالا اور اس طرح یہ ادھوری تصنیف ضائع ہونے سے بچ گئی ۔ اس کا بیان خود غلام علی عشرت نے ان لفظوں میں کیا ہے :

"۔ ۔ ۔ ۔ خاکسار بے مقدار سید غلام علی مشہدی متخلص بہ عشرت ، ساکن بریلی ، ابجد خوان دبستان مرزا علی لطف صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ ، کو ذات با برکات آن کی ، ذوق باب شعر و شاعری کی کلام کرامت نظام مرزا رفیع السودا مرحوم و مغفور سے ہے ، بلکہ شاگرد رشید ان کے ہیں ، چند روز سے سنہ

---

۱ ۔ "ہائے مہر عشرت" مادہ تاریخ وفات ہے ۔ انتقال ۲۸ شوال ۱۲۳۶ھ کو ہوا تھا ۔ سن میلادی کے مطابق ۲۹ جولائی ۱۸۲۱ع روز یکشنبہ ہے ۔ (ملاحظہ ہو : "تاریخ لطیف" قلمی نسخہ رامپور ، بہ حوالہ "نگار" جولائی ۱۹۶۳ع)

"تذکرہ کاملان رامپور" میں ۱۲۲۶ھ غلط لکھا ہوا ہے ۔ (کاملان صفحہ ۳۰۲)

بارہ سو گیارہ میں درمیان شہر رامپور کے . . . .
بہ جہت الفت بعضے یاراں . . . . وارد تھا ۔ بلکہ
بیچ سرکار . . . . محمد عثمان خان و احمد خان صاحب
سلمہا الرحمان کہ خاندان . . . فیض اللہ خان مرحوم . . .
سے سوائے رشتۂ خواہر زادگی کے نسبت فرزندگی . . . .
بھی رکھتے ہیں ، سر رشتہ روزگار . . . رکھتا تھا . . .
شب و روز ان کی بندگی میں تھا ، اور واسطے
حظ طبع اُن کے ، غزلیات تازہ کہتا ، اور علاوہ
سب دوستان انیس بزم موافقت اور محبان جلیس محفل
مودّت کے رابطہ الفت کا بیچ خدمت فیض درجت
مولوی صاحب ، مشفق ، فیض رساں ، مظہر کرم و
احسان ، مولوی قدرت اللہ صاحب کی ، زیادہ رکھتا تھا
اور اکثر اوقات بیچ خدمت شریف اس مطرح تجلیات
انرد بے ہمال اور مسند نشین فضل وکمال دینی و دنیوی
کے ، کہ آن کو بھی ذوق شعر و شاعری سے کمال ہے ،
بلکہ تخلص بھی اپنا سوق فرماتے ہیں ، حاضر ہوتا اور
خاص بعد نماز جمعہ متبرکہ کے ، ان کے مکان جنت نشان
پر مشاعرے میں داخل ہوکر گل ہائے غزلیات تازہ
و شعر ہائے بلند آوازہ شعرائے شہر وغیرہ سے دامن
گوش و ہوش اپنے کو بھرتا اور خزف پارہ ہائے
فکر ناقص اپنی کو بھی مقابل جواہر زواہر ان
جوہریان بازار سخن دانی کے کرتا چنانچہ ایک مجلس
مشاعرہ میں کہ شعرائے کہین و مہین ، بہ صدائے
رنگین مشغول غزل خوانی تھے . . . . اس روز بعد
غزل خوانی کے مولوی صاحب فیض رسان ، سلمہ الرحمان

بہ کمال اشفاق مشفقانہ و بسیار اخلاق استادانہ طرف اس غریب کے ، کہ ساگردی آن کے تلمیذان کرامت بیان کی فخر اپنا جانتا ھے ، متوجہ ھوکر فرمانے لگے کہ ایک فرمائش ھماری ھے ، اگر تم خوشی خاطر ھماری کو تکلیف اپنی پر مقدم رکھ کر اقبال اس کا کرو تو عین سلوک و احسان ھے ۔ میں نے عرض کیا کہ ھر چند یہ ھیچ مداں اس لائق تو نہیں کہ کچھ کام آپ کا اس پر موقوف ھو ، لیکن فرمائیے کہ فدوی فرمائش عالی کو موجب سعادت دارین کا جان کر بہ جان و دل مصروف ھو ۔ بارے مولوی صاحب نے طوطی زبان . . کو . . . . یوں مترنم کیا . . . کہ "ایک عزیز . . . میر ضیاءالدین نام متخلص بہ عبرت ، متوطن شاہ جھان‌آباد خوش باس قصبہ رامپور ھمارے آشنا تھے . . . . گاہ گاہ مشق شعر کی بھی فرماتے اور علم طبابت میں ہوے سبقت . . . اطباے زمانہ سے لے گئے تھے . . . وہ . . . درج سلک رفقاے نجو خاں مرحوم کے ھم سلک ھوکر خلوت و جلوت میں انیس و جلیس رھتے ، بس کہ اس خان والا شان کو بھی شوق سعر خوانی اور معنی رسی اور زبان دانی کا زیادہ تھا ، اکثر بہ پاس خاطر عاطر اس کے اشعار فارسی و ھندی کے کہتے ۔ علی ھذا القیاس بہ فرمائش اس خلاصۂ دود مان حشمت . . . کے انھوں نے قصہ راجا رتن‌سین اور پدماوت کا کہ زبان پوربی میں تصنیف مولانا ملک محمد جایسی کا ھے زبان ریختہ میں تصنیف کرنا شروع کیا ، اور بہ مقدور اپنے کوئی دقیقہ

شعر و شاعری کا فوت و فروگذاشت نہ کیا ۔ القصہ چہارم حصہ اس قصے کا بہ نکات عجیب و لطیف . . . قلم . . . سے اپنے یہاں تک تحریر . . . . کیا کہ راجا رتن سین مالک چتوڑ کا ، شور انگیزیٔ عشق پدم . . سے . . . جوگی ہوا اور . . . سہر اپنے سے ساتھ سولہ ہزار رفیق . . . وساطت اسی طوطی شکر مقال کی سے . . . مدت مدید . . . میں نواح شہر سنگل دیپ میں داخل ہو کر ایک پرستش گاہ میں کہ قریب باغ پدم کے تھی ، ڈیرہ دیا اور طوطی نے خبر راجا رتن کی کہ جس حس رخ سے مع لشکر سولہ ہزار جوگی کے آیا تھا ، پدم کو پہنچائی . . . یہ حکایت نہایت کو پہنچی کہ ضیاءالدین عبرت کو مرض الموت ہوا ، اور . . . طرف دارالبقا کی قدم رنجہ فرمایا ۔ اب عرصہ سات آٹھ برس کا گزرا کہ کوئی موزوں طبع کچھ کچھ اپنے جی میں سمجھ کر ، واسطے تمام کرنے اس کلام درد التئام کے دست انداز نہ ہوا ، اور وہ صاحب فرمائش . . . یعنی نجو خاں سپہ سالار بھی بیچ کار زار فرنگیاں آتش بار کے ، رفاقت نواب غلام محمد خاں پسر نواب فیض اللہ خاں مرحوم . . . میں . . . بنام آوری تمام کام آیا ۔ مہربان ، اب استدعا اور آرزو ہم مشتاقوں کی یہ ہے بہ سبب فکر تمھاری کے یہ قصہ عجیب و غریب باقی ماندہ بیچ سلک نظم آبدار کی ، آب و تاب

---

۱ ۔ یہ اشارہ اس طرف ہے کہ اس قصے کی تصنیف کو منحوس جان کر شعرا ہاتھ ڈالتے ہوئے وہم کرتے تھے ۔ اور یہ گمان کرتے تھے کہ جو اسے مکمل کرنا چاہے گا اس کی زندگی وفا نہیں کرے گی ۔

انتظام کی پاوے'' ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الغرض ترغیب دینے مولوی صاحب سے ، اور بھی کرم فرما میرے ، چنانچہ ۔ ۔ ۔ حافظ ندہن ۔ ۔ ۔ سفتہ اور خلف الرشید ان کے ۔ ۔ ۔ حافظ سیح الاسلام ادھم و ۔ ۔ ۔ مولوی غلام جیلانی رفعت ، و ھمت خان ھمت و مرزا کرامت علی اکرم و عنبر شاہ ۔ ۔ ۔ ۔ آسفتہ و ۔ ۔ ۔ ۔ شجاعت علی نسیم و کبیر خاں تسلیم ، و سید رفیع الدرجات ۔ ۔ ۔ نور چشم ضیاءالدین عبرت اور کئی آشنا مجبور اس کے ہوئے کہ نظم کرنا قصۂ باقی ماندہ کا عین صلاح ہے ۔ ۔ ۔ میں نے بہ پاس خاطر مولوی قدرت اللہ شوق وغیرہ سے (کذا) باقی ماندہ یہ قصہ ۔ ۔ عرصہ یک و نیم ماہ میں ، ساتھ اس جلدی کے انصرام پانا اس کلام کا محال تھا ، تمام کیا ۔ ۔ ۔ اور مادۂ تاریخ اتمام ۔ ۔ ۔ کا سوائے الفاظ تصنیف دو شاعر کے بہتر نہ پایا ، بلکہ یہ تاریخ ایسی مناسب اور انسب ہوئی کہ شعرائے شہر وغیرہ صغیر و کبیر کو رشک آیا اور سب نے متفق ہو کے فرمایا کہ یہ مادہ تاریخ کا الہام غیبی ہے ۔ ۔ ۔ سنہ بارہ سو گیارہ بے کم و کاست بر آئے'' [1]

---

۱ - دیباچہ ''مثنوی پدماوت'' اردو ، (طبع بہارت الیکٹرک پریس سہارن پور ۱۹۳۰ع)

مرجوع شود : ''کاملان رام پور'' صفحہ ۳۰۱-۳۰۲ ، ''قومی زبان'' (کراچی) جلد ۲۶ شمارہ ۵(مئی ۱۹۶۵ع) ''ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں'' صفحات ۱۵۴ تا ۱۵۶ -

اسی دیباچے سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ قدرت اللہ شوق کے مکان پر ہر جمعہ کو نماز جمعہ کے بعد محفل مشاعرہ منعقد ہوتی تھی ، غالباً یہ مشاعرہ طرحی ہوتا تھا ۔ ''طبقات الشعرا '' میں بیشتر ہم عصر شعرا کی ہم طرح غزلیں درج ہوئی ہیں ، عجب نہیں کہ یہ انھیں مشاعروں میں پڑھی گئی ہوں ۔ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ مشاعرے میں پڑھی جانے والی غزلوں کے مسودات حاصل کر لیے جاتے تھے اور ترتیب تذکرہ کے وقت وہی سب سے اہم مسالے کے طور پر استعمال ہوئے ہیں ۔

وفات

شوق نے کتنی عمر پائی ، اس کا ہمیں علم نہیں ۔ انھوں نے ۱۲۲۴ھ (مطابق ۱۸۱۰ع) میں انتقال کیا جیسا کہ حکیم احمد خاں فاخر کے نوشتہ[1] قطعہ تاریخ وفات سے ظاہر ہوتا ہے :

سفر کرد از جہاں چوں حضرت شوق
بر آورد از زباں ہر یک بشر ہائے
دلم تاریخ گفت ، از روئے افسوس = ۱
سراج شاعری از بزم شد وائے = ۱۲۲۳ + ۱ = ۱۲۲۴ھ

اُن کے مدفن کا سراغ بھی نہیں ملا ۔ قیاس چاہتا ہے کہ اُنھوں نے رام پور ہی میں انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے ہوں گے ۔ اُن کی اولاد اور اعقاب کا حال بھی معلوم نہیں ہوتا ۔

---

۱ ۔ ''انتخاب یادگار'' صفحہ ۱۸۳ ۔ یہ قطعہ ''تاریخ لطیف'' مؤلفہ مہدی علی خاں رام پور (قلمی نسخہ رام پور) میں بھی موجود ہے ۔ نیز ملاحظہ ہو رسالہ ''نگار'' رام پور (ایڈیٹر : اکبر علی خاں) جولائی ۱۹۶۳ع اور ''تذکرۂ سمیم سخن'' از عبدالحئی صفا بدایونی (۱۸۸۴ع) صفحہ ۱۴۱ ۔

(۲)

طبقات الشعرا

یہ تذکرہ ، قدرت اللہ شوق کی سب تصانیف میں بہت اہمیت کا حامل ہے ۔ اور چوں کہ اس کی کم یابی نے بہت سی غلط فہمیوں کو عام کردیا ہے ، اس لیے یہاں ہم اس کا تعارف قدرے تفصیل کے ساتھ پیش کریں گے ۔

سب سے پہلے تذکرے کے نام کا مسئلہ آتا ہے ۔ اس کے متعدد نام ملتے ہیں : خود شوق نے ''تکملہ الشعرا'' میں اس کا مختلف جگہوں پر جدا جدا ناموں سے ذکر کیا ہے ، کہیں اس کا نام ''تذکرۂ ہندی[1]'' ، کہیں ''حقیقۃ الشعرا[2]'' ، کہیں ''تذکرۂ طبقات شعرائے ہندی[3]'' اورکہیں ''طبقات الشعرا[4]'' لکھا ہے ،

دراصل اس کا نام شوق نے ''طبقات الشعرا'' ہی رکھا تھا ، اس لیے کہ اس میں شعرا کا حال طبقات میں تقسیم کر کے درج کیا گیا ہے ۔ اور یہی دیباچۂ تذکرہ سے ظاہر ہوتا ہے ۔ لیکن ''حقیقت ِ شعرا'' (بدون الف لام) اس کا تاریخی نام ہے جو اعزالدین عزیز عثمانی بدایونی نے برآمد کیا تھا[5] ۔ اس سے کتاب کا سال اتمام ۱۱۸۹ھ (۱۷۷۵ع) نکلتا ہے ۔ یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے اس کا نام ''حقیقت شعرا'' ہی

---

۱ - ''تکملۃالشعرائے جام جمشید'' (قلمی رام پور) ورق ۱۴۷ ب ۔

۲ - '' امیر بدایونی . . . کہ ہے سعر ریختہ ہم می گفت ، چناں چہ در تذکرۂ حقیقۃ الشعرا اشعار او ا ثبت نوشتہ شد'' ('' تکملہ الشعرائے جام جمشید'' ۔ صفحہ ۷۸)

۳ - ''تذکرۂ طبقات الشعرا'' (قلمی) ورق ۔

۴ - '' اس مختصر کہ مسمی بہ طبقات الشعرا است . . .'' (دیباچہ ''طبقات الشعرا'' ورق ۲ الف ، نسخۂ آصفیہ)

۵ - ''تذکرہ طبقات الشعرا'' (قلمی نسخہ آصفیہ) ورق ۲۵۷ الف ۔

رکھا گیا ہو ، اور روایت ثانی کے تیار کرتے وقت جب کچھ مقالوں کا اضافہ کیا گیا تو نام ''طبقات السعرا'' رکھ دیا گیا ہو ۔ لیکن اس کی کوئی سہادت موجود نہیں ہے ۔

یہ تذکرہ مدت تک نایاب رہا اور آج بھی بہت کمیاب ہے ۔ مگر اس کا حوالہ اکثر اصحاب کو پریشان کرتا رہا ہے ۔ احمد علی خاں شوق نے ۱۹۳۰ع میں لکھا تھا کہ '' اس وقت تک تذکرہ جمیعت الشعرا ، جس میں اردو کلام جمع (کذا) کیا ہے میری نظر سے نہیں گذرا ۔''[1] عبدالغفور نساخ نے بھی لکھا ہے کہ '' ان سے دیوان و تذکرۂ شعرا یادگار ہیں ۔''[2] لیکن اس بیان سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ نساخ نے دیکھے بھی ہیں ۔

اس تذکرے کے وجود خارجی کا علم غالبا سب سے پہلے پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی کو ہوا اور انھوں نے ہمیں باخبر کیا :

> ''سعرائے اردو کا ایک تذکرہ ان سے یادگار ہے ۔ جس کا نام طبقات السعرا ہے جو مؤلف کے کتب خانے میں موجود ہے ۔ افسوس ہے کہ یہ تذکرہ اب تک طبع نہیں ہوا ۔ شاعروں کے متعلق آپ اپنے زمانے کے بہترین محققوں میں تھے ۔ ''تذکرہ طبقات الشعرا'' کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ معاصرین اور قدما کے حالات اور کلام کی تفتیش و تحقیق میں آپ نے بہت کاوش کی ہے ۔''[3]

مؤلف ''خمخانۂ جاوید'' کا یہ بیان کہ شوق ''شاعروں کے متعلق اپنے زمانے کے بہترین محققوں میں تھے'' بہت بڑا مبالغہ ہے ۔

---

۱ ۔ ''اورینٹل کالج میگزین''(لاہور) نومبر ۱۹۳۰ع ۔
۲ ۔ ''سخن سعرا'' صفحہ ۲۵۵
۳ ۔ ''خمخانۂ جاوید''جلد پنجم صفحہ ۸۲ ۔

تذکرے کی اہمیت

مصحفی ، اعظم الدولہ سرور اور امیر مینائی بہ ظاہر تذکرۂ شوق کے وجود سے بے خبر ہیں ادبی بہت سی کوتاہیوں کے باوجود یہ تذکرہ بعض خصوصیات کا حامل ہے - پہلی خصوصیت تو یہ کہ اس میں بیشتر ہم عصر شعرا کے کلام کا انتخاب خود ان شاعروں کے مسودات سے لیا گیا ہے - ان میں میر تقی میر بھی شامل ہیں جو تالیف تذکرہ کے وقت راجا ناگرمل کے متوسلین میں داخل تھے :

''محمد تقی میر . . . مصنف تذکرہ شعرائے ہندوستان . . .
اکثر سخن طرازان و معنی دانان ، محاورات و روز مرات
این فن ازایشان اخذ نمودہ . . . ازمدتے بہ سبب افراط
و تفریط روزگار ، ہمراہ ناگرمل کہ دیوان فن و دخیل
پادشاہی بود ، درقلعۂ ڈیگ سنیدہ می شود ، حق تعالیٰ
زندہ دارد . . .[1] ''

''از غزلیات تازہ اوست کہ بایں راقم الحروف نوشتہ[2] . . .''

اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ۱۱۸۸ھ (۱۷۷۴ع) میں میر ، راجا ناگرمل کے ساتھ تھے ، اور انتخاب غزلیات سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس سن تک وہ کون کون سی غزلیں کہہ چکے تھے -

ثانیاً اس تذکرے میں بیشتر شعرا شوق کے ہم عصر ہیں اور علاقہ روہیل کھنڈ ، خصوصاً رام پور کے باشندے ہیں - یہ تخصیص فنِ تذکرہ نویسی کے لحاظ سے قابل تعریف نہ سہی ، لیکن اس سے بارھویں صدی ہجری (اٹھارھویں صدی عیسوی) کے نصف آخر میں ریاست رام پور کا علمی و ادبی ماحول سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے اس

---

۱ - ''طبقات الشعرا'' (قلمی) ورق ۸۶ ب و ۸۷ الف -
۲ - ''طبقات الشعرا'' (قلمی) ورق ۹۳ الف -

تذکرے کا مطالعہ کرتے ہوئے آپ جا بہ جا یہ حوالہ پائیں گے کہ انتخاب کلام خود شاعر نے تیار کر کے دیا، یا اس کی بیاض سے نقل کیا گیا اور جیسا کہ ہم نے دیباچۂ "پدماوت" کے حوالے سے لکھا ہے، شوق کے مکان پر ہر جمعہ کو بعد نماز جمعہ محفل مشاعرہ بھی منعقد ہوتی تھی اور غالباً یہ طرحی محفل سخن تھی - اسی مشاعرے کی بیشتر ہم طرح غزلیں تذکرے میں درج ہوئی ہیں -

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ "طبقات الشعرا" بہ اعتبار ترتیب زمانی اردو شاعروں کا آٹھواں تذکرہ ہے اور طبقاتی تقسیم کی بنیاد پر مرتب ہونے والے تذکروں میں اس کا دوسرا نمبر ہے - اس نہج کا پہلا تذکرہ، جو زمانا بھی اس سے مقدم ہے - قائم چاندپوری کا "مخزن نکات" ہے جس کا زمانۂ تالیف مابین ۱۱۵۶ھ و ۱۱۶۸ھ ہے[1] میر حسن دہلوی نے بھی اپنے "تذکرہ شعرائے اردو" میں، شعرا کو تین طبقوں (متقدمین، متوسطین، متاخرین) میں تقسیم کیا ہے - لیکن وہ بہ اعتبار زمانہ تذکرۂ شوق کے بعد آتا ہے - اس کی تالیف کا اتمام ۱۱۹۱ھ (۱۷۷۷ع) میں ہوا گو داخلی قرائن کے زمانۂ آغاز ۱۱۸۴ھ (۱۷۷۰ع) معلوم ہوتا ہے - مگر تذکرۂ شوق کی روایت اولیں ۱۱۸۹ھ (۱۷۷۵ع) میں تمام ہو چکی تھی -

اس طرح قدرت اللہ شوق کا یہ تذکرہ، شعرائے اردو کے قدیم ترین تذکروں میں شمار کیا جا سکتا ہے - اس دور میں جو

---

۱ - زمانۂ تالیف کی بحث کے لیے مقدمہ "دستور الفصاحت" مرتبہ امتیاز علی عرشی ملاحظہ ہو — راقم الحروف کا بھی یہ خیال ہے کہ قائم چاندپوری کا تذکرہ، میر کے "نکات الشعرا" پر تقدم رکھتا ہے (رک: دہلی کالج میگزین: میر نمبر ۱۹۶۲ع)

تذکرے لکھے گئے اور اب دستیاب ہوتے ہیں ۔ ان کے نام یہ ہیں :

۱ ۔ نکات الشعرا : میر تقی میر ۱۱۶۵ ھ (۲-۱۷۵۱ع)

۲ ۔ مخزن نکات : قائم چاندپوری ۱۱۶۸ ھ (۵-۱۷۵۴ع)

۳ ۔ تذکرہ ریختہ گویاں : فتح علی حسینی گردیزی ۱۱۶۸ ھ (۵-۱۷۵۴ع)

۴ ۔ تذکرہ گلشن گفتار : خواجہ خان حمید اورنگ آبادی ۱۱۶۵ ھ (۲-۱۷۵۱ع)

۵ ۔ تذکرہ ریاض حسنی : خواجہ عنایت اللہ فتوت اورنگ آبادی ۱۱۶۸ ھ (۵-۱۷۵۴ع)

۶ ۔ تحفۃ الشعرا : افضل بیگ قاقشال اورنگ آبادی ۱۱۶۵ ھ (۲-۱۷۵۱ع)

۷ ۔ چمنستان شعرا : لچھمی نرائن شفیق ۱۱۷۵ ھ (۲-۱۷۶۱ع)

۸ ۔ طبقات الشعرا : قدرت اللہ شوق ۱۱۸۸ ھ (۱۷۷۴ع)

۹ ۔ تذکرہ شعرائے اردو : میر حسن دہلوی ۱۱۹۱ ھ (۱۷۷۷ع)

ان تذکروں میں فتوت کا ''تذکرۂ ریاض حسنی''[۲] ہنوز

---

۱ ۔ قاسم نے تذکرہ سودا کا حوالہ دیا ہے ، لیکن یہ کسی غلط فہمی پر مبنی معلوم ہوتا ہے ۔ اسی طرح میر حسن نے عہد محمد شاہ میں امام الدین کے تذکرہ تالیف کرنے کا ذکر کیا ہے ۔ یہ اب دستیاب نہیں ہوتا ۔ اس لیے ان دونوں کو ہم نے شمار نہیں کیا ۔

۲ ۔ اس کا قلمی نسخہ سنٹرل رکارڈس آفس ، (ارم منزل حیدر آباد) میں محفوظ ہے ۔ اس کا تعارف نصیر الدین ہاشمی مرحوم نے سہ ماہی ''نوائے ادب'' (بمبئی) جلد ۷ شمارہ ۲ بابت اپریل ۱۹۵۶ع میں کرا دیا تھا ۔ (نیز ''ہندوستانی'' جنوری ۱۹۳۶ع)

غیر مطبوعہ ہے ۔ باقی تذکرے شائع ہوچکے ہیں ۔

زمانۂ تالیف

تذکرۂ شوق کا زمانۂ تالیف متعین کرنا کچھ ایسا دشوار طلب مسئلہ نہیں ہے ۔ لیکن بعض متاخرین کے بیانات اور کچھ داخلی قرائن نے اس میں الجھن پیدا کر دی ہے ۔ مثلاً شیخ چاند نے مرزا رفیع سودا کے ۱۱۸۸ ھ سے قبل کے کلام پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''اس سنہ میں دو تذکرے لکھے گئے ۔ ایک تو قدرت اللہ شوق کا ''طبقات الشعرا'' دوسرا میر حسن کا ''تذکرہ شعرائے هندی''(کذا) ۔ ان دونوں تذکروں کے سنین تالیف زیادہ صاف اور یقینی نہیں ۔ شوق نے پہلی مرتبہ ۱۱۸۸ھ میں اپنا تذکرہ لکھا پھر ۱۲۰۹ ھ میں اس میں معتدبہ اضافہ کیا ۔ لیکن ۱۱۸۸ھ میں جن شاعروں کا حال لکھا ہے ۔ ترمیم کے بعد ان کے کلام کے نمونوں میں بہت کم تبدیلی کی ہے ۔ ہمارے پیش نظر ۱۱۸۸ ھ اور ۱۲۰۹ ھ کے دونوں تذکرے ہیں''[۱]۔

شیخ چاند کے مندرجہ بالا بیان کی تنقیح ضروری ہے ۔ شوق کے تذکرے کا زمانۂ تالیف کیا ہے اس سے تو آئندہ سطور میں بحث ہوگی ۔ لیکن میر حسن کے تذکرے کو بھی انھوں نے ۱۱۸۸ھ (۱۷۷۴ع) کے مؤلفات میں شمار کیا ہے ۔ یہ محل نظر ہے ۔ میر حسن نے خود اپنے تذکرے کا سن اختتام ''یک هزار و یک صد و نو دو یک'' لکھا ہے ظاہرا اس کی تسوید کا کام ۱۱۸۸ ھ (۱۷۷۴ع) کے بعد ہوا ۔ اگرچہ مواد کی فراہمی ۱۱۸۴ھ (۱۷۷۰ع) سے شروع ہوچکی تھی ۔[۲]

۱۔ ''سودا'' صفحہ ۱۲۷ (نیز کتابیات کے ذیل میں صفحہ ۳۹۴)۔

۲ ۔ زمانۂ تالیف کی بحث مقدمہ ''دستور الفصاحت'' ، مرتبہ امتیاز علی عرشی میں ملاحظہ ہو ۔

رہا ''طبقات الشعرا'' کا زمانۂ تالیف ، اسے متعین کرنا کچھ دشوار نہیں ۔ تاریخ آغاز کا علم تو خود تذکرے کے دیباچے سے ہوجاتا ہے : '' در سنہ یک ہزار و یک صد و ہشتاد و ہشت ہجری در سلک تحریر آوردم۔''[1] اور داخلی شواہد سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ پہلی روایت کا اکثر حصہ اسی سن میں لکھا گیا تھا ۔ چناں‌چہ نواب محمد یار خاں اسیر کے حال میں لکھا ہے : ''قریب یک ماہ شد کہ ازیں جہان فانی رحلت نمودہ ۔''[2] نواب محمد یار خان نے یکم ذی قعدہ ۱۱۸۸ ھ مطابق ۳ جنوری ۱۷۷۵ع کو بہ مرض استسقا و سل انتقال کیا تھا ،[3] اس حساب سے ترجمۂ اسیر ذی‌الحجہ ۱۱۸۸ ھ میں لکھا گیا ہے ۔

عزیز بدایونی کے حال میں لکھا ہے کہ انھوں نے ترتیب تذکرہ کی تاریخ ''حفینت سعرا'' برآمد کی ہے ۔[4] اس سے ۱۱۸۹ ھ مستفاد ہوتے ہیں ۔ یہ ظاہرا تاریخ اتمام تالیف ہے ۔ ۱۱۸۹ ھ (۱۷۷۵ع) کے بعد شوق نے تراجم شعرا میں بہت اہم اضافے کیے ہیں اور انتخاب کلام میں بھی کمی بیشی کرتے رہے ۔ تراجم میں جو اضافے بعد میں کیے گئے ہیں ان کی بحث زمانۂ کتابت کے ذیل میں آئے گی ۔

اختلاف نسخ

ابھی تک ''تذکرہ طبقات الشعرا'' کے چار قلمی نسخوں کا علم ہوا ہے ۔

(۱) نسخہ کتب خانہ آصفیہ ، حیدر آباد دکن = ن۱

---

۱ ۔ ''طبقات الشعرا'' (نسخہ آصفیہ) ورق ۳ ب ۔
۲ ۔ ''طبقات الشعرا'' (ورق ۱۸۸ ب)
۳ ۔ ''انتخاب یادگار'' صفحہ ۳۲
۴ ۔ ''طبقات الشعرا'' (ورق ۲۵۷ الف)

(۲) نسخه کتب خانه دارالمصنفین ، اعظم گڑھ = ن۲
(۳) نسخه سنٹرل رکارڈس آفس ، حیدر آباد ، دکن = ن ۳
(۴) نسخه کتاب خانه پنڈت برج موهن دتاتریه کیفی دهلوی،
(یه نسخه اب لاهور پهنچ گیا هے)

زیر نظر کتاب کا متن کتب خانۂ آصفیه (اسٹیٹ سنٹرل لائبریری) حیدر آباد ، دکن کے قلمی نسخے پر مبنی هے ۔ یه مذکوره بالا سب نسخوں میں زیاده صحیح، مکمل اور قابل اعتماد هے ۔ یه باور کرنے کے قوی قرائن موجود هیں که خود مؤلف کی نظر سے گزر چکا هے ۔ لیکن اس میں ایک گڑ بڑ بهی هے ۔ کهیں کهیں اچانک ایک آده ورق غائب هو جاتا هے ۔ یعنی پاورق کی عبارت سر صفحۂ آئنده سے مطابق نهیں رهتی ۔ ان اوراق کے غائب هونے سے دو شاعروں کا ترجمه بهی طبقات میں نهیں ملتا ، حالاں که ان کا انتخاب کلام موجود هے ۔ ایک مرزا رفیع سودا ، دوسرے راجا نول رائے وفا ۔ میں اچهی طرح جائزه لینے کے بعد اس نتیجے پر پهنچا هوں که یه کتاب کے ناقص هونے کی وجه سے نهیں هوا ، بلکه یه اوراق خود مؤلف تذکره نے بعض شعرا کا انتخاب کلام کم کرنے کی غرض سے نکالے هیں اور بقیه صفحوں کی عبارت کو باهم مربوط کرنا بهول گیا هے ۔ اس طرح جو اوراق خارج هوئے ان میں سودا اور وفا کے تراجم بهی نکل گئے اور پهر شامل نه هوسکے ۔ ''تکمله الشعراے جام جمشید'' میں سودا کا ذکر ان الفاظ میں هوا هے :

> ''مرزا رفیع سودا تخلص ، متوطن دهلی ، از اکمل و اشهر شعراے ریخته گوے هندوستان است و در ریخته گوئی عدیل و نظیر خود در خطۂ هندوستان نه داشت ، و دم استادی و ملک الشعرائی می زد ، در غزل و مثنوی و رباعی یکتاے وقت خود بود ، خصوصاً در قصیده گوئی

> بے مثل و بے بدل بود ۔ احوالش مفصل در تذکرۂ هندی به تحریر آمده ۔ دیوان کلیات او در ریختہ قریب چهل جز دارد ۔ گاهے فکر شعر فارسی هم می کرد ، اشعارش قریب دو سه جز به نظر رسیده'' [۱]

''تذکرہ طبقات الشعرا'' میں تراجم کی عام روش اور اختصار کو دیکھتے ہوئے یہ باور کرنے کو جی تو نہیں چاہتا کہ شوق نے سودا کا حال ''تفصیل سے'' لکھا ہوگا ، اور اس میں کچھ معلومات متداول ماخذ سے زیادہ یا مختلف بھی ہوں گے ، لیکن اگر ''تکملۃ الشعرا'' کی محولہ بالا عبارت کو صحیح سمجھا جائے تو افسوس ہوتا ھے کہ ''طبقات الشعرا'' میں سودا کا ترجمہ نہیں ھے ، اس کی کم سے کم یہی اہمیت ہوتی کہ شاعر کی زندگی میں اس کے ایک ہم عصر کے قلم سے نکلا تھا ۔ مزید افسوس یہ ھے کہ یہ عبارت سنٹرل ریکارڈس آفس اور دارالمصنفین اعظم گڑھ کے نسخوں میں بھی نہیں ھے ۔

کتب خانۂ آصفیہ کے اسی نسخے کی تلخیص [۲] جناب ابواللیث صدیقی نے ۱۹۳۷ع میں کتابی صورت میں شائع کی تھی لیکن اس تلخیص کا نسخہ مبنیٰ علیہ سے مقابلہ کرنے پر اندازہ ہوا کہ انھوں نے عبارت میں کتربیونت ، قیاسی اضافے اور قرأت کی غلطیاں حد و شمار سے زیادہ کی ہیں ۔

اسی نسخے کا تعارف جناب احمد اللہ قادری نے رسالہ ''نیرنگ'' رام پور [۳] میں شائع کرایا تھا اور غالباً یہی وہ نسخہ ھے جسے

---

۱ ۔ ''تکملۃ الشعراے جام جمشید'' (قلمی نسخہ رام پور) ورق ۱۴۷ ب ۔
۲ ۔ مکتوب ڈاکٹر ابواللیث صدیقی بہ نام راقم الحروف ۔
۳ ۔ رسالہ ''نیرنگ'' رام پور خاص نمبر ۱۹۲۹ع (مخزونہ رضا لائبریری رام پور)

بنیاد بنا کر مرزا فرحت‌اللہ بیگ ، ''تذکرہ طبقات الشعرا'' کو انجمن ترقی اردو کی فرمایش پر ایڈٹ کر رہے تھے۔ لیکن انھوں نے ترتیب کا کام ختم کیا تھا یا نہیں ، اور کیا تھا تو وہ مسودہ کہاں گیا ، اب ان سب باتوں کا جواب دینا مشکل ہے ۔

نسخہ ۲

''طبقات الشعرا'' کا دوسرا خطی نسخہ کتب خانۂ دارالمصنفین اعظم‌گڑھ میں محفوظ ہے ۔ یہ اصل نسخہ ہماری نظر سے نہیں گزرا ، لیکن اس کے جو اختلافات نسخہ ۳ پر نقل ہوئے ہیں اُن سے اندازہ ہوا کہ بہ ظاہر نسخہ ۲ و ۳ کا منقول عنہ ایک ہی ہے ، اور ان میں انتخاب کلام کی کمی بیشی کے سوا تراجم میں کوئی اہم فرق نہیں ہے ۔ اور اس کے مقابلے میں نسخہ ۱ میں بہت کچھ اضافے اور ترمیمیں ہوئی ہیں ۔

میرے استفسار پر دارالمصنفین سے مولاناابوالبقا ندوی نے اطلاع دی تھی کہ یہ نسخہ ناقص‌الآخر ہے اور اس میں ترقیمے کی عبارت نہیں ہے ۔

نسخہ ۳

''طبقات الشعرا'' کاتیسرا ، اور ناقص، اور زماناً سب سے مؤخر نسخہ سنٹرل ریکارڈس آفس حیدر آباد دکن میں محفوظ ہے ۔ اس کا پہلا ترقیمہ تو وہی ہے جو نسخۂ آصفیہ کے آخر میں ہے اور اس میں صاف طور پر ۹ رجب ۱۲۰۱ھ لکھا ہوا ہے[1] ، دوسرے ترقیمے کی عبارت یہ ہے :

''حقیر فقیرسید محمد علی ملیح آبادی نے ایک کرم خوردہ

---

۱ ۔ ملاحظہ ہو : سہ ماہی ''نوائے ادب'' بمبئی جلد ۷ ش ۳ (جولائی ۱۹۵۶ع) صفحہ ۳۳ ۔ نیز رسالہ سہ ماہی ''ہندوستانی'' الہ‌آباد ، جنوری ۱۹۳۶ع صفحہ ۷۷ ۔

نسخے سے ۲۳ یوم میں نقل کرکے اپنے خانگی کتب خانے
میں داخل کیا اور اصل نسخے سے اس کی صحت بہ وجہ
عجلت نہ ہوسکی اور یہ صحت کسی صحیح نسخے کے
دستیاب ہونے پر منحصر رکھی - فقط ۲۹ - رمضان
۱۳۲۷ھ[1] محلہ حسینی علم حیدر آباد دکن -"

اس نسخے میں ۲۶۲ صفحات ہیں مسطر ۱۷ سطری اور سائز $9\frac{1}{2} \times 6\frac{1}{2}$ ہے - یہ جس نسخے سے نقل ہوا ہے وہ اب ناپید ہے - لیکن حیرت یہ ہے کہ کاتب اس کے نسخۂ منقول عنہ کا بھی وہی ہے جو نسخۂ آصفیہ (ن ا) کا ہے ، اور تاریخ اتمام کتابت بھی ترقیمے میں وہی ۹ رجب ۱۲۰۱ھ دی ہوئی ہے -[2] مگر اس بات کا قرینہ کہ نسخہ آصفیہ ، سنٹرل رکارڈس آفس والے نسخے کی بنیاد نہیں ہے ، ایک تو خارجی ہے : یعنی محمد علی ملیح آبادی نے اپنے نسخہ منقول عنہ کو "کرم خوردہ" بتایا ہے اور نسخۂ آصفیہ ایسا نہیں ہے - دوسرے داخلی : یعنی دونوں (ن ا و ن ۳) میں تراجم شعرا اور انتخاب کلام کی کمی بیشی کا نمایاں فرق ہے - تراجم شعرا جو مشترک ہیں ان میں کوئی اہم اختلاف بعض جزوی لفظی تبدیلیوں کے سوا نہیں ہے ، لیکن انتخاب کلام کسی شاعر کا نسخۂ آصفیہ میں کم اور نسخہ ۳ میں زیادہ ہے وکذابالعکس- مگر نسخہ ۳ میں صرف پہلا مقالہ ہے ، جو چار طبقوں میں تقسیم ہوا ہے -

محمد علی ملیح آبادی نے جس "کرم خوردہ" نسخے سے اسے نقل کیا تھا ، ظاہرا وہ پر غلط ہوگا لیکن یہ حضرت بھی زیادہ صحیح خواں نہیں ہیں ، اکثر الفاظ جو اٹکل سے بھی بہ آسانی پڑھے

---

۱ - یہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۰۹ع کے مطابق ہے -
۲ - یہ ۲۷ اپریل ۱۷۸۷ع کے مطابق ہے -

جا سکتے تھے ان کی سمجھ ہی میں نہیں آئے - متعدد جگہ نقل کی حیرت انگیز غلطیوں نے اس نسخے کو غلط در غلط بنا دیا ہے -

غالباً یہی نسخہ بعد کو محمد علی ملیح آبادی کے کتب خانے سے مولوی ابو محمد عمر الیافعی مرحوم (حیدر آباد) کے ذخیرۂ ذاتی میں منتقل ہوا - انھوں نے اس کے ہر ورق کے بعد ایک سادہ ورق لگوا کر دوبارہ شیرازہ بندی کرائی اور نسخہ دارالمصنفین کے مقابلے کے لیے اعظم گڑھ بھیج دیا - وہاں اس کا مقابلہ پروفیسر نجیب اشرف ندوی نے کیا ، جو اب انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بمبئی کے ناظم ہیں - انھوں نے نسخۂ ۲ کے اختلافات متن ، ان سادہ اوراق پر درج کیے ہیں جو اسی مقصد کے لیے نسخہ ۳ کے ساتھ لگوائے گئے تھے - جا بہ جا بعض اشعار یا اشخاص کے بارے میں اپنی طرف سے کوئی نکتہ بہ طور یاد داشت بھی لکھ دیا ہے - دونوں نسخوں کے اختلافات کی نوعیت یہ ہے کہ نسخہ ۳ میں صرف پہلا مقالہ ہے ، جسے چار طبقات میں تقسیم کیا گیا ہے ، اور نسخہ ۱ میں چار مقالے بعد میں اضافہ ہوئے ہیں - کچھ معمولی لفظی تبدیلیاں ہیں ، کچھ اشعار میں اختلاف روایت ہے ، بعض شعرا کا انتخاب نسخہ ۱ سے طویل تر ہے خود مؤلف تذکرہ کا کچھ کلام جو نسخہ ۳ میں ہے نسخہ آصفیہ سے غیر حاضر ہے یہ غالباً ترمیم کے وقت نکال دیا گیا -

نسخہ ۲ کے بعض الفاظ کو پڑھنے میں پروفیسر نجیب اشرف ندوی سے بھی تسامح ہوا ہے کلام کا معتدبہ حصہ ایسا ہے جو دونوں نسخوں میں (ن ۲ و ن ۳) کم و بیش ہے - اس مقابلے کو بہ غور دیکھ کر میں نے یہ استنباط کیا ہے کہ اعظم گڑھ کے نسخے کا متن نسخہ ۳ کے مطابق ہے (بعض اختلافات کتابت کا استثنا) اور دونوں کا منقول عنہ نسخہ ایک ہی ہے - مولانا

عمرالیافعی کو شاید اس زمانے تک نسخۂ آصفیہ کا علم نہ ہوا ہوگا ورنہ وہ اس سے بھی مقابلہ و تصحیح کراتے ۔ [1]

البتہ سنٹرل رکارڈس آفس والا نسخہ جس نسخے سے نقل ہوا وہ غالباً اس تذکرے کی روایت اولیں رہی ہوگی ۔ نسخۂ آصفیہ ، مرمومہ و اضافہ شدہ روایت ہے ۔

شیخ چاند نے اپنی کتاب میں جن دو خطی نسخوں کا حوالہ دیا ہے [2] ان میں سے ایک ۱۱۸۸ ھ کا اور دوسرا ۱۲۰۹ ھ کا بتاتے ہیں ، لیکن انھوں نے یہ نسخے کہاں دیکھے ہیں اس کا ذکر نہیں کیا ۔ میرا قیاس کہتا ہے کہ ان کے پیش نظر یہی نسخہ ۱ و نسخہ ۳ رہے ہیں اور ان کے محولہ نسخے بہ ظاہر ان کے سوا نہیں ہیں ۔

زمانۂ کتابت

ایک مشکل اور پیش آتی ہے ۔ نسخۂ آصفیہ کے ترقیمے کی عبارت ہے :

> ''چوں ایں نسخۂ طبقات الشعرا ، باعانت ایزدی و برہ نمونیٔ شوق کہ راہ بر جمیع مقاصد است ، و بہ حسب فرمائش بعضے اعزا کہ فن شعر ریختہ را باوجود بے جانی عزیز از جان می داشتند باتمام رسید و صورت اختتام یافت تمت تمام شد بعون الملک الوہاب ، نسخہ طبقات الشعرا بہ موجب فرمائش خان مہربان دوست محمد خان

---

۱ - کتب خانۂ آصفیہ کا یہ نسخہ غالباً ۱۹۳۶ع کے بعد دریافت ہوا ہے ۔ نصیرالدین ہاشمی نے جنوری ۱۹۳۶ع کے ''ہندوستانی'' میں لکھا تھا کہ جامعۂ عثمانیہ اور کتب خانۂ آصفیہ میں ''طبقات الشعرا'' کا کوئی نسخہ نہیں ہے ۔

۲ - ''سودا'' صفحہ ۱۲۷ و ۳۹۳ ۔

خلف الصدق خاں صاحب نصرت خاں حاکم بہ حظ بندہ
احقر العباد فیض علی ، بتاریخ نہم سہر رجب بروز
پنجشنبہ وقت سہ پہر ۱۲۰۱ ھجری[1] ۔''

یہ سن بہت اشکال پیدا کر رہا ہے ۔ اسے ۱۲۰۱ھ بھی پڑھا جاسکتا ہے جیسا کہ صاف لکھا ہوا بھی ہے اور تقویم ہجری و عیسوی کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ ۹ رجب ۱۲۰۱ھ

---

۱ ۔ ''طبقات الشعرا'' (قلمی نسخہ آصفیہ) ورق ۲۹۴ الف ، یہ نسخۂ آصفیہ کا ترقیمہ ہے ۔ لیکن نسخہ ۳ جو محمد علی ملیح آبادی نے نقل کیا ہے ۔ اس کے آخر میں بھی محمد علی (ناقل نسخہ) کی نوشتہ عبارت سے پہلے یہی عبارت موجود ہے ۔ ن ۱ اور ن ۳ کی عبارت ترقیمہ کا واحد ہونا اور متن میں اتنی کمی بیشی کا پایا جانا ۔ عجیب معما ہے ۔ بہ ظاہر یہ حل نظر آتا ہے کہ ۱۲۰۱ھ کے ایک نسخے سے وہ نسخہ نقل ہوا ، جس سے ن ۳ کی نقل تیار ہوئی اور پھر اس ۱۲۰۱ھ کے نسخے پر مؤلف تذکرہ نے کچھ اضافے کیے اور اس اضافہ شدہ نسخے سے کاتب نے نسخۂ آصفیہ تیار کیا ، اس لیے وہ اضافے جو صریحاً ۱۲۰۱ھ کے بعد کے ہیں ۔ مثلاً جواں بخت کا سال وفات ، سلیماں شکوہ کا قیام لکھنو وغیرہ ، اس میں شامل متن ہوگئے اور ناقل نسخہ مرقومہ کی بد توفیقی سے ترقیمے میں سن کتابت وہی رہا جو نسخۂ منقول عنہ کا تھا اس کے سوا کوئی صورت ایسی نہیں جو اس اشکال کو رفع کرسکے ۔

ن ۱ و ن ۳ میں ترقیمے کا سن صاف طور پر ۱۲۰۱ھ پڑھا جاتا ہے ۔ تقویم ہجری و عیسوی سے بھی اس کی تائید ہی ہوتی ہے کہ ۹ رجب ۱۲۰۱ھ کو پنجشنبہ تھا (اس تقویم میں ایک دن کا فرق رہتا ہے ۔ اس لیے 'جمعہ' برآمد ہوتا ہے) مگر ۹ رجب ۱۲۰۱ھ کو منگل کا دن تھا ۔ حالاں کہ تذکرے میں پنجشنبہ لکھا ہوا ہے ۔ تقویم کے حساب میں صرف ایک دن کا فرق (رویت کی گڑ بڑ کی وجہ سے) نکلتا ہے ۔ اتنا اختلاف ممکن نہیں کہ فی الواقع کسی تاریخ کو پنجشنبہ ہو اور تقویم سہ شنبہ بتاتی ہو ۔

کو دن پنجشنبه تھا اور ۹ رجب ۱۲۰۱ کو سه شنبه تھا - لیکن بعض حضرات نے ، جن میں ابواللیث صدیقی ، نصیرالدین هاشمی اور شیخ چاند بھی شامل هیں اسے ۱۲۱۰ ه پڑھا هے اور یہی صحیح بھی معلوم هوتا هے -

داخلی شواهد تلاش کیے جائیں ته قدرت الله شوق نے سنین کا اهتمام نہیں کیا هے لیکن نظر به ظاهر مندرجه ذیل تراجم کے سنین متعین هوسکتے هیں -

(الف) - میر کا ترجمه ۱۱۸۸ ه میں شامل هوا هے - جب وه راجا ناگرمل کے متوسل تھے -

(ب) - محمد یار خاں امیر کا حال بھی ذی قعده ۱۱۸۸ ه میں لکھا گیا هے -

(ج) - حاتم کو به قید حیات لکھا هے اور یه که انھوں نے "دیوان زاده" مرتب کر لیا هے -

حاتم کا انتقال ۱۱۹۷ ه میں هوا اور "دیوان زاده" ۱۱۶۹ ه میں ترتیب دیا گیا تھا -

(د) - قائم چاندپوری کے بارے میں لکھا هے :

"بر حال ایں هیچ مداں اکثر شفقت می فرماید اتفاق صحبت داشتن و گپ زدن بسیار می افتد ، از چند مدت در رفاقت نواب محمد یارخاں امیر - - - بود (ورق ۷۷ الف)

اس سے ظاهر هے که یه ترجمه بھی ۱۱۸۸ ه میں لکھا گیا هے - کیوں که اسی زمانے میں قائم کھٹیر میں مقیم تھے -

(ه) میر ضیا کے حال میں لکھا هے که :

"از شاگردان میر محمد تقی موصوف و از استادان میر حسن که مصنف مثنوی بدر منیر است بوده - - -

(ورق ۱۴۰ ب)

//213

مثنوی بدر منیر سے لازماً میرحسن کی مثنوی ''سحرالبیان'' مراد ہے اس کا سال تصنیف ۱۱۹۹ھ ہے لہذا یہ ترجمہ اسی سن کے بعد لکھا گیا ہے ۔ آگے چل کر میر حسن کے ترجمے میں لکھا ہے کہ :

''حالا در لکھنئو شہرت کمال یافتہ چند اشعار او بعضے احباب نقل کردہ آوردہ بودند ، ازاں انتخاب نمودہ بہ تحریر می آیدا ۔''

میر حسن کا انتقال محرم ۱۲۰۱ھ (اکتوبر ۱۷۸۶ع)میں ہوا ہے لہذا تذکرے کا یہ حصہ ۱۱۹۹ھ (۵-۱۷۸۴)میں لکھا گیا ہے جب کہ مثنوی میر حسن وجود میں آ چکی تھی اور میر حسن بہ قید حیات تھے ۔

(و) مرزا جواں بخت جہاں دار شاہ کا ترجمہ اس میں شامل ہے اور لکھا ہے کہ :

''دفعۃً در بلدۂ بنارس از مرگ مفاجات درگذشت''۔ ۲

بقول ولیم بیل و نجم الغنی رام پوری جہاں دار شاہ کا انتقال ۲۵ - شعبان ۱۲۰۲ھ مطابق ۳۱ مئی ۱۷۸۸ع کو بہ عارضہ ہیضہ ہوا تھا ۔ لہذا ان کا یہ ترجمہ بھی ۱۲۰۲ھ کے بعد لکھا گیا ہوگا ۔

(ز) جعفرعلی حسرت کا ذکر باصطلاح اموات نہیں کیا ہے ، بلکہ لکھا ہے :

---

۱ - ''طبقات الشعرا'' ورق ۱۴۲ الف ۔

۲- ''طبقات الشعرا'' ورق ۱۷۳ ب نیز ملاحظہ ہو نجم الغنی : ''تاریخ اودھ'' جلد ۳ صفحہ ۲۶۷

W. FRACKL IN Shah Alam pp 159–167 (Allahabad, 1934)

KEENE : The fall of the Moghul Empire, (London, 1887) pp 166-7

''در بلدۂ لکھنؤ اقامت دارد'' ۱

حسرت نے ۱۲۰۰ھ (۱۷۸۶ع) میں انتقال کیا ہے ، اس کا ترجمه اس سن سے پہلے ہی شامل ہونا چاہیے -

(ح) شہزادہ سلیمان سکوہ کا ترجمه ۱۲۰۳ھ (۱۷۸۸ع) کے بعد کا اضافه معلوم ہوتا ہے :

''ازمدتے به سبب افراط و تفریط روزگار .....
از قلعه دہلی برآمده در لکھنؤ اقامت ورزیده ...''

اس ''افراط و تفریط روزگار'' سے اگر قلعه دہلی پر غلام قادر روہیله کا تسلط مراد ہے تو وہ آخر ۱۲۰۳ھ(۱۷۸۸ع) کا واقعه ہے[۲] لکھنؤ میں سلیمان سکوہ کے دربار میں مشاعروں کے انعقاد کا حواله بھی ہے ، یه محفلیں ۱۲۰۵ھ (۱۷۹۰ع) اور ۱۲۰۹ھ (۱۷۹۴ع) کے درمیان منعقد ہوتی رہی تھیں - اس تذکرے میں یہی سب سے مؤخر اضافه معلوم ہوتا ہے اور ان شواہد کی روشنی میں کچھ شک نہیں که سن کتابت ۱۲۱۰ھ (۱۷۹۵ع) ہی تسلیم کیا جانا چاہیے -

تذکرے کے ماخذ

جس زمانے میں (۱۱۸۸ھ۱۷۷۴ع) شوق نے اپنے تذکرے کی ترتیب کا آغاز کیا ہے شعرائے اردو کے کم از کم سات تذکرے وجود میں آ چکے تھے - قیاس چاہتا ہے که محمد یار خاکسار کا تذکرہ بھی جو انہوں نے اپنے ''معشوق چہل ساله'' کے نام سے ترتیب دیا تھا[۳] ، اس وقت تک ناپید نه ہوا ہوگا - یه تذکرہ خواہ شوق

---

۱ - ''طبقات الشعرا'' ورق ۱۲۱ ب

2. SARKAR : Fall of the Moghal Empire vol III p 451 (Calcutta, 1938)

۳ - رک : دہلی کالج میگزین : میر نمبر (۱۹۶۲ع) ''نکات الشعرا کی ایک اور روایت'' از نثار احمد فاروقی -

کی نظر سے نه گزرا ھو ، لیکن اُن کے علم میں ضرور تھا اور اس علم کا ذریعه ''نکات الشعرا'' ھے ۔ ان تذکروں کے علاوہ شعرائے فارسی کے وہ تذکرے جو ھندوستان میں لکھے گئے اور جن میں اٹھارویں صدی عیسوی کے نصف آخر کے بعض ذولسانین شعرا کے تراجم بھی شامل ھیں ، جو فارسی کے [illegible]انه ھی اردو میں بھی منه کا مزا بدلنے کے لیے ، یا اس ''فن بے اعتبار'' کا اعتبار بڑھانے کے لیے ، کبھی کبھی کچھ کہه لیا کرتے تھے ۔ یه سب تذکرے شوق کے لیے بہت اچھے مآخذ ھوسکتے تھے ۔ لیکن ''طبقات الشعرا'' کا مطالعه کرنے سے معلوم ھوتا ھے که مؤلف تذکرہ نے مواد کی فراھمی میں مراجع کتابی سے فائدہ اٹھانے کا زیادہ اھتمام نہیں کیا ۔ آپ سے مندرجه ذیل تذکروں کے وجود خارجی کا علم ھے ، لیکن وہ ان سے استفادے کا مدعی نہیں :

(۱) ''تذکرۂ محمد یار خاکسار'' : (ورق ۳۴ب)

(۲) ''روضة الصفا'' (تذکرۂ اولیائے بداؤں) : (ورق ۱۱۰ب)

(۳) ''نکات الشعرا'' : میر تقی میر (ورق ۸۶ب)

(۴) ''مخزن نکات'' : قائم چاندپوری

(۵) ''تذکرۂ شعرائے اردو'' : میر حسن دھلوی

قائم اور میر حسن کے تذکروں کا شوق نے کوئی حواله نہیں دیا ۔ لیکن دونوں کے لیے گمان ھے که شوق کے علم میں ھوں گے ۔ قائم کے ''تذکرۂ مخزن نکات'' اور میر کے ''تذکرۂ نکات الشعرا'' سے اخذ و اقتباس کی صریح شہادتیں موجود ھیں اور ان پر تفصیلی بحث حواشی میں کی گئی ھے ، یہاں چند مثالیں لکھی جاتی ھیں :

(۱) شوق نے یه شعر شعوری جوالاپوری سے منسوب کیا ھے :

برسات میں نہ دیکھا نظر بھر کر آفتاب
روشن ہے یہ کہ عاشق ہوا تجھ پر آفتاب

''نکات الشعرا'' میں بھی یہ شعر اسی طرح درج ہے[1] ۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ میر نے (یا تذکرۂ میر کے اولین ناقلوں نے) اس غزل کے دو شعروں کے دو مختلف مصرعوں کو مختلط کرکے ایک شعر بنا دیا ہے اور وہی غلطی متوارث ہو کر شوق کو پہنچی اور ''نکات الشعرا'' سے نقل کرنے کی چغلی کھا رہی ہے ۔

(۲) اسی طرح شوق نے یہ شعر مرزا قاسم ادہم نامی شاعر سے منسوب کیا ہے[2] :

گلے میں سر کی لٹ سیلی سوال ہے دل کا دانا
ہوئے جوگی دوکیا یاں واں ، جدھر نکلے تدھر آئے

میر نے اسی زمین کی ایک غزل کے پانچ شعر احمدی گجراتی سے منسوب کیے ہیں[3] اور اس کے بعد اسی کے ترجمے میں لکھا ہے :

''از قاسم مرزا است او ہم ہمیں غزل گفتہ معلوم نیست کہ کجائی بود''

پھر مذکورہ بالا شعر لکھا ہے[4] ۔ میرا خیال ہے کہ قاسم مرزا نام اور ادہم تخلص ، یا قاسم ادہم نام کا کوئی ریختہ گو شاعر

---

۱ ۔ ''نکات الشعرا'' طبع اول صفحہ ۱۰۲ ، طبع ثانی صفحہ ۹۸
۲ ۔ ''طبقات الشعرا'' (ورق ۱۲ الف)
۳ ۔ ''نکات الشعرا'' (طبع ۱) صفحہ ۱۰۳ (طبع ۲) صفحہ ۹۷ ۔ اس شاعر کا نام یا تخلص احمد ہے ، احمدی نہیں ۔ قائم نے احمد ہی لکھا ہے ، میر سے لچھمی نرائن شفیق نے نقل کیا ہے اور وہ بھی احمدی لکھتا ہے ۔
۴ ۔ مذکورہ شعر کا پہلا مصرع بہ ظاہر وزن سے خارج معلوم ہوتا ہے ، لیکن یہ اس عہد کی ان گھڑ زبان ہے ، 'سوال' کے لام کو 'ہے' کی ی میں جوڑ کر 'سوال ہے' بروزن ''بلالے'' پڑھیے ، اشکال رفع ہوجائے گا ۔

نہیں ہوا ۔ یہ ادھم دراصل ''آو ھم'' کی خرابی ہے ۔ ''نکات الشعرا''
کی اشاعت اولیں (مرتبہ نواب صدر یار جنگ) میں بہت سی نقل و
طباعت کی غلطیاں رہ گئی تھیں ، یہی غلطی وہاں بھی موجود ہے ۔

(۳) یہ شعر شوق نے عظام نامی شاعر سے منسوب کیا ہے :

اے در نبرد حسن تو کشتہ بجز چشم
زیر مژہ نہفتہ چو آہو بچار چشم (کذا)

لیکن یہ شعر دراصل خواجہ عطا باشندۂ امروھہ ، شاگرد بیدل
کا ہے ۔ جو عہد اورنگ زیب میں ایک مشہور بانکا گزرا ہے ۔
شوق کا ماخذ صریحاً ''نکات الشعرا'' ہے ۔ اس میں لکھا ہے :

''عطا نام او باشندۂ گذشتہ است''[۱] ۔

کاتب نے غلط لکھا ، یا شوق نے غلط پڑھا ، ''عطا نام'' کی
خرابی عظام ہوگئی ۔ ورنہ عظام تخلص کا کوئی شاعر اردو میں نہیں
گزرا ۔

کم از کم مندرجہ ذیل شعرا کے تراجم تقریباً کل یا ان کا
کچھ حصہ ، میر کے ''تذکرہ نکات الشعرا'' سے ماخوذ ہے :

۱ ۔ امیر خسرو

۲ ۔ سعدی دکھنی ، اس کے لیے شوق نے لکھا ہے کہ :

''بعضے ایں را شیخ سعدی شیرازی گمان کردہ اند
والعلم عنداللہ ، (۸ب)

تالیف تذکرۂ شوق کے وقت تک جو تذکرے وجود میں آئے
تھے ، ان میں قائم چاندپوری کے ''تذکرۂ مخزن نکات'' میں لکھا
ہوا ہے کہ :

چوں حضرت شیخ سعدی شیرازی در ہنگام سیاحت بطرف

---

۱ ۔ ''نکات اشعرا'' (طبع ۱) صفحہ ۳۱ (طبع ۲) صفحہ ۲۹ ۔

گجرات آوردند ، به سبب شہرت سومنات چناں که در نسخهٔ بوستان مذکور است ، به زبان ایں دیار وقوف یافته ، یک دو غزل ریخته ۔ ۔ ۔ بر سبیل تمن ارشاد فرمودند ۔ ۔ ۔ ''[1]

میر نے بھی اس خیال کی تردید کی ہے :

''آں که بعض ایں را شیخ سعدی رحمته الله علیه گمان برده اند خطا است ۔''[2]

میرا خیال ہے که ''بعض'' سے میر اور شوق دونوں کا اشاره ''مخزن نکات'' کے بیان کی طرف ہے ۔[3]

۳ ۔ میر جعفر زٹلی

۴ ۔ مرزا معز موسوی فطرت

۵ ۔ مرزا عبدالقادر بیدل

٦ ۔ حکیم یونس

۷ ۔ سراج

۸ ۔ مرزا قاسم

۹ ۔ شرف‌الدین مضمون

۱۰ ۔ هاتفی

۱۱ ۔ مصطفیٰ خاں یک رنگ

---

۱ ۔ ''مخزن نکات'' صفحه ۲ ۔

۲ ۔ ''نکات‌الشعراء'' (طبع ۲)صفحه ۱۰۳ ۔

۳ ۔ تفصیل کے لیے : ''سعدی کا کوروی'' از نثار احمد فاروقی ، ماه نامه''نیا دور'' (لکھنؤ) : دسمبر ۱۹۵۷ع نیز ''معاصر''پٹنه حصه ۹ ، و ''تذکرهٔ مشاهیر کاکوری'' از حافظ علی حیدر ، ''اردوئے قدیم'' : شمس‌الله قادری مجله ''معارف'' اعظم گڑھ جلد ۸۱ ش ۲ صفحه ۱۴۱ و بعد ۔

۱۲ - احسن اللہ
۱۳ - میر سجاد
۱۴ - صلاح الدین عرف مکھن پاکباز
۱۵ - محمد اسماعیل بیتاب
۱٦ - فضل علی دانا
۱۷ - محمد عارف ، عارف
۱۸ - دلاور خاں بیرنگ
۱۹ - میر محتشم علی خاں حشمت
۲۰ - کرم اللہ خاں درد
۲۱ - انعام اللہ خاں یقین
۲۲ - محمد علی حزیں
۲۳ - محمد علی حشمت
۲۴ - عبدالحئی تاباں
۲۵ - محمد یار خاکسار
۲٦ - محمد فقیہ دردمند
۲۷ - برہان الدین عاصمی
۲۸ - میر مہدی بیدار

ان تراجم کے سوا شوق نے تذکرے کے آخر میں جو ریختہ کی قسمیں لکھی ہیں وہ سر تا سر ''نکات الشعرا'' کی عبارت کا چربہ ہے - اس تذکرے کے مندرجات پر ہم نے جو حواشی لکھے ہیں وہاں تفصیل دیکھی جائے - دوسرا تذکرہ جس سے قدرت اللہ شوق نے استفادہ کیا ہے قائم چاندپوری کا ''مخزن نکات'' ہے مگر شوق نے اس تذکرے کا کہیں حوالہ نہیں دیا - قیاس چاہتا ہے کہ یہ ان کے ماخذ میں ضرور شامل رہا ہوگا -

مندرجہ ذیل شعرا کے تراجم ، گمان غالب ہے کہ ''مخزن نکات''

سے لیے گئے ہیں :

۱ ۔ افضل الدین خان فضلی
۲ ۔ احمد گجراتی
۳ ۔ رائے پریم ناتھ آرام
۴ ۔ سہاب الدس ثاقب
۵ ۔ کمترین

لیکن معلوم ھوتا ہے کہ ''نکات‌الشعرا'' اور ''مخزن‌نکات'' سے استفادہ محض ابتدائی ین طبقوں کے حالات فراہم کرنے میں کیا گیا ہے ۔ تذکرے کا باقی حصہ شوق کا اپنا گرد آوردہ ہے ۔ طبقات کی تقسیم کا یہ انداز بھی انھوں نے قائم چاندپوری کے تذکرے ھی سے حاصل کیا ھو تو عجب نہیں ۔

تذکرے کی انتقادی حیثیت

جس زمانے میں شوق نے یہ تذکرہ ترتیب دیا ہے ۔ فارسی‌زبان کے تو متعدد تذکرے وجود میں آ چکے تھے لیکن اردو میں تذکرہ نگاری کا کچھ ایسا چلن نہیں ہوا تھا ۔ زیادہ تر منتخب کلام کی بیاضیں رکھنے کا رواج تھا ۔ رفتہ رفتہ چند تعریف و توصیف کے کلمات کا اضافہ ھونے لگا ۔ تذکرہ نگاروں کا مطمح نظر یہ تھا کہ ھر دور کے شعرا کی نمائندگی ھو ۔ خواہ کسی شاعر کا ایک ھی شعر بہم پہنچے اور خواہ اس کے نام کے بعد ''معلوم فقیر نیست'' ھی لکھنا پڑے ۔ عموماً ترتیب تہجی کے اعتبار سے ان کی تدوین ھوتی تھی ۔ قائم ، شوق اور میر حسن نے طبقاتی تقسیم کی بنیاد پر اپنا تذکرہ مرتب کیا ۔ لیکن تینوں کی ترتیب میں فرق ہے ۔ قائم نے کل تذکرے کو تین طبقات میں تقسیم کر دیا ہے ۔ یعنی طبقۂ اول : متقدمین؛ یا جو ایک آدھ شعر ریختہ میں کہنے کے گنہ‌کار ھیں ۔

طبقۂ دوم : ایہام گو شعرا : جن میں سے بعض صاحب دیوان بھی ہوئے ہیں ۔

طبقۂ سوم : متاخرین : یعنی قائم کے ہم عصر ، جو تالیف تذکرہ کے وقت شہرت کے پر لگا کر اڑ رہے تھے ۔ یا اس وقت سوزہ بال[1] تھے اور آگے چل کر آسمان سخن کی بلندیوں کو چھونے لگے ۔

میر کا "تذکرۂ نکات الشعرا" نہ حروف تہجی کی ترتیب سے ہے، نہ اس میں طبقات تقسیم کیے گئے ہیں ، مگر عملاً اسے طبقہ وار ہی کہا جا سکتا ہے ۔

میر حسن نے دونوں طریقوں کو ملا کر اپنی راہ نکالی ہے ، یعنی پہلے تراجم شعرا کو بہ ترتیب ابجدی فراہم کیا ، پھر ہر ردیف کے شعرا کو طبقہ وار تقسیم کر دیا ۔ مثلاً ردیف الالف کے شعرا متقدمین ، متوسطین اور متاخرین کے گروہوں میں بانٹ دیے ۔

شوق نے اپنا تذکرہ اسی طبقہ واری نہج پر مرتب دیا ہے اور اسے پانچ مقالوں میں منقسم کر دیا ہے ، پہلے مقالے کے چار طبقے ہیں[2] :

مقالۂ اول

۱ ۔ طبقۂ اول: دربیان ایجاد شعرریختہ و ذکر شعرائے دکھنی و بعضے معاصر آنہا

۲ ۔ طبقۂ دوم : در ذکر شاعران ایہام گو

۳ ۔ طبقۂ سوم: در ذکر شعرائے متاخرین و بعضے نو مشقان دیگر

---

۱ ۔ بچہ طائر کے پر نکلنے سے پہلے کلیاں پھوٹنے کا زمانہ ، اسے سوزہ بال کہا جاتا ہے ۔

۲ ۔ سنٹرل رکارڈس آفس والے نسخے (ن ۳) میں صرف پہلا مقالہ (چار طبقات ہیں) آخر کے چار مقالے نہیں ہیں مگر ان کے بعض شعرا کے تراجم طبقۂ چہارم کے ذیل میں شامل ہوگئے ہیں ۔

۴ ـ طبقهٔ چهارم: در ذکر شعرائے تازہ‌گو و بعضے نومشقان دیگر

مقالهٔ دوم

در ذکر بعضے سلاطین روزگار و وزرائے نامدار و امرائے والا تبار و بعضے منصب داران و مصاحبان شاهزادهٔ عالی مقدار

مقالهٔ سوم

در ذکر بعضے امرا افغانان این دیار وغیره افاغنه قرب و جوار

مقالهٔ چهارم

در ذکر بعضے عزیزان و یاران همدم و دوست داران ثابت قدم

مقالهٔ پنجم

در ذکر بعضے برادران و خویشان و دوست داران و یاران دل ریشان و بعضے نو مشقان که چندے مایهٔ شاعری ندارند و به سبب موزونیٔ طبیعت خود را از خود زیاده نداشته در جرگهٔ شعرا می شمارند ـ

اس تقسیم کو دیکھ‌کر اندازہ ہوگا کہ اس لحاظ سے بھی شوق نے اپنے تذکرے کو دوسرے تذکروں کی تکنیک سے الگ کر دیا ہے ـ

اس تذکرے کی جمع و ترتیب بہت قلیل مدت میں ہوئی ہے اس لیے مواد کی چھان بین زیادہ نہیں ہوسکی دور ماضی کے شاعروں کا مختصر حال اور نمونۂ کلام دوسرے تذکروں سے لے لیا گیا ہے اور هم‌عصر شعرا کی غزلوں کا انتخاب اُن کی بیاضوں سے کیا گیا ہے ، اگر مؤلف تذکرہ حالات کی فراہمی کے لیے ادنٰی سی کوشش بھی کرتا تو کم از کم مندرجہ ذیل شعرا کے بارے میں وہ ایسی باتیں بتا سکتا تھا جو دوسرے مآخذ سے معلوم نہیں ہوتیں :

(۱) ـ میر تقی میر (۲) میر سوز (۳) مرزا مظہر جان جاناں (۴) ـ قائم چاندپوری (۵) ـ فیض اللہ بیگ‌فدوی (٦) ـ نواب

محمدیار خاں امیر (۷) غلام ہمدانی مصحفی (۸) ذوقی رام حسرت (۹) غلام علی عشرت

یہ اعتراض اس لیے ہے کہ جن شعرا کے بارے میں اس نے جمع روایات کا معمولی سا اہتمام بھی کیا ہے اُن کے بارے میں چند باتیں ایسی بتا دی ہیں جو دوسرے تذکروں میں نہیں ملتیں۔ مثلاً سعادت علی سعادت امروہوی کے ایک شعر کی تلمیح، جو انھوں نے (بقول شوق) اپنی منگنی کے موقع پر کہا تھا یا نواب امیر خاں انجام کے لطائف، یا بدھ سنگھ قلندر کے فرقۂ نانک پنتھی میں شامل ہو کر تقریباً دو لاکھ روپے کا اثاثہ لٹا دینے کا حال اور یہ کہ وہ ایک ایک مہینے تک بھوکا رہ سکتا تھا، نیز موت کے وقت اس نے وصیت کی تھی کہ میری چارپائی کسی وادی میں رکھ دی جائے اسی طرح دوسرے شعرا کے بارے میں بعض روایات، ہمارے ذخیرۂ معلومات میں اضافہ کرتی ہیں۔

شوق کے تذکرے کی زبان فارسی ہے، یہ اس زمانے میں تصنیف و تالیف کی زبان سمجھی جاتی تھی اور اس وقت تک اردو میں کوئی تذکرہ لکھا نہیں گیا تھا، شعرائے اردو کے جو تذکرے شوق سے پہلے مدوّن ہوئے وہ بھی فارسی ہی میں ہیں، ہندوستانی فارسی نگاروں کی زبان اور اسلوب کو فارسی اہل زبان نے ویسے ہی کب تسلیم کیا ہے اور عام روش پر قیاس کیا جائے تو صحیح بھی ہے، اسلوب نگارش میں ''ماورائے سخن'' جو ایک بات ہوتی ہے، وہ قادر سخن اہل زبان کے سوا کسی اور کو نصیب نہیں ہوسکتی لیکن شوق کی فارسی تو اس زمانے کی ہے جب ''سبک ہندی'' پر بھی زوال آ چکا تھا لہٰذا یہ اسٹائل نہ نثر عاری کا ہے، نہ یہ نثر مقفّیٰ و مسجّع ہے، بلکہ کچی مکتبی فارسی ہے۔

ابتدا میں اردو کے شاعر فارسی محاورات کو بجنسہ اردو میں

ترجمہ کر دیتے تھے میر اور سودا کے کلام میں اس کی ہزاروں مثالیں مل جائیں گی ، یہ اردو کے ارتقا کی علامت تھی ، پھر دیکھتے ہی دیکھتے فارسی نگار ہندی کے محاوروں کا لفظی فارسی ترجمہ کرنے لگے ، یہ فارسی کا آب و دانہ اٹھ جانے کی نشانی تھی قدرت اللہ شوق کی فارسی پڑھ کر بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان سے فارسی کا آب و دانہ اٹھ رہا ہے ۔

شوق نے اس تذکرے میں ایسی باتیں بہت کم لکھی ہیں جنھیں کھینچ تان کر ''تنقید'' یا تبصرہ کہا جاسکے ۔ زیادہ تر تعریفی کلمات ہیں ، البتہ کسی شعر پر مہر کی تقلید میں کہیں کوئی فقرہ چست کر دیتے ہیں ، مثلاً اکرم اللہ محشر کے حال میں یہ شعر لکھا ہے[1] :

بچا سکتا ہے کوئی جان کو کیوں کر جو رکھتا ہو
فلک سا دشمن بے رحم ، تجھ سا آشنا ظالم

پھر اس پر حاشیہ چڑھایا ہے :

''اگر بجائے بے رحم برائے مناسبت فلک لفظ بے مہر باشد ، ایں شعر بآسمان رسیدے'' ۔

یا جعفر علی حسرت کا شعر لکھا ہے[2] :

تجھ کو ہے گر قتل کی چاہ
حاضر ہوں میں بسم اللہ !

اور کہتا ہے کہ :

''برائے رعایت بسم اللہ ، لفظ ذبح بجائے قتل بہتر است''

یا میر حسن دہلوی کا شعر :

---

۱ - ''طبقات الشعرا'' ورق ۱۱۲ الف ۔
۲ - ''طبقات الشعرا'' ورق ۱۲۳ ب ۔

زلف سے مل کے جو پٹوں نے نموداری کی
اور اس حلقے سے زنجیر مری بھاری کی

لکھ کر کہتا ہے کہ :

''مطلع نہایت خوب و مرغوب است فاما به سبب تفرقهٔ زلف و پٹه دل در کشاکش است ، خدا داندکه شاعر چه فرق درمیان هر دو پیدا کرده در وید شدید افتاد''

بعض مواقع پر وہ توارد یا سرقے کی گرفت بھی کرتا ہے ۔ مثلاً نواب محمد یار خاں امیر کا یہ شعر لکھا ہے :

یہ مت سمجھو کہ میں زیر فلک مختار پھرتا ہوں
بہ رنگ سایۂ مرغ ہوا ناچار پھرتا ہوں

پھر کہتا ہے کہ :

''این مضمون را بعینه در دیوان مرزا رفیع یافته ام و آن اینست[۲]''

ق

تم کو معلوم ہے یارو چمن قدرت میں
عمر گذری کہ ہے گردش سے سروکار مجھے
پرمیں حیراں ہوں کہ جوں سایۂ مرغان ہوا
نہ کیا ایک قدم پھرنے پہ مختار مجھے

یا مہرباں خاں رند کے ترجمے میں لکھا ہے کہ :

''اکثر اشعار در دیوان او یافته شد که آں را میر سوز نسبت به طرف خود می کند، و بعضے گویند که از مرزا رفیع است ۔ والعلم عند اللہ[۳]''

---

۱ ۔ ''طبقات الشعرا'' ورق ۱۴۳ الف ۔
۲ ۔ ''طبقات الشعرا'' (قلمی) ورق ۱۹۲ الف ۔
۳ ۔ ''طبقات الشعرا'' (قلمی) ورق ۲۱۸ ب ۔

احیاناً کبھی زبان کے نقص یا محاورے کے غلط استعمال پر ٹوک دیتا ہے مثلاً سودا کا شعر ہے :

غنچے کو مسکرا کے اسے زار کر چلے
نرگس کو آنکھ مار کے بیمار کر چلے

شوق کہتا ہے :

در فہمید ایں نافہم لفظ "اسے" کہ در مصرع اول واقع است بیکار محض معلوم می شود"۔[1]

ان مثالوں سے تذکرہ نگار کے رویۂ ذہنی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے ۔ بہرحال اپنی بہت سی تکنیکی خامیوں کے باوجود یہ تذکرہ قابل قدر ہے ، ایک تو اس لیے کہ اردو کے ابتدائی تذکروں میں سے ہے اور ہمارے تذکروں کے سرمائے میں نظرانداز کرنے کے قابل نہیں ہے ، پھر اس میں صف دوم و سوم کے بعض ایسے شعرا کے تراجم بھی ہیں جو دوسرے تذکروں میں نہیں ملیں گے۔

اس کی اشاعت کے لیے ہمیں مجلس ترقی ادب لاہور کا شکرگزار ہونا چاہیے ۔

شعبۂ عربی و فارسی ، نثار احمد فاروقی
دھلی یونیورسٹی ، دھلی ۷ یکم اگست ۱۹۷۵ع

---

۱ ۔ "طبقات الشعرا" ورق ۵۶ الف ۔

مراجع

نوٹ : صرف مقدمے کی تیاری میں ان کتابوں سے مدد لی گئی ہے -

(الف) کتب (اردو و فارسی)

انتخاب یادگار : منشی امیر احمد امیرمینائی، طبع رام پور ۱۸۸۰ع ۱۲۹۷ھ

پدماوت منظوم اردو: غلام علی عشرت ، طبع ۱۹۳۰ع

تاریخ اودھ : نجم الغنی رام پوری ، طبع نول کشور ۱۹۱۹ع

تاریخ لطیف : منشی مہدی علی خاں رام پوری قلمی نسخہ رام پور

تذکرہ شعرائے اردو: میر حسن دھلوی ، مرتبہ نواب صدر یار جنگ طبع دھلی ۱۹۴۰ع

تذکرہ کاملان رام پور : احمد علی خاں شوق طبع دھلی ۱۹۲۹ع

تذکرہ نویسی فارسی در ہند و پاکستان : علی رضا نقوی طبع تہران ۱۹۶۲ع

تکملۃ الشعرائے جام جمشید : قدرت اللہ شوق (قلمی) رضا لائبریری

تاریخ جام جہاں نما : قدرت اللہ شوق (قلمی) رضا لائبریری

خمخانۂ جاوید جلد پنجم : مرتبہ پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی — دھلی ۱۹۴۰ع

دستورالفصاحت : احد علی خاں یکتا ، مرتبہ امتیاز علی عرشی - رام پور — طبع دھلی ۱۹۴۳ع

ریاض الفصحاء : غلام ھمدانی مصحفی ، مرتبہ عبدالحق — طبع دھلی ۱۹۳۴ع

سخن شعرا : عبدالغفور نساخ — نول کشور ۱۸۷۴ع

سودا : شیخ چاند - شائع کردہ انجمن ترقی اردو ، اورنگ آباد — طبع ۱۹۳۶ع

شمیم سخن : عبدالحئی صفا بدایونی - مطبع امداد الھند مرادآباد ۱۸۸۴ع

علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی عبدالقادر عمکین رام پوری ، مرتبہ و مترجمہ محمد ایوب قادری — طبع ۱۹۶۰ ع

گلشن بے خار : نواب محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ — نول کشور ۱۸۷۴ع

مجموعہ نغز : قدرت اللہ قاسم ، مرتبہ محمود شیرانی — شائع کردہ پنجاب یونی ورسٹی لاھور ۱۹۳۳ع

مفتاح التواریخ : طامس ولیم بیل — ۱۸۴۸ ع

ھندستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں گوپی چند نارنگ ، — دھلی ۱۹۶۲ ع

(ب) کتب انگریزی

Fracklin (W.) Shah Alam and His Court, Allahabad, 1934.

KEENE : Fall of the Moghul Empire London, 1887.

Sarkar (J.N.) Fall of the Moghul Empire Vol.3, Calcutta, 1938.

Storey (C.A.) : Bio-bibliography of Persian Literature. Vol. I part I and II.

(ج) رسائل

اورینٹل کالج میگزین، لاہور جلد ۷ شمارہ ۱، نومبر ۱۹۳۰ع
دہلی کالج میگزین، میر نمبر (مرتبہ نثار احمد فاروقی) ۱۹۶۳ع
قومی زبان (پندرہ روزہ) کراچی، جلد ۲۶ شمارہ ۵، مئی ۱۹۶۵ع
نگار، رامپور ایڈیٹر (اکبر علی خاں) جلد شمارہ جولائی ۱۹۶۳ع
نوائے ادب (سہ ماہی) بمبئی { جلد ۷ شمارہ ۲، اپریل ۱۹۵۶ع
جلد ۷ شمارہ ۳، جولائی ۱۹۵۶ع }
نیرنگ رامپور (اڈیٹر: عزیز انری) خاص نمبر ۱۹۲۹ع
ہندوستانی (سہ ماہی) الہ آباد - - - - - - - جنوری ۱۹۳۶ع

بسم‌اللہ الرحمٰن الرحیم

زباں کو حمد سے تیری جو بہرہ‌مند کیا
میں بہترین سخن پہلے یہ پسند کیا

عزیز ترین کلامے کہ آراید ، سرنامۂ سخن و پیرایش دیباچۂ هر نو و کہن تواند شد ، حمدیست بے حد و ستایشی ست لا نعد مر داورے را کہ فہرست قصیدۂ موجودات و دیباچہ جریدۂ کائنات بہ احسن صفات نظم ساخت و بہ یک مطلع کن زینتِ حسن دوکون پرداخت ۔ صانعے کہ ید قدرت او از قلم معجز رقم چنیں نقوش هاے گوناگوں و سحاب مکرمت او لآلی آبدار سخنہاے رنگیں بر لوحِ هستی ریختہ و دیوان عالم (ورق ۲ الف) باوجود نقائص فیمابین و تقاطع مصرعین از رباعی اربعۂ عناصر بہم آمیختہ ۔ زہے فرماں رواے کہ بودهاے همہ بہ بودِ او بودہ و نمود هاے همہ بہ نمودِ او نمودہ ۔ نظم

پیش وجود همہ آئندگاں
پیش بقاے همہ پائندگاں
اول و آخر (همہ؟)بودِ صفات (کذا)
هست کن و نیست کنِ کائنات[1]

---

۱ ۔ نسخہ سنٹرل ریکارڈس آفس (= ن ۲) میں بھی یہ مصرع اسی طرح درج ہے اور نسخہ دار المصنفین اعظم گڑھ (= ن ۳) میں بھی ، جدا جانے کیا سے کیا ہوگیا ۔ 'همہ' تصحیح قیاسی (ادارہ) ۔

حاے کہ فصحاے زمان ا ا ن فصاحت زبانی و بلغاے جہان بہمہ بلاغت عنوانی و گزاف ہمہ دانی و لاف سخن رانی در مدح پردازی' آں دادار بے مثل و ہمتا و آفریدگار یگانہ و یکتا حوں سوسن دہ زبان لال و بے زبان باسند ، من بے زبان ہیچ مدان را دریں بارگاہ بلند پائگاہ جز خاموشی و بے ہوسی چہ چارہ و جز فروماندگی و افتادگی چہ حوصلہ ۔ بیت

ایں چہ سخن ایں چہ زبان دانی ست
گفتہ و ناگفتہ پشیمانی ست

پس معترف شدن بہ فروماندگی ار ستائش ایں جا از ہرستائشے اولٰی و بہتر و ہمیں نیایش اورا خوشتر و پسندیدہ تر ۔ و درودے کہ آغاز گفتار و آرایش انجام کردار باریک بیاں (۳ ب) و دشوار گزیناں نتواند شد مر پیغمبرے را کہ سرگشتگان بیابان گمراہی را چراغ آگاہی برراہ افروختہ و رہ نوردان بادیۂ ضلالت را نال و پرسوختہ ، زہے فرستادۂ با دانش و داد کہ فارسیاں ار کنش او آباد و ہندیاں از آئین او خرم و شاد ۔ نظم

ظہور ذات احمد کبریاییست
نمونِ دیگر و ایں جا خدائیست

و مر یاران و پیروان او را کہ بہ پیروی او کار خدا شناسی از پیشینیان بردہ و بہ کز لکِ ہوس مندی و بہ ناخن دشوار پسندی خار اندیشہ ہائے ناہنجار ار پاے دل مردم بر آوردہ ۔ نظم

نظر کردم بہ دیوانِ دو عالم
دواندم پیکِ فکرت را چو بہم
نبی و چار یارش دیدم و بس
نظیرِ خود نہ دارد ایں مخمس

اما بعد چنین گوید معترف به عجز و قصور **قدرت الله** (متخلص شوق[۱]) که از ایام طفلی به اتفاق صحبت سخن طرازان که «الشعراء تلامیذ الرحمٰن» در شان‌شان واقع آمده‌است شوق کلام موزون در هر زبانے که باشد ، خصوصاً زبان ریختہ به سبب مناسبت هم زبانی در دل عزیزم زیاده از حد بود ، اکثر اسعار استادان (۳ الف) این فن از دواوین متداوله و ابیاض متفرقه تلاش و تجسس نموده جمع نموده‌بودم می‌خواستم که این همه سرخرفات را به‌طریق تذکره تالیف سازم فاما به سبب عدم مساعدت روزگار فرصت وقت نمی یافتم و باوجود فرمائش بعضے عزیزان در تعویق می انداختم بالضرور رضامندی آن ها که از جمله لزومات بود مقدم جمیع امور داسته در سنه یک هزار و یک صد و هشتاد و هشت هجری (۱۱۸۸ھ) که تعطیل و تنهائی محض لاحق حال این هیچ مدان بود به این صور و نقوش کاغذی صحبت برگزیدم و این چند اوراق در سلک تحریر در آوردم ، چون دیدیم که ذکر اکثر استادان در تذکرهٔ مؤلفین سابق که احوالش خواهد آمد موجود است از آنها بر آوردیم و اشعار اکثر استادان و تازه گویان و نو مشقان که خارج از تذکره ها بودند نیز از بیاض ها تجسس نموده درج کردیم تا چندے موجب اشتهار و باعث یادگاری نام چندین بزرگوار بر صفحهٔ روزگار گردد و تالیف این مختصر که مسمیٰ به **طبقات الشعرا است** مشتمل بر (۳ ب) چهار طبقه خاتمه نموده شد۔

---

۱ - قدرت‌الله آغاز شاعری میں قدرت تخلص کرتا تھا ، اس کے بعد شوق تخلص اختیار کیا ۔ اسی لیے تذکروں میں قدرت اور شوق دونوں تخلصوں کے تحت اس کا ذکر ملتا ہے ۔ **(ادارہ)**

طبقه اول ! در بیان ایجاد شعر ریخته و ذکر شعراے دکهنی و بعضے معاصر آں ها

باید دانست که ابتداے انساے فن ریخته بعضے نسبت به شیخ سعدی شیرازی رحمه الله علیه کرده اند و بعضے به سعدی دکهنی - اما به تحقیق نمی پیوندد که کدام سعدی است تک غزل به نام او مشهور است به تحریر خواهد آمد ، و اکثرے اتفاق دارند که موجد ایں فن امیر خسرو دهلوی که مرید سلطان المشائخ رئیس الاصفیا نظام الدین اولیا قدس سره است از بس که شهرت دارد محتاج به تعریف و توصیف نیست - اکثر صنائع و بدائع آں بزرگوار مثل پهیلی و مکرنی و دوسوله و چوبوله و ریخته و نسخه اعجاز خسروی و خالق باری و خمسه و دیگر راگ و راگنی از تصانیف او به زبان هندی و فارسی مشهور و متعارف اند لهذا شروع به نام آں بزرگوار نموده شد -

(۱) خسرو

حضرت امیر خسرو رحمة الله علیه اصلش از اویماق هزاره من بلاد ترکستان و مولدش در سنه احدی و خمسون و ستمأته در قصبه پٹیالی مضاف صوبه دارالخلافه اکبرآباد (م الف) معموله هندوستان - و بعضے برآنند که در سنه سه سالگی همراه والدین خود از ولایت به هندوستان آمده - پدرش امیر محمود در عهد سلطنت سلطان ناصرالدین به درجۀ امارت رسیده بود - بعد وفات پدرش همان منصب بر وے مقرر و مفوض گشته ، بعد انقضاے چند ایام آں فریدالدهر ، وحیدالعصر خسرو ولایت سخن‌وری ، مخزن اسرار الٰهی ، مطلع انوار نا متناهی ترک روزگار نموده و چند لک جنس و نقد در راه الٰهی صرف نموده انزوا اختیار نمود و از فیض صحبت شیخ المشائخ امام الاتقیا

نظام‌الدین اولیا نور الله مضجعه و مرقده را این کمال فضل و بلاغت ظاهری و دانش و بینش صوری و صفائی قلبی و مکاشفهٔ باطنی حاصل نمود از اعاظم مستعدان و اکابر عالی فطرتان جهان بود، فضائل او از دائرهٔ امکان و طاقت انسان خارج است۔ تبرکاً یک قطعهٔ از مقولات آن طوطی سکر مقال سکرستان خیال به تحریر می آرد ۔ ازوست :

زر گر پسرے چو ماه پارا (۴ب)
کچھ گھڑیسے سوارے پکارا
نقد دل من گرفت و بشکست
پھر کچھ نہ گھڑا نہ کچھ سنوارا

(۲) ولی

ولی که مروج فن ریخته ، جوانے بود متوطن اورنگ آباد که شهریست معروف از ولایت دکھن ، مزاج آزادانه ، مشرب رندانه ، فکر صائب و ذهن مناسب ، طبع سلیم و ذهن مستقیم داشت و دست از محبت دنیا خالی بود ، بر سید پسرے مسمی به سید ابوالمعالی که در حسن و خوبی بے نظیر و بے تمثیل بود ، عشق و میل خاطر تمام داشت ۔ هر چند سید موصوف اعزاز تمام و حسن سلوک و تواضع و اکرام که طریقهٔ وفا و شیوهٔ اخلاص محبوبان راسخ الاخلاص است ، می پرداخت فاما شاعر مسطور نسبت عشقی را که فی الحقیقه نسبت معبودیت و عبودیت می توان گفت ، ملاحظه نموده اکثر شکار بند او در دست گرفته در رکاب سعادت او در حضر و سفر دائماً می ماند ، هر چند که منع می فرمود فاما از خدمت گزاریش اعراض نمی نمود ، همچو مسموع است که در هندوستان جنت نشان که عبارت است از شاه جهان آباد (۵ الف) دهلی نیز به طریق سیر آمده بود ، روزے به حسب اتفاق به خدمت شاه گلشن که

مقتدائے وقت خود بود مستفید شد ۔ شاہ موصوف فرمود کہ شما زبان دکھنی را گذاستہ ریختہ را موافق اردوے معلائے شاہ جہان آباد موزوں بکنید کہ تا موجب شہرت و رواج و مقبول خاطر صاحب طبعان عالی مزاج گردد و خود بہ زبان شریف بہ برکتاً غزلے تازہ کہ داخل دیوان اوست گفتہ داد ، مطلعش اینست ۔ مطلع :

خوبی اعجاز حسن یار اگر انشا کروں
بے تکلف صفحۂ کاغذ ید بیضا کروں

چند اشعار او کہ انتخاب سخن‌وران ست نوشتہ می شود ۔ ازوست :

کیا مدھوش مجھ دل کو ابیدے ؟ نین ساقی نے
عجب رکھتا ہے کیفیت زمانہ نیم خوابی کا

نہ جاؤں صحن گلشن میں کہ خوش آتا نہیں مجھ کو
بغیر از ماہ رو ہرگز تماشا ماھتابی کا

ولی سوں بے حسابی بات کرنا بے حسابی ہے
نہیں وہ آشنا ہے یار ہرگز بے حسابی کا

عجب نئیں اٹھ کے بے تابی سوں سر مارے کنارے پر
سنے گر ماجرا دریا ہمارے اشک جاری کا

(۵ب) ہر شب تری زلف[1] سے ''مطول'' کی بحث تھی
تیرے دھن کو دیکھ سخن ''مختصر'' کیا

ہر چند دریں فرد تناسبات شاعری بوجہ احسن جمع نمودہ فاما از دل شکنی راہ پریشانی تمام روے می دھد ۔ پس ازیں جاست کہ

---

۱ - زلف بہ فتح دوم باندھا ہے ۔

"الانسان مرکب من السهو و النسیان" شاید که از
پریشانی خاطر چنین خطا که بوے [دوے] آن با به خس رسیده ار خاطر
پریسان او راه یافته و الا این قدر غلطی فاس ار چنین انتخاص
چه معنی دارد ۔ وله :

دیکھے سے تجھ لباں کے اودر رنگ دان آج
چونا ھوئے ھیں لالہ رخ ان کے پران آج

رات کو آؤں اگر تیری گلی میں اے سجن
زیور لب ذکرِ سبحان الذی اسریٰ کروں
کافرِ زلف پری رو ھے پریشانی فروس
بیچ دیوے مجھ کو سو وہ میں اگر سودا کروں
آرزو دل میں بھی ھے وقت مرنے کے ولی
سرو قد کو دیکھ سیر عالم بالا کروں

لیا ھے گھیر زلفوں نے نہ تیرے کان کا موتی
مگر یہ ھند کا لشکر لگا ھے آ سنارے[1] کو

عجب کچھ لطف رکھتا ھے شب خلوت میں گل روسوں
خطاب آھستہ آھستہ ، جواب آھستہ آھستہ

(۶ الف) دیکھیں سو جسے وہ مبتلا ھے
خوباں کی نگاہ میں بلا ھے

---

۱ ۔ ایک قلعے کا نام جسے اورنگ زیب نے ۱۱۱۱ھ میں فتح کیا
تھا ۔ (سرو آزاد/۲۸۳)

یک دل نہیں آرزو سے خالی
ہرجا ہے سوال اگر خلا ہے

غرور حسن نے تجھ کو کیا ہے اس قدر سرکس
کہ خاطر میں نہ لاوے تو اگر مجھ گھر ولی آوے

اور مجھ پاس کیا ہے دینے کو
دیکھ کر تجھ کو روئے دیتا ہوں

اے ولی کرتا نہیں کیوں خشک مغزی کا علاج
یاد ان آنکھوں کا مجھ کو روغنِ بادام ہے

طالب نہیں مہر و مشتری کا
دیوانہ ہوا جو تجھ پری کا
تیرا خط سبز رنگ بے شک
سلطان ہے خشکی و تری کا
تو سرسوں قدم تلک جھلک میں
گویا ہے قصیدہ انوری کا
خورشید سیتی ہوا ہے ہم سر
چہرہ ترے مکھ اوپر رری کا

ترا قد مصرع برجستۂ دیوانِ خوبی ہے
تری یہ بیتِ ابرو شعر دستا ہے ہلالی کا

دیکھنا ہر صبح تجھ رخسار کا
ہے مطالع مطلع الانوار کا
دل کو دیتا ہے ہمارے پیچ و تاب
پیچ تیرے طرّۂ طرّار کا

حوں سنا تیرے دھن سوں اک بچن
بھید پایا نسخۂ اسرار کا

(٦ب) دیکھا ہوں قد و زلف و دھن پی کا جب ستی
کیتا ہوں تب سے ورد الف لام میم کا
کرتا ہے اس کی زلف کی تعریف اے ولی
جو ہے مرید سلسلۂ مستقیم کا

صحن گلشن میں جب حرام کیا
سرو آزاد کو غلام کیا
وے بھواں ہم سے کیوں نہ ہوں بانکی
ماہ نو نے جسے سلام کیا

دل کو لگتی ہے دل ربا کی ادا
جی میں بستی ہے خوش ادا کی ادا
گرچہ سب خوب رو ہیں خوب ولی
قتل کرتی ہے میرزا کی ادا
اے ولی درد سر کی دارو ہے
مجھ کو اس صندلی قبا کی ادا

یہ تل تجھ مکھ کے کعبے میں مجھے اسود حجر دستا
زنخداں میں تری مجھ چاہ زمزم کا اثر دستا

عشق تھا پردۂ تجرید میں سب سے آزاد
طالب عشق ہوا صورتِ انسان میں آ
حاکم وقت ہے تجھ گھر میں رقیب بدخو
دیو مختار ہوا ملکِ سلیماں میں آ

دسے سوخی سے تجھ انکھاں کی یہ ڈھنگ
کہ جوں برچھی کو لیے لگے ہے رخسوب
روایت خضر سے پہنچی ہے مجھ کو
کہ اس کا خط ہے موجِ آب یاقوت

بلبلاں ہر طرف سے اٹھ دوڑیں
دیکھنے کو آسے ہزار ہزار (ے الف)

اے سرو خراماں تو نہ جا باغ میں چل کر
مت قمری و سمشاد اکے سودے میں خلل کر
مجھ ابروے خم‌دار سوں ہرگز نہ پھرے دل
کاں جائے سپاہی دمِ سمشیر سے ٹل کر

نہ جانوں خط ترا کس بے خطا پر
چلا ہے آج فوجِ سام لے کر
تری ساقی گری کو لالۂ باغ
کھڑا ہے منتظر ہو جام لے کر

زلف تیری کیوں نہ کھاوے پیچ تاب
جان مجھ دل کا پریشاں بوجھ کر

تو ہے رشک ماہ کنعانی ہنوز
تجھ کو ہے حوباں میں سلطانی ہنوز
ہر جھلک دیتی ہے مجھ رخسار کی
آرسی کو درسِ حیرانی ہنوز
رات کو دیکھا تھا تیری زلف کو
دل میں ہے باقی پریشانی ہنوز
تجھ کمر کو دیکھ حیراں ہو رہا
مو قلم لیے ہاتھ میں ''مانی'' ہنوز

چمن میں گیا جب سے وہ نونہال
ہوا سرو اس سرو قد سوں نہال
ولی شعر تیرا سراپا ہے درد
خط و خال کی بات ہے خال خال

صنم کے لعل پر وقتِ تکلّم
رگِ یاقوت ہے موجِ تبسّم

ٹک بار ہنس کے بول صنم تئیں تو حشر تک (ے ب)
جوں برق بے قرار رہیں گے کفن میں ہم
ہر چند جگ کے بخت سیاہوں میں ہیں ولی
کاجل ہو ، جا بسیں گے سجن کے نین میں ہم

اے موئے میاں وصف نرے مو و میاں کے
چیتے کی کمر پر قلم مو سے لکھا ہوں

اک جام میں دو جگ کو کرے مست و بےخبر
تیرے نین کا عکس پڑے گر گلاب میں
رخسار دلربا کا صفا کیا بیاں کروں
مخمل ہے جس صفا کو نہ دیکھا ہے خواب میں
اے دل شتاب چل کہ تماشے کی رات ہے
بیٹھا ہے آفتاب نکل ، ماہتاب میں

دل بےتاب کہ اک آن نہیں اس کو قرار
زلف دلدار سے ہمسر ہے پریشانی میں

نہ پوچھو درد کی بےدرد سے بات
کہے کیا بےخبر جس کو خبر نئیں ؟

دیکھ خوباں کو وقت ملنے کے
کس ادا سے سلام کرتے ہیں
کم نگاہی سے دیکھتے ہیں ولی
کام اپنا تمام کرتے ہیں
کیا وفادار ہیں کہ ملنے میں
دل سے سب رام رام کرتے ہیں

نہ وہ بالا نہ وہ بالی بلا ہے
بلائے عاشقاں ناز و ادا ہے
تغافل شوخ کا عاشق کے حق میں (۸ الف
ستم ہے، ظلم ہے، جور و جفا ہے

آ شتابی وگرنہ جاتا ہوں
کیا کروں جی اداس ہوتا ہے

کیوں کہ کپڑے رنگوں میں تجھ غم میں
عاشقی سر لباس ہوتا ہے ؟
تجھ خدائی میں نئیں اکیلا میں
درد و غم اس سے پاس ہوتا ہے

سرو میرا مہر سے آزاد ہے
شوخ ہے، بیدرد ہے، صیاد ہے
ہاتھ سے تجھ غمزۂ خوں ریز کے
داد ہے، بیداد ہے، فریاد ہے

نہ پوچھو اس کے سر پر چیرہ بل دار
عزیزاں نوجوانی کی اکڑ ہے

ہاتھ میں میرے نہ سمجھو تم بیاض
شوخ کے ملنے کی دستاویز ہے

عشّاق کو تجھ چشمِ ستم گار کا پھرنا
تلوار کی اوجھڑ ہے کہ کپی کی سڑک ہے

کسی کی بات سنتا نئیں، کسی پر رحم کرتا نئیں
ہٹیلا ہے ، ستم گر ہے ، جفا جو ہے ، شرابی ہے
رہے کیوں ہوس عاشق کا سلامت دیکھ یہ آفت
تبسم ہے ، نگہ ہے، زلف ہے، چہرہ گلابی ہے

ترا مکھ مشرقی ، حسن انوری ، جلوہ جمالی ہے
نین جامی ، جبیں فردوسی و ابرو ہلالی ہے
ریاضی وہم و گلشن طبع و دانا دل ، علی فطرت (۸ ب)
زباں تیری فصیحی اور سخن تیرا زلالی ہے
نگہ میں فیضی ، و قدسی سرست طالب و شیدا
کمالی بدر ، دل اہلی و انکھیاں جوں[1] عزالی ہے

جب تک نہ ملے شراب دیدار
انکھوں کا خمار کیوں کہ جاوے

مت تیر اور کماں کا کر فکر اے خوش ابرو
عاشق کے مارنے کو سیدھی نگاہ بس ہے

تجھ لب و زلف کے تماشے کو
چل کے آئے ہیں مصری و شامی

---

۱ - ''کمان ولی'' مرتبہ نورالحسن ہاشمی میں ''انکھیاں سوں غزالی'' ہے -

(۳) سعدی دکھنی

سعدی دکنی بعضے اس را شیخ سعدی شیرازی رحمۃاللہ علیہ گمان کردہ اند ۔ والعلم عند اللہ ۔ یک غزل آں بزرگوار بہ نظر ایں راقم الحروف گذشتہ ، ازوست :

همنا تمن کو دل دیا تم نے لیا اور دکھ دیا
ہم یہ کیا هم وہ کیا ایسی بھلی یہ ریت ہے
دو نین کے کھپر کروں رورو انجوں[1] اور دکھ بھروں
دیش بسگ کویت دھروں پیاسا نہ جاوے مست ہے
سعدی غزل انگیختہ شیر و شکر آمیختہ
در ریختہ در ریختہ هم شعر هے هم گیت هے

(۴) عزلت

سید عبدالولی عزلت تخلص خلف رشید سید سعداللہ سورتی قدس سرہ کہ مسند شاہ اورنگ زیب عالمگیر بود ، درویش متوکل ، فاضل مستعد بہ کمال فضل و بلاغت وفاطنت انسانی موصوف ۔ اگرچہ مشق شعر فارسی زیادہ می کرد فاما مزاج او بہ طرف اشعار ریختہ مائل بسیار بود ۔ در ہندوستان کہ عبارت است از شاہ جہاں آباد دھلی ، نیز بہ طریق سیر آمدہ بود ۔ سخن او خالی از درد مندی نیست ۔ ایں چند ابیات کہ در گوشۂ خاطر او راہ یافتہ نوشتہ می شود ۔ ازوست :

فقیروں سے نہ هو بے رنگ لالا فصل هولی میں
ترا جامہ گلابی هے تو میرا خرقہ بھگوا هے

---

۱ ۔ نجوں دل بھروں ۔ ''نکات الشعرا'' صفحہ ۱۰۳ ۔
نجھو اس میں بھروں ۔ ''تذکرۂ میر حسن'' صفحہ ۷۸ ۔

حس خوش نگہ کو پہنچوں غفلت کی نیند لیوے
میں خفتہ بخت سب کا افسانہ ہو رہا ہوں

اس کو پہنچی خبر کہ جیتا ہوں
کسی دسمن سی سنا ہوگا

نہ بوجھو یہ نگولا ہے مرا ہم نول صحرا میں
یہ قبر حضرت مجنوں ہے ڈاروا ڈول صحرا میں
ہوے لیلی کے سر چڑھ اسک مجنوں تیل کی ٹکی[1]
یہ سوی حاک کہ لتا ہیں کوئی سول صحرا میں

محل اسد ے وفاؤں سے
دل سلامت پھرے تو پھل دانا

کیا گرم ہو دیتا ہے جواب خنک اے یار
تاب اپنے دم سرد کی نٹس دل کو ہارے (وب)

(۵) نوری

از ملا نوری دکھنی فرد بہ سمع رسیدہ ، ازوست :
دیدھر دیکھوں کان جاؤں میں دل کے تئیں بجھراٹ ہے[2]
یک ناٹ کے ہوں گے سجن ہر دل یہ بارہ باٹ ہے

---

۱ - ''کے ٹکے'' - ''نکات الشعرا'' صفحہ ۹۳ -
۲ - یہ شعر بعض تذکرہ نویسوں نے نانا شاہ سے بھی منسوب کیا ہے ۔ لیکن فی الاصل بحری کا ہے ۔ ''کلیات بحری''/۲۱۱ اصل میں یوں ہے :

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

(۶) فخری

از فخری است :

دیکھوں ہوں جب تجھے تو چکا چوند لگ رہے
دیکھا ہے کن نے یار نظر بھر کر آفتاب

(۷) تجرد

میر عبداللہ تجرد تخلص، ازشاگردان سید عبد الولی موصوف بود ، دیگر احوالش معلوم نیست ۔ یک فرد او به نظر رسیده ۔ ازوست :

تجھ رو میں لطف ہے سو ملک کو خبر نہیں
خورسید کیا ہے اس کی فلک کو خبر نہیں

(۸) عظام

عظام نام اوباشے بود در عہد عالم گیر بادشاہ ۔ ازوست :

اے در نبرد حسن تو کشتہ بجہاڑ چسم
زیر مژہ نہفتہ چو آہو بجہار چشم[1] (کذا)

(۹) عظام

اوباشے[2] بود نہایت مردانہ و جان باز و چنان سرعت تمام

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحے کا)

اب جاؤں کاں ، پوچھوں کسے سچ ہر کنل جھڑاٹ ہے
یک باٹ کے ہوں گے سجن نہ جیو سارا باٹ ہے

۱۔ تصحیح ، 'مخزن نکات' صفحہ ۱۳ :

اے در نبرد حسن کیسے بجھاڑ چسم
زیر مژہ نہفتہ چو آہو بچھاڑ چشم

یہ شعر عطا کے نام پر قائم نے لکھا ہے ۔ عظام فیض علی کاتب تذکرہ کی غلطی معلوم ہوتی ہے ۔ (ادارہ)

۲ ۔ یہ امروہہ کا باشندہ اور مرزا عبدالقادر بیدل کا شاگرد تھا ، متداول تذکروں میں حالات درج ہیں ۔ (ملاحظہ ہو : ''گل رعنا'' از لچھمی نرائن شفیق)

داشت که بر دو منزله سه منزله پرواز می نمود ، وکس را پیش دلاوری خود موجود نمی دانست و در تمام عمر گاهے سر فرود نیاورده ، چناں چه خود می گوید :

منم آن بانکا و دلیر و اچل
کز من افتاد در جہاں کھلبل
کرد ساز بہر من تقدیر (۱۰ الف)
تیغی از برق و کله از بادل

اکثر غزلیات فارسی او به نظر رسیده - چند ابیات اوباشانه او به تحریر می آید . اروست :

گھورم گھارم کہا که ام گھمکارم
دیرم دبیرم سراره ام سلوارم
میدان به یقیں هر آں چه گفتم هستم
نا گم بیاگھم نگھرم [و] گھ سارم

رکت پیاسا جهرا جب میں نکالا میان سے سرکا
عدو در هر قدم از خون خود رنگا گرا بهسلا
اٹھلم دھونکڑم کٹه بجھڑم بانکه و رندم
که ازدهاک من دھونکڑ سپهر از جاے خود کهسلا

(۱۰) جعفر

میرجعفر که به جعفر زٹلی مشهور است ، متوطن دهلی ، مردے بود

۱- گپی ؟

اعجوبۂ روزگار ارکہ [وہ کہ] نامۂ ازو ملاحظہ می کردند و (کذا) از خوف ہجو چیزے دادہ رخصت می نمودند ، نظم و نثر او شہرت دارد[1] ۔ احتیاج نوشتن نیست ۔ سکۂ جلوس بادشاہ فرخ سیر گفتہ :

سکہ زد بر گندم [و] موٹھ و مٹر
پادشاہ تسمہ کش فرخ سیر

در ہجو شاہزادہ ، خلف اورنگ زیب عالمگیر گفتہ :

چہارم پسر ڈومنی کا جنا
رہے برج[2] میں ۔ ۔ میں جوں ۔ ۔

بہ مجرد استماع بادشاہ زادہ برہم شدہ در حضور خود طلبیدہ گفت کہ ''اس گوہ شما خوردہ اید ؟'' بدیہہ ایں فرد خواند (۱۰ ب) :

نگین سلیمان کہ تابندہ بود
ہمین اسم اعظم برو کندہ بود

اعظم شاہ بسیار خوش شد و ازگناہ او در گزشت ۔ اکثر زٹلیات او کہ درو صنعت ہا بکار بردہ شہرت دارد ، دریں مختصر نوشتن گنجایش نیست ۔ در مدح خود می گوید :

نہ پوشم اگر جوشن جنگ را
ہزیمت دہم سوے لنگ را
من آں رستم وقت روئیں تنم
کہ یک پاپڑ از مشت دہ بشکنم

---

۱ ۔ ''کلیات جعفر زٹلی'' کا ایک قلمی مصور نسخہ کتاب خانہ دانش گاہ دھلی میں موجود ہے ۔

۲ ۔ برج سے متھرا کا علاقہ مراد ہے ۔

کشتی مسکین جعفر در بهنور افتاده است
ڈبکوں ڈبکوں، سی کند ازبک توجه پار کن

چنیں شخص اعجوبۂ روزگار تا حال به ظهور نیامده ، شعر هزل بسیار دارد -

(۱۱) فطرت

مورد نزول آب رحمت ، مرزا معز و فطرت که در عهد خلافت اورنگ زیب عالم گیر به خطاب موسوی خاں موصوف بود ، معز و فطرت و موسوی هر سه تخلص می کند - در خوش خیالی و سخن طرازی و سحر فهمی و انشا پردازی بے نظیر و یکتا و در جدت طبع و دقت آفرینی و عالی فطرتی در علم معقولات و منقولات بے مثل و بے همتا - اگرچه صاحب دیوان فارسی است فاما همچو مسموع است که این شعر ریختہ شاعر مسطور گفته ، والله اعلم :

(۱۱ الف) از زلف سیاه تو بدل دهوم پری هے
در خانۂ آئینه گهٹا جهوم پری هے

(۱۲) بیدل

رونق افزاے محفل اهل دل ، شاعر زبردست و السان کامل ، مرزا عبدالقادر بیدل ، مردے بود از سخیان و مقبولان سرآمد روزگار ، عالی ظرف ، بلند حوصله و خوش سلیقه ، بے پروا و متوکل ، صاحب تصانیف کتب معتبره از دواوین و مثنویات و رقعات وغیره - در اوائل جوانی نوکر شاهزاده محمد اعظم شاه خلف اورنگ زیب بود، بسیار به کر و فر بسر می برد ، بعد چندے ترک روزگار نموده ،توکل ورزیده تا زیست بجز یاد الٰهی با کسے کار نه داشت ، احوالش مفصل در تذکره هاے فارسی مرقوم است . به کمال شهرت احتیاج تعریف وتوصیف

ندارد ـ دو شعر ھندی به نام او مشھور است ـ واللہ اعلم بالصواب ـ
ازوست :

مت پوچھ دل کی باتیں وہ دل کہاں ہے ھم میں
اس تخم بے نشاں کا حاصل کہاں ہے ھم میں
جب دل کے آستاں پر عشق آن کر پکارا
پردے سے یار بولا بیدل کہاں ہے ھم میں

(۱۳) یونس

حکیم یونس احوالش معلوم نیست ، ازوست :

سو گیا جن نے جگایا تھا مجھے
(۱ ب) بخت میرے جاگ اٹھے وہ سو گیا

(۱۴) فضلی

افضل الدین خان فضلی ، از مثنوی او دو بیت بسمع رسیده :

عرق منہ پہ جوں آرسی میں حباب
تبسم لباں در جوں موج سراب
زنخ جوں مربا دسے سیو کا
یہ کب پڑ سکے ھاتھ واں دیو کا

(۱۵) آزاد

آزاد تخلص از معاصران ولی بود ، ازوست :

آئیں جہاں کی ساری آزاد صنعتیں ، پر
جس سے کہ یار ملتا ایسا ھنر نہ آیا

۱ـ بخت میرا جاگ اٹھا تھا سو گیا (''نکات الشعرا'' صفحہ ۱۰۶) (ادارہ)

(۱۶) سراج

سراج تخلص از ساگردان ، ید حمزه ، سخن او خالی از درد مندی

نیست :
هم پر فدا هیں سارے حسن و جمال والے
کیا خط و خال والے، کیا صاف گال والے

پی بن مجھ آنسوؤں کے ستاروں کی کیا کمی
جس رات چاند نئیں ہے ستاروں کی کیا کمی

مہر، ہے تاب مجھے سامنے مجھے جاند
کہاں سراج کہاں آفتاب عالم تاب

رفوگر کو کہاں طاقت کہ زخم عشق کو ٹانکے
اگر دیکھے مرا سینہ رفو چکر میں آ جاوے

مدت سے گم ہوا دل بیگانہ اے سراج
شاید کہ جا پڑا ہے کسی آسنا کے ہاتھ

سکر للہ ان دنوں تیرا کرم ہونے لگا
سہوۂ جور و ستم فی الجملہ کم ہونے لگا

نئیں ہوا اس سمع رو کے عشق میں داغ اک سراج (۱۲ الف)
ہیں وہ حسن انسیں کے ایسے پروانے کئی

مخمور چشموں کی تبرید کرنے کو سبنم ہے سرداب شوروں کی مانند
روپے کی تھالی سپیدی ہے نرگس کی زردی ہے[زرکے۱] کٹوروں کی مانند

---

۱ - زرکے ، (''نکات السعرا'') صفحہ ۹۶ (ادارہ)

دل کے خزانے سے شاد لے جاوے گا جی کے جواہر کو عیاریوں سے
[1]ہر دم خیال اس کا آتا ہے آنکھوں کے روزن سے چھپ چھپ کے چوروں کی مانند

---

(۱۷) احمد

از احمد[2] گجراتی است :

هوئے دیدار کے طالب جودی سے خود گدر نکلے
نہ پائی راہ دانش میں ، خروساں سے خبر نکلے
ین کی هاتھ لے کھپر بھریں درسن کی بھیکاں کو
نہ پائی ایک در پر بھی ، بھکاری در بہ در نکلے
رہے نادر خیالاں میں ملے سوریدہ حالاں میں
هوئے صاحب کمالاں میں ، کدھر سے آ کدھر نکلے

پوچھی تھی کل میاں سے اپس دل کی میں خبر
سو آج لا کے سر ستی میرے پٹک گئے

---

(۱۸) مرزا

مرزا قاسم اوھم[3] همیں غزل تتبع کردہ اوست :

گلے میں سر کی لٹ سیلی سوال ہے خال کا دانہ
هوئے جوگی دو کیا یاں واں جدھر نکلے ندھر نکلے

۱- هر دم حال اس کا آنکھوں کے روزن میں آتا ہے چھپ چھپ کے چوروں کی مانند -

۲ - قائم احمد اور میر احمدی تخلص لکھتے هیں - (ادارہ)

۳ - میر نے قاسم مرزا اور قائم نے مرزا ابوالقاسم کے تحت حال لکھا ہے [نکات ص ۹۶] سوق نے یا کاتب ''طبقات الشعرا'' نے مرزا قاسم ادھم غلط لکھا ہے - میر نے احمدی گجراتی کے ذکر کے بعد قاسم مرزا کے متعلق لکھا : ادھم همیں غزل گفتہ است - احمدی اور مرزا کی غزلیں هم طرح هیں اس لیے میر نے اشارہ کیا ، اسے ادھم پڑھ لیا گیا (ادارہ)

(۱۹) شعوری

از سعوری جوالا پوری

برسات میں نہ دیکھا نطر بھر کے آفتاب
روشن ہے یہ کہ عاشق ہوا مجھ پر آفتاب[1] (۱۲ب)

(۲۰) صبائی

از صبائی احمد آبادی اسب

زر سے ہے آسنائی زر سے ملے ہے بھائی
زر نئیں تو ہے جدائی دنیا میں جو ہے زر ہے

(۲۱) ہاتفی

از ہاتفی یک فرد بہم رسید :

تیری انکھیاں اور زلف سے کافر ہوا سارا جہاں
اسلام اور تقویٰ کہاں ، زہد اور مسلمانی کدھر

طبقۂ دوم : در ذکر شاعران ایہام گو

بعد از طبقۂ شاعران دکن کہ معاصر ولی بودند ، رواج ایہام بسیار سد ، و ایہام عبارتست از لفظے کہ دو معانی داشتہ باشد ، قریب و بعید ۔ بعید منظور ساعر باسد و قریب متروک ۔

(۲۲) آبرو

سر دفتر و سر آمد ایہام گو ، شاہ مبارک متخلص بہ آبرو متوطن گوالیار ، نبیسۂ محمد غوث گوالیاری نوراللہ مرقدہ ، از ابتدائے جوانی در شاہ جہان آباد آمدہ مشق سخن بہم رسانیدہ ، (شاگرد سراج الدین علی خان آرزو کہ احوالش

---

۱ ۔ قدما غیر ضروری حروف بھی گرا دیتے ہیں اس لیے عاشق کا الف گرا دیا ہے ۔ (ادارہ)

خواهد آمد) مردے بود ذو معنی ، طبع رسا و ذهن سلیم داشت و در ابہام گوئی استاد بے نظیر و مستثنیٰ وقت خود بود ، در عہد محمد شاہ کہ اکنوں بہ فردوس آرام گاہ ملقب است ، ازیں جہان فانی با آبرو رفت، حق تعالیٰ مغفرتش کند ، ازوست :

(۱۳ الف) آیا ہے صبح نیند سے اٹھ رسمسا ہوا
جامہ گلے میں رات کا پھولوں بسا ہوا
انداز سے زیادہ نپٹ ناز خوش نہیں
جو خال حد سے زیادہ بڑھا سو مسا ہوا

جدائی کے زمانے کی میاں کیا زیادتی کہیے
کہ اس ظالم کی جو ہم پر گھڑی گذری نو جگ بیتا

گرچہ قائل ہوں سجن تیری کمر معدوم کا
لیک مشکل ہے بیاں اس رمز نا معلوم کا

رو رو کے بے وفا کو کیا آشنا کیا ہے
دیکھو تو آبرو نے کس گھاٹ لا اتارا

پھر پھر کے دیکھ ہم کو کیوں مسکراوتے ہو
مدت میں آ پڑا ہے یہ اتفاقِ حسنہ[1]

بوسہ لباں کا دینے کہا ، کہہ کے پھر گیا
پیالہ بھرا شراب کا افسوس گر گیا
قول آبرو کا تھا کہ نہ جاؤں گا اس گلی
ہو کر کے بے قرار دیکھو آج پھر گیا

---

۱ - ہنسنا اور حسنہ کی تجنیس سے ایہام پیدا کیا ہے ۔

جرا (کذا) اب تک همن کو بهولتا نہیں
تمهیں بهی یاد هے هم کو (بهی هے یاد)

ملو جا آبرو سے خود به خود تم
که اس کو تو پیارے بے خودی هے

مشتاق عذر خواهی نئیں آبرو تو کتا هے
یه روٹھ روٹھ چلنا چل چل کے پهر ٹھکنا[1]

اب فلک کهینچ کهینچ جور و جفا
هر طرح دوستی نباهی هے
طور کیا پوچھتے هو کافر کا
شوخ هے ، بانکا هے ، سپاهی هے
آبرو کیوں نه هو رهے خاموش
درد کهنے کی یاں مناهی هے (۱۳ ب)

ذرا لی هے لگے اب مرد هونے
چاروں نے کسب پکڑا نری کا

امردی میں چاٹ پاوے اس کی خو جاتی نہیں
خط نکلنے سے هوا دونا نرے منه کا سواد

کیوں کر نه دولتی کی خوشامد کرے فلک
چرخے کا کام کیونکه چلے گر نه هووے مال

۱- ٹھنکنا [مخزن نکات ، ص ۱۵ - تذکرۂ میر حسن ، ص ۷] - (اداره)

نکلے تم آ صبا کی طرح جب چمن میں بھول
گلشن کے دیکھ تجھ کو گئے هانھ پانو بھول

اس میاں کی صف میں چل نہ سکا
مکری ہو گیا کمیت قلم

دھمکاوتے هیں ہم کو کمر باندھ باندھ کر
کھولیں ابھی تو جائے میاں کا نکل بھرم

یارو ڈرو کمر سے مڑوڑو نہ بھر کے انگ
آ جا کہیں لچک تو ابھی لاگ جا ہے لنگ

محبت سحر ہے یارو اگر حاصل ہو یک روئی
یہ افسوں خوب اثر کرتا ہےلیکن جب کہ جادوئی
لباس پنبی[1] ان کیوں کہ گذرے موسم سرما
قیامت ہے تری یہ سرد مہری تس پہ بے روئی

زلف کو کہنا پریشاں عقل سے دوری ہے یہ
دار تار اس کے میں دل ہے ، گانٹھ کی پوری ہے یہ

دشمن جاں ہے تشنۂ خوں ہے
شوخ ہے ، بانکا ہے ، نکت[2] پھوں ہے
(۱۴ الف) سیخ خرقے میں جب مراقب ہو
گربہ مسکین ہے ، موئی جوں ہے

۱- ”ہو“ تذکرۂ گلشن ہند ص ۲۷ - ادارہ
۲- ”نکب بھوں“ [مخزن - نکات ص ۱۶] - ادارہ

جہاں[۱] تجھ خو کی گرمی ہے نہیں واں آگ کو عزت
م،ابل اس کے ہو جاں تو آتش لکڑیاں دھاتی

ذبح کرنے کو ناحق بے دسوں کے
بسا تیری کمر کس نے کسائی
تم اپنی بات کے راجا ہو پیارے
کبھی سے ضد نہیں ہووے سوائی

آسنائی ہمن سے کیوں کٹ کی
کیا ترے دل تر آ لڑی لٹکی
جب ہی انکھاں تری پلک مارس
ووھیں عاسق کے دل میں لیں چٹکی

دل کب آوارگی کو بھولا ہے
خاک اگر ہو گیا بگولا ہے

آغوش میں بھواں کی کرتی ہیں ملی انکھ،ں
کوئی پوچھتا نہیں ہے مسجد میں خون ہو ہے

خوب تیری سکل آ سکتی نہیں تصویر میں
مدتیں گذریں مصور کھینچتا ہے انتظار

---

۱ - جہاں تجھ خو کی گرمی تھی ، نہ تھی کچھ آگ کو عزت
مقابل اس کے جو ہوئی تو آتش لکڑیاں کھاتی
[تذکرۂ ریختہ گویاں صفحہ ۱۰] (ادارہ)

آبرو کے قتل کو حاضر ہوئے کس کے کمر
خون کرنے کو چلے عاشق نہ تہمت باندھ کر

زندگی ہے سراب کی سی طرح
باؤ بندی حباب کی سی طرح
گھر سے تجھ کو کون چاہے گا
مجھ سے خانہ خراب کی سی طرح

نہ تھا کچھ اور میرے شوق کا حسن و صفا باعث
یہی پیارے طرح موجب ، یہی کافر ادا باعث (۴ ا ب)

چوپڑ کے کھیلنے کا سارا یہی خلاصہ
شاید کبھی وہ لڑکا بیٹھے ہمارے پاس[1] آ
کیونکر بڑا نہ جانے منکر بنے کو ابسے
انکار اس کا نانا[2] اور سح دم جو ہے نواسا[3]

سخن اوروں کا تشنہ ہو کے سننا اور سب کہتا
مگر اک آبرو کی بات جب کہتے تو پی جاتا

کیا بری طرح بھوں مٹکتی ہے
کہ مرے دل میں آ کھٹکتی ہے
کیا ہوا ہے جو مر گیا فرہاد
روح پتھر سے سر پٹکتی ہے

---

۱ - پاس آ : پاسہ
۲ - نانا : نہ نہ (حرف نفی)
۳ - نوا : نیا (ان لفظوں کے ایہام سے فائدہ اٹھایا ہے)

تمھاری لوگ کہتے ھیں کمر ھے
کہاں ھے، کس طرح کی ھے، کدھر ھے

اب دین ہوا زمانہ سازی
آفاق تمام دھر نا ھے

جیونا مثل حباب اس جگ میں دم کا ہیچ ھے
یہ گرہ کھل جا تو دیکھو زندگانی ھیچ ھے

آٹھ چپ کیا جیوں سے خاطر محب کی؟
آئی بہار تجھ کو خبر ھے بسنت کی؟

لٹک چلنا سجن کا بھولتا نئیں اب تلک مجھ کو
طرح وہ پانو رکھنے کی مری آنکھوں میں بھری ھے

اس کی دھی زبان شیریں ھے •
دل مرا قفل ھے بتاسے کا

قامت کیا تم اک، اک ھنس کے بولے
مجھے بات کی بات میں مار ڈالا (۱۵لف)

(۲۳) ناجی

محمد شاکر ناجی، جوانے بود سپاھی پیشہ، شاعر ایہام گو، ہم زبان و معاصر شاہ آبرو ساکن دھلی، دیوان ضخیم ترتیب دادہ،

۱- آٹھ چپ کیوں جیوں ستی خاطر محب کی - [مخزن نکات ص ۱۷] (ادارہ)

رسائی طبعش از مذاق سخنش پیدا ست ، مدتے شد که ازیں جہاں رحلت نمود ، یقین است که ناجی شده باشد - ازوست :

روا کب ہے مجھ اوپر تیغ کو ہر دم علم کرنا
مری تقصیر بھی کچھ کی ہے ثابت یا ستم کرنا

---

[1]بلند آواز سے یہ گھڑیال کہتا ہے کہ اے غافل
کٹی یہ بھی گھڑی تجھ عمر سے اور تو نہیں چیتا

نمکیں حسن دیکھ کر ہی کا
رنگ گل کا مجھے لگا پھیکا

تری نگاہ کی کثرت سے اے کماں ابرو
ہمارے سینے پہ تودہ ہوا ہے تیروں کا

پڑھنے بیٹھا ہے جب سے وہ پیارا
دل ہوا غم سے ٹوٹ سی پارہ
کیوں نہ ہو بے قرار کان کا در
ہے پریشاں وہ زلف کا مارا

---

۱ - یہ شعر ساقط الوزن ہے - کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے - مخزن نکات میں صحیح ہے :

بلند آواز سے گھڑیال کہتی ہے کہ اے غافل
گھٹی یہ بھی گھڑی تجھ عمر سے اب تک نہیں چیتا

''تذکرۂ میرحسن'' میں ''گھڑیال کہتا'' اور مصرع ثانی سوق کے مطابق ہے -
(ادارہ)

نظر میں ہیں تمہارے داؤ گھاتیں ان ہرن میری
شکار اوروں سے جا جا کھلنا اور ہم سے رم کرنا
طبیب عشق سے پوچھا زلیخا نے علاج اپنا
کہا مجھ پر روا ہے سورۂ یوسف کا دم کرنا
نہیں اشراف زادوں کا طریقہ یہ کہ یاروں کا (۵۱ب)
لٹا کر مال پڑھ کر فاتحہ اخلاص کم کرنا

ڈوب گئے کئی ملک جب کھولی لب دریا پہ زلف
حیف ناجی کو نہ پوچھا کس لہر میں بہہ گیا

پیالا پیوے ہے سو نہوروں سے
کھولے ہے لب ہزار زوروں سے

کر لے کرم اے مہرباں پھر ہم کہاں اور تم کہاں
نئیں دیکھ سکتا آسماں پھر ہم کہاں اور تم کہاں

آج تو ناجی سجن سے کر لے اپنا عرض حال
مرے جینے کا نہ کر وسواس ہوئی ہو سو ہو

غم نہیں گر دل بری سے دل کو لے جاتا ہے وہ
پاس میرے تب تو آتا ہے جو دل پاتا ہے وہ

دیا فردا کا وعدہ سرو قد نے
قیامت کا جو دن سنتے تھے کل ہے

ھوا جب آئنے میں جلوہ‌گر تب میں لیا بوسہ
جو آیا اپنے قابو میں تو پھر منہ دیکھنا کیا ھے

موجی ھے اپنے دل کا مجھے ندی سے (کذا)
اور اب مخالفوں نے وہ بات ھی ڈبوئی

خیال اس خال کا ایسا نہیں جادو کہ بچ رھے
نہ چھوڑے پنڈ بعد از مرگ بھی جس کو لگے کلوا

چھوڑ مت دام زلف سے یہ دل
بال باندھا غلام ھے تیرا

گولی لگے رقیباں کھٹا کریں گے دل کو
کم رکھ پیار ان سے جو رنگ رس ھے کرنا

(۱۶ الف) وہ عزت اب نہیں کھو کر صفائی خط نکال ایا
خریداری کہاں رھتی ھے جب چینی میں بال آیا

مانگتا ھے نقد دل زاھد کا ، یہ خال سیاہ
لے ھے یہ ھندو مجھ جزیہ مسلمانوں ستی

مرا دل زلف نے لے کے باندھا
وہ سرکش ھے گرہ کا جس کو بل ھے

نرگس کے نشے میں ھرگز لاتا نہیں نظر میں
دیکھیں ھیں میں نے پیارے جب سے تمھاری آنکھیں

دیکھ دلبر تری کمر کی طرف
پھر گیا مانی اپنے گھر کی طرف

مجھ کو باتوں میں لگا معلوم نئیں کیا کہہ گیا
لے چلا جب دل کے تئیں منہ دیکھتا میں رہ گیا

ترے غنچہ دہن کی دیکھ لالی
امینٹھے تھا کلی کے گوش مالی

(۲۴) مضموں

مضموں تخلص شرف الدین متوطن قصبہ جاجمئو متصل اکبرآباد، شاگرد سراج الدین علی خاں آرزو ، مردے نوکری پیشہ ، حریف و ظریف ، خوش فکر و خوش آئین ، متلاشی مضامین نو و رنگین ، در ابتدائے جوانی بہ شاہ جہاں آباد آمدہ در زینت المساجد سکونت داشت ، آخر ہماں جا ودیعت حیات سپرد و از اولاد شیخ فرید شکر گنج نوراللہ مرقدہ است ، چناں چہ خود می گوید :

کریں کیوں نہ شکر لباں کو مرید (۱۶ ب)
کہ دادا ہمارا ہے بابا فرید

ایں چند ابیات شکر آمیز مضمون دیوان آں فرید العصر است :

ہم نے کیا کیا نہ ترے غم میں اے محبوب کیا
صبر ایوب کیا ، گریۂ یعقوب کیا

اتک تو تھا ہی وہ مہ رو خود پسند
ہوگیا دیکھ آرسی کے تئیں دوچند

میکدے میں گو سراسر فعل نا معقول ہے
مدرسہ دیکھا تو واں بھی فاعل و مفعول ہے [1]

ناحق ستم کسی پر وہ شوخ کد[2] کرے ہے
دیتا ہے ٹانگ اس کو جو فعل بد کرے ہے

درے ہے دار ہی کامل کو سرتاج
ہوا منصور سے نکتہ یہ حل آج

نہیں ہیں ہونٹھ تیرے پان سے سرخ
ہوا ہے خون میرا آ کے لبریز

چلا کشتی میں آگے سے جو وہ محبوب جاتا ہے
کبھی آنکھیں بھرآتی ہیں، کبھی جی ڈوب جاتا ہے
مرا یہ اشک قاصد کی طرح اک دم نہیں تھمتا
کسی بے تاب کا مانند لیے مکتوب جاتا ہے

مضمون تو شکر کر کہ ترا اسم سن رقیب
غصے سے بھوت ہوگیا، لیکن جلا تو ہے

(۲۵) آرام

بزمے زدہ نام متخلص بہ آرام، یک فرد او بسمع رسیدہ۔ ازوست:

ان بولنا سخن کا مٹھا لگے ہے دل کو
خاموشی آن لبوں کی گپ چپ کی ہے مٹھائی (۲، الف)

۱۔ یہ شعر قائم نے ایک رنگ ذ لکھا ہے۔ (ادارہ)
۲۔ کد: عامیانہ بولی میں کب کی جگہ آج بھی بولا جاتا ہے۔

(۲۶) یک رنگ

مصطفیٰ خاں یک رنگ شاعریست ایہام گو معاصر آبرو هر چند پر گو اما بسیار پوچ گو است۔ دیوان ضخیم دارد ، این چند ابیات انتخاب دیوان اوست :

لب شیریں سے بے زبانوں کو
بولنا تلخ کام ہے تیرا
ہاتھ اٹھا جور اور جفا سے تو
یہی کوئی[1] سلام ہے تیرا

زباں شکوہ ہے مہندی کا ہر بات
کہ خوباں نے لگائے ہیں مجھے ہات
سحر حسن کے شاہ و گدا ہیں
رکھے ہیں خوب رو ظاہر کرامات

حق کہے جو کوئی سو مارا جائے
راستی ہے گی دار کی صورت

محبت کا عجب یک رنگ ہے رنگ
کبھی عاشق کبھی محبوب ہیں ہم

برنگ سمع دائم تجھ لگن میں
سجن روتے پھرے ہر انجمن میں

---

۱ - " گویا " - "تذکرۂ ریختہ گویاں" صفحہ ۱۶۴ - (ادارہ)

کیوں کھینچے ہو تیغ سجن ہم میں دم نہیں
پنہاں نگہ تمہاری (بھی) کپتی سے کم نہیں

تجھ زلف کا یہ مو[1] ہے گرفتار سال بال
یک رنگ کے سخن میں خلاف ایک مو نہیں

اس پری پیکر کو مت انسان بوجھ
شک میں کیوں پڑتا ہے اے دل جان بوجھ

برگ حنا اوپر لکھو احوال دل مرا
شاید کبھی تو جا لگے اس دلربا کے ہاتھ

(۲ ب) کیا جانیے وصال درا ہو کسے نصیب
ہم تو ترے فراق میں اے یار مر گئے

نہ تو ملنے کے اب قابل رہا ہے
نہ مجھ کو وہ دماغ اور دل رہا ہے

یک رنگ پاس اور سجن کیا ہے کچھ بساط
رکھتا ہے دو نین جو کبھو تو نذر کرے

---

[2]مت تلون اس میں سمجھے [سمجھو] آپ سا
مصطفیٰ خاں آشنا یک رنگ ہے

---

۱ - ''دل'' - ''تذکرۂ ریختہ گویاں'' صفحہ ۱۶۵ س - (ادارہ)
۲ - ''اس کو مت جانو بتاں اوروں کی طرح'' مجموعۂ نغز جلد ۲ صفحہ ۳۶۸ - (ادارہ)

نہ کہو نہ کہ یار جانا ہے
میرا دلبر و قرار جانا ہے
کر خبر لنی ہے تو لے صیاد
ہاتھ سے یہ شکار جانا ہے

---

(۲۷) احسن اللہ

احسن‌اللہ ، مردے بود معاصر آبرو ، نہایت خوش گو ۔ د
ر احوالش اطلاع نیست ۔ ازوست :

یہی مضمون خط ہے احسن اللہ
کہ حسنِ خوب‌رویاں عارضی ہے

(۲۸) سعادت

سعادت علی از سادات امروهه، مردےسلیم‌الطبع، بہ کمال فصاحت
و بلاغت آراستہ ، نہایت خلق و متواضع و از حلیۂ فقر پیراستہ
ہرچند کم گو بود فاما اشعارش از لطف شاعری خالی نیست ۔ ازوست:

کس سے پوچھوں دل مرا چوری گیا زلفوں میں رات
ایک جو شانہ ہے سو تو تیل میں ڈالے ہے ہات

صدق سے بوسہ طلب کرتے ہیں ، گر باور نہیں
مصحف رخسار پر پیارے رکھا تو ہم سے ہاتھ

ہوس دیکھو دیتی ہیں میرا اس کی انکھیاں مے پرست (۱۸۱
بس کہ ہوں کم ظرف ہو جاتا ہوں دو پیالوں میں مست

کیا صید آھوے دل آ سواری سے میاں تم نے
کمر کی ڈاب نئیں کھولی ڈوبا چیتے کی ڈوری ہے

• واللہ جو سر لوح ذرا نام نہ ھوتا
ھرگز کسی آغاز کو انجام نہ ھوتا

یار سے جو رقیب لڑتے ھیں
یہ ھمارے نصیب لڑتے ھیں

اھل زر کے سیم تن ھوے ھیں رام
صید ھوئیں جس جگہ دیکھیں ھیں دام

پپیہے کی طرح دارو کے سیشے
زبان حال سے کہتے ھیں پی پی

بسمع رسیدہ کہ والدین آن بزرگوار تجویز نکاح او کرد (کذا)
او بس کہ داس ازیں طرف منحرف بود ، فی البدیہ ہسے رساند :

پان دیا منگنی میں آخر کو ڈبایا چاہ میں
مجھ کو یوسف کی طرح بیروں نے ڈالا چاہ میں

(۲۹) میر سجاد

میر سجاد ساکن اکبر آباد ، طالب علم مسعد ، عالی نژاد ، شاعر مربوط ریختہ گو ، شاگرد آبرو سیار خوش گو ، نزاکت بند و انداز بلند و درستی الفاظ و استخوان بندی و سلیقہ اس درست و رسا و استوار و از ھر وردش رتبۂ شاعری نمودار ۔ سخنان دل فریبش بس

شیرین و خوش گوار ۔ (۸ ب) این چند ابیات انتخاب دیوان آں بزرگوار است :

کافر بتوں سے داد نہ چاہو کہ یاں کوئی
مر جا ستم سے ان کے تو کہتے ہیں حق ھوا
ساقی بغیر جام کے جی کا بچاؤ نئیں
جوں فیل مست آوے ہے ابر سیہ چلا

غم نہیں گر گم ھوا نالوں میں تیرے جا کے دل
پیچ در تجھ زلف کے گویا کہ اس کو بل دیا
تجھ کو اے سجاد غیر از خنجرِ بیداد کے
اور بھی کچھ ظالموں کی دوستی نے پھل دیا

بتاں کی یہی[1] یاد دو روز ہے
ھمیشہ رہے نام اللہ کا

تیری ہے جائے ناق اے ساقی
عمر کا بھر چکا ہے پیمانہ

عشق میں جاے گا کہیں مارا
بے طرح دل ھوا ہے آوارا

مقبول اس جہاں کا ھرگز غنی نہ دیکھا
راجا وھی ہے جو کوئی یاں سے گیا ہے رانا

---

۱ ۔ بھی یہ ''تذکرۂ ریختہ گویاں'' صفحہ ۸۶ ۔ (ادارہ)

یار سے دل ملا ، وہ غیر ستی
نہ دل اپنا ہوا نہ یار اپنا

• جان و دل سب قبول ہے جانا
پر کمی میں دری مجھے آنا

میں نے جانا تھا قلم بند کرے گا دو حرف
شوق کے لکھنے کا سجاد نے دفتر کھولا[1]

خط کتروا کے آج کینچی[2] سے
ہم سے ملنے میں جائے ہے کترا

تیری شمشیر سے جدا ہو کر
سر مرا مجھ کو تن نہیں دیتا[3] (۹ ، الف)

کیا کریں پانو[4] بھی کہ جنگل میں
کچھ نہیں آبلوں سے چل سکتا

---

۱ - میر : ہم نے جانا تھا لکھے گا تو کوئی حرف اے میر
پر ترا نامہ تو اک شوق کا دفتر نکلا

۲ - یعنی قینچی -

۳ - فارسی محاورے تن دادن کا اردو ترجمہ بہ طریق ایہام استعمال ہوا ہے -

۴ - پانو کا جدید املا پاؤں ہے (ادارہ)

مرے دیکھ کر حال دامان کا
پھٹے کیوں نہ سینہ گریبان کا

سجاد مہرباں کرے کوئی اس کو کس طرح
غصہ ہوا ہے یار میں کچھ ان دنوں غضب

ایک ڈگ ہے عاشقی کے پنتھ میں
پانو کے نزدیک راہ دور دست

جلنے سے صدق دل کے سبب بچ گیا خلیل
وہ ذات ہے کی سانچ کو ہرگز نہیں ہے آنچ

غیروں کو جان خواب میں غفلت کے ڈال کر
اک رات آ کے سو رہو ہم پاس آنکھ موند

مرگئے پر اگر نہیں آسیب
کیوں یہ رکھے ہیں قبر پر تعویذ

مت ہو نامہ عبث کو جا کاغذ
اپنے اوپر نہ حرف لا کاغذ
یہ دھواں سا فلک ستاروں سا ہے
نظر آتا ہے اک جلا کاغذ
آسماں ایک رقعہ وار نہیں
غم کے لکھنے کو ہو بڑا کاغذ

اگر وہ صبح کو مجرے[۱] کسی کے لینے کو
نکل کے گھر ستی آوے تو ہم سلام کریں

یار کا جامہ ہمیں ہے گا عزیز
یوسف اپنا پیرہن تہہ کر رکھے

جتنے چمن کے بیچ بٹھائے ہیں نونہال (۹۱ ب
تعظیم تیری کرے ہیں سب اٹھ کے سرو قد

سبھی جلتے تھے شمع و پروانہ
رات یہ دن تھا اہل مجلس پر

باد صبا سے زلف معطر کی ہم تلک
مدت ہوئی کہ پہنچی نہیں کچھ خبر عطر

لخت جگر ہمارا پانو کے ساتھ لگا کر
کرتے ہو ہم سے باتیں اب تم چبا چبا کر

خاموس اس سبب سے وہ رہتا ہے بیشتر
تنگ اس قدر ہے منہ کہ نکلتا نہیں ہے حرف

دور میں رخسار کے تیرے کہیں انصاف نئیں
خط چرالے جا ہے دل کو اور باندھی جا ہے زلف

---

۱ - مجرا کسی کا (''ند کرۂ ریختہ گویاں'' صفحہ ۹۲) - (ادارہ)

دل کو کبھی پیار دلا کر کے تو سخن
لا گا نہیں گلے سے مرے آ کے آج لگ

زلفوں کے جب الجھتے ہیں اس ساتھ آ کے بال[1]
دیتا ہے شانہ عاجزی سے دانت تب نکال

گلی میں تری بیٹھے ہی سخن
ان آنکھوں سے آتے ہیں آنسو نکل

ایک دل رکھتا ہوں جو چاہے سو لے جاوے اسے
خواہ زلفیں ، خواہ ابرو ، خواہ مژگاں ، خواہ چشم
پھیر جا ہیں خوبرو، آنکھیں کریں ہیں جب نگاؤ
دیکھ سرمے کے تئیں ہو جا ہے عالم سیاہ چشم

جب ہم آغوش یار ہوتے ہیں
سب مزے درکنار ہوتے ہیں[2]
چوں ایں بیت (۲۰ الف) بہ زبان ایں راقم الحروف می گذرد
بے اختیار تواجد دست می دهد و در پیرهن نمی گنجد۔
تا خدائی ٹک ایک کر ساقی
ایک کشتی میں پار ہوتے ہیں

---

۱ - سیاہ کی ہائے ہوز شاعر نے گرادی ہے (ادارہ)
۲ - میر : سب مزے درکنار عالم کے
یار جب ہم کنار ہوتا ہے

اب تو ہم نے کیا گریباں چاک
تیرے دامن کو کس طرح چھوڑیں

برابر اپنے سجن بندگی کے کاموں میں
نہیں ہیں دیکھتا صاحب کوئی غلاموں میں

کس طرح کوہ کن پہ گزریں گی
ہجر کی یہ پہاڑ سی راتیں

ہیں شیشیاں شراب کی پیارے بھری ہوئیں
آنکھیں نشے کے بیچ تمھاری گلابیاں

جو اک دھج ہے ابروئے خم دار میں
کہاں دائی یہ ضرب تلوار میں

ہر سادہ رو مخطّط ہونے کی دھن رکھے ہے
لیکن کوئی نکالے تیرا سا خط تو لکھ دوں
ایں فرد خطِ است دال براستادیٔ او :
جب کرے ہے ترے دہن کا بیاں
منہ سے غنچے کے پھول جھڑتے ہیں

تیری وحشی نگہ سے جنگل میں
بھاگتے پر غزال بیٹھے ہیں

دونوں طرف سے سمہ پنہ ہیں موجیں سی جاریاں
لہریں ہیں میرے شوق کی زلفیں تمہاریاں

لب شیریں پر اس کے مرتا ہوں
زندگی اپنی تلخ کرتا ہوں (۲۰-)

یہ سجاد کے دل کے جلنے کی قدر
نہیں بوجھتی شمع ، اس کو بجھاؤ

سانپ کی طرح کنڈلی مارے ہے
زلف تیری ہے کوئی بس کی گانٹھ

دل جیسے خط کے سبزے میں کھلاں ہوگئے
پڑتے ہیں ایسے جنگ میں بھی کھیت دہ گاہ

رات اور زلف کا وہ افسانہ قصہ کوتہ بڑی کہانی ہے

بے تکلف ہو نپٹ سر پہ چڑھے ہے سجاد
دختر رز بھی عجب طرح کی مستانی ہے

ہاتھ ہی میں رہے ہے طفلوں کے
یہ تماشے کا دل کھلونا ہے

بختوں بازی کہیں سجن مل جائے
لیکن ایسے کہاں نصیب مرے

عشق کی ناؤ پار کیا ہووے
جو یہ کشتی تری تو بس ڈوبی

بتوں کے تئیں کس قدر مانتا ہے
نہ کافر مرا دل خدا جانتا ہے

اے صنم زنّار پہنی تجھ وفا کے واسطے
ورنہ کوئی کافر نہیں ہوتا خدا کے واسطے

عاشقوں کا سجن لہو پی پی
دم بہ دم تیری تیغ آگلے ہے

سبرداری اس کی کسی سے نہ ہو
نہ ابرو تری ننگی سمسیر ہے

پانو جنگل میں دھرتے اسے نہیں
کیا پھپھولوں نے سر اٹھایا ہے

ہرگز آنے نہ دیں گے غیروں کو
جان ہرچند ہم گئے ہوں گے

(۳۰) حاتم[1]

سیخ محمد حاتم متخلص بہ حاتم ، متوطن دھلی ، معاصر آبرو تا الحال بہ سما ھذا بقید حیات است ، مردیست سنجیدہ ، فہمیدہ ، جہاندیدہ ،

---

۱ ۔ ظہورالدین نام ، عرف شاہ حاتم ، متوفی ۱۱۹۷ھ تذکرہ ھندي صفحہ ۸۰ (ادارہ)

صحبت اکثر سخن وران دریافته ، فاما زعم ساعری بسیار دارد ۔ دیوان قدیم از نظر این مولف گدسته ، به طرز آبرو و ناجی حرف می زند ، اکثر اشعارس از لطف شاعری خالی یافتم۔ به زبانی بعض آشنایان که الحال در دهلی ازو ملاقی سده ، چند غزل متفرقه نوسته آورده بودند ۔ معلوم شد که دیوان مختصر دیکر ترتیب داده و ''دیوان زاده'' نام نهاده اسب ، ازین سر شاعری معلوم می سود ، بعضے ازاں به تحریر حواهد آمد ، چند اشعار او که بهم رسیده نوشته می شود ، ازوست :

مثال بحر موجیں ماریا ہے
کیا ہے جن نے اس جگ سے کنارا

آزاد کو بھلا ہے رہنا جہاں میں ننگا
ہےگا لباسیوں میں جن نے لباس رنگا

ہجر میں زندگی سے مرگ بھلی
تا کہ سب سل کہیں وصال ہوا

تو بھیں تو کنج تنہائی میں ہے
سورے کا نفس ہم پہلو مرا
حاتم بیکس کا تجھ بن کون ہے
کون ہوئے گر نہ ہوگا تو مرا (۲۱ ب)

ہائے بے درد سے ملا کیوں تھا
آگے آیا مرے ترا کہنا

لیا اس گل بدن کا ہم نے بوسہ
تو کیا چوما رقیبوں نے ہمارا

نظر آوے تھا بکری سا کیا پر ذبح شیروں کو
نہ جانا میں کہ یہ قصاب کا رکھتا ہے دل گردا

دل دیکھتے ہی اس کو گرفتار ہو گیا
رسوائے شہر و کوچہ و بازار ہو گیا

دیکھی جو اس کے ہاتھ میں شمشیر خوش غلاف
حسرت سے تن، بدن کے آر پار ہو گیا

اک بعد عمر گھر مرے آیا وہ ناز سے
یعنی گذار اس کا قضا کار ہو گیا

آنے کی ماندگی سے، اسے نیند آ گئی
گھر اپنا جان، خواب میں دلدار ہو گیا

میں پانو دابنے لگا اس کے ادب ستی
سو گئے مرے نصیب، وہ بیدار ہو گیا

ایسا اٹھا حجاب میں ہوکر کے بے دماغ
صورت کو دیکھ کر مری بیزار ہو گیا

آنکھیں بدل کے، منہ کو پھیرا، تیوریاں چڑھا
بیزار کیا، گلے کا مرے ہار ہو گیا

کہنے لگا کہ کیوں بے، تو سمجھا تھا دل میں کیا
چل دور ہو، پرے ہو، نپٹ یار ہو گیا

حاتم عجب ہے رسم یہ اقلیم عشق میں
پانو کو ہاتھ لگتے گنہگار ہو گیا

چھین لیتے ہیں مرے دل کو نگاہوں کے بیچ (۲۲ الف
حسن رہ زن ہوا پنجاب کی راہوں کے بیچ

ایک دن ہاتھ لگایا تھا ترے دامن کو
اب تلک سر ہے خجالت سے گریبان کے بیچ

سجن نے یاد کر نامہ لکھا اور ہم رہے غافل
بجا ہے معذرت لکھنی ، ہمیں کاغذ خطائی پر

آج نرگس کے قلم کر کے سجن لکھتا ہوں
وصف انکھیاں کا دری ، کاغذِ بادامی پر

کیا کروں افسوں مرا چلتا نہیں
یہ ترا تعویذِ بازو دیکھ کر

خالی[1] سجن کا ململ ڈن سکھ ہے عاشقاں کو
گاڑھے رقیب سارے روتے ہیں ہاتھ مل مل

آؤ چمن میں گل‌رو دیکھیں بہار ہم تم
اور بیٹھ کر لبِ جو ہوں ہم کنار ہم تم
اس ابر و اس ہوا میں یوں آوتا ہے دل میں
پی پی شراب ہوویں بے اختیار ہم تم

---

۱ - ''ڈن سکھ'' ''گاڑھا'' اور ململ'' کپڑوں کی قسمیں ہیں - اس شعر میں صنعت ایہام ہے - ''خالی'' کی جگہ ''خاصے'' ''تذکرۂ ریختہ گویاں (صفحہ ۵۰) میں ہے - (ادارہ)

انی بھی آسماں نے فرصت نہ دی کبھی ہائے
جو بیٹھ کر نکالیں دل کا غبار ہم تم

دور میں تیرے نین کے مست ہے عالم تمام
کیوں ہوا اس غم سے سرگردان لشکر جام جم (کذا)

نہیں ملتا سو کیوں اے گندمی رنگ
نہیں ہوں میں مگر فرزند آدم

وہ وحشی اس قدر بھڑکا ہے صورت سے مری یارو
کہ سایہ دیکھ کر اپنا مجھے ہمراہ جانے ہے

(۲۲ب) لام نستعلیق کا ہے اس بت خوش خط کی زلف
ہم تو کافر ہوں اگر بندے نہ ہوں اسلام کے

ہند میں تنہا نری محبوبوں کا شور نئیں
دیکھنے کو تیرے آ مردم کھڑے ہیں شام کے

ایں چند ابیات از غزلیاتِ تازۂ اوست :

تیرے اے عشق طمانچے سے خدا حافظ ہے
دونوں مجبور ہیں کیا عاقل و کیا فرزانہ
ہاتھ سے تیرے نہ عاشق کو نہ معشوق کو چین
دونوں جلتے ہیں ادھر شمع آدھر پروانہ
کعبہ و دیر میں اے شیخ تفاوت کیا ہے
دونوں گھر کا ہے وہی ایک ہی صاحب خانہ

حسن اور عشق ترے فیض قدم کے صدقے
دونوں آباد ہیں ہم گلشن و ہم ویرانہ

روزے سے ہیں گے بستہ دہن غنچۂ چمن
جلدی سے آ پہنچ اے نسیم سحر کہیں

خاطر میں تو لاتا نہیں تو جاہ کسی کی
ڈرتا ہوں نہ لگ جاوے کہیں آہ کسی کی
کہتے ہیں سبھی مہر نشاں خوب نہیں ہے
سنتا ہے کہاں یہ دل گمراہ کسی کی
یک بار تو قاتل مرے مشہد سے گذر کر
تا کوئی نہ جانے کہ ہے درگاہ کسی کی

کبھی جو گھر سے وہ حسمت پناہ نکلے ہے
تو جیسے عید کے دن بادشاہ نکلے ہے
میں ناتوان ہوا اس قدر کہ مدت سے (۲۳ الف)
نہ لب سے نالہ، نہ سینے سے آہ نکلے ہے
زبان خلق سے حاتم عجب تماشا ہے
جدھر وہ نکلے اُدھر واہ واہ نکلے ہے

مارا ہے سنگ دل نے دکھا مجھ کو رنگ سرخ
تعویذ مجھ مزار کا لازم ہے سنگ سرخ

از رباعیات اوست :

۴ اِن سیم بروں کے ساتھ سونا معلوم
شب[1] میں نہیں خاک سو نا معلوم
حاصل افسوس دی و امروز گذشت
فردا کی رہی امید سو نا معلوم

اس تھوڑی سی عمر میں کہو کیا کیجے
دنیا یا تلاش دین کیا کیا کیجے
کچھ بن نہیں آتا ہے مگر کوئی دم
قدرت کا تماشا اسے دیکھا کیجے

---

(۳۱) یک رو

یک رو مردے بود از شاگردان آبرو ، و دیگر بر احوالش اطلاع ندارم ، یک فرد او بسمع رسیده :

دل پر مرے ہیں داغ برے ہجر کے لئی
گنتے میں جن کے عمر مری سب گذر گئی

(۳۲) پاک باز

صلاح الدین عرف مکھن پاک باز مخلص : مردے بود متوکل ، گوشہ نشین ، یکتائے زمانہ و از آشنائی جہاں بیگانہ ، پسر شاہ کمال نبیرۂ شاہ جلال ۔ اکثر اوقات بہ ورد و وظائف اشتغال می داشت ۔ عاشق پاکباز و جاں باز بود ، مزاجش خالی از وحشت نبود ، ازوست :

۱- ''وسمت میں لکھی ہے خاک سونا معلوم'' (مجموعۂ نغز ، صفحہ ۱۹) - (ادارہ)

جلوے تمھارے حسن کے نت ہیں پر ہم کہاں (۲۳ب)
تم تو سجن ہمیشہ ہو افسوس ہم نہیں[1]

مجھے درد و الم رہتا ہے نت گھبرے میاں صاحب
خبر لیتے نہیں کیسے ہو تم میرے میاں صاحب

(۳۴) بے تاب

شہاب الدین[2] بے تاب - مردے بود درویش، مربوط الاحوال، از شاگردان یکرنگ موصوف، روزے برائے ملاقات جعفر علی خاں که احوالش خواهد آمد می رفت، ناگاه در راه از پشت اسپ بے تاب شده افتاد، دستش شکسته، آخرش از ہماں زخم ودیعت حیات سپرده، خداش بیامرزد، ازوست :

نہ ہوتا گر کسی سے آشنا دل
تو کیا آرام سے رہتا مرا دل

تڑپھ کر مر گئی بلبل قفس میں
پڑی تھی ہائے کس ظالم کے بس میں

تم تو بیٹھے ہوئے پر آفت ہو
اٹھ کھڑے ہو تو کیا قیامت ہو

۱- ''کہاں'' تذکرۂ ریختہ گویان (صفحہ ۲۶) میں (ادارہ)
۲- ''شہاب الدین'' نام غلط ہے ''محمد اسماعیل'' نام اور بے تاب تخلص تھا - (دیکھیے ''تذکرۂ میر حسن'' صفحہ ۲۶ - ''مخزن نکات'' صفحہ ۲۳ ''تذکرہ ریختہ گویان'' صفحہ ۲۵ (ادارہ)

چه زنخداں میں دل تو ڈوب گیا
کہیں یا رب غریق رحمت ہو
تو خفا مجھ سے ، میں خفا دل سے
بھلا کس بات کی حلاوت ہو
اتنے سے قد آپر[1] اتی[2] سوخی
میاں تم تو بڑے قیامت ہو

(۴۴) ثاقب

شہاب الدین ثاقب ساکن قصبہ سوھارہ ، درویش متوکل ، شاعر پرگو و خوش گفتگو ، شاگرد آبرو ، گاھے اشعار (۴۲الف) خود از نظر سراج الدین علی خاں آرزو می گزرانید و در اکثر فنون دست رس تمام داشت ، باوجود همه دانی و قابلیت انسانی خود را هیچ مداں می شمرد ۔ رسائی فکرش از تلاش تخلص پیداست ۔ وقتے که افواج افاغنه از دست مرهٹه شکست خورده[3] به طرف جنگل تانک سنگھ فراری شده بود ، ودیعت حیات به مالک حقیقی سپرد ۔ خدایش بیامرزاد ،اگرچه دیوان ضخیم دارد ، اما به نظر این راقم الحروف نیامده ، دو بیت او به نظر رسیده ، ازوست :

ثاقب کی نعش اوپر قاتل نے آ پکارا
یه کون مر گیا ھے ، کس کا ھے یه جنازه

مر گئے تو بھی کچھ نه پوچھی بات
نس پہ ثاقب کا یار کہتے ھیں

۱- آپر : اوپر کا مخفف ۔
۲- اتی : اتنی کا مخفف ۔
۳ - ذی قعده ۱۱۸۵ھ (اداره) ۔

(۳۵) محمد مراد

محمد مراد ساکن شاہ جہان آباد ، دیگر بر احوالش اطلاع نیست ، ازوست :

سانپ کے جوں من مرا ڈس لے مجھے خطرہ نہیں
پر نو اسے مار سچ ہے زلف ناگن کیا نہیں (کذا)

(۳۶) دانا

فضل علی دانا مردے سب دانش مند ، نوکری پیشہ ، شاگرد مضمون ، متوطن دھلی ، متلاشی الفاظ تازہ و مضامین عجیب و غریب ۔ خدا داند کہ در قید حیات است یا درگذشت ، ازوست :

ہر صورت خدا کو دیکھنا عنوان ہے میرا (۲۴ب)
یہی توحید میں مصرع سرِدیوان ہے میرا

دل میں ہر ایک کے سودا ہے خریداری کا
یوسفِ مصر مگر تو ھی ہے اے یار عزیز

نہ چاٹے خون کو جس روز میرے ، اس کے فاقہ ہے
رگِ گردن سے میری اس کے خنجر کو علاقہ ہے

(۳۷) محمد عارف

محمد عارف از شاگردان مضمون ، متصل دھلی دروازہ سکونت داشت ، از بس کہ کم گو است بعد سالے و ماھے بیتے آرد ۔ شعر او خالی از لطف نیست ، خدا داند کہ زندہ است یا وفات یافت ، ازوست :

دختر رز کو کہہ کہ اس سے ملے
ورنہ عارف افیم کھاتا ہے

هزاروں معنیِ باریک آویں دل میں اے عارف
اگر زلف سیہ کا پیچ اس کے منہ پہ کھل جاوے

(۳۸) •کمترین

کمترین تخلص قوم افغان ترین ، بہ ہمیں سبب کمترین تخلص اختیار نمودہ ، عجب ہنگامہ پردازے بود ، مزاجش میل بہ طرز ہزل بسیار داشت ، شعر ہر فرقہ در ایہام گفتہ است و احوالِ خرابیِ شاہ جہان آباد و ہجو امرا بہ طریق شہر آشوب در مخمس بستہ کہ ہنوز بر السنۂ خواص و عوام (۲۵ الف) مذکور است ، آں چہ اشعار او بہ ہم رسیدہ نوشتہ می شود ، ایں چند ابیات از کمترین مزخرفاتِ اوست

نو خصم[۱] گن کر مشلچن[۲] نے کیے
تو بھی نئیں رھتی دو شاخہ بن دیے

پہلا اس مست نفرانی کو تاڑی
اگاڑی اصطبل کے جا پچھاڑی

یہ متصدی[۳] نہیں ملتے اگر بھانڈوں سے ذاتوں میں
تو کیوں پیسے کماتے ہیں نقل[۴] کر کر براتوں میں

۱ - خصم : بفتح دوم بہ معنی شوہر (عامیانہ بولی) -
۲ - مشلچن ، مشعلچی کی تانیث - مشعلچی کا عین گرا دیا ہے -
۳ - بہ سکون تا -
۴ - نقل بہ فتح دوم -

دیکھو پکوان والی کی مزاخین[1]
خصم کے رو بہ رو بھرے ہے شاخین

تیری انگیا میں کیا بلا کچھ ہے،
جن نے دیکھا سو ہاتھ ملتا ہے

تم بادشاہ پسند ہو ہم کمتریں تمہارے
کے بیر[2] ہم کو دوگے نازک بدن[3] پیارے

آ کھلی ہے چوٹ غم کی موسر سے تا سراپا
تم کو نہ چھاجتا ہے ہم سے پھٹک کے چلنا

(۳۹) قدر

قدر تخلص، شخصے بود اوباش، از قید مذهب و مشرب وارسته، قدر شخصیت او کماحقه، معلوم فقیر نیست، ازوست:

آئے ہو آج تو رہ جاؤ سجن رات کی رات
لیلة القدر سے بہتر ہے ملاقات کی رات

(۴۰) عاجز

عاجز تخلص ـ طرز اشعارش به‌طرز کمترین مسطور است، یکه فرد او به‌نظر رسیده، ازوست:

---

۱ ـ مزاخ: مذاق (عامیانه)
۲ ـ بیر: بار کا اماله اور به معنی بهل ـ
۳ ـ نازک بدن: بیر کی ایک قسم ـ

دل بغل مارے لیے جاتے ہیں یہ مکتب کے طفل (۲۵ب)
شیخ سعدی تم بھی ٹک لے کر گلستاں دوڑیو

(۱۳) بیرنگ

دلاور خاں پیشتر ہم رنگ تخلص می کرد بعدہ بے رنگ[۱] پسند نمودہ، برادر مصطفیٰ خاں یکرنگ مسطور، طبع موزوں دارد، ازوست:

یار کا جب خیال آتا ہے
ہوس میرا تمام جاتا ہے

دل کو تجھ عشق سے قرار نہیں
اب تلک مجھ کو اعتبار نہیں

نہیں مطلب مجھے کچھ باغباں اور
دوانا ہوں میں گل کے رنگ و بو کا
سدا بیدار رہ غفلت سے ہو ترس
مثل مشہور ہے: سویا سو چوکا

ہے ہاتھ ترا خون سے عاشق کے گرآلودہ
مہندی سے سجن مت کر بار دگر آلودہ
مفلس کی خبر کب ہے اے سیم بدن تجھ کو
افشاں سے ترا ماتھا رہتا ہے زر آلودہ

۱۔ فی الاصل: نیرنگ، مگر دلاور خاں نے بعد میں تخلص بےرنگ اختیار کیا تھا۔

فرہاد کو محنت کی تلخی نہ کبھی ہوتی
شیریں کا جو اک بوسہ ملتا شکر آلودہ

خط مرا اس نگار نے نہ پڑھا
کیا لکھا تھا کہ یار نے نہ پڑھا

(۴۲) مزمل

مزمل تخلص ، احوالش بہ تحقیق نمی رسد کہ از کجا بود ، فاما اشعارش پہلو بہ پہلو با اشعار آبرو و ناجی است کہ سر آمد ایہام گویانند۔ دیوان ضخیم دارد ، چند بیت او رسیدہ ، ازوست :

(۲۶ الف)
من ہرن میرا مزمل رم کیا
دشمنوں کے من کے چتی ہو گئی

لگایا عاقبت گل رو نے خنجر
یہی اس پھول کے دیکھنے کا پھل ہے

اے مزمل ناز کا گھوڑا کدا
شوخ کہتا[1] چل بے چل آگے سے چل

کرے ہے طعن حق پر مدعا لیلیٰ کو جانا ہے
مگر تیری ہوا ہے اس طرح مجنوں دوانا ہے (کذا)

ہر اک سردار ہے ہر بوند آنسو کی پلک اوپر
بہت چھوٹے ہیں خوسے نخل لے کیا یار آتا ہے

۱- ''بولا'' تذکرۂ میر حسن (صفحہ ۱۴۶ طبع جدید) میں (ادارہ)

طبقهٔ سوم : در ذکر شعرائے متاخرین و بعضے نومشقان دیگر

می گویند اول کسے که طرز ایهام گوئی ترک نموده و ریخته را در زبان اردوے معلی شاه جهان آباد که الحال پسند خاطر عوام و خواص وقت گردیده ، مروج ساخته ، زبدة العارفین ، قدوة الواصلین واقف رموز جناب اکبر ، کاشف کنوز طریقهٔ پیغمبر ،

(۳۴) مظهر

(جان جان مرزا) مظهر متخلص به مظهر مردے ست فرشته صفت ، علوی نسب ، هندی مولد ، حنفی مذهب ، نقشبند مشرب از مریدان سید نور محمد بداؤنی و مسترشدان محمد عابد سرهندی ، درویش صاحب حال ، باکمال ، خوش مقال مرجع (۲۶ب) و مستند عالم ، معزز و مکرم ، عالم متبحر و نحریر فاضل مستعد و بے نظیر خوش گو و خوش تقریر به مرتبه است که در تحریر نمی آید خلف الصدق مرزا جان جان تخلص ، نبیرهٔ جباری خان که در عهد همایون جلال الدین محمد اکبر بادشاه ، به منصب شش هزاری ممتاز و سرفراز بود - چنان چه چندے بغاوت ورزیده و قدم از دائرهٔ اطاعت بیرون نهاده در صوبهٔ گجرات نشست - از حضور پرنور افواج قاهره تعین شده ، دستگیر نموده آوردند ، تقصیر معاف شد - اما بادشاه عهد نمود که هر که به پایهٔ سلطنت رسد جباری خان یا اولاد او را در خاندان سلطنت جاه نه دهد و به مرتبه نرساند - آمدم بر سر مطلب : غرض که مرزا عجب کسے است که در شاه جهان آباد دهلی که منتخب هفت اقالیم بود ، همچو او شخصے خوش قماش نازک طبع برنخاسته تا به دیگرے چه رسد - این ناقص هم به خدمت شریف

او مشرف شده ـ از مغتنمات روزگار است ، حق تعالیٰ سلامتش دارد ـ دیوان فارسی او به نظر ایں احقر گذشته ، هر که دیده باشد فهمیده باشد ، احتیاج تعریف نه دارد ـ چند ابیات آں بزرگوار که بسمع رسیده (۲ے الف) نوسته می شود ؛ انعام الله خاں یقین و حزین وغیره شاعران ریخته تربیت کردۂ اویند ، ازوست :

خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو
یہی اک شہر میں قاتل رہا ہے

جواں مارا گیا خوباں کے اوپر میرزا مظہر
بھلا تھا یا برا تھا زور کچھ تھا خوب کام آیا

گیا جواں مارا گیا خوباں کے ہاتھ
لاکھ حسرت کھینچ آئی جس کے ساتھ

مرتا ہوں میرزائی گل دیکھ ہر سحر
سورج کے ہاتھ چونری پنکھا صبا کے ہاتھ
مظہر چھپا کے رکھ دل نازک اس کے نئیں
یہ شیشہ سجنا ہے کسی میرزا کے ہاتھ

کسی کے خوں کا پیاسا ہے، کسی کی جاں کا دشمن ہے
بہایت منہ لگایا ہے سجن نے بیڑۂ پاں کو

ہم نے کی ہے توبہ اور دھومیں مچاتی ہے بہار
ہائے کچھ چلتا نہیں کیا مفت جاتی ہے بہار

آتش کہو ، شرار کہو ، کوئلا کہو
مت اس ستارہ سوختہ کو دل کہا کرو

گر گل کو گل کہوں تو ترے رو کو کیا کہوں
بولوں نگہ کو تیغ تو ابرو کو کیا کہوں
مدت سے اس خیال کے آتا ہوں پیچ میں
گر مو کہوں کمر کو تو گیسو کو کیا کہوں
مجھ پر ہوا ہے تنگ سجن عرصۂ سخن
گر در کو دُر کہوں تو اس آنسو کو کیا کہوں
دیوانہ کر لیا ہے مرے جان و دل کے تئیں (٧٢ب)
مظہر ترے ستم گرِ بدخو کو کیا کہوں

چلی ، آخر جلا کر گل کے ہاتھوں کارواں اپنا
چمن میں ہائے بلبل نے نہ چھوڑا کچھ نشاں اپنا
نکالا باغ سے صیاد نے یوں ہم کو یا قسمت
لکھا یوں تھا کہ فصلِ گل میں چھوڑیں آشیاں اپنا[1]
یہ حسرت رہ گئی کن کن مزوں سے زندگی کرتے
اگر ہوتا چمن اپنا ، گل اپنا ، باغباں اپنا
نہ کچھ تقصیر اب ثابت ہے اس دل کی نہ خوباں کی
مجھے ناحق ستاتا ہے یہ عشقِ بدگماں اپنا

---

١ - یہ شعر ''مرزا مظہر جان جاناں اور ان کا کلام'' مؤلفہ عبدالرزاق قریشی (طبع بمبئی) میں نہیں ہے - ''طبقات الشعرا'' ان کے مآخذ میں شامل ہے ، حیرت ہے کہ یہ کیوں قلم انداز ہوا -

کوئی آزردہ کرنا ہے سجن اپنے کو اے ظالم
یہ دولت خواہ اپنا ، مظہر اپنا ، جانِ جاں اپنا

(۳۴) آرزو

ملک الشعراے ہندوستان فارسی گو سراج الدین علی خاں آرزو ، صاحب طبع دقت آفریں ، پایۂ سخن وری و سخن فہمی و محاورہ دانی را بدرجۂ کمال رسانیدہ بود ، از فصحاے زمانہ و استادِ یگانہ بود ۔ در تمام خطۂ ہند ہمچو او شاعر پر گو ، پر زور و خوش گو ، قادر سخن ، بایں فضل و کمال پیدا نشدہ ، حاصل کمالات او از حیز تحریر و تقریر بیروں ۔ اکثر استادان فارسی و ریختہ از تلامذۂ اویند ، نسخہ **سراج اللغت** وغیرہ از تصانیف او مشہور و معروف ۔ گاہے براے فرحت طبع یک دو ورد (۲۸ الف) ریختہ موزوں کردہ ، ایں فن بے اعتبار از یمن سخنش اعتبار یافتہ ۔ ایں چند ابیات از لآلیِ آبدار ازاں سرآمدِ روزگار است :

جان تجھ پر کچھ اعتماد نہیں زندگانی کا کیا بھروسا ہے

مے خانے بیچ جا کر شیشے تمام توڑے
زاہد نے آج اپنے دل کے پھپھولے پھوڑے

رکھے سیپارۂ گل کھول آگے عندلیبوں کے
چمن میں آج گویا پھول ہیں تیرے شہیدوں کے

وعدے تھے سب خلاف جو تجھ لب سے ہم سنے
دیا لعل قسمی دیکھو جھوٹا نکل گیا

هر صبح آوتا ہے تیری برابری کو
کیا دن لگے ہیں دیکھو خورشید خاوری کو

---

(۴۵) اشتیاق

حقائق و معارف آگاه شا ولی‌الله سرهندی اشتیاق تخلص ، نبیرهٔ محمد گل ، از اولاد شیخ احمد سرهندی ، در کوٹله فیروز ساه سکونت داست ، درویش دل‌ریس ، متوکل ، گاهے فکر ریخته می کرد ، ازوست :

لڑکوں کے پتھروں کی لگے کیوں که اس کے چوٹ
هر ایک گرد باد ہے مجنوں کو دھول کوٹ

بتاں جو هجر کی باتیں همیں سناتے هیں
کچھ ان کا دوس نہیں یه خدا کی باتیں هیں

---

(۴۶) امید

قزلباش خاں امید (۲۸ ب) شاعر زبردست ، فارسی گو ، جوانے بود ، داخل ذیل امراء و یار باس ، همیشه اوقات خود به خوشی و خورمی می گزرانید ، یک بیت او بسمع رسیده ، ازوست :

تیری آنکھوں کو دیکھ ڈرتا هوں
الحفیظ الحفیظ کرتا هوں

(۴۷) گرامی

مرزا گرامی پسر غنی بیگ کشمیری که قبول تخلص می کرد ، چون هنگامهٔ ریخته بسیار گرم شد ، ایشاں هم دو سه شعر ریخته موزوں

بود ، ازوست :

حاضری بن محل نہیں کھاتا
نکمی ہے پنیر منعم کا

(۴۸) پیام

شرف‌الدین علی خان پیام ساکن اکبر آباد ، شاعر پر زور فارسی، طبعش صائب و فکرش مناسب معلوم می شود ۔ دیگر بر احوالش اطلاع نیست ، ازوست :

تم ہو بوس و کنار کی صورت
ہم ہیں امیدوار کی صورت
بےنوا ہوں زکات حسن کی دے
او میاں مال‌دار کی صورت

بات منصور کی فضولی ہے
ورنہ عاشق کو آہ سولی ہے

دلی کے کج کلاہ لڑکوں نے
کام عشاق کا تمام کیا
کوئی عاشق نظر نہیں آتا
ٹوپی والوں نے قتل عام کیا

ر (۴۹) بے نوا

بے نوا تخلص ، احوال او به تحقیق نمی رسد ۔ در عہد سلطنت محمدشاہ بادشاہ کہ اکنون بہ فردوس آرام گاہ (۲۹ الف) ملقب است،

سبھ کرن نام جوهری چربینه فروش را در هنگامۂ هولی کشته ،
ثابت او بلوائے عام سد ـ جفت فروشان اجماع نموده در جامع مسجد
مانع خطبه گشتند ـ نواب ظفر خان روشن الدهر[1] که به طره باز خان
ملقب بود ، جوهری مذکور را پناه داد و نواب وزیر الممالک
اعتمادالدوله قمرالدین خان بهادر بر سر حمایت جفت فروس بودند ـ
آخر هنگامه عظیم درمیان امرائے عظام برپا شده ، بسیارے از
طرفین به‌قتل رسیدند و تمامی جامع مسجد بر از خون شده ـ ظفرخان
به سبب کثرت پاپوش کاری تاب مقاوست نیاورده گریخت ـ چنان چه
کسے شاعر گوید :

انچه بر فرق ظفر خان از خدا افتاده است
من چه گویم معنئی آں پیش پا افتاده است

این قصه را شاعر مذکور در مخمس بسته که هنوز بر السنۂ عوام
مذکور است ، ازوست :

یه کیا ستم هے اے فلک هرزه نابکار
مریخ نهر کے تیز کیا هے خنجر[2] کی دهار
جوتی فروش مرد مسلمان دین دار
مردود جوهری نے لیا هے ستم سے مار
سنگ جفا سے چور کیا لعل آبدار

کتنوں کو مار جی سے، قضا نے گرا دیا (۲۹ ب)
کتنوں کا جی بچا کے بهت هڑبڑا دیا

۱ ـ روشن الدوله هونا چاهیے ـ
۲ ـ حنجر بر وزن شکر پڑها جائے گا

کاغذ پہ بے نوا نے یہ سن کر چڑھا دیا
لکھتا ہے مار جوتیوں طرّہ اڑا دیا
تا حسر ہر زبان پہ رہے گا یہ یادگار[1]

---

(۵۰) حشمت

میر حشمت خان سید صحیح النسب ، متواضع و خلیق کہ در دل ہر کس جائے او خالی است ، عمدہ روزگار ، ساکن معلپورہ ، شاعر زبردست فارسی و ریختہ ، بسیار سنجیدہ فہمیدہ ، برادر کلان او میر ولایت اللہ خان از معتنمات روزگار بود ۔ چند سال شد کہ ازیں جہان رحلت نمود ۔ ازحشمت است :

نکہت گل ہے جگاتا کسیے رندان کے بیچ
پھیر زنجیر کی جھنکار پڑی کان کے بیچ

بہار آئی دوانے کی خبر لو
اگر زنجیر کرنا ہے تو کر لو

(۵۱) انجام

نواب امیر خان عمدۃالملک ، از امرائے عظام محمد شاہی خلف امیر الامرا نواب امیر خان عالمگیری کہ صوبہ‌دار کابل بود ، در فہم و فراست ضرب المثل و در نکتہ دانی و لطیفہ‌گوئی بے بدل ، نادر زمان و اعجوبۂ دوران خود بودہ ، در فن ظرافت یکتا و در ادائے سخن گوہر بے بہا ۔ مقابل ریختہ کہ لفظے است مذکر ،

---

۱ ۔ اس کے بارے میں محمود شیرانی مرحوم کا مضمون ''بے نوا ساسی کا مخمس'' اورنٹیل کالج میگزین میں دیکھا جائے۔

ریختی تصنیف (۳۰ الف) نموده[1] ، چند بیت ازاں یاد است :

خاکساری پر نہ کر موذی کی ہرگز اعتبار
جونک ماٹی میں رلے تو بھی لہو پیتی رہے
چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں ہرگز رفو
سوزن تدبیر بھی گر سو برس سیتی رہے
عشق میں بلبل کو کیا نسبت ہے پروانے کے ساتھ
وصل میں مرجائے وہ یہ ہجر میں جیتی رہے

دور سے آئے تھے ساقی سن کے میخانے کو ہم
پر ترستے ہی چلے اب ایک پیمانے کو ہم
ہم کو پھنسنا تھا قفس میں کیا کہیں صیاد کو
سر پٹک کھیے ہیں اپنے آب اور دانے کو ہم
کیوں نہیں لیتا ہماری تو خبر اے بے خبر
کیا برے عاشق ہوئے تھے درد و غم کھانے کو ہم

اکثر لطیفہ ها که از زبانش برآمده بر السنۂ عوام و خواص مستعمل و متداول اند ۔ بعضے ازاں تحریر می آید :

نقل :

روزے در دربار معلئی بادشاهی همه امرایانِ عظام به حضورِ پرنور ظل سبحانی خلیفة الرحمانی محمد شاه بادشاه حاضر بودند ۔ هر یک موافق حوصله و استعداد خود سخن از هر ضلع می‌گفت ، اتفاقاً از زبان کسے برآمد که ملا دو پیازه در اقوال خود گفته که از پیشه‌وراں هر که در آخر (۳۰ ب) نام او کلمۂ 'بان' و 'گر' می باشد بسیار

---

۱ ۔ یہ بیان قابل غور ہے ۔

مقصد بود : چنانچه رتھ بان ، فیل بان ، یا درودگر ، آهن‌گر - نواب موصوف به سمت مخاطب متوجه شده گفت : ''هاں سچ ہے مہربان !'' یعنی شما هم ازین قبیله هستید -

نقل :

روزے در پائجامهٔ بادشاه به حسب اتفاق مگسے داخل شد ، ازین باعث نهایت ملول خاطر شد - نواب موصوف چون بر چهرهٔ بادشاه بعمر کمال دید ، گفت که جهان پناه ! چرا ملول خاطر می شوند ''آپ هی گوہ کھائے گی اور نکل جائے گی'' - باید فهمید که چه لطیفه به موقع رسانید -

نقل :

روزے بادشاه سوال کرد که امیر خاں بهادر لفظ پوت و سپوت و کپوت چه معنی دارد - جواب داد که حضرت پوت آن را گویند که مثلاً پدر او بادشاه باشد ، فرزند او نیز بادشاه شود ، چنان چه حضرت - و کپوت آن را گویند که پدرش هفت هزاری باشد و پسرش به یک دانه محتاج شود ، چنانچه غلام - و سپوت آن باشد که پدرش به یک دانه محتاج بود و پسرش صاحب حشمت و جاه بود ، چنان چه نواب برهان‌الملک - سعادت خان پیچ و تاب خورده این بیت (۳۱ الف) سعدی شیرازی بر زبان راند :

پسر نوح با بداں بنشست
خاندان نبوتش گم شد

نواب موصوف گفت پیشتر هم بخواند :

سگ اصحاب کهف روزے چند
پئے نیکاں گرفت مردم شد

نقل :

روزے پادشاہ ماہ نو سہر ذی قعدہ می دید ، چوں دریں ماہ کودکے خوبروے می بینند ۔ پادشاہ بہ ہرجانب نگاہ کرد ، یکے از امرا کہ پسرش دراں وقت حاضر بود رو بہ رو آورد ، امیر خاں بدیہ گفت کہ نیاری ماہ آیندہ نمودن ضرور افتاد چرا کہ مشہور است :

ذی قعدہ بینی کودکے ذی حجہ دختر خوب تر

آں امیر سر درگریباں خجالت فرو بردہ ، چیزے از عہدۂ جواب آں بر نیامد ۔

دیگر لطیفہ ہاے کہ از زبان آں امیر اعجوبۂ دوراں برآمدہ دریں مختصر گنجائش ندارد ۔ در لطیفہ گوئی و پہیلی یکتاے وقت خود بود ۔ از دست کسے سپاہی نمک حرام کہ از ملازمان سرکار او بود ، در عین بردۂ دیوان خاص بادشاہی شہید سد ۔ حق تعالیٰ مغفرتش کند ۔ در قابلیت و مروت و سخاوت و دیگر کمالات انسانی اعجوبۂ زماں ، خصوصاً در فن ظرافت و نکتہ سنجی یکتاے (۳۱ ب) دوران خود بودہ ۔ چناں چہ نقل می کنند کہ روزے نواب موصوف پائجامہ کم خواب پوسیدہ بود ، نور بائی ڈومنی کہ در خوبی و لطیفہ گوئی شہرت داشت ، بہ مجرد دیدن گفت کہ نواب صاحب امروز چہ ازار کافر پوسیدہ آمد ، جواب داد کہ درو اندکے مسلمانی ہم ہست ۔ باید فہمید کہ چہ لطیفہ بر محل رسانید ۔

(۵۲) ناصر و آفتاب[1]

ناصر جنگ خلف رشید نواب نظام الملک آصف جاہ جوانے ۔ بود

---

۱ ۔ نواب نظام الدولہ ناصر جنگ کا تخلص ۔ مؤلف تذکرۂ گل عجائب نے ناصر اور آزاد بلگرامی نے "سرو آزاد" (صفحہ ۱۸۴) میں آفتاب لکھا ہے (وفات ۱۱۶۴ھ) ۔ ادارہ

قابل ، صاحب شجاعت ، عالی حوصله ، طبع موزوں داشت ، یک فرد او بسمع رسیده ، ازوست :

روز بد میں کس سے ہے یارو رفاقت کی امید
گر زوال آتا ہے ٹل جاتا ہے سایہ ساتھ سے

این بیت لفظاً لفظاً ترجمه شعر پدر اوست :

روزے بد داری نمی آید [ز] یاراں دیده ام
سایه هم گم می شود در زیرِ پا وقتِ زوال

پس به موجب حکم که پسر وارث پدر است ، اگر او مالک مضمون پدر شود ، مضائقه ندارد ۔

(۵۳) ضمیر[1]

نواب هدایت علی خاں از امرائے محمد شاهی بود ، مدتے صوبه‌دار پٹنه بریلی مانده ، بسیار جوانے قابل و شجاع بود و صاحب دیوان فارسی (۳۲ الف) چند اشعار هندی متفرقات ازو بسمع رسیده ، ازوست :

ایک دن سر رشتۂ الفت کے ساتھ
دیکھ کر چکسے کو میں دلبر کے ہاتھ
از روئے حسرت کہا کیا ہے مجھے
کیوں ہے اپنی بے خودی سچ کہہ مجھے
تب کہا چکسے نے رو کر زار زار
کیا کروں میرا نہیں کچھ اختیار

---

۱ - شوق نے تخلص نہیں لکھا ہے ۔ مؤلفِ سیرالمتاخرین کا والد بریلی میں عازی‌الدین خاں فیروز جنگ کی طرف سے ۱۱۶۰ھ کے لگ بھگ ناظم رہا تھا ۔ علی ابراہیم خاں مؤلف گلزار ابراہیم نے ضمیر تخلص کے تحت ذکر کیا ہے ۔ (دیکھیے گلشن ہند مع گلزار ابراہیم ص ۱۷۰) ۔ ادارہ

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست
میں کہا چکیے سے مت کر سینہ چاک
اس قدر کس واسطے ہے درد ناک
ہاتھ سے دلبر کے سرگرداں ہے تو
بے طرح پھیرے ہے تجھ کو کو بہ کو
چھوڑنا ہے ہاتھ سے جلد اور شتاب
تب کہا چکیے نے کھا کر پیچ و تاب
رشتۂ در گردنم افگندہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

(۴۵) درد

کرم اللہ خاں درد ، ہمشیر زادہ نواب امیر خاں کہ احوالا گذشت ، جوانے بود سپاہی پیشہ ، بسیار خوش فکر و صواب اندیشہ صاحب حوصلہ و نیک آئین ، تلاشی مضامین نو و رنگین سخن او خالی از درد نیست ، ازوست :

اگر وہ بت کسی صورت سے میرا رام ہو جاوے
تو توجوں اس عقیدے سے کہ کفر اسلام ہو جاوے (۳۲
تری برچھی نگاہوں نے کیا ہے نیم بسمل گر
اگر بھر کر نظر دیکھے تو میرا کام ہو جاوے
مرے سینے میں ہر اک سانس ہو کر پھانس کھٹکے ہے
خلش دل کی نکل جاوے تو کیا آرام ہو جاوے

سامنے ہوتے ہی بھر نقش نہ پائی دل کی
بٹ گیا نوک سناں پر صف مژگان کے بیچ

---

(۵۵) فغاں

اسرف علی خان فغان کوکۂ بادشاہ احمد شاہ ۔ داخل ذیل نیمچۂ امرایان است و ار ساگردان قزلباس خان[1] مرحوم است ۔ بسیار جوان خوس رو و خوس گفتگو ، اکنون به طرف صوبه بہار عرف پٹنه سنیده می شود ، ازوست :

ساقی[2] نه بس یاں آپ سے کچھ چشم تر آیا
دل دیکھے ھی ابر کو لاچار بھر آیا
آوارہ ، پریشاں و سکسته دل و بدنام
ستے تھے فغاں جس کو سو آج ھی نظر آیا

اگر عاشق کوئی پیدا نه ھوتا
تو معسوقوں کا یه چرچا نه ھوتا
گریباں چاک در روۓ کہاں ھم
اگر یه دامن صحرا نه ھوتا

رقیب دیکھ مرا حال زار روتا ھے
یه آہ مثل ھے که کہے ھیں سنگ آب ھوا

کیا پوچھے ھو حال فغاں کا سنا نہیں (۳۳ الف)
خانه خراب عسق نے دنیا سے کھو دیا

---

۱ ۔ مؤلف گلشن ھند نے علی قلی ندیم مخلص کا ساگرد لکھا ھے ۔ وفات ۱۱۸۶ھ (دیکھیے گلشن ھند مع گلزار ابراھیم صفحه ۱۸۳) اداره

۲ - "مے واسطے ساقی نه میں یاں چشم تر آیا" [مخزن نکات صفحه ۴۲]- (اداره)

اس کے وصال و ہجر میں یوں ہی گذر گئی
دیکھا تو ہنس دیا جو نہ دیکھا تو رو دیا

شکوہ[1] کرے ہے گر تو مرے اسک سرخ کا
تیری کب آستیں مرے لوہو سے بھر گئی

ایں شعر را مرزا رفیع السودا در غزل خود بہ‌طریق قطعہ تضمیں نمودہ و چہ خوب نسنہ[2] (کذا) کردہ۔

ہم تو مرتے ہیں تڑپ تڑپ زنداں کے بیچ
مفت لٹتی ہے بہار آہ گلستاں کے بیچ
مسکرانا ترا کیا کم ہے میاں تیغ نہ کھینچ
کیا مرا جی نہ نکل جاوے گا اس آن کے بیچ
یاد کر گوشۂ داماں کو اس ظالم کے
سخت الجھا ہے مرا ہاتھ گریباں کے بیچ

رہا نہ قیس جہاں میں نہ ناقۂ لیلی
کسی کے دل کی صدا رہ گئی جرس کے بیچ

خریداروں کو ہنستا ہے مرا دل
جو ہم لیوو تو سستا ہے مرا دل
میں دیوانہ ہوں اس کی رستمی کا
صفِ مژگاں میں دھنستا ہے مرا دل

۱۔ 'سکوہ تو کیوں کرے ہے مرے اشکِ سرخ کا' [مخزن نکات صفحہ ۴۳]۔ (ادارہ)
۲۔ ''تضمین'' ؟ (ادارہ)

مجھ کو کہنا تھا نہ پھنسبو پھنس گیا تو اے ندیم
اے مرے استاد اب وہ تیری اسادی کہاں ؟

مجھ مبتلا کی چشم کہاں تک پر آب ہو (۳۳ ب)
اے دل خدا کرے ترا خانہ خراب ہو

حدا جانے فغاں کس پیچ میں الجھا ہے دل میرا
وہ چیرا لٹ پٹا رہ رہ کے مجھ کو یاد آتا ہے

تیرے کوچے میں فرستے کے بھی پر جاتے ہیں
ایک ہم تھے جو کبھی آئے تھے ڈرے ڈرے

سمسیر کوئی تیز سی لانا مرے قاتل
ایسی نہ لگانا جو مرا کام نہ ہووے

قدم پر ہاتھ جب رکھتا ہوں تو کہتا ہے جھنجھلا کر
یہ گستاخی مجھے بھاتی نہیں ، اے بے ادب کیا ہے؟

خاک میں کیوں دفن کرتے ہو فغاں کی لاش کو
اے مرے قاتل یہ عاصی لائق تشہیر ہے

---

(۵۶) یقین

انعام‌اللہ خاں یقین پسر اظہرالدین خاں سرہندی کہ در وقت محمد شاہ بادشاہ داخل ذیل امرا بود، از اولاد شیخ احمد مجدد الف ثانی نوراللہ مرقدہ - جوانے بود خوش رو و خوش‌گو و خوش خلق و قابل و منظور نظر و تربیت کردۂ میرزا مظہر موصوف بودہ - در عین

عنفوان جوانی پدرش به سبب تقصیرے که از یقین به وقوع آمده باشد ، کشت ـ یقین است که مغفرتش شده باشد ـ بعضے شعرا گمان برده‌اند که یقین شعرگفتن نمی دانست ، (۴۳ الف) میرزا مظهر او را سعر گفته می داد ، محض خطاست ـ فاما در اشعارش اکثر اصلاح استاد بیشتر است ، چیزے مضائقه نه‌دارد ـ مشق سخن او به پایۂ اسادی رسیده بود ـ فاما اجلس مهلت نه داد ، هر قدر که دیوانس مرتب است همه انتخاب و از درد خالی نیست ، از سخنانِ یقینئی اوست :

دل میں زاهد کے جو جنت کی هوا کی هے هوس
کوچۂ یار میں کیا سایۂ دیوار نه تها

کیا بدن هوگا که جس کے کهولتے جامے کا بند
برگ گل کی طرح هر ناخن معطر هوگیا

اگرچه در سعر ابتذال جائز دانسته اند فاما این بیت لفظاً لفظاً ترجمۂ سعر انند رام مخلص است که می گوید :

ناخن تمام گشت معطر چو برگ گل
بند قباے کیست که وا می کنیم ما

خدا داند که در واقعه از کیست ـ

اگر هرگز نه میں اس شوخ کے خاطر نشاں کرتا
خدا جانے وفا میری کے حق میں کیا گماں کرتا
زباں فولاد کی هو تب جواب کوه‌کن دیوے
ستم هوتا اگر پرویز کو عشق امتحاں کرتا
نه دیتا عیش کی خسرو کو فرصت قصرِ شیریں میں
جو میں هوتا تو جاے شیر جوے خوں رواں کرتا (۴۳ ب)

نا چار لے دل اپنا گیا گور میں نقش
اس حسن کا جہاں میں کوئی قدرداں نہ تھا

رو اگر دیجیے اس کو بھی تو کچھ عیب نہیں
آئینے سے بھی گنا کیا دل حیراں میرا

تنگ دل کو کب بھلی لگتی ہے بستاں کی ہوا
باغ سے یوسف کو رنگیں تر ہے زنداں کی ہوا
بندیں ساری گرفتاری کی جاتی ہیں بباد
جب قفس میں یاد آئے ہے گلستاں کی ہوا
نہیں اتر سکتی کسی افسوں سے کالے کی لہر
کیونکہ نکلے سر سے اس زلف پریشاں کی ہوا

کیا مری مژگان تر کے ابر نے ڈالا ہے سور
آج بادل بے طرح امڈے ہیں یہ برسیں گے زور
خال گورے مکھ کا لیتا ہے مرے دل کو چرا
اس نگر میں چاندنی راتوں کو بھی لڑتے ہیں چور

تری آنکھوں کی کیفیت کو میخانے سے کیا نسبت
نگہ کی گردشوں کو دور پیمانے سے کیا نسبت
ارے دل، دلبروں سے مت توقع رکھ ترحم کی
لہو پیتے ہیں جو شخص ان کو غم کھانے سے کیا نسبت
یہ وہ موتی ہیں جن کی سیپیاں آنکھیں ہیں عاشق کی
مرے آنسو کو مروارید کے دانے سے کیا نسبت

خار سے مژگاں کے جی ڈرتا ہے میرا بے طرح (۳۵ الف)
رکھ مری آنکھوں پہ دیتے ہو کفِ پا بے طرح
بولنے تیرے سے جی اٹھتے ہیں جن میں دم نہیں
پھر مروج ہو چلا دینِ مسیحا بے طرح

بلبلیں بن ٹھن چلی جاتی ہیں باغاں کی طرف
کچھ تو اڑتی سی سنی ہے گل کے آنے کی خبر

دن جنوں کے آن پہنچے ہوشیاراں الوداع
فصلِ گل نزدیک آئی اے گریباں الوداع
ہم سے ٹک آباد ویرانہ تھا سو ہم بھی چلے
اب خدا حافظ تمہارا اے غزالاں الوداع

دلبروں کے نقش پا میں ہے صدف کا سا اثر
جو مرا آنسو گرا اس میں سو گوہر ہوگیا
آنکھ سے نکلے گا[1] آنسو کا خدا حافظ یقیں
گھر سے جو باہر گیا لڑکا سو ابتر ہوگیا

مرے ان آنسوؤں نے کھو دیا نورِ بصر میرا
یہ یوسف بیچ کر اس کارواں کے ہاتھ کیا آیا
یہ بوڑھا آپ مر جاتا جو جیتا ان کے کام آتا
یقیں کو مار کر اس نوجواں کے ہاتھ کیا آیا

---

۱ - ''پہ'' [تذکرۂ ریختہ گویاں] - (ادارہ)

نوک بعضے سرو کی ہوتی ہے حم[1] اس سے جو نوجھ
عالم بالا سے آتا ہے چلا گویا ادب
دست اٹھتا ہے تواضع کو نہیں یہ گردباد
دیکھ دیوانے کو کرتا ہے نقش صحرا ادب

عاشق اور معشوق عالم کے سبد کرے ہیں سب
تجھ سے حوں حواری کی طرر اور مجھ سے غم کھانے کی طرح (۳۵ب)

چاہتا تھا میں کہ سارا غم ہو میرے ہی نصیب
ہائے غم نے بھی نہ دی اس خاطر محزوں کی داد
کون رکھے قامت رعنا پہ تیرے جز یقیں
غیر شاعر کون دے اس مصرع موزوں کی داد

مو نکالے پر بھی مستی حسن کی اتری نہیں
بھر رہا ہے سر سے معشوقی کی یہ مسا ہنوز

آج دیکھی ہے میں اس طرح[2] کی بے داد کہ بس
سر پر آتا مرے اس طرح سے جلاد کہ بس
جی میں آتا ہے تری چھب کو دکھا دیجے اسے
باغ میں اتنا اکڑتا ہے یہ شمشاد کہ بس
باغ میں دیکھ مجھے یار جھجک کر بولا
کیا تری طرح سے مرتا ہے یہ بہار کہ بس

---

۱ - ''حوشے حم اس سے بوجھ'' [تذکرۂ ریختہ گویاں] - (ادارہ)
۲ - ''لطف'' [دستی ہند مع تذکار ابراھیم صفحہ ۲۶۳] - (ادارہ)

مرے جنوں پہ نہ تنہا کرے ہے مجنوں رقص
کرے بگولے کی صورت پکڑ کے ہاسوں رقص
یہ ساخ گل متحرک صبا سے نئیں کہ چمن
کرے ہے دیکھ کے تیری قبا سے گلگوں رقص

رشک تیری دل ربائی کا ز بس کھاتی ہے شمع
دیکھ تیرے حسن کے شعلے کو جل جاتی ہے شمع
عاقبت تن پروری ہوتی ہے گردن کا وبال
کس قدر پہلوے چرب اپنے سے دکھ پاتی ہے شمع (۳۶الف)

ہم تو اب مرتے ہیں اور بجھتا ہے الفت کا چراغ
دیکھیے پھر کب ہو روشن اس محبت کا چراغ
آگ بھی بجھتی ہے اور سورج بھی ہوتا ہے غروب
رات دن جلتا ہے اک اس داغِ حسرت کا چراغ

خاکساری محو کر ڈالے ہے سب دل کا غبار
دور خاکستر ہی سے ہوتا ہے آئینے کا داغ

رشک سے لاگی ہے پروانے کے تن کو جیسی آگ
لگیو اے فانوس ایسی تیرے پیراہن کو آگ
چل یقیں بہتر نہیں ہے اس سے جل مرنے کی طرح
کیا ہی پھولی ہے پلاس اور لگ رہی ہے بن کو آگ

حفا ان باغبانوں کی یقیں کیا کیا اٹھائی[1] ہیں
وہا سوں[2] چاھیے شاباس بلبل ، مرحبا بلبل
زیارت باغ کی کرتی ہے آنسو سے وضو کر کر
جناب گل میں رکھتی ہے عجب صدق و صفا بلبل

کیا فرھاد نے جو کچھ محبت اس کو کہتے ہیں
دیا جی بات کے کہنے میں ہمت اس کو کہتے ہیں
یقیں مارا گیا دور محبت میں زہے طالع
شہادت اس کو کہتے ہیں سخاوت اس کو کہتے ہیں

نہ کر شوخی مبادا بات کھا جاوے کمر تیری
ٹک اس قد کی نزاکت پر نظر اے مو کمر کیجو

(بہ ہب) جب دیکھتا ہوں بہا تجھ کو صحن چمن میں
کس کس طرح کی باتیں آتی ہیں میرے من میں
مجنوں کی خوش معاشی کرتی ہے داغ مجھ کو
کیا عیش کر گیا ہے ظالم دوانہ بن میں

کعبے بھی ہم گئے ، نہ گیا ان بتاں کا عشق
اس درد کی خدا کے بھی گھر میں دوا نہیں

قد نرا از بس کہ رکھتا ہے لٹک جوں شاخ گل
باد کے صدمے سے جاتا ہے لچک جوں شاخ گل

---

۱ - ''اٹھائی ہے'' مجموعۂ نغز جلد ۲ صفحہ ۳۵۹ - (ادارہ)
۲ - ''یوں'' مجموعۂ نغز جلد ۲ صفحہ ۳۵۹ - (ادارہ)

ھارمت پھرا[1] کرے پیارے کہ نازک قد ترا
بوجھ سے پھولوں کے جاتا ھے لچک جوں شاخِ گل

تیری آنکھوں میں نشے نے اس طرح مارا ھے جوش
ڈالتے ھیں جس طرح بد مست مے خانے میں دھوم

کروں میں کیونکہ قید زلف سے چھٹنے کی تدبیریں
پڑی ھیں میری ھر انگشت پر جوں شانہ زنجیریں
تماشا کر تصور کو کہ ھر ھر اشک میں میرے
تری صورت نظر آتی ھے جوں شیشے میں تصویریں

عمر آخر ھے جنوں کرلو[2] بہاراں پھر کہاں
ھاتھ مت پکڑو مرا یارو گریباں پھر کہاں
دار حت پھرے[3] جواھر، کر چک اے دل جاں نثار
دل چک اے پروانے یہ رنگیں چراغاں پھر کہاں

کم نہیں ھم بوجھیے کعبے سے میخانے کے تئیں
سجدہ ھم کرتے ھیں جوں محراب پیمانے کے تئیں
اٹھ گیا کہیے ھیں دیوانہ نقشِ عالم سے ھائے (۳۷ الف
ان نے کیا آباد کر رکھا تھا ویرانے کے تئیں

---

۱ - بجائے پھرا کرے (عامیانہ)
۲ - "نو" مجموعۂ نغز جلد ۲ صفحہ ۳۶۱ -
۳ - بجائے پھرا کرے (عامیانہ) (ادارہ)

ہوول جاتا باغ کی زیب اور گلستاں کی پھبن
دیکھتا گر باغباں زخم نمایاں کی پھبن
صدقے جاتا ہے مرا جی بال بال اوپر ترے
دیکھتا ہوں جب تری زلف پریشاں کی پھبن
ہائے میرا ہاتھ مت پکڑو کہ جیبِ گل کی طرح
چاک ہی کرنے میں ہے میرے گریباں کی پھبن
ہے مسلم سرو کی بھی جامہ زیبی، پر یقیں
کچھ کہی جاتی نہیں اس دور داماں کی پھبن

درد بن ہم کو کچھ اس لاگ سے مقصود نہیں
عشق پھیکا ہے اگر داغ نمک سود نہیں
ہم سے گر سر نہ نوا[2] اہل تکبر کا تو کیا
فخر آدم ہے جو ابلیس کا مسجود نہیں
بت پرستی میں موحد نہ سنا ہوگا کوئی
میرا تجھ بن کوئی واللہ کہ معبود نہیں

نہ گذرا ہوگا مجھ سا کوئی رنگیں اولے بن میں
گریباں آ پڑا ہے پھٹ کے گل کی طرح دامن میں
اگر رستم ہو عاشق دم نہ مارے یار کے آگے
کہ اس کا جی نکل جاتا ہے اس کی ایک تن تن میں

---

۱ - "زخم" گلشن ھند مع گلزار ابراھیم صفحہ ۲۶۴ - (ادارہ)
۲ - نونا - جھکنا - (فرھنگ آصفیہ)

اگر پاوے گلی تیری تو بلبل گلستاں بھولے
ترا نقش قدم دیکھے تو اپنا آشیاں بھولے
جو کچھ دیکھا ہے اچھی صورتوں میں نقش خاطر ہے (۷۳ب)
وہ اٹھکیلی سے ہسنا ، لاڈ سے رونا کہاں بھولے

تبسم میں جو اس کا منہ کھلا دل بندھ گیا ووھیں
مرا دل لے گیا ھنستے ھی ھنستے یار کیا کہیے
یقیں کے واقعے کی سن خبر وہ بدگماں بولا
یہ دیوانہ کچھ ایسا تو نہ تھا بیمار کیا کہیے

شروع عمر سے ھم معتقد ھیں دست و ھاموں کے
بگولے کی طرح جاروب کش ھیں قبرِ مجنوں کے
جنھیں ہے ھوس بے ھوشی کے طالب ھیں اگر سمجھو
جھڑے ہے مے پرستی نام سے خمّ ِفلاطوں[1] کے

رکھا تھا ایک دم وہ پائے رنگیں میری چھاتی پر
سو اب تک بوئے گل آتی ہے اس چاک گریباں سے

دوانہ ھوں میں جی دینے میں مجنوں کے سلیقے کا
مزا لیلیٰ کے مرنے کی طرح فرھاد کیا جانے
درختوں سے نہ دے تشبیہ اس قد کو یہی ھرگز
وہ اٹھکیلی سے چلنے کی طرح شمشاد کیا جانے

---

۱ ۔ دراصل دیو جانس کلبی کے بارے میں یہ روایت ہے کہ وہ ایک خم میں سو جاتا تھا ، یہ غلطی سے افلاطون سے منسوب ھوگئی ہے ۔

نکل بھاگا ہے کوئی صید کیا اس دام سے سچ کہہ
کئی دن ہیں کہ تیری زلف کی خاطر پریشاں ہے

خوش آئی ہے مجھے یہ بات اک مجنون عریاں سے
کیا کیجے کہاں تک چاک ، ہم گذرے گریباں سے
(۳۸ الف) اگر برباد جاوے خاک میری کیا تعجب ہے
فلک جب چرخ میں آ جائے تیرے دورِ داماں سے

شب ہجراں کی وحشت کو تو اے بے درد کیا جانے
جو دن پڑتے ہیں راتوں کو مجھے تیری بلا جانے

مرے آنسو بھی مارے ضعف کے اب چل نہیں سکتے
کیا اے عشق مجھ کو ہائے ایسا ناتواں تو نے
بگولا بھی ہماری خاک سیتی اٹھ نہیں سکتا
ہمیں یوں کر دیا پامال اے سروِ رواں تو نے

سکوت اہلِ سخن کا بھی نہیں خالی افادے سے
قلم کی طرح خاموشی میں یہ رکھتے ہیں گویائی

مقابلے میں وفا کے جو یہ جفا ہووے
کبھو کسی سے کوئی کیوں کہ آشنا ہووے

اگرا به خیر نہیں یاد کر مجھے سکتا
کبھی برا تو کہا کر ترا بھلا ہووے

موا جاتا ہوں مت اتنا بھی کس کر گوندھ بالوں کو
ٹک اک ڈھیلی تو کر دے جان زنجیر اس دوانے کی
یہ لذت جن نے اپنے یار سے پائی ہو سو جانے
نشے میں گالیاں کھانے کی اور پیالا دلانے کی
جھکتا ہے اس آب و تاب سے مستی میں پاوں اس کا
ڈھلک جس طرح ہوتی ہے یہیں موتی کے دانے کی

ملے جس کو پیمبر سا رقیب اس کا خدا حافظ
زلیخا قید اگر کرتی نہ یوسف کو تو کیا کرتی (۳۸ ب)

ستم ہے قید کرنا اس طرح سے[۲] مرغ ناداں کو
کہ جو مارے بھلائی کے قفس کو آشیاں سمجھے
یقیں کی گفتگو کے لطف کو باللہ کب کوئی
بغیر از حضرتِ استاد مرزا جانِ جاں سمجھے

---

۱ - متن طبقات الشعرا میں شعر کی شکل بگاڑ دی گئی ہے - گلشن ہند میں اس طرح ہے :

اگر بہ خیر ہمیں یاد کر نہیں سکتا
کبھو برا ہی ہمیں کہہ کرا بھلا ہووے

۲ - ''کے'' گلشن ہند مع گلزار ابراہیم صفحہ ۲۶۹ (ادارہ)

حق مجھے باطل آشنا نہ کرے
میں بتاں سے پھروں خدا نہ کرے
دوستی بد بلا ہے ، اس میں خدا
کسی دشمن کو مبتلا نہ کرے
ناصحا یہ بھی کچھ نصیحت ہے
کہ یقیں یار سے وفا نہ کرے

حسن اور عشق میں اک طور سے نسبت ہے ضرور
چشم بیمار تجھے دی ہے ، دل زار مجھے

کرتے ہیں اپنے بال دکھا آشنا مجھے
اس پیچ سے بتاں کے نکالے خدا مجھے

کرنا ہے کوئی یارو اس وقت میں تدبیریں
مرتا ہے یہ دیوانہ اب کھول دو زنجیریں

خواب میں کس طرح دیکھوں تجھ کو بے خوابی کے ساتھ
جمع آسائش کہاں ہوتی ہے بےتابی کے ساتھ
مفت نئیں لیتے وفا کو سہر خوباں میں یقیں
کس قدر بے قدر ہے یہ جنس نایابی کے ساتھ

زنجیر میں پاؤں کے پھنس جانے کو کیا کہیے
کیا کام کیا دل نے ، دیوانے کو کیا کہیے

مصرع آخررا مرزا رفیع السودا وغیره شعرا در مخمس تضمین نموده و خوب تشنه[1] ساختہ است :

اگرچه عشق میں آفت ہے اور بلا بھی ہے
نرا برا نہیں یہ سغل کحھ بھلا بھی ہے
اس اسک و آہ سے سودا بگڑ نہ جائے کہیں
یہ دل کچھ آب رسیدہ ہے کچھ جلا بھی ہے

ایک پل بھی ٹھہرتا نہیں آہ آنسو کی طرح
اس دل بے تاب کو کوئی تسلی کیا کرے
وصل کی گرمی سے مجھ کو ضعف آتا ہے یقیں
دیکھیے بہ ساتھ خوباں کی جدائی کیا کرے

اس بسنتی پوش سے آغوش رنگیں کیجیے
جی میں ہے اس مصرعِ موزوں کو تضمیں کیجیے

ٹک اک انصاف کر، کرنا ہے اتنی بھی جفا کوئی
کرے گا بعد میرے کس توقع پر وفا کوئی

نگہ[2] چبھتی ہے دگنی بھوں تھرکنے میں کرامت ہے
وگرنہ تیر لگتا ہے پریشاں گر کہاں لرزے

---

۱ ۔ یہ محاورہ تشنہ ساختن پہلے بھی استعمال ہوا ہے ، غالباً تضمین کے مصرع کے لیے اصطلاح ہے ۔

۲ ۔ مجموعۂ نغز صفحہ ۳٦٦ ، جلد ۲ میں مصرع اس طرح ہے :
''نگہ چھبتی ہے دل میں تیرے ابرو کے پھڑکنے سے''

(۵۶) حزیں

محمد علی حزیں مخلص، شاعر ریختہ گو، شاگرد مرزا مظہر موصوف، از ایام طفلی زیر سایۂ عاطفت او پرورش و تربیت یافته، مدتے شد که به سمت بنگاله رفته بود، خدا داند که زنده است یا وفات یافت۔ این چند ابیات انتخاب دیوان او و دال بر محرومئی (۳۹ ب) طبع اوست :

وہ کہ ہے ملک مسلم اسے یکتائی کا
خوب لیسا ہے مزا عالم تنہائی کا

ہم کمر یار کی سے ہی رہے ہیں لیکن
ہرگز اس بات کا ہونا نہیں ہم پر اثبات

غم نے لیا ہے گھیر مجھے یاں تلک کہ اب
دیتا ہے ساتھ دینے سے مجھ کو جواب دل
ٹک جی سے اپنی جان رضا دے تو مرچکیں
اس زندگی کی اب نہیں لاتے ہیں تاب دل

رحم آتا ہے ہمیں اس مشت خاک اپنی پہ ہائے
خوبرویوں کی ہوا میں یوں گئے برباد ہم
زندگانی تلخ ہو جاتی ہے ہم پر کیا کریں
حسرتوں کو اپنی جب کرتے ہیں جی میں یاد ہم
کیوں نہ ہووے شاد ہم سے حضرت مجنوں کی روح
عشق کے صحرا کو رکھتے ہیں حزیں آباد ہم

بے طرح کرتا ہے دست اندازیاں زلفوں سے یہ
اس قدر کیوں سر چڑھایا ہے سجن شانے کے تئیں[1]
نام لے اوروں کا اس سے حال دل کا جا کہو
اس طرح شاید سنے وہ میرے افسانے کے تئیں

حساب ہم سے وفا کا ہمیشہ لیتے ہو
اور اپنے جور و تعدی پہ کچھ شمار نہیں

کیا اس کے جی میں آکے حیا کر گئی خلل
آیا تھا ورنہ قتل کو میرے دلیر ہو

کچھ کٹی[2] ہجر میں کچھ وصل میں گریاں گذری (۴۰ الف)
کیا مری عمر کی اوقات پریشاں گزری

لیتے ہیں کیا مزہ ہم ، وعدوں سے جھوٹے اس کے
کیوں کر نہ ہوں دوانے پیماں شکن کے اپنے

۱- یہ شعر مصرع دوم بہ اندک تغیر ، سعادت کا ہے :
بے محابا زلف کے کوچے میں جاتا ہے چلا
سر چڑھاتا ہے بہت تم نے میاں شانے کے تئیں
(ملاحظہ ہو ، دلی کالج اردو میگزین ، میر نمبر)

۲ - اس شعر ''کٹی'' اور ''گزری'' کو یائے مجہول سے پڑھا
ئے تو موجودہ زمانے کے مطابق ہو جاتا ہے - شیرانی مرحوم نے
ے معروف سے پڑھا ہے - (ادارہ)

اس بے وفا کے عشق میں کچھ مجھ کو حس نہیں
پاؤں تلک بھی ہائے مجھے دست رس نہیں
کیا کیا گزرتا ہوگا دلوں میں قفس کے بیچ
ان بلبلوں کا ہائے کوئی داد رس نہیں

---

(۵۷) نوازش

سید نوازش خان خلف رشید مرتضیٰ خان ایلچیٔ ایران که برادر نواب معتمد خان بود ، ازوست :

آہ گر باغ سے وہ سرو خراماں گزرے
اشک قمری کا گلستاں میں طوفاں گزرے

---

(۵۸) حشمت

محمد علی حشمت شاگرد علی بیگ کشمیری که قبول تخلص می کرد ۔ استاد عبدالحیٔ تاباں است ۔ همراه قطب الدین خان نبیرۂ نواب عظمت الله خان مرادآبادی در جنگ افاغنه کشته شد ، خدایش بیامرزد ، یک فرد ازو یادگارے هست ۔

خط نے ترا حسن سب اڑایا
یه سبز قدم کہاں سے آیا

---

(۵۹) مسکین

مسکین ساکن دهلی ، مردے بود صاحب درد ، مسکین وضع ، محبت اولاد نبی و آل علی در دل خود بدرجۂ کمال داشت ۔ تمام عمر خود در (۔ ہ ب) تصنیف مرثیۂ امام حسن و امام حسین شهیدان دشت کربلا ، جگر گوشۂ مصطفیٰ ، نور چشم علی مرتضیٰ ، مردمک

دیدۂ فاطمہ زہرا رضی‌اللہ عنہا ، صرف نمود و بہ وقت مرگ خود یک صندوقچہ پر از مسودات مرثیہ بجاے ترکہ گذاشت و بہ ورثۂ خود وصیت نمود کہ ہر سال یک پرچہ کاغذ جدید ازیں‌ہا برآوردہ در ایام عاشورہ رواج دہند۔ چناں‌چہ اکثر مرثیہ ہائے او در ایام محرم‌الحرام ، خواص و عوام با لحن خوش و صوت حسن در ماتم امامین ہمامین سعیدین شہیدین ابی محمد الحسن و ابی عبداللہ الحسین می خوانند و خاک مذلت در دیدۂ اعدا می اندازند ، چند بیت از مرثیہ اش کہ بہم رسیدہ تحریر می آید ، ازوست :

نبوت کے چمن میں اے صبا کل ہے گل افشانی
بہار نوجوانی سے زمین لے کے[1] ز مستانی
کل[2] اس گلشن میں مرجھا کر گریں گے پھوٹ بن پانی
بہ‌شاخ زعفراں بیٹھیں گے آ خار بیابانی

جب وداع ہونے لاگی دسویں رات
شہ نے بعد از نوافل و رکعات
تسبیح اوپر پھرایا جلدی ہات
کہا کاے دست و دل گر و طاعات
ہر دم از عمر می رود نفسے (۱۰ الف)
چوں نگہ می کنم نماند بسے
جاگتے جاگتے وہ ساری رین
کی پرستش خدا کی با سر و عین

---

۱ - ''گی''؟ (ادارہ)
۲ - ''گل'' ؟ (ادارہ)

کہا آنکھوں نے ٹک تو سو لے حسین
کہا کیا سوؤں اب گزر گئی رات
خواب نوشین و بامداد رحیل
باز دارد پیادہ را ز سبیل
اتنے میں چمکا صبح کا تارا
شامیوں نے بجایا نقارا
شہ نے منگوا کے ذوالجناح پیارا
پھیر ہات اس پہ تب کہی یہ بات
خجل آن کس کہ رفت و کار نساخت
کوس رحلت زدند و بار نساخت

دیگر :

قضا نے کربلا میں جب نظر ثانی مقرر کی
کہ ٹک دیکھوں جلال و شباہت ابن حیدر کی
پکڑ کر اپنے ہاتھوں میں قلم شمشیر و خنجر کی
کہا منظور ہے سب فوج نہ سبط پیمبر کی

تا آخر دریں مرثیہ صناعات بکار بردہ ، ہر کہ دیدہ باشد فہمیدہ باشد ۔ و دیگر مرثیہ ہا بسیار دارد تاکجا بہ تحریر آرد ، مشتے نمونہ خروارے ، و از معاصرین او دیگر مرثیہ گو مثل گدا و سکندر وغیرہ بسیارند ۔ چوں در ساعری مرثیہ غلطی الفاظ بسیار یافتم لہذا دریں مختصر درج نہ نمودم ۔ (۱۴ب)

(۶۰) رشید

سید عبدالرشید متوطن قصبہ مارہرہ ، جوانے بود جامع کمالات انسانی ، صاحب ذہن دقت آفرین سرآمد روزگار ، در فرقۂ علما چنیں

شخص در عرصهٔ وجود نیامده وندیده بلکه گوش کسے نشنیده ـ مجمع هنر و اخلاق و در استقامت عقل و ذرافت طبع یکتا و طاق ـ میل خاطرش به طرف لطیفه گوئی بسیار مائل و لطیفه اش برالسنهٔ عوام و خواص متداول ـ از دست طلبا معاصرین خود به سبب طغیانیِ آتش رشک وحسد سربت شهادت چشید ـ تحریر اوصافش خارج از دائرهٔ بشری است ، گاهے مزاجش به طرف ریخته نیز توجه می فرمود ، این چند ابیات[1] دال بر ذهن رسا و فهم بجای اوست ـ

نقش پا اس کا زمیں پر جب سے دیکھا ہے رشید
ورد ہے دل کا مرے یا لیتنی کنت تراب

(۶۱) تاباں

عبدالحیٔ تاباں ساکن شاه جهان آباد ، جوانے بود وجیه شکیل، در حسن و خوبی بے تمثیل ـ همانا حورے بود در لباس انسانی یا فرشتهٔ از عالمِ نورانی ، خنده رو ، کشاده پیشانی که چشم بیننده را ازو مانند آئینه (۲۴الف) سراسر حیرانی و پریشانی رو می داد ـ وشنونده به کمال استیلاے آتشِ شوق دیدار متاعِ خرد و هوش که راس المال خزانهٔ بشریت است ، تاراج و برباد می ساخت ـ بسیار خوش تلاش و خوش فکر ، عالی همت ، صاحب نصیبه ، خوش سلیقه خوش لباس و خوش پوشاک ، جامه زیب ، دل فریب بود ـ هرکه برو یک نظر می کشود ، مانند گل چاک جیب می نمود ـ تا حال در فرقهٔ شعرا هم چو او شاعر خوش ظاهر ، محبوبِ خوش اسلوب ، در لطافت و خوبی و حسن و نزاکت و خوش اسلوبی از کتمِ عدم پاے به معمورهٔ وجود ننهاده ـ می گویند که در عین

---

۱ ـ چند ابیات لکھا ہے مگر انتخاب میں ایک ہی شعر دیا ہے ـ (اداره)

ابتدائے جوانی کہ انتہائے کمال نادانی است ، این قدر مداومت با شراب نمود کہ شب و روز مست و بے خبر می ماند ، ہرکہ برائے ملاقات می رفت مست طافح یافتہ بر می گشت ۔ چون چند روز از حیاتِ فانی او باقی ماندہ دفعۃً توبہ کرد ، آخر بیماری شدید کشید ، در اندک فرصت آفتاب تابان او در افق ظلمتِ مرگ در رسید و عالم را از اخفائے مہر درخشان و چہرۂ تابان خود تاریک گردانید، افسوس افسوس (۲۴ ب) محبوب عجیبے از دست روزگار رفت ۔ حق تعالیٰ مغفرتش کند ۔ این چند اشعار گہربار و درِ مکنون کہ ازان لبِ بے گون صادر شدہ ، نوشتہ می شود ، ازوست :

میں اپنے دل کو غنچۂ تصویر کی طرح
یا رب کبھی خوشی سے نہ دیکھا کھلا ہوا
ہر دم کروں نہ کیوں کہ گریباں کو اپنے چاک
آتا ہے یاد یار کا جامہ چسا ہوا
تاباں کے دیکھنے سے برا مانتے تھے تم
کہو دی بہار خط نے تمھاری بھلا ہوا

اخگر کو چھپا راکھ میں میں دیکھ کے سمجھا
تاباں تو تہ خاک بھی جلتا ہی رہے گا

زباں ہی قاصد تو اس سے یہ کہیو
کہ خط آ گیا ہم کو خط بھی نہ بھیجا
کداتا ہے جس وقت تو اپنا گھوڑا
دھڑکتا ہے گاوِ زمیں کا کلیجا

مرا بس ہو تو ہرگز خط نہ آنے دوں ترے لیکن
لکھا قسمت کا کوئی بھی مٹا سکتا ہے کیا قدرت

لے میری خبر چشم مرے یار کی کیوں کر
بیمار عیادت کرے بیمار کی کیوں کر

جفا تو چاہیے اے شوخ مجھ پہ یاں تک کر
کہ سب کہیں مجھے، رحمت تری وفا کے تئیں

جوں برگِ گل سے باغ میں سنم ڈھلک[1] پڑے
کیا ہو کہ برگِ نرگس سے یوں سے ٹپک لڑے
محمل کے بیچ سن کے مرے سوزِ دل کا حال
بے اختیار شمع کے آنسو ڈھلک پڑے

کاٹیں ہیں بتاں ناباں جوں شمع، زباں میری
یاں بات کے کہنے کی ہوتی ہے گنہگاری

تو بال کھول نہایا تھا اک دن، اب تک
ہر ایک موج کو ہے پیچ و تاب دریا میں

مکھڑا نو اس کا خط کی سیاہی میں چھپ گیا
آیا گہن میں آہ مرا ماہ کیا کروں
"یوسف" سا شخص نو نہ ہوا اپنے باپ کا
ناباں میں یہ سمجھ کے دھیں چاہ کیا کروں

---

۱ - فی الاصل : ٹپک

مرتے ہیں آرزو میں اس وقت آن پہنچو
ٹک تم کو دیکھ لیں ہم جلدی سے جان پہنچو

نہ پائی خاک بھی تاباں کی ہم نے پھر ظالم
وہ ایک دم میں ترے رو بہ رو ہوا سو ہوا

یاں پلک بھی نہ ہم سکیں جھپکا
ایسا قاصد تو آنسو لپکا
آرزو ہی رہی بہ دانۂ تاک
قطرۂ سے کبھی نہ ہو ٹپکا

مرنے کے سے تو نہیں کچھ مرے آثار ہنوز
رحم کر رحم کہ جیتا ہے یہ بیمار ہنوز

قاصد[1] پھرا نہ لے کر واں سے جواب نامہ
یاں لکھ چکے تھی یارو میرا جواب نامہ

(۳۴ب) تو سے نہ اس قدر ظالم کہ تجھ کو کف کم ہووے
ترا بے ہوس ہو جانا ہمارا ہوش کھوتا ہے

بیاں کے سہر تاپرساں میں کب کوئی داد کو پہنچے
مگر ہاں[2] اپنے بندوں کی خدا فریاد کو پہنچے

---

۱ - "میرا جواب نامہ یا لکھ چکے پر اب تک" مخزن نکات صفحہ ۴۵ ، تذکرۂ ریختہ گویاں صفحہ ۳۳ - (ادارہ)

۲ - تذکرۂ میر حسن صفحہ ۳۷ - (ادارہ)

قیامت مجھ پہ کل کی رات اس کے ھجر میں لائی
نہ آیا یار میرا آج بھی ، وہ رات پھر آئی
اگرچہ سرو کو تشبیہ تیرے قد سو ہے لیکن
نری سی آن نے چھب تقطیع و رعنائی کہاں پائی

رباعی

ہوتا ہوں ترا جو استیاق ساقی
بے خود ہو ؛ پکارتا ہوں ، ساقی ساقی
ہے مجھ کو خمار شب کا ، لا صبح ہوئی
شیشے میں جو کجھ کہ سے ہے باقی ساقی

(٦٢) خاکسار

محمد یار خاکسار عرف کلو متوطن دھلی قدیم ، خادم درگاہ نبی کریم ، .
بع سلیم و ذہن مستقیم دارد و نسبت خادمیت از تخلصش پیدا و خاکساری
مذاق سخنش ھویدا ۔ مصنف ''تذکرۂ ھندی'' است ، این چند
یات دال بر خاکساری اوست :

دل شیفتہ ہو کے کیا لیا تیں
اے خانہ خراب کیا کیا تیں[۱]

تیری زلف سیہ سے اے پیارے
مجھ کو یک سر ہزار سودا ہے

---

۱ ۔ یہ تیں ، تو نے کا مخفف ہے ۔ (عامیانہ)

خاکسار اس کی تو آنکھوں کے کبھی مت لگیو
مجھ کو ان خانہ خرابوں نے ہی بیار کیا

(۲۳الف) تیغ قاتل سے ہوئے[1] محروم بے تقصیر ہم
روز محشر کے اٹھیں گے گور سے دل گیر ہم

کیا ہے اس خاکسار کی تقصیر
یہ مگر تم کو پیار کرتا ہے

کیا ہے حاصل تجھے ناصح مرے سمجھانے میں
آہ جوں شمع شب راحت مری مر جانے میں[2]
خاکسار عاشق مے خوار کو تقوے سے کیا
ابھی دیکھا ہے میں اس رند کو مے خانے میں

قیامت بھی ہوگی تو میری بلا سے
مجھے داد خواہی کی طاقت کہاں ہے

روے ہے خاکسار کے سوتا نہیں کوئی
اس خانماں خراب کو چپکا خدا کرے

عشوہ و ناز کو ترے پیارے
یہ ترا خاکسار جانے ہے

---

۱ - "رہے" تذکرۂ میر حسن صفحہ ۶۲ - (ادارہ)
۲ - "مجھے جل جانے میں" تذکرۂ میر حسن صفحہ ۶۲ - (ادارہ)

شانہ آهستہ کیجو حجام
تار اس زلف کا رگ جاں ہے

(۶۳) درد مند

محمد فقیہ درد مند ساگرد مرزا مظہر موصوف است ، اشعارس بدست نیامدہ مگر چند بیت ساقی نامۂ[۱] اوکہ بر السنۂ خواص و عوام مذکور است نوستہ می سود ، ازوست :

ساقی نامہ

الٰہی ترا حمد مقدور نئیں
اگرچہ سخن کا یہ دستور نئیں

بجا ہے جو تیرا ثنا گر نہیں
یہ منہ ان شرابوں کا ساغر نہیں

کہ جوں سمع ہوں سخن عاجز بیاں
جلانے کے قابل ہے میری زباں

مرا نعت میں بھی یہی حال ہے
یہی عجز اس عجز پر دال ہے

مناجات میری یہی ہے تمام
کہ ساقیٔ کوثر کا دے مجھ کو جام

زہے پیر و مرسد ، زہے پیشوا
کوئی کیا کرے اس کی مدح و ثنا

---

۱ ـ متن میں ساقی نامے کا انتخاب ہے مگر کسی نے حاسیے پر پورا ساقی نامہ نقل کر دیا ہے ـ اسے یہاں ہم نے شامل متن کردیا ہے اور جن اشعار کا انتخاب ہوا تھا ان پر نسان × لگا دیا ہے ـ یہ ساقی نامہ اسی تذکرے سے نقل ہوکر پہلی بار رسالہ اردو میں چھپا تھا اور کسی جگہ اس کا مکمل متن نہیں ملتا ـ

نپٹ مدح کا قافیہ تنگ ہے
کہ اس فخر سے امر کے تئیں ننگ ہے
حدیو سخن میرزا جانِ جاں
کہ حکم اس کا ہے ناطقہ پر رواں

ہے اس کا لقب ذوالجلالِ سخن
کہ بندے ہیں اس کے سب اربابِ فن
سب اہل کمال اس سے ہیں مستفید
کہ ہیں علم و عمل اس کے دونوں مرید

// کہاں تھا مجھے ریختے کا خیال
ہوا واجب اک امر کا امتثال
محبت نے مجھ کو کیا لاجواب
وگرنہ میں اور ریختہ کیا حساب

× کرے کیوں نہ مشکل دو عالم کی حل
کہ جس کا یداللہ ہے بانہہ بل
× کوئی اج اس کے برابر نہیں
وہ سب کچھ ہے الا پیمبر نہیں

میں پھرتا ہوں گرد اس کے ہر صبح و شام
کہ ہے عشق کا اس کے یہ - - و مقام
تمنا یہ ہے اس کفِ خاک کو
کہ چھوڑے نہ اس دامنِ پاک کو

اسے سب میں یا رب امامت رہے
قیامت تلک وہ سلامت رہے
رہی نئیں مجھے نیک و بد کی تمیز
کہ ہے ایک خاطر قیامت عزیز

کروں آب کوثر سے اول وضو
تب اس نام سیتی کروں گفتگو

سعادت ہے اس نام کا ذکر خیر
عبادات ہیں نا تمام اس بغیر

نبی اور علی اس سے آتے ہیں یاد
دو نعمت ہیں یک نام سے مستفاد

محمد علی خاں سعادت کا جان ؍؍
کہ کرتے ہیں فخر اس پہ دونوں جہان

امامت کا نخل برومند ہے
کہ شاہ ولایت کا فرزند ہے

کہوں اس کی دولت کا کیا اقتدار
کہ کرتے ہیں فخر اس پہ دونوں جہان (کذا)

کہوں میں سواری کا اس کی نشان
کہ چلتا ہے لے سورج اس کا نشان

یہی اس کی رفعت پہ بس ہے گواہ
کہ ہے نقش پا اس کے ہالے کا ماہ

عطامیں ہے ہاتھ اس کا سب سے بلند
کہ جوں دل کے دینے میں یہ دردمند

کہوں اس کی جرأت کا کیا کاروبار
حسوں کے برات میں . . ذوالفقار (کذا)

کروں سجدۂ شکر قدرت کے تئیں
نہ بوجھوں معانی و صورت کے تئیں

پڑی اس کی خوبی کی ازبس کہ دھوم
لیا ہاتھ صانع کا قدرت نے چوم

کروں اس کے اخلاق کا کیا بیاں
مجھے فکر سے اس کے فرصت کہاں
عرض منکراں پر یہی ہے یقیں
کہ جدّ اس کا ہے سیدالمرسلیں

کیا چاہیے سب کچھ اس پر قیاس
کہ حیرت سے میرے رہے نئیں حواس
مناسب یہیں اب بغیر از سکوت
کہ ہے وہ تصور مرے دل کا قوت

خطاب با ساقی

الٰہی بہ حق دل دردمند
اسے تو دو عالم میں رکھ سر بلند
× ارے ساقی اے جان فصل بہار
یہی تھا ہمارا تمہارا[۱] قرار
× ہمارے بسرنے کی یہ فصل ہے
فراموش کرنے کی یہ فصل ہے
ستم سے گذر کچھ تو انصاف کر
خدا سیتی ڈر کچھ تو انصاف کر
تامل سے ٹک دیکھ گل کا شکوہ
کہ لبریز ہے باغ تا دشت و کوہ
اس آتش سے میرا نہ کر دل کباب
نہ کر میری طاقت کے زہرے کو آب

---

۱ - "اور تیرا" تذکرۂ میر حسن صفحہ ۶۴ - (ادارہ)

کہ میں جاں بہ لب ہوں پیالے کی طرح
لگی ہے مجھے آگ لالے کی طرح
ارے مجھ سے کیا جرم واقع ہوا
کہ دل تیرا مجھ سے دلا پھر گیا (کذا)
نہ تو مجھ کو دیتا ہے جام شراب
نہ فریاد میری کا دے ہے جواب
مرے عس کا دفتر ابتر نہ کر
قیامت تو مجھ پر مکرر نہ کر
ترے اس تغافل سے ظاہر ہوا
کہ آتا ہے تجھ کو ستم سے مزا

در قسمیہ

تجھے جام صہبا کے سر کی قسم
تجھے اپنی مینا کے سر کی قسم
تجھے جان، گل کے لہو کی قسم
تجھے باغ کے رنگ و بو کی قسم
تجھے جام کی چشم تر کی قسم
تجھے اپنی پنہاں نظر کی قسم
تجھے یار مستی کی اپنی قسم
تجھے خود پرستی کی اپنی قسم
× ادا سے ٹھٹھکنے[۱] کی تجھ کو قسم
نشے میں بھکنے کی تجھ کو قسم
قسم ہے تجھے بے سبب جنگ کی
قسم ہے مرے نام کی ننگ کی

---

۱ - متن : لبھکنے

ارے بے وفا بے مروت صنم
میں دیتا ھوں تجھ کو قسم پر قسم
تجھے جان ، مستاں کی لعزش کی سوں
صراحی سے مے کی تراوش کی سوں
تجھے اپنے (؟) سانس لینے کی سوں
مجھے سانس میں جان دینے کی سوں
× تجھے وعدہ کر ، بھول جانے کی سوں
تجھے اپنی سوگند کھانے کی سوں
تجھے دھر رر کی حرمت کی سوں
تجھے معبچوں کی شرافت کی سوں
× شب عہد کے تجھ کو چاؤں کی سوں
تجھے اپنے سہندی کے پاؤں کی سوں
جو تو نے کیا مے کو مجھ پرحرام
تو اتنا کر اے ظالموں کے امام
کہ اس سرکشی سے نہ کر پائمال
مرے خوں کو کر اپنے اوپر حلال
ارے ساقی اے سر پناہ دماغ
ارے بزم مستوں کے شمع و چراغ
اٹھا خاک سے پر خماروں کے تئیں
جلا ان تغافل کے ماروں کے تئیں
مجھے اس طرح مت بسر رحم کر
نہ مجھ پہ کر اپنے اوپر رحم کر
مجھے مرے جینے کی کچھ نئیں تمیز
ترے واسطے زندگی ہے عزیز

تجھے رحم کچھ مجھ پہ آتا نہیں
مگر جیونا میرا بھاتا نہیں
تو اتنا سخن دل ستی مان رکھ
کہ میں سخت مخلص ہوں یہ جان رکھ
برا مت ہو ، جو کچھ بھلا میں کہوں
کہ آخر ترے خیر خواہوں میں ہوں

در فخریہ

× تری جان کی سوں غنیمت ہوں میں
سلیقوں میں عالم قیامت ہوں میں
مری وضع و اطوار پر کر نظر
مری طرزِ گفتار پر کر نظر
اگر عشق میں دوں تحمل کو عرض
لیوے کوہ کن مجھ سے ہمت کو قرض
× مرا عقل میں کون انباز ہے
ارسطو مرا اک دوا ساز ہے
× فلک چرخ مارے گا گر صد ھزار
نہ لاوے گا مجھ سا کوئی رونکار
نہ یہ مے نہ یہ باغ رہ جائے گا[1]
نہ ملنے کا اک داغ رہ جائے گا
نہ توڑ آئینہ اپنے دیدار کا
زیاں خوب نئیں اپنی سرکار کا

---

۱ - یہ شعر حاشیے پر نہیں ہے -

یہ سب مے کدے میں جو آتے ھیں یار
مجھے دیکھ ہوتے ھیں ییرے سکار
اگرچہ تجھے مجھ سے الفت نہیں
ولیکن کوئی ایسی حسرت نہیں
جو مجھ سا جدا هووے، تجھ ساتھ سے
یہ سهباز جاتا رہے هاتھ سے
کوئی مجھ سا جوناں میں فائق نہیں
تری شان کے ظلم لائق نہیں
ست اس طرح پیارے کسو کو سر
مبادا کوئی ناتواں جائے مر
نہ ایسی سفارس نہ کرتا هوں میں
تری خیر خواهی میں مرتا هوں میں
جو منظور تیری بھلائی نہ هو
نظر میں تری آشنائی نہ هو
تو مرنے کی کچھ مجھ کو پروا نہیں
کچھ اس جیوے کی تمنا نہیں
جو کچھ تھا سو همت مری سہ گئی
ولے جی میں یہ آرزو رہ گئی
مری بات تو نے نہ مانی کبھو
مری قدر تو نے نہ جانی کبھو
اسی غم کو جاؤں گا لے گور میں
کہوں گا یہی حشر کے شور میں
محبت نے مجھ کو کیا ہے ادب
محبت ہے ان سوخیوں کا سبب

وگرنہ کہاں مجھ کو یہ تاب ہے
کب اس حرف کا یہ دھن باب ہے
یقیں جانیو گر نہ ہو ایک آن
تری مہربانی کا ہم کو گمان
تو صورت نہ پکڑے ہماری حیات
نکل جائے جی تا ابدی کے سات
محبت کا خوب[1] ہم نے جانا ہے بھید
سبب زندگی کا نہیں جز امید
نہ کھینچا کبھو مہر سے تو نے ہاتھ
ستم سر کیا پائمالی کے ساتھ
تو یہ زندگانی گوارا نہیں
اجل جو نہ آوے تو چارا نہیں

(۶۴) عاصمی

خواجہ برہان الدین عاصمی[2] متوطن دھلی شاعر ریختہ و مرثیہ نیز می‌گفت ۔ در شمشیر شناسی مستثنی وقت خود بود ۔ دو شعر او از ایام طفلی کہ چیزے فہمید سخن نبود بہ سمع رسیدہ بود و چند اشعار آں بزرگوار دریں روزگار بہ زبانی سیادت و کمالات پناہ سید معصوم طالب علم مانک پوری کہ در خانۂ شاعر مسطور مدتے (۴۵ الف) بہ طریق نوکری ماندہ ، بہ سمع رسیدہ ۔ ازوست :

گزر گئے دین و دنیا سے و لیکن
ترا گھر یاں سے کے منزل رہا ہے

---

۱ ۔ ''حوب'' بر وزنِ ''وم'' ۔ (ادارہ)
۲ ۔ مؤلف گلزار ابراہیم نے ''آسمی'' تخلص لکھا اور قائم حسینی نے عاصمی قائم نے جواہر شناسی کی تعریف کی ہے ۔ وفات ۱۱۶۶ع کے لگ بھگ ہوئی ۔ (ادارہ)

چمن کے تخت پر جب تک سہ گل کا تجمل تھا
ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اور سور تھا ، غل تھا
خزاں کے دن جو دیکھا کچھ نہ تھا جز خار گلشن میں
بتاتا باغباں رو رو یہاں غنچہ ، یہاں گل تھا

مت کھینچ تیغ میں تو گنہ کچھ کیا نہیں
اپنا ہی دل دیا ہے ترا کچھ لیا نہیں
اوروں کے دلبروں سے کروں کیونکہ زندگی
اب تک پرائی جاں ستی کوئی جیا نہیں

رات کو میں شمع کے مانند رو کر رہ گیا
صبح کو دیکھا تو سب تن اشک ہو کر بہہ گیا

---

(٦٥) شوق

حسن علی[۱] شوق جوانے ست متوطن دهلی سپاهی پیشه ، شاعر ریختہ‌گو ، شاگرد سراج‌الدین علی خاں آرزو ، الحال در کٹہرا هلاس رائے پسر دیوان مال رائے شده بود ، چناں چه لاله مسطور هم آمده نوکر هم چند روز سعر خرید ازو درست می کرد ـ به سبب عدم قدر دانی برخاسته رفت ـ به زبانئی بعضے اعزا که ازو ملاق شده بودند معلوم شد که بسیار آدم با مزه و قابل است . ازوست :

اے یاس مجھ کو کام اجابت سے کیا رہا (۵۴ب)
وقتے کہ میں دعا ہی سے جب ہاتھ آٹھا چکا

---

۱ ـ دیکھیے مخزن نکات صفحہ ۴۸ ، تذکرۂ ریختہ گویاں صفحہ ۹۹ ـ (ادرہ)

اگر قاصد ترے کوچے سے ٹک جلدی نہ آوے گا
تو پیارے دیکھیو پھر تو کہ میرا جی ھی جاوے گا

میں اپنی کم زبانی سے عزیزاں گرچہ مرتا ھوں
لبِ زخموں سے قاتل کا ادائے شکر کرتا ھوں
عبورِ بحرِ دنیا میں سبک سیری سے کرتا ھوں
حباب آسا شمارِ دم سے بے کشتی گزرتا ھوں

مدت سے یہ بحث درمیاں ھے
پر علم نہیں کمر کہاں ھے

دکھا دیدار اے پیارے کہ میں فرقت سے در گزرا
مری فردائے محشر آج ھے میں کل سے در گزرا
کسی کو باغ دنیا سے نہ دیکھا شاد ھم جاتے
برنگ شبنم اک عالم یہاں سے چشم تر گزرا

ماتم میں میرے کوئی نہ رویا تو غم نہیں
تربت پہ میری شمع کا ھنسنا[1] بھی کم نہیں
تلوار کس پہ کھینچتے ھو ، ھم تو مر چکے
پیاسے ھو کس کے خون کے ، ھم میں تو دم نہیں

آ چکا خط بھی پہ تیرا نت نیا اک ناز ھے
ھوچکی آخر بہار اور اب تئیں آغاز ھے

۱ - ''بھی ھنسنا'' اصل متن میں تھا ۔ تذکرۂ میر حسن میں ''ھنسنا بھی'' ۔ (ادارہ)

بجھے گی آتشِ دل ، ہم نے جانا تھا گھٹا آئی
ہوائے ابر نے دونی ولے یہ آگ بھڑکائی

(۶۳الف) بہ جز مڑوڑ کے عاشق سے کچھ خیال نہیں
ہم اس کی زلف کو جانا بڑی ہے سودائی

کیا کیا ستم نہ تھے جو کیے زلفِ یار نے
جو سختیاں نہیں ہم کو زمانہ دکھا چکا

آج[1] ہی ملو تو ، بہتر وعدہ غلط ہے کل کا
جوں طفلِ اشک میں تو مہماں ہوں کوئی پل کا

---

(۶۶) رسوا

رسوا [آفتاب[2] رائے] شخصے بود هندو ، قید مذهب نداشت ؛ می گویند که در نوبت خانۂ بادشاهی نوکر بود که ناگاه سلطان عشق به وساطت طفل هندوے بر ملک دلش استیلا یافته ، متاع صبر و خرد و هوس و گوش بغاوت برده ، هم چو مجنوں جنوں بہم رسانیده و عریانی را لباس خود مقرر ساخته با رسوائی تمام شب و روز زار و نزار و سرگردان و خوار در هر کوچه و بازار ، خصوصا گرد طواف کوچه دل دار پروانه وار با دیدۂ گریاں و دلِ بریاں نعره زناں

---

۱ - ''آج ہی'' کو ''آجھی'' پڑھا جائے گا - (ادارہ)

۲ - قائم ، حسینی ، مصحفی وغیرہ نام آفتاب رائے لکھتے ہیں - خلیل گلزار ابراہیم میں ''مہتاب رائے'' نام لکھا ہے - یہ مسلم تھا انتقال احمد شاہی عہد حکومت ۱۱۶۱ھ تا ۱۱۶۶ھ میں ہوا - (ادارہ)

و نالہ کناں . بہ صد پیچ تاب و اضطراب می گشت ، ناگاہ محبوبش کہ مرغ دلش در پنجۂ شاہینِ زلف اوگرفتار بود ، ازیں جہان فانی رحلت نمود ۔ ایں رسوائے کوئے ملامت بہ مقتضائے سنت وفا و طریقۂ اخلاص جان خود را در ہوائے جاناں از سعلۂ آتش مفارقت سوختہ بہ آبروئے تمام ایں قالبِ خالی (۳۶ ب) و سفلی را گذاشتہ بہ سوئے عالمِ علوی ستافتہ وصالِ جاناں حاصل نمود ۔ ایں چند ابیات از فکرِ صائب و ذہن مناسب اوست :

قفس سے یوں گئے ہم ، اور چمن میں جائے نہیں
اڑیں تو پر نہیں رکھتے ، چلیں تو پائے نہیں

وصل میں بے خود رہے اور ہجر میں بے تاب ہو
اس دوانے دل کو رسوا کس طرح سمجھائیے

آرام ہو کہاں کہ تنک سو کے چپ رہیں
آنسو بھی نئیں رہے کہ بھلا رو کے چپ رہیں

---

(۶۷) انسان

اسد یار خاں انسان مردے بود عالی نژاد ساکن اکبر آباد ، در عصرِ محمد ساہ بادساہ بہ امارت رسیدہ بود قاما اجلش مہلت نداد ، حداش بیامرزاد ۔ اکثر مشق شعر فارسی می کرد ، گاھے یک دو فرد ریختہ بہم می رسانند ۔ دو بیت او بہم رسیدہ ، ازوست :

نہ دیکھی اک جھلک بھی آپ کے تن بیچ اندھوں نے
اگرچہ ہر تنِ[1] مو سے بدن سارا شبکا ہے

---

۱ ۔ اصل متن "پیرہن" غلط ہے ۔ [دیکھیے مجموعۂ نغز جلد ۱ صفحہ ۷۷] ۔ (ادارہ)

زمیں اور آسماں اور مہر و مہ سب تجھ میں ہیں انساں
نظر بھر دیکھ مست ِ خاک میں کیا کیا جھمکتا ہے

---

(۶۸) ہدایت

ہدایت اللہ ہدایت[۱] تخلص، متوطن شاہ جہان‌آباد از شاگردان ِ (۱۲۱۵ھ) خواجہ میر درد کہ احوالش خواہد آمد، دیگر بر حالش اطلاعم نیست ـ این چند ابیات دل پذیر او کہ بہم رسیدہ داخل نمودہ شد:

سوشِ گفتگوی و سخن فہمی و رسائی ِ ذہن و فصاحت عنوانی ِ او

سمجھ تیغ ابرو ہے ، اسیر دام گیسو ہے
ہدایت بھی تو کوئی زور ہی شہدا سکستا ہے

تیری زلفوں کی کچھ چلی تھی بات
روتے ہی روتے گذری ساری رات

حیرت میں ہوں کہ تیرے تئیں اپنے سب فراق
ظاہر میں دیکھتا ہوں کہ عالم ہے خواب کا

جسے کہ زلف سیہ نے تری ڈسا ہوگا
غرض وہ مر ہی گیا ہوگا ، کیا جیا ہوگا

---

۱ ـ ہدایت (متوفی ۱۲۱۵ھ) قدرت اللہ قاسم (صاحب مجموعۂ نغز) کے استاد تھے ـ ہدایت کے بھتیجے حکیم ثناء اللہ فراق بھی مشہور شاعر گذرے ہیں ـ (ادارہ)

گھڑی گھڑی ہمیں کیوں اتنا آزماتے ہو
سماں یہی نہ کہ مر جائیں گے تو کیا ہوگا
بھلا بتاؤ مری جان کچھ ہدایت نے
تمہارے جور سے شکوہ کبھی کیا ہوگا
مگر یہی نا کہ بے اختیار ہو کے کبھی
کچھ اور بس نہ چلا ہوگا رو دیا ہوگا

تجھ بن اے خوں خوار یاں ہر دم دمِ سمشیر ہے
سانس جب پلٹے ہے گویا باز گشتی تیر ہے

---

(۶۹) بیدار[1]

مہدی بیدار متوطن بداؤں، جوانے ست قابل، شاگرد مرزا مرتضیٰ قلی بیگ کہ ساعر (ے ہ ب) فارسی بود، احوالش من و عن معلوم نیست، دیوانش از نظر گدشتہ، چند اسعار او بہ تحریر می آرد۔ ازوست:

طلب میں تیری تنہا ہے نہ پائے جستجو ٹوٹا
کہ نایابی سے تیری تار تار آرزو ٹوٹا
بہے بیدار کی آنکھوں سے ساقی اسک لال ایسے
مئے گلگوں کا کوچے میں درے گویا سبو ٹوٹا

---

۱ ۔ محمد علی نام مشہور میر مہدی (بیدار) شاگرد خواجہ میر درد اور فارسی میں مرتضیٰ قلی بیگ فراق ۔ وطن آگرہ، مقیم دہلی ۱۲۰۹ھ میں آگرہ میں انتقال ہوا ۔ صاحب دیوان مطبوعہ ۔ (ادارہ)

صفا الماس و گوہر سے فزوں ہے تیرے دنداں کو
کیا تجھ لب نے ہم رنگ خجالت لعل و مرجاں کو

آنکھوں میں چھا رہا ہے ازبس کہ نور تیرا
ہر گل میں دیکھتا ہوں رنگ ظہور تیرا
عجز و نیاز میرا حد سے زیاد گزرا
ویسا ہی اب تلک ہے ناز و غرور تیرا
بیدار وہ تو ہر دم سو سو کرے ہے جلوے
اس پر بھی گر نہ دیکھے تو ہے قصور تیرا

جو کچھ کہ تھا وظائف و اوراد رہ گیا
تیرا ہی ایک نام ہمیں یاد رہ گیا
بیدار راہ عشق کسی سے نہ طے ہوئی
صحرا میں قیس، کوہ میں فرہاد رہ گیا

جلوہ دکھا کے گذرا وہ نور دیدگاں کا
تاریک کر گیا گھر حسرت کشیدگاں کا
نہ مار زلف ہے وہ حس کا بچے نہ کاٹا
اترے ہے زہر کس سے افعی گزیدگاں کا
یوں مہر سے سنا ہے، وہ مست ناز بیدار (۳۸ الف)
تہہ کر گیا مصلیٰ عزلت گزیدگاں کا

عمر وعدوں ہی میں گنوائیے گا
آئیے گا بھی یا نہ آئیے گا

یہی قامت ہے گر یہی رفتار
حشر برپا ہی کر دکھائیے گا
جس نے بیدار دل لیا میرا
ایک دن تجھ کو بھی دکھائیے گا

نہیں کچھ ابر ہی شاگرد میری اشک باری کا
سبق لیتی ہے مجھ سے برق بھی آ بے قراری کا
سحاب سرخ میں اس رنگ کب بجلی چمکتی ہے
جو ہے جھمکا ترے دامان رنگیں پر کناری کا

جانیں مشتاقوں کی لب تک آئیاں
بل بے ظالم تیری بے پروائیاں
صبح ہونے آئی، رات آخر ہوئی
بس کہاں تک شوخیاں بھلائیاں
بس بھری ناگن ہے کیا ہی زلف یار
جس کو دیکھا افعی نے لہریں کھائیاں
دیکھتے ہی اس کو ناداں ہو گیا
کیا ہوئیں بیدار وہ دانائیاں

تیرے کوچے سے نہ یہ شیفتگاں جاتے ہیں
جھوٹھ کہتے ہیں کہ جاتے ہیں، کہاں جاتے ہیں
جوں نگیں رو سہی نام سے یاں حاصل ہے
نامور وے ہیں کہ بے نام و نشاں جاتے ہیں

هم جو تجھ بزم سے اے نور بصر جاتے هیں
(۸۴ب) شمع ساں داغ بہ‌دل سعلہ بہ سر جاتے هیں
رفتگاں کے نئیں کیا رووں کہ کوئی دم میں
هم بھی اس بزم سے جوں سمعِ سحر جاتے هیں

کہاں گنجائس حرف اس دهن میں
نہیں جائے سخن میرے سخن میں

محشرِ فتنہ هے اس سوخ کی رفتار کے ساتھ
جی چلا جائے هے یازیب کی جھنکار کے ساتھ
شکوۂ کم نگہی آنکھوں سے اس کی نہ کرو
گفتگو خوب نہیں مردمِ بیمار کے ساتھ
جو هوئی سو هوئی اب جانے دو اے بندہ نواز
آکے مل جاؤ گلے پیار سے بیدار کے ساتھ

جی میں هے دکھا دیجے یک روز ترے قد کو
جو شخص کہ منکر هیں اے یار قیامت کے

مقدور کیا مجھے کہ کہوں واں کہ یاں رهے
هیں چشم و دل گھر اس کے جہاں چاهے واں رهے
مثل نگاہ گھر سے نہ باهر قدم رکھا
پھر آئے هر طرف یہ جہاں کے تہاں رهے
نے بت کدے سے کام ، نہ مطلب حرم ستی
محو خیال یار رهے ، هم جہاں رهے

هستی ہی میں ہے سیر عدم اس کی یاں جسے
فکرِ میانِ یار رہے ، ہم جہاں رہے
بیدار زلف کھینچے ادھر ، چشمِ یار آدھر
حیراں ہے دل کہاں نہ رہے، کس کے یاں رہے

---

(۵۰) مرزا رفیع سودا[1]

میں نے یہ سودا سے کہا ایک دن (۹۴الف)
غم زدے کیا سینے میں گھر کر گیا
سن کے کہا جو کوئی آیا سو یاں
سیر بہ انداز دگر کر گیا
ایک جو مانند گل اس باغ میں
خرم و خنداں ہو گزر کر گیا
آن کے شبنم کی طرح دوسرا
شام سے رو رو کے سحر کر گیا
کیا تجھے اب فائدہ اس ذکر سے
ہر کوئی اک طرح بسر کر گیا

قابو میں ہوں میں تیرے گر اب چھٹا تو پھر کیا
خنجر تلے کسی نے گر دم لیا تو پھر کیا

---

۱ ۔ اس کے بعد چند اوراق غائب ہیں ، جن میں سودا کا ترجمہ تھا ، لہذا اگلے ورق سے (۹۴ الف) کلام سودا کا انتخاب شروع ہوجاتا ہے ۔ چوں کہ سنٹرل رکارڈس آفس حیدر آباد کا نسخہ بھی اسی کی نقل ہے ، اس لیے یہ گم شدہ اوراق اس میں بھی نہیں ہیں ۔

سودا ہوئے جب عاشق ، کیا پاس آبرو کا
سنتا ہے اے دوانے جب دل دیا سو پھر کیا

مجھ بن عجب معاش ہے سودا کا ان دنوں
سو بھی ٹک اس کو آکے[1] ستم گار دیکھنا
نے حرف و نے حکایت و نے سعر و نے سخن
بے سیرِ باغ و بےگل (و) گل زار دیکھنا
خاموش اپنے کلبۂ احزاں میں روز و سب
تنہا پڑے ہوئے در و دیوار دیکھنا
یا جا کے اس گلی میں جہاں تھا ترا گزر
لے صبح تا بہ شام کئی بار دیکھنا
تسکین دل نہ اس میں بھی پائی تو پھیر[2] سغل
پڑھنا یہ سعر یا کبھی اسعار دیکھنا
کہتے تھے ہم نہ دیکھ سکیں[3] روز ھجر کو (۹۳ ب)
پر جو خدا دکھاوے سو لاچار دیکھنا

حباب آسا گیا دنیا سے لے کر تشنہ کام اپنا
رکھا محروم قطرے سے میں اس دریا میں جام اپنا
نہ پہنچی نیستی عنقا کی ھستی کو مری ھرگز
کہ میں یاں یک زباں سے بھی نہیں سنتا ہوں نام اپنا

۱- ''جاکے'' [تذکرۂ ریختہ گویاں ، صفحہ ۱۷] - (ادارہ)
۲ - ''پھر'' [تذکرۂ ریختہ گویاں صفحہ ۱۷] - (ادارہ)
۳ - ''تجھ کو عیر پاس'' [تذکرۂ ریختہ گویاں صفحہ ۱۷] - (ادارہ)

آدم کا جسم جب کہ عناصر سے مل بنا
کچھ آگ بچ رہی تھی سو عاشق کا دل بنا
لب زندگی میں کب ملے اس لب سے اے کلال
ساغر ہماری خاک کو مت کرکے گل بنا

کروں سو کیا ، آہ نا امیدی ، وہ ہووے کس طرح یار اپنا
نہ گھر میں رہنا ہے اس کا شیوہ ، نہ ساتھ پھرنا شعار اپنا
نگر ہو آباد جس کے دل کا ، نہ پوچھ اس سے تو دکھ ہمارا
یہ درد سن اس رئیس سے ٹک جو لٹتے دیکھا دیار اپنا

حکاک کا پسر بھی مسیحا سے کم نہیں
فیروزہ ہووے مردہ تو دیتا ہے وہ جلا

میں دشمن جاں ڈھونڈھ کے اپنا جو نکالا
سو حضرت دل سلمہ اللہ تعالیٰ
مانگا جو میں دل کو تو کہا بس یہی اک دل
جتنے ہی تو چاہے مرے کوچے سے اٹھالا

ترا دل مجھ سے نئیں ملتا ، مرا دل رہ نہیں سکتا
غرض ایسی مصیبت ہے کہ میں کچھ کہہ نہیں سکتا

پھرے ہے شیخ یہ کہتا کہ میں دنیا سے منہ موڑا
الٰہی ان نے اب داڑھی سوا کس چیز کو چھوڑا (۵۰ الف)

پہنچ چکا ہے سرِ زخم دل تلک یارو
کوئی سیو، کوئی مرہم رکھو، ہوا سو ہوا
دیا اسے دل و دیں اب یہ جان ہے سودا
پھر آگے دیکھیے جو ہو سو ہو، ہوا سو ہوا

وہ ہم نہیں جو کریں سیرِ بوستاں تنہا
بہشت ہو تو نہ منہ کیجیے باغباں تنہا
کدھر کو چھوڑ گئے مجھ کو کارواں تنہا
پھروں ہوں دشت میں جوں گردِ کارواں تنہا

دونین تک ملے بھی جس دل کی مجھ کو قیمت
قسمت، کہ یک نگہ پر اس کو میں ڈال ایا

کیا کیا لڑائیاں نہیں سرِ ک سوئے پر ہم
جاگیں گے بخت پھر بھی کہ ہووے گا جنگ و خواب

ھندو ھیں بت پرست، مسلماں خدا پرست
پوجوں میں اس کسی کو جو ہو آشنا پرست

یا تبسم یا نگہ یا وعدہ یا دے پیام
کچھ بھی ہے خانہ خراب اس دل کے سمجھانے کی طرح
کاٹ کر الٹے ہے ناگن، تب اثر کرتا ہے زھر
سیکھ لی زلفوں سے تیری ان نے بل کھانے کی طرح

مجھ فروتن کی ہے جوں نقش نگیں بات سند
گو بہ ظاہر نہ ہو سدھی مری گفتار کی طرح
دیکھتا ہوں میں تری بزم میں ہر ایک کا منہ (۵۰ ب)
طالبِ رحم کی نظروں سے گنہ گار کی طرح

ہوا ہے اس کو مرا حال باعثِ تضحیک
کہ دیکھ کر مجھے کہتا ہے شوخ ، ہاں فریاد!

کھینچ کر پوست کرے گردش ایام سفید
چاہے مجھ چشم کے آگے جو ہو بادام سفید
چوٹ ہے دل میں تو وہ سدّ رہ پیری ہے
موے چینی نہ کرے گردشِ ایام سفید
لعلِ حل کردہ ہے جوں ظرفِ بلوریں کے بیچ
پیرہن پہرے ہے جس دم وہ گل اندام سفید
بہت ہر ایک سے مکڑا کے چلا تھا کالا
ہو گیا دیکھ تری زلفِ سیہ فام سفید

دیوے تھا غیر کو زکوٰۃ حسن
پوچھا میں کیا ہے؟ کہنے لاگا خیر

کس کے ہیں زیر زمیں دیدۂ نم ناک ہنوز
جا بہ جا سوت ہیں پانی کے تہہ خاک ہنوز
باغ میں جب سے گیا تھا وہ خمار آلودہ
گل ہیں خمیازے میں، انگڑائی میں ہیں تاک ہنوز

بیہودہ اس قدر نہین آتا ہے کام ناز
منہ پر خط آ چکا نہ کرو صبح و شام ناز
وہ دن گئے کہ جس سے پھرے تھا تجھے غرور
بد خلقی رہ گئی ہے تری اب بہ نام ناز

داغ آج سے رکھتا نہیں ان سنگ دلاں کا
مدّت سے ہوئی ہے مری چھاتی نہ سل آس
(۱۵ الف) یاقوت نہیں ہے وہ ترے لعل سے اے سوخ
حا ڈوب موئی آب میں ہوکر خجل آس
یک قطرۂ مے لے اڑے سودا کو جگہ سے
باروب کے تودے کو ہے بس ایک دل آتس

راستی یوں ہے نہ ہیں ابلہ طویل القامت
حسن تیرا سا منہ اپنے پر کہاں رکھتی ہے سمع

اے لالہ گو فلک نے دیے تجھ کو چار داغ
چھاتی مری سراہ کہ اک دل ہزار داغ

دیکھوں ہوں یوں میں اس ستم ایجاد کی طرف
جوں صید وقت ذبح کے صیّاد کی طرف

نے چشم ، نہ ابرو ، نہ کرسمہ ، نہ ادا ہیچ
مہ گیند ہے بازی کی تری اس کے سوا ہیچ
شیشے کو بھلا توڑ تو کیا شور اٹھے ہے
عاشق ہی کا یہ دل ہے جو ٹوٹے تو صدا ہیچ

اس جامے کے اوپر نہ ابھر بلبلے کی طرح
جامہ ہے ترا پوچ تو ہے غیر ہوا ہیچ
کیا واقلۂ عمر سبک رو ہے کہ جس میں
چاہے جو سنے سامعہ آواز درا ہیچ

یہ نہ ہو مہر کہ تا شب رہے گھر سے باھر
سو حتی کہجے تو ٹک نکلے وہ در سے باھر
آوے ہے گھر سے وہ زاھد پسر اس طرح کہ جوں
نکلے ہے مہر گریبانِ سحر سے باھر
چرخ پر چڑھتی سنی تیغ تری جس دم سے
سر نکالا نہ مہ و خور نے سپر سے باھر
ھوں وہ آوارہ کہ طفلی ھی میں جوں اسک مجھے (۵۱ ب)
کر دیا مادر ایّام نے گھر سے باھر

برگشتہ نصیب اپنے نہ پھرتے کبھی دیکھے
ھر چند رھی گردشِ ایّام جہاں پر
اس صفحے پہ مانندِ نگیں آن کے سودا
وہ مرد تھے جو اٹھ گئے رکھ نام جہاں پر

توسن پہ تجھے دیکھ کہیں مانی و بہزاد
اللہ نے کھینچی ہے یہ تصویر ھوا پر

قاتل کے دل سے آہ نہ نکلی ھوس تمام
ذرّہ بھی ھم تڑپنے نہ پائے کہ بس تمام!

کیوں نہ انعی چلے ہر ایک حکہ مکڑا کر
نہ پڑا اس کو نری زلف سیہ فام سے کام

بھری ہے دل میں درے اس قدر محبت غیر
کہ جا نہیں مرے کینے کی ، مہر تو معلوم

عاسق نو نامراد ہیں در اس قدر کہ ہم
دل کو گنوا کے بٹھ رہے صبر کرکے ہم

اگرچہ قافیہ مصرعہ اخیر در ظاہر مائل بہ نقصان است ، چرا کہ مدار قافیہ در تمام غزل برکاف بیانیہ است و دریں مصرع کاف مرکب بہ یا است فاما در تلفظ یکساں است ساید کہ شاعر مذکور بہمیں لحاظ جائز دانست ۔

ذبح تو کرنا ہے ٹک فرصت گلے لگنے کی دے
عید قرباں ہے تجھے دے لیں مبارک باد ہم

(۵۲ الف) بھلا گل تو تو ہنستا تھا ہماری بےبقاتی پر
سا روتی بھی کس کی ہستی موہوم پر شبنم ؟

گندھی نکلیں ہیں لخت دل سے تار اسک کی لڑیاں
یہ آنکھیں کیوں مرے جی کے گلے کی ہار ہو لڑیاں

نہ غنچے گل کے کھلتے ہیں ، نہ نرگس کی کھلی کلیاں
چمن میں لے کے خمیازہ کسی نے انکھڑیاں ملیاں
کہیں مہتاب نے دیکھا ہے اس حورسند داماں کو
پھرے ہے ڈھونڈھتا ہر سب جہاں آباد کی گلیاں

اندامِ گل پہ ہو نہ قبا اس مزے سے چاک
جوں خوش جبھوں کے تن میں مسکتی ہیں چولیاں
کیا چاہیے تجھے سرِ انگشت پر حنا
جس بے گنہ کے خون میں چاہیں ڈبولیاں
سودا کے دل سے صاف نہ رہتی تھی زلفِ یار
شانے نے بیچ پڑ کے گرہ اس کی کھولیاں

حگر آن کا ہے جو تجھ کو صنم کہہ یاد کرتے ہیں
میاں ہم تو مسلماں ہیں، خدا کہتے بھی ڈرتے ہیں

ناوک ترے نے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

کہکشاں ہے نام کو، لیکن مرے احوال پر
آسماں روتا ہے منہ بہ دھر کے ہر شب آستیں

دل نے کہا نہ مجھ سے کہ میں کیا کروں نثار (۵۲ ب)
آویں اگر جو حضرت سودا ادھر کہیں
انگشتری کے گھر کی طرح غیر سنگ و خشت
گھر میں تو خاک بھی نہیں آتی نظر کہیں

قطعہ نہایت مربوط و مضبوط است فامّا در مصرعۂ ثانی بیت اول دوکلمہ شرط جمع شدہ، یکے زائدہ است ۔ واللہ اعلم ۔

سودا سے رات میں کہا مغموم کیوں ہے تو
اٹکا ہے ان دنوں میں ترا دل مگر کہیں
کہنے لگا کہ سچ ہے ، پر اب کے اگر یہ جیو
بچ جائے تو نہ دل کو دوں بارِ دگر کہیں
پوچھا جو میں سبب تو کہا کیا سنا نہیں
قاصد مرے کے حال کی تجھ کو خبر کہیں
نامہ لکھا تھا یار کو میں نہ سمجھ کہ ہے
عالم میں رسمِ نامہ و پیغام بر کہیں
لیکن سوائے بندگی و عجز و انکسار
نکتہ ہو اس میں حرفِ تمنّا ہو گر کہیں
واں لا کے مجھ کو مارے گردن کہ جس جگہ
پانی کے قطرے کا بھی نہ ہووے اثر کہیں
ورنہ خدا کے واسطے انصاف تو کرو
آتا ہے ایلچی پہ زوال اس قدر کہیں
اڑتا پھرے ہے کُلّی نامہ میں کسی طرف
دھڑ سے جدا پڑا ہے سرِ نامہ بر کہیں
وقتے کہ دل برانِ جہاں کا ہو یہ سلوک
پھر دل کو دیوے کوئی کس امّید پر کہیں

(۵۳ الف) ڈرتے ڈرتے جو ترے کوچے میں آ جاتا ہوں
صیدِ خائف کی طرح رو بہ قضا جاتا ہوں
طائرِ رنگِ حنا کے نمط اب اے صیّاد
ہوں تو میں ہاتھ میں تیرے پہ اڑا جاتا ہوں

هوں میں وہ وحشیِ رم خوردہ کہ تا دشتِ عدم
پات کھڑکے ہے تو مانندِ صدا جاتا ہوں
سوچوں ہوں اپنے تئیں جوں سخنِ رفتہ زیاد
گاہ بے گاہ اگر آپ میں آ جاتا ہوں
صفحۂ ہستی پہ یک حرفِ غلط ہے سودا
جب مجھے دیکھنے بیٹھو تو اٹھا جاتا ہوں

دل آزردہ ہوا رات جو بے نوشی میں
کیا ہوا ہم سے خدا جانے بے ہوشی میں
رہ گیا ہے مہِ نو عید کا کس کی پیارے
کھول کر ہاتھ تمنّا سے ہم آغوشی میں

یہ تو نہیں کہتا ہوں کہ سچ سچ کرو الطاف
جھوٹی ہی تسلّی ہو تو ضائع تو نہ ہوں میں

معنی لفظ 'سچ' کہ درین شعر واقع شدہ در فہمند نمی آید پس معلوم شد کہ لفظ مہمل کہ در ہندوستان بہ وزن ہر لفظ در استعمال می آرند در شعر موزوں شدن مضائقہ نہ دارد، وقتے کہ در شعر استادان واقع شد، پس عوام را سند است:

اس کشمکش کے دام سے کیا کام تھا ہمیں
اے الفتِ چمن ترا خانہ خراب ہو (۵۳ ب)

یا دل ایسے کہو یا دل‌آزار کچھ کہو
سنتا نہیں کسی کی مرا یار، کچھ کہو

غمزہ ، ادا ، نگاہ ، تبسم ہے دل کا مول
تم بھی اگر ہو اس کے خریدار ، کچھ کہو

صبر و دل و دیں ، طاقت دیکھا اسے اور سر کے
ہم جگ میں رفیق اپنے دو چار سو یہ تحفہ

زخم کی طرح زمانے میں تو کاٹ اپنی عمر
رو لے یا ہنس لے پر اتنا ہے کہ ٹک درد کے ساتھ

تیرے بازار کا اب کیوں کہ نہ بگڑے سودا
ایک یوسف نظر آتا ہے خریدار کئی

یارو وہ شرم سے جو نہ بولا تو کیا ہوا
نظروں میں سو طرح کی حکایات ہوگئی

ساون کے بادلوں کی طرح سے بھرے ہوئے
یہ وے نین ہیں جن ستی جنگل ہرے ہوئے
اے دل نہ کس سے بگڑی کہ آتے ہے موج اشک
لختِ جگر کی نعش کو آگے دھرے ہوئے
انصاف کس کو سونپیے اپنا نہ جز خدا
منصف جو بولتے ہیں سو تجھ سے ڈرے ہوئے

پوچھے ہے پھول پھل کی خبر اب تو عندلیب
ٹوٹے جھڑے خزاں ہوئی ، پھولے پھلے گئے

جب اپنے بندِ قبا تم نے جان کھول دیے
صبا نے باغ میں جا گل کے کان کھول دیے
چمن میں کس کی مدارات تھی بتا تو نسیم (۴۵الف)
کہ صبح غنچوں کے سب عطر دان کھول دیے

اے فلک کس قدِ رعنا کو زمیں میں گاڑا
سرو جو کھینچے ہے سر خاک سے وہ موزوں ہے
جو بچے سو ہے غنیمت پہنچ اے خانہ خراب
ورنہ سب اہلِ گلستاں کا چمن میں خوں ہے
گل نے شبنم سے لیے الماس تو کھایا لیکن
گانٹھ میں غنچۂ لالا کے ابھی افیوں ہے

سرو گلشن ھی نہ کچھ مفتوں ہے
بید بھی قد کا ترے مجنوں ہے
جذب طوفاں نہ زمیں میں ہوتا
کسی کی تشنہ لبی مدفوں ہے

دل لے کے ہمارا جو کوئی طالبِ جاں ہے
ہم بھی یہ سمجھتے ہیں کہ جی ہے تو جہاں ہے

عجب احوال کو سودا ستم تیرے سے ہنجا ہے
کوئی معشوق بھی عاشق پہ یہ بیداد کرتا ہے
بسانِ نے آسے ہاتھوں سے میں نالاں ترے دیکھا
کوئی ٹک منہ لگاتا ہے تو وہ فریاد کرتا ہے

کیا جانیے کہ کس کے دل کا لہو پیا ہے
کنگھی نے اڑے ہاتھوں کیا زلف کو لیا ہے
مجھ حال دل کی مانند ہے بے کسی کہ جس کو
تو نے دکھا دکھا کر اس کا لہو پیا ہے
(م ۔ د ۔ س) سارے میں شیخ جی کی داڑھی پھنسی نہ سمجھو
اک چور بال ہے یاں وہ کانٹھ میں دبا ہے

نکل نہ چوکھٹ سے گھر کی پیارے جو پٹ کی اوجھل ٹھٹھک رہا ہے
سمٹ کے گھٹ سے ، ترے درس کو یہیں میں جی آ اٹک رہا ہے
کبھیں جو لگ چلیے ساتھ دینا ہو اس طرح کا کٹر ہے پاپی
نہ جانوں بندے کی ڈھول ہوں میں جو مجھ سے پڑا جھٹک رہا ہے
کبھی لگا ہے نہ آئے جاتے جو بیٹھ کر ٹک آ سے نکالوں[1]
سجن جو کانٹا ہے تجھ گلی کا سو تگ سے میرے کھٹک[2] رہا ہے
مجھے جو منہ پر ترے پسینہ دکھائی دے ہے تو سوچتا ہوں
کہ کیوں کہ سورج کی جوت آگے ہر ایک تارا چھٹک رہا ہے

صورت میں تو کچھ نہیں ایسا کوئی کم ہے
اک دھج ہے کہ آفت ہے قیامت ہے غضب ہے
کوئی طرز ہو لگ جانے کی دل کے تو کہوں میں
یاں جو حرکت ہے مرے مرنے کا سبب ہے
دشنام تو دینے کی قسم کھائے ہے لیکن
پر دیکھے ہے مجھ کو تو وہ اک جنبشِ لب ہے

---

۱ - اصل : نکالوں
۲ - اصل : پھٹک

یعقوب ترے عہد میں یوسف کو جو روتا
کہتا میں کہ یہ وہم پیمبر سے عجب ہے
کہتے ہیں جسے عشق سو وہ شخص ہے سودا
جوں ذات خدا جس کے حسب ہے نہ نسب ہے

قاصد کو اسے ظالم جو کچھ میں دوں بجا ہے (۵۵ الف)
جیتا پھرے تو اچرج ، ورنہ یہ خوں بہا ہے
یاں چشم سرمہ سا کا مارا کوئی دبا ہے
ہر سرو اس چمن کا اک آہ بے صدا ہے

خط کے آتے ہی چلے اکثر غلامی سے نکل
بندہ پرور دیکھیے آگے ہنوز آثار ہے
شاعران ہند کا تو گرچہ پیغمبر نہیں
پر سخن کہنے میں اے سودا تجھے اعجاز ہے

خاک در بھی تیرے دیوانے کی یہ تدبیر ہے
ہر بگولا طوق و ہر موج ہوا زنجیر ہے
رحم کچھ آپھی آسے آوے سو آوے ورنہ یاں
آہ ہے سو بے اثر ، نالہ سو بے تاثیر ہے
کس شکار انداز کا یا رب ہوا ترکش تہی
مرغ نکہت ملہ تا کے بھی جگر میں تیر ہے

سودا کی جو بالیں پہ گیا شور قیامت
خدام ادب بولے ابھی آنکھ لگی ہے

کسی کا دردِ دل پیارے تمھارا ناز کیا سمجھے
جو گزرے صید کے جی پر اسے صیاد کیا سمجھے
نہ پوچھو مجھ سے میرا حال ٹک دنیا میں جینے دو
خدا جانے میں کیا بولوں کوئی عمّار کیا سمجھے

غرورِ تقویٰ یہ تھے کتنے شیخ جی سرکش
پر اب عمامے سے گردن تک نوائی ہے
دریں ہیں در پہ ترے شیخ و برہمن سجدہ (۵۵ ب)
یہاں کے حسن و ادا تیری یاں خدائی ہے

تم کو معلوم ہے یارو چمنِ قدرت میں
عمر گزری کہ ہے گردش سے سروکار مجھے
پر میں حیران ہوں نہ جوں سایۂ مرغاں ہوا
نہ کیا ایک قدم پھرنے پہ مختار مجھے

اس قدر اب کے ہوا مست ہے ویرانے کی
کسی لڑکے کو نہیں سدھ کسی دیوانے کی
شیخ وہ رشتۂ زنّار ہمارا جس نے
چیر ڈالی ہے تری سبحہ کے ہر دانے کی

تصور میں ترے کہیو صبا اس لاابالی سے
گلے لگ لگ میں رویا رات تصویرِ نہالی سے

انعی کی یہ طاقت ہے کہ اس سے بسر آوے
وہ زلفِ سیہ ابہی اگر لہر پر آوے
ٹک داغ سے چھاتی کے سرک جائے جو پھاھا
آتش کے تئیں قدرتِ خالق نظر آوے
سب سے کہے سوتا ہوں یہ کہہ دس کہ پھر آنا
بالیں بہ مری شورِ قیامت اگر آوے
دیتا ہے کوئی مرغِ دل اس شوخ کو سودا
کیا پھر کیا تو نے غضب تیرے پر آوے
اب لے توگیا ہے اب آسے دیکھیو ناداں
پل میں نہ اڑانا وہ اگر بال و پر آوے

فکرِ معاش و عشقِ بتاں ، یادِ رفتگاں (۵۶ لف)
اس زندگی میں اب کوئی کیا کیا کیا کرے
گر ہو شراب و خلوت و معشوق خوبرو
زاهد تجھے قسم ہے جو تو ہو تو کیا کرے

نیشکر نے کبھی تجھ لب سے کیا تھا دعویٰ
آج تک اس کی جدا کرتے ہیں پوری پوری

تجھ تیغ تلے کہہ تو رستم کو کہ سر دھر دے
پیارے یہ ہمیں سے ہو ہرکارے و ہر مردے
دل کے تئیں اک عالم کہتا ہے خدا کا گھر
اے عشق اسے آس دے ہے تو سمجھ کر دے

دولاب کی ہے حق بہ طرف مستی سے فریاد
بہانہ کسی کے گلے کا ہار نہ ہووے

جس دم وہ صنم سوار ہووے
ناصیدِ حرم سکار ہووے
سبہم سے بھرے ہے ساعرِ گل
گردوں تو حراب و خوار ہووے
پانی نہیں دیے اس کو ظالم
جو زخمیِ بے سہار ہووے

بھر نطر مجھ کو نہ دیکھا کبھی ڈرتے ڈرتے
حسرتیں جی کی رہیں جی ہی میں مرے مرتے

اے آہ تری قدر ابر نے تو نہ جانی
گو تجھ کو لقب ہم نے دیا عرش مکانی
بلبل ہی سسکی نہ بھی دیکھ باغ میں جھ بن
شبنم گلوں کے منہ میں چواتی رہی پانی

(۵۶ ب) غنچے کو مسکرا کے آسے زار کر چلے
نرگس کو آنکھ مار کے بیمار کر چلے

مطلع نہایت مربوط ، امنا در فہمید ایں ناقہم لفظ "آسے" کہ در مصرعۂ اول واقع است ، بیکار محض معلوم می شود ۔ واللہ اعلم ۔

اے لالچی تو کیسہ غیروں کا مت ٹٹولے
جو کچھ تو چاہے یک سب مجھ پاس آکے سو لے
انصاف کچھ بھی یارو ھے عشق کے نگر میں
دل غم سے آب ہووے اور چشم موتی رولے
آوے گا وہ چمن میں تڑکے ھی مے کشی کو
شبنم سے کہہ دے بلبل پیالے گلوں کے دھولے
کم بولنا ادا ھے ھرچند پر نہ اتنا
مند جائے چشمِ عاشق تو بھی وہ لب نہ کھولے

اثر سے ھیں تہی نالے، تصرف سے ھیں دم خالی
نیستاں ہوگئے سیروں سے یا رب یک قلم خالی
نہ رنگِ لفظ ھو اٹھنے سے جس کے بیت بے معنی
فلک اس طرح کھر تیرا چلے ھیں کرکے ھم خالی

از رباعیات اوسن :

کب در پہ ترے آ کوئی سائل بولا
جس کو نہ جواھر میں کہ تو نے تولا
ہاں تک تو ترے ھاتھ نے بخشے یاقوت
جب طشت نے وقتِ ہند دامن کھولا

مومن نہیں زنّار سے میری آگاہ
اس رستے کو ھے سبحۂ اسلام میں راہ
اس بت کا برھمن ہوں کہ ھم صوفی وھم شیخ (۵۷ الف)
کہتے ھیں جسے دیکھ کے اللہ اللہ

دکھ تفرقے کا یاروں کے کچھ مت پوچھو
جب شکل ملاقات کی باہم یوں ہو
دیکھیں ہیں ابِ زخم کہیں سیتے وقت
آپس میں جو ملتے ہیں تو دونوں رو رو

دیوانِ عدالت میں تمھارے یا شاہ
کچھ ظلم کو ہے راہ عیاذاً باللہ
شیشے کا جو واں طاق سے رپٹے ہے پانو
پتھر سے نکلتی ہے صدا بسم اللہ

از مخمساتِ اوست :

مجھے تو رور ہی ساقی کی یہ ادا بھائی
کہ پہلے جام کی مے خاک در چھڑکوائی
جو پوچھا میں تو کہا سن ہے مجھ سے سودائی
چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی
بیاد آر حریفان بادہ پیما را

وعدہ یہی تھا مجھ سے کہ آؤں گا دن ڈھلے
لیکن نہ بعد شام کے بس ار دیے جلے
اے آفتاب رہ کے ٹک آ تا زمیں تلے
پیغام بر نے دیر لگائی سو ہے ولے
دھڑکے ہے دل کہ یہ نہ کہے رات ہوگئی

وہ کون سی گھڑی تھی جب یہ لگن لگائی
اب چھوڑتی نہیں ہے یک سب تپ ِ جدائی
اور وصل مانگتا ہے جی مجھ سے منہ دکھائی (۷۵ ب)
من شمع جاں گدازم تو صبح ِ دل کشائی
سوزم گرت نہ بینم میرم چو رخ نمائی
دوری سے تیری مجھ کو اے آفتاب ِ عالم
روتے ہی روتے گزریں راتیں مثال ِ شبنم
جس دم تو منہ لگاوے تو ہوں فنا میں اس دم
نزدیک ایں چنینم دور آں چناں کہ گفتم
نے تاب ِ وصل دارم نے طاقت ِ جدائی

مجھ سا بھلا کوئی ہے ترا اور غم‌گسار
عارض کے گرد دیکھ کے یہ خط مشک بار
پوچھوں ہوں تجھ سے میں یہی رو رو کے بار بار
کہہ باغباں قسم ہے تجھے کیا چلی بہار
دامان ِ گل پکڑ کے جو یہ خار رہ گئے
ہر چند دورۂ فلکی ہے یہ خوں فشاں
پر چشم سا جو کہیے تری اس کو سو کہاں
گردش میں تجھ نگہ کی جو ہیں خوں فشانیاں
دیکھ اس کو رکھ زنخ کے تلے دست ِ کہکشاں
حیراں ہو آسمان ِ سیہ کار رہ گئے

از قصائدِ اوست :

قصیدۂ نعت

عجب ناداں ہیں وہ جن کو ہے عجب تاجِ سلطانی
فلک بالِ ہما کو بل میں سونپے ہے مگس رانی
نہیں معلوم ان نے خاک میں کیا کیا ملا دیکھا
(۵۸ الف) کہ چشمِ نقشِ پا سے تا قدم نکلی نہ حیرانی
مؤثر جان ارباب ہنر کو بے لباسی میں
کہ ہو جو تیغ کا جوہر اسے تزئین ہے عریانی
ہماری آہ تیرا دل نہ نرماوے تو کیا قسمت
وگرنہ دیکھ آئینہ کہ پتھر ہوگئے پانی
نہ رکھا حکم میں رسمِ دوستی اندوہ روزی نے
مگر زانو سے اب باقی رہا ہے ربطِ پیشانی

در عدل می گوید

موافق گر نہ کرتا عدل اس کا آب و آتش کو
تو کوئی سنگ سے باندھی نہ شکلِ لعلِ رمّانی
نہ ہووے سے جدا سائے سے اس قامت کے پیدا ہے
مناسب ہوئے کا دلچسپ وہ محبوبِ سبحانی
جسے یہ صورت و سیرت کرامت حق نے کی ہو کی
بجا ہے کہیے ایسے کے تئیں گر یوسفِ ثانی
معاذ اللہ یہ کیا حرف بے موقع ہوا سرزد
جو اس کو بھر کہوں تو ہوں میں مردودِ مسلمانی
کدھر اب فہمِ ناقص لے گیا مجھ کو نہ سمجھا یہ
کہ وہ مہرِ الوہیت ہے اور یہ ماہِ کنعانی

حدیثِ ''من رأنی'' دال ہے اس گفتگو اوپر
کہ دیکھا جن نے اس کو اس نے دیکھی شکلِ ربانی
غرض مشکل ہمیں ہوتی کہ پیدا کر کے ایسے کو
خدا گر نہ نہ فرماتا کہ نئیں کوئی مرا ثانی

قصیدہ در نعت و منقبت (۵۸ب) گفتہ و درو صنعتہا بکار بردہ و داد معانی دادہ

چہرۂ سہروس ہے ایک ، سنبلِ مشک فام دو
حسنِ بتان کے دور میں ، صبح ہے ایک سام دو
فکرِ معاد اب کریں یا کہ معاس کی تلاس
زندگی اپنی ایک دم کہجیے کیونکہ کام دو

در بیان علوّ مرتبۂ ممدوح گوید

جا کے انھوں کے رتبے تک ماندہ ہوں نہ خیال و وہم
وقتِ مراجعت کریں کوچ نکیے مقام دو
ان کے طوافِ روضہ تک پہنچے کبھی نہ جبرئیل
تا نہ کرے وہ ہر قدم سجدہ یکیے سلام دو
موسیٰ و خضر اور خلیل در بر انھوں کے وقتِ طوف
ایک بنے جو چوب دار کرتے ہیں اہتمام دو

قصدۂ دیگر در منقبت

بسانِ دانۂ روئیدہ ایک بار گرہ
کھلے جو کام سے میرے بڑے ہزار گرہ
نہ لٹ دھوئیں کی ہوں یا رب نہ زلفِ محبوباں
رکھے ہے کیوں مری خاطر کو روزگار گرہ

گیا ہے غم ترا یوں دل میں چھوڑ کر عقدہ
کہ بند یار میں دی جائے جیسے مار گرہ
نہ رنگ شیشۂ مے ، وقت عرق ریزی کے
گلے سے پڑتی ہے دل تک ہزار بار گرہ

ق

کیا میں فرض کہ اتنا ہے سر عدو کا بڑے
(۵۹ الف) کہ جس کے خوف میں گردوں سے آئیں حار گرہ
پہ اس نہ بہر حو بیٹھے ترا دو دوں بھوٹے
کہ حسبے ہوتی ہے مٹکے کے وار دار گرہ

قصیدۂ بحر بے کراں در منقبت گفتہ ، در ہجو چرخِ کج رفتار گوید

سنگ کو اپنے لیے کرتا ہے داتی آسماں
منہ پہ لاوے آرسی دا عس روے مردماد
دیکھ ٹک احوال عنقا کا نہ اس ظالم کے ہاتھ
نام گر پیدا کرے کوئی دو بیٹا ہے نساں
درپئے رنج و تعب رہتا ہے اہلِ درد کے
دکھ دھندوں کی ہوا خواہی سر دے ہے اپنی جاں
پا برہنہ در نہ در ہم کو پھراوے دھوپ میں
خار کے سر پر کرے داماںِ گل کو سائباں
ہنس کو موتی چگانا ہے سدا یہ بے تمیز
بوسٹ کھنچے ہے ہما کی دے کے مستِ استخواں
مثل کھنچے دیدۂ بینا میں نہ دارنک عمل
پر کرے کحل الجواہر لے کے چشمِ سرمہ داں

رشتے کی خاطر کرے سوراخ گوھر کا جگر
بھرِ سودِ ناکساں اس سے کساں کا ھے زیاں
دور میں اس روسیہ کے اب بہجز بخل و حسد
دوستی کا نو کہیں ھرگز نہیں نام و نشاں
نور منہ پر شمع کے دیکھے تو جلتا ھے پتنگ
دشمنی معشوق و عاشق تک ھے اتنی درمیاں

در بیان خستِ فلک گوید (۹۵ ب)

ماہ کی خاطر مقرر وقتِ شب ھے ایک ناں
پر حو یہ چاھے سدا ساری وہ ھووےسو کہاں
کب لبِ ناں کے لیے حیران ہوتے شہر شہر
مثلِ ماہِ نو پڑے پھرتے ھیں عالی ھمّتاں

در وصفِ شمشیر

انگلیاں اڑ جائیں دم پر اس کے دستِ وھم کی
آب داری اس کی گر کھینچے قیاساً امتحاں
صورِ اسرافیل سے کچھ کم نہیں اس کا نیام
نکلے وہ اس میں سے تو سورِ قیامت ھو عیاں
جتنی ھے جمعیتِ افلاک ھووے منتشر
تاب کیا باھم رھیں اجزاے ارضی توأماں

در بیان خوبیِ جلدِ اسپ می گوید

خوش کمر اتنا کہ جوں پیوستہ ابرو میں ھو خال
جاے زیں ھے یہ گریبان و کفل کے درمیاں
خوش بدن از بس کہ ھے جوں اخترِ چرخِ کبود
جلد کے نیچے سے ھر قطرہ لہو کا ھو عیاں

نقشِ سم جس دشت میں ہو اس کی حسب و خنز کا
دیں غزالان حرم تک نعل بندی آ کے واں

در چلدی او می گوید

ہے چھلاوے میں نہ اس گلگوں کی دم داری کا لطف
جوں پوں بہنے سے لہراتا ہے سروِ بوستاں
جب قدم لگتا ہے وہ محبوب ست ہر گام پر
(۶۰ الف) صدقے کرتے ہیں حرام نثار اتنا دلبراں
ٹک اچک جاوے عیاں اس میں جو قاسِ رنس سے
اس طرح اڑ جائے خون چہرے سے رنگِ عاشقاں
گر صف اعداد نہ سیدھا ہو تو خون تیرِ تمنگ
ڈانٹیے اس کو تو پہنچے تس ار آوار واں
در غلط ہے نہ کوئی اس کو دکھاوے تس حکمہ
صفحۂ روئے زمیں کا اس قدر عرصہ کہاں
ہو اگر یہ سرق میں اور سامنے ہو اس کے غرب
ٹک اسے راکب کہے اس وقت اتنا ہی کہ ہاں
پہنچنے پاوے صدائے ہاں نہ منہ سے تا نہ لب
پہنچے ہے وہ بادِ پیما یاں سے واں اور واں سے یاں

قصیدۂ دیگر در منقبت

سوائے خاک نہ کھینچوں گا منتِ دستار
کہ سرِ دوست لکھی ہے مری نہ خطِ غبار
زمانہ دل کو مرے اور عہد ناز کو اب
شکست سے نہیں دیتا ہے ایک آن قرار

در هجو فلک گوید

پڑا پھرے ہے اسی فکر میں سدا ظالم
کسی طرح بھی کسی دل کو دیجیے آزار
کدھر خیال کو اب لے گیا ہے یہ بے مغز
زبس بھرا ہے دل اس کا ہوا ہے کج رفتار

در بیان عدل ممدوح گوید (۶۰ ب)

گر اس کا حکم اٹھا دے جہاں سے رشتۂ کفر
مجال کیا جو سلیمانی میں رہے زنّار

در شکوہ خمۂ او گوید

کہ جس کی دیکھ کے رفعت فلک ہے چکّر میں
اسی کے بوجھ سے ہے صفحۂ زمیں کو قرار
نہیں ستارے ہیں یہ بلکہ لوٹتا ہے گا
اسی حسد سے انگاروں پہ چرخ لیل و نہار

در بیان بخشش او گوید

بھرا زبس شکم حرص جود نے تیری
نہیں اب اس کے تئیں درد امتلائے قرار

قصیدہ در مدح امام موسیٰ رضا

اگر عدم سے نہ ہو ساتھ فکر روزی کا
تو آب و دانہ کو لے کر گھر نہ ہوں پیدا
نکل وطن سے ہے غربت میں زور کیفیت
کہ آب بخت ہے جب تک ہے تاک میں صہبا

نکوی جو کرے دنیا میں ہوئے وہ پامال
نشان حادثہ کسی کو نو راہ مت بتلا
کلام شیریں پہ جا نو نہ اہل دنیا کے
نہ نام زہر ہلاہل سہی ہوئے ہے میٹھا
نہ سنگ پا ہے یہ دل اے خدا نہ ہے یہ حنا
ستاں کریں ہیں اسے پائمال کیوں اتنا
کرے نہ چاک گریبان صبح پنجۂ مہر
جو شور عشق نہ ہووے نہ عالم بالا

در وصف گنبد مقبرۂ او گوید

شعاع نور سے خورشید جس کے قبّے کی
پلک جھپکنے سے یک ذرّہ بھی نہیں رہتا

در وصف مہر گوید

مہری کہاں کے آگے حریف روز نبرد
کہاں سے لائے نہ طاقت جو ہوسکے سیدھا
کہ جس کے مہر کی ہیبت سے آسماں کبھو[۱]
بغیر خم کیے سمت اپنی سر اٹھا نہ چلا

در وصف شمشیر گوید

شہا عجب ہے وہ شمشیر جس کی صولت کا
مرے عدو کو ہزیمت سے خوف ہے اتنا
گر اس کے بعد نکالے مصوّر اس کی شبیہ
تو روح اس کی پکارے کہ پانو پہلے بنا

۱- آسمان کبود

قصیدہ در مدحِ امام کاظم گوید

ہے پرورش سخن کی مجھے اپنی جاں تلک
جیوں سمع زندگانی ہے میری زباں تلک
کیفیتِ بہار ہے گلشن میں یاں تلک
بلبل سے لے کے مست ہے تا باغباں تلک
صحنِ چمن پہ پھرتے ہیں مستی سے لوٹتے
لے کر ہوا کی موج سے آبِ رواں تلک
سوسن پر اس نمط سے ہے شبنم کہ جوں عرق
آتا ہے عارضِ بتِ ہندوستاں تلک
مشکل بہت ہے امر قناعت جہاں کے بیچ
لے کر زمیں سے چرخ کے باشندگاں تلک
ہم نے زیادہ تا سبِ ھمم سے ماہ کو
قانع نہ رہتے دیکھا کبھی نیم ناں تلک (۶۱ ب)
روزی کو مضطرب نہ ہو ٹک آئنے کو دیکھ
ناں آبرو سے پہنچے ہے روشن دلاں تلک

در بیانِ عدلِ او گوید

رہنے کو جگ میں صورتِ افسوس کے نئیں
اسباب خورمی نے کیا منع یاں تلک
انگشت چوسنے کے نئیں طفلِ شیر خوار
ممکن نہیں کہ لا سکے اپنے دہاں تلک
ہرگز نہیں اس عہدِ مبارک میں یہ مجال
پہنچے کسی کا زور کسی ناتواں تلک
بہہ جائے ایک خس کبھی ریلے سے موج کے
زنجیر سے بندھا کرے آب رواں تلک

در جلدی سمندِ او گوید

باندھیں انھوں کے بانو سے گر مہر و ماہ کو
نور و زوشت کے بھرنے میں سرعت ہویاں تلک
پھر نوبتِ سوار مہ و سال زیرِ چرخ
آوے نہ آن کو ، ہیں یہ منجم جہاں تلک

قصیدہ در مدحِ امام عسکری

عیب دوسی ہو لباس چرک سے کیا ننگ ہے
ماں اے آئینہ بہتر اس صفا سے زنگ ہے
ابروان نے کھینچی ہے شمشیر، مژگاں نے چھری
حسن کی خوبی میں تیرے مجھ پہ باہم جنگ ہے

(۶۲ الف) در بیانِ عدل او گوید

استخواں و پوست سے کھینچے ہیں رگ‌ہائے رباب
زیرِ چوب و سنگ اٹھ روتہ مردنگ ہے

در بیان محسن او گوید

اس زمیں کو جس پر اس کا دست ہو سایہ فگن
کچھ سوا گل اسرفی کے سبز کرنا ننگ ہے

در پرسِ سمسر او گوید

آسماں سے تا زمیں اور گاؤ سے ماہی تلک
امتحاں گر کیجیے اس کو تو یک چورنگ ہے

در وصفِ اسپ گوید

ایسے ہیں تعلیم واں ہر روز آ کر گردباد
جس جگہ سرگرم کاوی پر درا سب رنگ ہے
جھانکے ہے ہمت آسماں کو جلدی اس کی ہر قدم
بس کہ عرصہ شش‌جہت کا اس کے اوپر تنگ ہے
بکھرا ہی جاتا ہے ہاتھوں میں جلو لینے کے وقت
نکلا ہی پڑتا ہے رانوں سے یہ اس کا ڈھنگ ہے
اس میں ٹک ہی گرم ہو آیا تو بس پھر اڑ گیا
ہے تو گھوڑا ہی یہ کچھ سیماب کا سا ڈھنگ ہے

قصیدہ درمدحِ امام مہدی

جوں غنچہ آسماں نے مجھے بہرِ عرضِ حال
دی سو زباں دہن میں و لیکن سبھی ہیں لال
اجرائے کار بند ہے عالم کا اس کے ہاتھ
جز چشمِ عاشقاں کہ ہیں جاری بہ اتصال
دارے کو دے ہے رتبۂ اکسیر بعدِ مرگ
دولت کبھی کسی کو نہ دی ان نے بے زوال (۶۲ ب)
ڈھانپے ہے جانماز تلے زاہدوں کا عیب
دیتا ہے راز عشق کو پردے سی نکال

در بیانِ حلمِ ممدوح گوید

اس خاک داں اوپر جو نہ ہو اس کا بارِ حلم
اہلِ جہاں کے آئے سر اوپر عجب وبال
ہووے زمین زیر و زبر آسماں کے ساتھ
مانندِ ریگِ شیشۂ ساعت بہ اتصال

در بیانِ شجاعت او گوید

مسلک میں فیل مست کے مارے اگر وہ تیر
گردن کے استخواں میں کبھی بند ہوئے بھال
سوفار اس طرح سے نمودار ہو رہے
جوں اژدہا پہاڑ سے جھانکے ہے سر نکال

قصیدہ در مدحِ عالمگیر ثانی

رکھے ہمیشہ تری تیغ کارِ نصر دماہ
بحق اشہد ان لا الٰہ الا اللہ
فلک پہ سبعہ سیّارہ تا قیامِ جہاں
پھرا کریں تری مرضی شریف کے ہمراہ
بسانِ رشتہ کہ دانوں میں سبحہ کے ہووے
تری ولا کو رہے اس طرح دلوں میں راہ
کرے جب آنے کو تو عزم پشت پر اس کی
رکاب داب کے اقبال بولے بسم اللہ

قصیدہ در تعریف نواب غازی‌الدین[1] خاں

نہیں ہے معجز عیسیٰ سے کم تری تدبیر
(۶۳ الف) کیا ہے زندہ سرنو سے جن نے عالم گیر
تمیز کیا کہوں اجرائے کار کی اس کی
کہ جس کے رمز کو پہنچے نہ آسماں کا دبیر
وہ دامِ زلفِ بتاں سے اسے کرے تن خواہ
جو مانگے ورقۂ عشاق سے کوئی جاگیر

---

۱ - اصل میں 'عیار الدین' لکھا ہے۔

در وصفِ فیل او گوید

صفِ عدو کے لیے رزم میں ہے روزِ سیاہ
ہے سمعِ درمِ محباں کے واسطے سبب ِ مہر
نگانِ ںا کی صدا اس کے جو سنے سو کہے
سیاہ خیمۂ لیلٰی میں قیس ہے زنجیر
برہمن اس کو تو گنیس دیوتا بولے
کہے ہے شیخ ہوا کعبۂ رواں تعمیر

قصیدہ ار سر بہار (کذا) در مدحِ آصف‌الدولہ[1]

برجِ حمل میں بیٹھ کے خاور کا تاج دار
کھینچے ہے اب خزاں پہ صفِ لشکرِ بہار
کہتے ہیں یوں زبانیِ پیک صبا یہ حکم
پہنچا حضور سے طرفِ باغِ روزگار
مرکب جو شاخسار کے ہیں ان پہ اب شتاب
پہنچیں سوار ہو کے جوانانِ برگ و بار
ہیں بخشی و وزیر جو مریخ و ماہتاب
ان کو یہ امر ہے کہ امیران نام دار
منہ کھول دو خزائنِ گل اشرفی کا تم
پکڑو قلم کو ہاتھ رکھو پیادہ و سوار
چہرہ لکھا کے فوج[2] نگہداشت اب کرو
تعداد پوچھتے ہو تو بے حد و بے شمار

---

۱ - ''کلیاتِ سودا'' (۲/۳۰۳) میں اس قصیدے کا عنوان ہے :
قصیدہ در مدحِ نواب سیف الدولہ احمد علی خاں بہادر سر سید صلابت خاں ۔

۲ - اصل : سرح

اہلِ قلم جو دفترِ بخشی گری کے ہیں
(٦٣ ب) ان سے کہیں برائے سند یہ بار بار
گلگونِ لالہ کو نہیں بے داغ رہ گیا
چیریں گے پیٹ ہر متصدی کا نسخہ وار
لینا ہے کام مجھ کو جوانانِ باغ سے
بھر بھر سمن دوں کے تئیں دو زرِ عیار
بس اہلِ کار لالۂ جو رو سے نہ دیکھیں
رنگیں شتاب مشکِ پیالانِ کوہسار
دگلے ہزار رنگ کے پہناویں ابر کو
موجِ ہوا ملک ہو زرہ پوش اب کی بار
تقسیم کردیں فرقۂ نسخہ میں چلتہیں¹
دینے دیں² گر رسالۂ گل ہو اسند وار
عصے سے یک دگر کٹے مرتے ہیں نہ کہ موج
گرداب ڈھال روکے ہے مارے ہے جب کٹار
تن خود ایک دم بھی رہتا سر حباب
ڈالے رہے ہے منھ پہ جھلم سنگ آسار
اندام جوئبار پہ اب عکسِ تاک سے
بکتر سجا ہی دیکھوں ہوں میں لیل و کیا نہار
رہجک ہی بھر مسو اڑاتا کرے ہے برق
گولے ہی ڈھالتا ہے سحاب تگرگ بار
آواز توپ و رہکلہ و رعد روز و شب
کرتا ہے یہ سپہر سے جا اس طرف گزار

١- چلتہیں — جہل بلہ ، ایک لباس کا نام ۔
٢- کلیات (٣٠٧/١) میں مصرع اولیٰ یوں ہے : دیں دو بے رسالۂ گل الخ ۔

طاؤس نام وہ جو ہیں اس فوج کے نقیب
کرتے ہیں یہ صدا کہ جوانان لالہ زار
باہم سے دستہ دستہ جدی ہو کھڑے رہو (۶۴ الف)
جلدی سے باندھ کر کمر کینہ استوار
میدان صاف کرتی ہے جاروب باد تند
تا وقت کار دامن گل سے نہ الجھے خار
صد برگ و جعفری و گل اشرفی نے اب
کیسر سے بانی کرکے یہ باہم کیا قرار
سنمکھ صف فسون خزاں آوے جس گھڑی
ہو کر اناری کیجیے میداں میں کار زار
دامن کو باندھ باندھ ہوئے مستعد سرو
قمری ہر ایک کہتی ہے یوں نعرہ مار مار
ایسا نہ ہو کہ طعن کریں ہم کو بلبلیں
لڑیو قدم کو گاڑ کے یاران طرح دار
نرگس کو باوجود ہے بیماری شدید
اس پر چمن میں آن کے وہ ناتوان و زار
للکاری ہے یہ کہ دو بھیاں ہو جو کوئی
ٹالے تو بارے آن کے مرے عصا کا وار
کمر کھ کے تر درخت سے یوں سنگترہ کا نخل
کہتا ہے گرچہ ہاتھ ہے شمشیر ترے یار
لیکن تو دیکھیو کہ خدا وہ کھڑی رہے
کتنوں کے سر میں نوڑوں گا پتھر ہی مار مار
کولی کے ہر درخت کو غصے نے ان دنوں
کچھ آگ سی لگا دی ہے کیجو تو اعتبار

در وصف شمشیر و تیر او گوید (۴۹ب)

تیرے ہی تیغ و تیر کی دہشت ہے یاں تلک
تا وحش و طیر نے کی سلح پوشی اختیار
دراج کون سا ہے کہ پہنے نہیں زرہ
ہر ایک کرگدن کے بدن پر سپر ہیں چار

در بیان شجاعت او گوید

دل پر مرے یقیں ہے کہ میداں میں جس گھڑی
للکارے تو یلوں کے تئیں کھینچ کر کٹار
گوہر کرے اس آن میں رستم کا کوفو سپر
سیف الحلا کر یاد کرے سام بار بار
وصف سپر تو کیا کروں جس کا ہر ایک پھول
ہو جائے روز رزم عدو کے گلے کا ہار

قصیدۂ دیگر

محجوس کا ہو دل تو رہے دہر سے بتنگ
باور نہیں تو دیکھ کہ نالاں سدا ہے زنگ
کردے بسان سینۂ ساعت عجب نہیں
یک پل میں بل کے ماتے کو اوپر حو یہ کڈھنگ
شاکی تو ہوں زمانے سے ہر چند پر مجھے
اہل جہاں کے بخل و حسد نے کیا ہے تنگ
اتنا حسد ہے عاشق و معشوق میں کہ نور
منہ پر جو ہو چراغ کے تو جل مرے پتنگ

در وصفِ شمشیر گوید

ہے دل کو یہ یقین کہ ہنگام کار زار
روئیں تنوں کی صف پر اگر ڈانٹ کر نرلگ
مارے تو جس کے خود پر اس کو تو کیا عجب (٦٥ ١
ٹھہرے نہ قاس زین میں اور کاٹ کر کے تنگ
لیتی ہوئی زمین کو تحت الثریٰ تلک
چھوڑے نہ کچھ جو منہ پہ چڑھے کوہ خواہ سنگ

قصدہ در تعریف سنت حال

جوھر تو کیا بتاؤں شمشیر کا تو اس کی
جس کی برس اسی سے دانا کو امتحان ھو
کرتا ھوں ذکر جس سے اس کا وہ یوں کہے ہے
حب رہ کسی کے جی کو یونہیں کہیں امان ھو

در بیانِ دبدبۂ او می گوید

مجلس کے داب سے وہاں یہ دور ہے کہ وارد
پروانہ بے اجازت نزدیک شمع داں ھو

مطلع

صحن چمن میں گلگون گر تیرے زیر راں ھو
ھرگل پیادہ ھوکر واں طرفوا کناں ھو

در وصف فیل گوید

شان و شکوہ تیرے ھاتھی کی کیا کہوں میں
چرخی بجا ہے اس کی گر چرخ آسماں ھو

مستک پھڑنک لگے جس طرح جلوہ گر ہے
تو سانجھ لاکھ پھولے یہ لطف پر کہاں ہو

قطعہ

دانتوں کے بیچ اس کے ہے حسن قدر پھسونڈا
وصف صفاحت اس کا کہیے تو کیا بیاں ہو
اس دانت سے دوہم اس دانت تک جو گزرے
سمجھے یہ ایک دن میں تا شب نہ درمیاں ہو
(٦٥ ب) اس قد و قامت اوپر یہ حسن ہے کہ اس کی
زنجیر سا بجا ہے گر رات دن وساں ہو
کج ناک تک دہاوت چھیڑے تو یوں چلے ہے
عاشق کے وصل کی شب جس طرح سے رواں ہو

قصیدہ تضحیک روزگار

ہے جب سے چرخ ابلق ایّام پر سوار
رہتا نہیں ہے دست عناں کا یہ تک قرار
ہیں گے جنانچہ ایک ہمارے بھی مہرباں
پاوے مزا جو ان کا کوئی نام لے ہزار
نوکر ہیں سو روپے کے دیانت کی راہ سے
گھوڑا رکھیں ہیں ایک، سو اتنا خراب و خوار
نے دانہ و نہ کاہ و نہ تیمار و نے سئیس
رکھتا ہے جیسے اسپ گلی طفل شیر خوار
مانند نقش نعل زمیں سے بجز فنا
ہرگز نہ اٹھ سکے وہ اگر بیٹھے ایک بار

اس مرتبے کو بھوک سے پہنچا ہے اس کا حال
کرتا ہے راکب اس کا جو بازار میں گزار
قصاب پوچھتا ہے ہمیں کب کرو گے یاد
امید وار ہم بھی ہیں کہتا ہے یوں چمار
جس دن سے اس قصائی کے کھونٹے بندھا ہے وہ
گزرے ہے اس نمط اسے ہر لیل و ہر نہار
ہر رات اختروں کے تئیں دانہ بوجھ کر
دیکھے ہیں آسماں کی طرف ہو کے بے قرار
خط شعاع تو وہ سمجھ دستۂ گیاہ (۶۶ الف
ہر دن رمق سے آپ کو پٹکے ہے بار بار
ہر زخم پر زبسکہ بھنکتی ہیں مکھیاں
کہتے ہیں اس کے رنگ کو مگسی اس اعتبار
تنہا نہ اس کے غم سے ہے دل تنگ زیں
خوگیر کا جو سینہ میں دیکھا تو ہے فگار

چوں ایں فرس یک روز عاریتاً طلبید آں آشنا عیوب او بیان نمود :

ہے پیر اس قدر کہ جو بتلاؤں اس کا سن
اول میں لے کے رنگ سیاہ کروں شمار
لیکن مجھسے زروے تواریخ یاد ہے
شیطاں اسی پہ نکلا تھا جنت سے ہو سوار
مانند اسپ خانۂ شطرنج اپنے پانو
جز دست غیر کے نہیں چلتا ہے زینہار

احوال سواری خود بر آں اسپ بیان نمودہ کہ یک روز از مرہٹہ مقابل شدیم :

حس شکل سے سوار تھا میں اس دن اس اوپر
دشمن کو بھی خدا نہ کرے یوں ذلیل و خوار
چابک تھے دونوں ہاتھ میں لکڑی تھی منہ میں باگ
ٹخ ٹخ سے ہاشنے کی مرے پانو تھے فگار
آگے سے توبڑا اسے دکھلاتے تھا سئیس
پیچھے نقیب لاٹھی کے ہانکے تھا مار مار
ہرگز وہ اس طرح بھی نہ لاتا تھا رو نہ راہ (٦٦ ب)
ہلتا نہ تھا جگہ ستی مانند کوہسار
اس مضحکہ کو دیکھ ہوئے جمع خاص و عام
اکثر مدبر آن میں سے کہتے تھے یوں پکار
پہیے اسے لگاؤ کہ تا ہووے یہ رواں
یا بادبان باندھ نہ یوں کے دو اختیار
پوچھے تھا کوئی مجھ سے ہوا تجھ سے کیا گناہ
کوتوال نے گدھے نہ کیا کیوں تجھے سوار
سمجھوں ہوں میں ابھی کہ سپاہی کے بھس میں
ڈائن چلی ہے سیر کو ہو چرغ پر سوار
دھوبی کمھار کے گدھے اس دن ہوئے تھے گم
القصّہ آن کر ہوا ان کا بھی واں گزار
ہر یک نے اس کو اپنے گدھے کا کیا خیال
پکڑے تھا کان دھوبی اور کھینچے تھا دم کمھار
گھوڑا تھا بسکہ لاغر و پست و ضعیف و خشک
کرتا تھا یوں حفیف مجھے وقت کارزار
جاتا تھا جب ڈپٹ کے اسے میں حریف پر
دوڑوں تھا اپنے پانو سے جوں طفل نے سوار

جب دیکھا میں کہ جنگ کی یاں شکل یوں بندھی
لے جوتیوں کو ہاتھ میں گھوڑا بغل میں مار
دھر دھمکا واں سے لڑتا ہوا شہر کی طرف
القصّہ میں نے آن کے گھر میں لیا قرار
تب سن کے ان سے میں نے یہ قصّہ دیا جواب
اتنا بھی جھوٹ بولنا کیا ہے ضرور یار
گفتی ہمیں بس است کہ اسپ من ابلق است
سمجھوں گا اپنے دل میں اگر ہوں گا ہوشیار (٦٧ الف)

قصیدہ سالگرہ نواب غازی الدین خاں

صبح ہوتے جو گئی آج مری آنکھ جھپک
دی خوشی نے وہیں آ کر در دل پر دستک
پوچھا میں: کون ہے؟ بولی کہ میں وہ ہوں غافل
نہ لگی سوں میں جس کے کسی سابق کی پلک
ہے خوشی نام مرا ، میں ہوں عزیز دلہا
زندگانی کی حلاوت ہے جہاں میں مجھ تک
کھول آغوش دل اور لے مجھے جلدی ناداں
پھر خدا جانے یہ دن کب تجھے دکھلائے فلک
سن کے یہ مردۂ جاں بخش جونہیں کھولی آنکھ
اشعۂ نور کی سی مجھ کو نظر آئی جھلک
آنکھیں مل کر کے جو دیکھوں تو ہے اک بادلہ پوش
سر سے لے غرق جواہر میں ہے وہ پانو تلک
جعد وہ قہر کہ کہنے میں ہو جس کے ہر لہر
گھر ڈبا دینے کو عشاق کا دریائے اٹک

زلفیں یوں بکھری ہوئی مکھڑے پہ مانگے ہیں دل
جس طرح ایک کھلونے نہ ہٹیں دو بالک
فتنہ اس چشم میں ایسا کہ مژہ سے خون خوار
متصل چونکتے پا کر ، دیا کرتے ہیں تھپک
بحر خوبی کی گویا مچھلی ہی فلاک کے بیچ (٧٦ ب)
نتھ کے حلقے میں جو دیکھے کوئی لٹکے کی دھڑک
نظر آیا نہ دھن بینی کو تنگی کے سبب
منخریں اسی سے ہو آن کے دراسی عینک
ڈھلے پیچ اس کے ہے گردن کا ڑھانا بہ حسن
جلوہ گر شمع ہو جیسے کہ دالان سبک
دیکھے جو اس کے کچوں کو یہ شمّن ہو آسے
دشو داں ناں کے یہ کام کا آدرا ہے کٹک
یا وہ معجون ستہی کی ہیں ڈباں اسی
اوپے ہی جان میں جھڑے سے جس روح ملک
دف کے حسن کو اس کے جو کہا میں نے قیاس
دل نسن یوں ہوا سرے کہ بلا سمہ و سک
دکسی چسم کوئی ہوگا کہ جس کی یہ آنکھ
لگ کے چھاتی پہ صفا کے سبب آئی ہے دھلک
وقتِ نظّارہ مری جب نگہِ دیدۂ غور
سر سے لے آس ود رعنا یہ نئی سانو نلک
مندوں سا لگی کہنے کہ نہ دیکھا ہوگا
سرو کے سنج سے بھولا گن اور لگے اب نک
لچ و واکج حلی جس طرح وہ اٹھکھلی سے
موجِ دریا بھی اسے دیکھے تو رہ جائے ٹھٹک

کیفی یاں تک کہ یہ انداز سخن میں جس کے
کسی کو ھشت کہہ اٹھنا کسی کودوت دبک (۶۸الف)
غرض اس شکل سے آئی جو نظر وہ کافر
کہا میں دل کی طرف دیکھ کے اللہ معک
ناگہ اس شوخ نے مجھ سے یہ کہا اے سودا
اب تو سشہ سے اندوہ کا پتّھر سے پٹک
ایسے مہماں کی تو لازم ھے کہ خاطر ھو عزیز
بادہ بھر شیشے میں، رکھ لا کے نمک داں میں گزک
آج وہ دن ھے کہ جس گھر میں تو دیکھے اس میں
کہیں ھوتی ھے بھگت اور کہیں ھے اولک
یاں تلک شیخ و برھمن نے طرب کی مصروف
دیر میں بجتی ھے مردنگ ، حرم میں ڈھولک
سن کے میں نے یہ کہا اس سے کہ اے مائۂ حسن
خیر ھے ، بات سمجھ کر تو کہہ اتنا نہ بہک
وجہ کچھ ھوئے تو کر مجھ سے تو اس کا اظہار
کچھ جہت ھو تو بیاں کر کہ سنوں میں بھی تنک
کر کے دریافت یہ مجھ سے کہا ان نے کہ مگر
سمع میں تیری نہ مژدہ نہیں پہنچا اب تک
آج اس شخص کی ھے سالگرہ کی شادی
کہ بہ صورت ھے وہ انسان و بسرت ھے ملک
یعنی نواب سلیماں فر و نام آصف جاہ
عہد میں جس کے میں غیور بزرگ و کوچک
کسی کے آگے کوئی ھاتھ پسارے کیا دخل (۶۸ ب)
مٹھیّں باندھے ھوئے پاتا ھے تولّد کودک

در بیانِ شجاعت او گوید

تجھ کو للکار کے میداں میں صفِ مرداں سے
سامنے آئے سرے کون ہے ایسا مردک
وہ جواں تو ہے کہ آگے سے نرے رستم بھی
گاؤ سر سار بعل جائے دبے پانو کھسک
کیوں نہ کوس لمن الملک تو مارے ہر دم
جب تری تیغ میں ہو جوہر ترس یاں تک
کھینچ کر اس کو کمر سے جو لگاوے اک ہاتھ
شکل نقارے کی جوڑی کے دو حصے ہو فلک

در جلدی اسپ گوید

گاہ آجائے نظر، گاہ نظر سے غائب
پھر ہوا سچ وہ شب رنگ ہے جگنو کی دمک
رو بہ رو سے اگر آئسے کے اس گلگوں کو
پھینک دے چڑھ کے جو تو سرق سے لے غرب تلک
اتنے عرصے میں پھر آوے کہ اسے دور کر
عکس بھی آئسے کے ہونے نہ پاوے سفک

در وصفِ فیل گوید

اس کی گج گاہ کی اللہ رے چہرے پہ لٹک
(۶۹ الف) کہکشاں جوں شبِ یلدا میں نمایاں لعلک
بیٹھنے میں ہے وہ کوہ، اٹھنے میں ہے ابرِ سیاہ
عرس رفعت میں ہے اور چلنے میں جوں چرخِ اتھک

در وصف مطبخ او گوید

کاف واں زیرے کو محصول نہ ہو کرماں کا
حاصل ہند سے پورا نہ پڑے اس میں نمک
چرخ و کہسار کو مصرف سے ہے واں کے دہشت
آپ کو پا سے مشابہ نہ پیاز و ادرک

از مثنویات اوست

مثنوی درد

کیا ہوا یارو وہ نسق ہیہات
لموں کے چور کا کٹے تھا ہاتھ
اب جہاں دیکھو وہاں جھمکا ہے
چور ہے، ٹھگ ہے اور اچکا ہے
دیکھی جن نے جوراہ چاوڑی کی
پشم ہے رہزنی تلاوڑی کی
کس طرح شہر کا نہ ہو یہ حال
سیدی فولادخاں ہو جب کتوال
چور کب اس کا زور مانے ہے
کالا بال اپنا اس کو جانے ہے
ہو یہ کتوال تب وہ مانیں زور
یہ تو مچھر کی جھول کا ہے جور
گست جب اس کی پھرنے آتا ہے
یہی لرسنگھیا بجاتا ہے
سن لو چورو یہ مختصر قصّہ
صبح کو بھیج دیجیو حصّہ

جو نطر ناز اس کا چترا ہے
خوب دیکھا تو جیب کترا ہے

(۶۹ ب) غرض اس گفتگو سے ہے یہ مآل
واہ واہ واہ وا زہے کتوال

شہر کے بیچ کیا کہوں میں اب
روزِ محشر کی دھوم ہے ہر شب

سب ہے نرسنگوں کی یہ قال‌وقیل
جیسے پھکتے ہیں صورِ اسرافیل

کتنے آہٹ سے ایسے بھونکیں ہیں
مردے خوابِ عدم سے چونکیں ہیں

آنکھ تو کس بشر کی لاگے ہے
چوروں کے ڈر سے فتنہ جاگے ہے

آسماں پر بھی منعدم ہے خواب
کھلا رہتا ہے دیدۂ مہتاب

بزم میں شب ہر ایک پیروجواں
بیٹھے ہیں کرکے رزم کا ساماں

بس نہ یہ ہے کہ بہرِ طرّۂ زر
لگے ہے چور شمع کو آکر

شام سے صبح تک یہی ہے شور
دوڑیو کپڑے لے چلا ہے چور

صبح شبنم جو گل پر ہوتی ہے
غنچے کو غنچے کے وہ روتی ہے

رات جو اپنے گھر میں کھنکارے
چور دروازے پر یہ ھنکارے

ہوگی کب تک بجا خبرداری
چور جانے رہے نہ اندھیاری
آئینہ تک اگر تو دیکھے یار
اپنے گھر میں ہے وہ بھی چوکیدار
بے خطر دزد سے کوئی نہ رہا
اہل سے خانہ میں بھی ہے ہو ہا
نہ ریاضت کو جاگتا ہے شیخ (۵۰ الف)
ڈر سے ہے چور آ نہ مارے میخ
خلق جب دیکھ کر کے یہ احوال
کرتی ہے کوتوال سے فریاد
بولے ہے وہ کہ میں بھی ہوں لاچار
گرم ہو جوتوں کا یہ بازار
مٹ سکے مجھ غریب سے یہ خلل
ہے امیروں کے گھر میں چور محل
دیکھے گر دو سوں کو پھر خدا
ہاتھ میں ہے انھوں کے دزدِ حنا
کس کو ماروں میں کس کو دوں گالی
چوری کرنے سے کون ہے خالی
چڑھ کے جب مسندوں پہ جاتا ہوں
وقت در میں بھی دل چراتا ہوں
مچ رہا ہے اب اس طرح کا سانگ
ہے خدا کے بھی گھر میں چور کی تھانگ
بچ سکے کیونکہ اب کسی کی شے
ملا مسجد کا صبح خیزیا ہے

رتبۂ دزدی اس قدر ہے بلند
چرخ کے گھر پہ کہکشاں ہے کمند
یہ جو سودا لکھے ہے لایعنی
آپ کرتا ہے دزدیِ معنی

مثنوی شدّتِ گرما

کیوں ہوا اس قدر ہے عالم سوز
آتشی رنگ ہر ہے کیا نوروز
اب کی رت سے یہ ہوئے ہے معلوم
چمن آرا ہو شب برات کی دھوم
گرم ہے یہ بہار کا موسم
(۰۷ ب) شاخِ گل پھلجھڑی سے ہیں کچھ کم
ہے پٹاخا چٹکنے وقت گلاب
کفِ نرگس نہ چھوٹے ہے مہتاب
دستۂ گل کا کیا کہوں میں رنگ
اس میں ہتھپھول کے سے ہیں گے ڈھنگ
غنچہ کھلنے میں یوں ہو آتش بار
جیسے پھٹتا ہو داغنے میں انار
نہیں گیندوں کے یہ چمن میں درخت
دی ہے آتش ستاروں کو یک لخت
کیا میں فوّارے کا کہوں عالم
جوں بھچنپا چھٹے ہے لے لے دم
سنگ پر یوں ہے آبشار کی دھار
چھاتی پر جوں گرے ہے نزلۂ حار

جوش ہے یہ بہار میں اس سال
لبِ جو پر ہے عکسِ گل تب خال
ہے عرق اس ستی گلوں کے تئیں
گرچہ پنکھا نسیم چھوڑتی نئیں
لالے کے ہر چراغ پر اس آن
لٹ دھوئیں کی ہے شاخِ نافرمان
ہے حرارت گلوں کو اب یاں تک
نہیں شبنم یہ نکلے ہے چیچک
پانی کو بلبلیں پھریں بھٹکی
طفل غنچہ کو لگ گئی حٹکی
یہ نہ لالہ کی پاتی جھڑتی ہے
آگ جامے سے نکلی پڑتی ہے
گیا تالاب میں ہر ایک کنول
کنول کاغذی کی طرح سے جل
خوشے انگور نے کہاں پائے (اے الف
تاک کے بھی جھٹک گئے خانے
ہے پسینوں سے مے خوروں کا یہ حال
بادہ گویا ہے آب در غربال
ہووے جس سال یہ بہار کا رنگ
آگے گرمی کا کیا کہوں میں ڈھنگ
ہے ہوا سے تنور چرخ پہ گرم
جو پڑی نان مہر ہو کر گرم
اب زمیں کا زبس پڑی ہے دھوپ
سرسوں کے کھیت کا سا ہے کچھ روپ

سائے کی تیرگی پہ کر تو نگاہ
ڈر سے دھوپ کے ہوا ہے سیاہ

زمیں سمجھے ہے تفتگی سے ہر آن
نوہ کی بوند نوح کا طوفان

سو سمندر کا صرف کرکے جو آب
صحن یک خانہ کیجیے چھڑکاب

کیا عجب ہے نہ ہووے اتنا نم
خاک رہ جائے اڑنے سے تک دم

پانی سے پونچھیے عرق ہر چند
رسی کنکڑ کے کوزے کی مانند

خلق کا تشنگی سے ہے یہ حال
طفل کو مسک دو جواں کو پکھال

تو بھی تو پیٹ انھوں کے بھرتی نہیں
پیاسے مرے ہیں پیاس مرتی نہیں

یہی سوچے ہے دل میں تشنۂ آب
بحر کو منہ لگاؤں مثلِ حباب

(۱۷ ب) پانی کتنا ہی پیٹ میں ہو اب
کھلے رہتے ہیں شکل آئینہ لب

رات سووے زمیں پہ جو انساں
کروٹیں یوں لے جوں دوہ بریاں

بھیک مانگے ہے جو گلی میں فقیر
دم بہ دم اس کی ہے یہی تقریر

کوئی بندہ خدا کا ایسا آئے
مجھ سے بے کس کے اب گلے کو بجھائے

ٹھیک ہوتی ہے جس گھڑی دوپہر
لگے ہے دھر دھر جلنے دھر

چیلس کیا انڈا چھوڑ بھاگے ہیں
پر فرشتے کے جلنے لاگے ہیں

ہووے گرمی سے جب یہ حال جہاں
کہہ تو کوئی زندگی کرے سو کہاں

غیر تہہ خانہ جائے امن نہیں
اب کچھ آرام ہے تو زیر زمیں

مثنوی ہجو فیل لاگرمل[1]

کہا ساقی نے گو مجھ کو سیہ مست
تو کر فکرِ بلند اے ہمتِ پست

قلم سے کہہ کہ ہو سرگرم تحریر
بندھے تا صفحۂ کاغذ پہ زنجیر

قوی ہاتھی سے بھی اپنا سخن ہے
زبانِ خامہ پر یاں کجلی بن ہے

اگر ہم پیل معنی کا بناویں
تو بہتر ہاتھیوں سے کر دکھاویں

مہاوت دل ہے ، نالہ بھالہ بردار
ہے چرخی پیچشِ آہِ سرر بار

---

۱ - ''کلیات سودا'' (۱/۳۷۵) میں اس مثنوی کا عنوان ہے :
''مثنوی در ہجو پیل راجا نرپت سنگھ ۔''

غرض ہاتھی حدا دیوے نوایسا
نہ فیل راجا ناگر مل کا جیسا
محائی جس کی کھترائی ہے یہ دھوم
(۲۷ الف) کہ لرزے ہے پڑا لے سام نا روم
سروں کو یوں قدم نیچے ملے ہے
چنوں کو جس طرح چکی دلے ہے
مہاوت دما ہے جو اس کو سنبھالے
جو آوے شیح بھنا روند ڈالے
بدن پر اب نظر آتی ہے یوں کھال
طناب سست سے خیمے کا جوں حال
نہ بیری ہے، نہ نٹھی سدھن، نہ لکڑا
رکھے ہے ناتوانی اس کو حکڑا
ضعیفی ہے کی اس کی فربہی گم
گیا ہاتھی نکل اور رہ گئی دم
ہوئی یہ ناتوانی اس کے درے
یہ ڈیل اس کا دھوئیں کی سی گرہ ہے
پر اس کے دل میں اب بھی یہ غضب ہے
کہ آتشبازی کا ہاتھی وہ اب ہے
تماشا ہو اگر وہ چھوٹ جاوے
کہ گھر کو آگ کس کس کے لگاوے
سمجھنا فیل اسے دیوانہ پن ہے
کسی مدت کا وہ بام کہن ہے
ستوں اس کے تلے یہ پاو ہیں چار
ہیں دو دانت آگے سو گویا ہیں اڑوار

جو بیٹھے یہ تو اٹھنا اس سے ہے دور
لگیں جب تک نہ اس کو راج مزدور
ہے اتنا چلنے میں بجّر یہ بدذات
نہیں ھاتھی صعوبت کی ہے یہ رات
جو کہیے فیل اسے بہتان ہے یہ
عجائب تودہ و طوفان ہے یہ
اٹھ ہے خاک کا یا راکھ کا ڈھیر (۲۷ ب)
کہیں ہیں اس کو ھاتھی ہے یہ اندھیر
ھلاتا یوں ہے کانوں کو یہ ھربار
کہ دھونکیں پنکھوں سے کوئلوں کا انبار
جسے لا پیٹھ پر اس کی بٹھایا
گویا باروت پر دھر کر اڑایا

و علی ھذاالقیاس قصائد و مثنویات و مخمسات وغیرہ آں بزرگوار بسیار دارد ۔ ھر کہ شوق دیدن در دل خود داشتہ باشد ، دیوان کلیات او گرفتہ مطالعہ نماید کہ بچہ طور داد معانی دادہ و شعر ریختہ را بحد اعجاز رساندہ ۔

(۷۱) خواجہ میردرد

مردے است فاضل و متوکل و درویشے است صاحب نسبت و کامل غواص دریاے شریعت و طریقت مّواج بحر حقیقت و معرفت ، بکمال فضل و بلاغت انسانی موصوف و بجمیع فواضل و عنایات ربانی معروف و درجمیع علوم سخنوری و فنون ظاھری ماھر و بوے فقر و صفائی باطنی از مذاق گفتارش ظاھر ۔ درمشرب صوفیہ دینی حظ وافر دارد کہ باسباب دنیوی التفاتے نمی آرد ۔ بسیار خلیق و متواضع ،

متوطن شاہ جہان آباد ، خلف الصدق خواجه ناصر که از مقتدائے زمانه بود ، (۳ے الف) شاعر نازک مزاج ، خوش خیال ، معنی یاب فاضل مستعد ، عالم مسند ، صوفی مشرب ، حنفی المذهب ، بهره وافی از درویشی دارد ، اکثر رساله در علم تصوف به حسب واردات غیبی که فقرا را درمعامله ظاهر می شود تصنیف نموده - ازمغتنمات روزگار است حق تعالیٰ سلامتش دارد - به سبب گرمی بازار ریخته مزاجش گاهے متوجه این فن لاحاصل می‌شد ، اگرچه شعر و شاعری دون مرتبۂ اوست فاما چون طبع شریفش بطرف شعر میل فرموده ازین سبب اسمش درطبقۂ شعراء داخل نمود - این چند اشعار پردرد ازوست :

مقدور کسے ہے ترے وصفوں کے رقم کا
حقّا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا
جس مسند عزت پہ کہ تو جلوہ نما ہے
کیا تاب گزر ہووے تعقّل کے قدم کا
مانند حباب آنکھ تو اے درد کھلی تھی
کھینچا نہ پر اس بحر میں عرصہ کوئی دم کا

کبھی خوش بھی کیا ہے جی کسی رند شرابی کا
بھڑادے منہ سے منہ ساقی ہمارا اور گلابی کا

اکسیر پر مہوّس اتنا نہ ناز کرنا
ہے کیمیا سے بہتر دل کا گداز کرنا

هم جانتے نہیں ہیں اے درد کیا ہے کعبہ (۳۷ ب)
جیدھر ملے وہ ابرو اودھر نماز کرنا

جگ میں آ کر ادھر اُدھر دیکھا
تو ہی آیا نظر، جدھر دیکھا
جان سے ہو گئے بدن خالی
جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا
ان لبوں نے نہ کی مسیحائی
ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

دیکھیے غم سے اب کی جی میرا
نہ بچے گا، بچے گا، کیا ہو گا
دل کے پھر زخم تازہ ہوتے ہیں
کہیں غنچہ کوئی کھلا ہو گا
قتل سے میرے وہ جو باز رہا
کسی بد خواہ نے کہا ہو گا
دل بھی اے درد قطرۂ خوں تھا
آنسوؤں میں کہیں گرا ہو گا

گزری شب و آفتاب نکلا
تو گھر سے بھلا شتاب نکلا

حرص کرواتی ہے روبہ بازیاں ورنہ یہاں
اپنے اپنے بورئے پر جو گدا تھا شیر تھا
شیخ کعبے ہو کے پہنچا، ہم کنشت دل میں ہو
درد منزل ایک تھی ٹک راہ کا ہی پھیر تھا

اگر یوں ہی یہ دل ستاتا رہے گا
تو اک دن مرا جی ہی جاتا رہے گا
میں جاتا ہوں دل کو ترے پاس چھوڑے
مری یاد تجھ کو دلاتا رہے گا
خفا ہو کے اے درد مر تو چلا تھا
کہاں تک غم اپنا چھپاتا رہے گا

ٹھہر جا ٹک بات کی بات اے صبا
کوئی دم میں ہم بھی ہوئے ہیں ہوا (۷۳ الف)
لے نہ جاوے حرص اہل فقر کو
بہہ سکے کب موج نقش بوریا
ڈھل گیا جو کچھ کہ تھا اے نیستی
ہستیٔ موہوم کا یاں آسرا

مجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا
برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا
یگانہ ہے تو آہ بیگانگی میں
کوئی دوسرا اور ایسا نہ دیکھا

اذیت ، مصیبت ، ملامت ، بلائیں
ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا
کیا مجھ کو داغوں نے سروِ چراغاں
کبھی تونے آکر تماشا نہ دیکھا
تغافل نے تیرے یہ کچھ دن دکھائے
ادھر تو نے لیکن نہ دیکھا نہ دیکھا
حجابِ رخِ یار تھے آپ ہم ہی
کھلی آنکھ جب، کوئی پردا نہ دیکھا
شب و روز اے درد درپے ہوں اس کے
کسی نے جسے یاں نہ سمجھا نہ دیکھا

کچھ کشش نے تری اثر نہ کیا
تجھ کو اے انتظار دیکھ لیا
تشنگی اور بھی بھڑکنی گئی
جبوں جیوں میں آنسوؤں کو اپنے پیا

جی میں ہے سیر عدم کیجیے گا
یک بیک خلق سے رم کیجیے گا
موردِ قہر تو یہاں ہم ہیں
اور کس پر یہ کرم کیجیے گا
سخت بےباک ہے یہ خامۂ شوق
اپنے ہاتھوں کو قلم کیجیے گا

مدرسہ یا دیر تھا یا کعبہ یا بت خانہ تھا (۴۷ ب)
ہم سبھی مہماں تھے واں اک تو ہی صاحب خانہ تھا

وائے نادانی کہ بعد از مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا ، جو سنا افسانہ تھا
ہو گیا مہماں سرائے کثرت موہوم آہ
وہ دلِ خالی کہ تیرا خاص خلوت خانہ تھا

جان پر کھیلا ہوں میں میرا جگر دیکھنا
جی نہ رہے یا رہے مجھ کو ادھر دیکھنا
گرچہ وہ خورشید رو تب ہے مرے رو بہ رو
تو بھی میسر نہیں بھر کے نظر دیکھنا
سو بھی نہ تو کوئی دم دیکھ سکا اے فلک
اور تو یاں کچھ نہ تھا ایک مگر دیکھنا

کام یاں جی نے جو بھی ٹھہرایا
جب فلک ہووے آپ ہی کام آیا
بے طرح کچھ الجھ گیا تھا دل
بے وفائی نے تیری سلجھایا
دشمنی میں سنا نہ ہووے گا
جو ہمیں دوستی نے دکھلایا
ہم نہ کہتے تھے سمہ نہ چڑھ اس کے
درد کچھ عشق کا مزا پایا؟

تو اپنے دل سے غیر کی الفت نہ کھو سکا
میں چاہوں اور کو تو یہ مجھ سے نہ ہو سکا

گو نالہ نا رسا ہو ، نہ ہو آہ میں اثر
میں نے تو درگذر نہ کی جو مجھ سے ہوسکا
جوں شمع روتے روتے ہی گزری تمام عمر (۵۷الف)
تو بھی تو درد داغ دل اپنا نہ دھوسکا

ہر چند فسق میں بھی ہزاروں ہیں لذتیں
لیکن عجب مزا ہے فقط جی کی چاہ کا
دل اس مزہ سے رکھیو نہ تو چشم راستی
اے بے خبر برا ہے یہ فرقہ سپاہ کا
شاہ و گدا سے اپنے تئیں کام کچھ نہیں
بے تاج کی ہوس نہ ارادہ کلاہ کا

قتل عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا
پر ترے عہد کے آگے سے یہ دستور نہ تھا
رات مجلس میں ترے حسن کے شعلے کے حضور
شمع کے منہ پہ جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا
ذکر میرا ہی وہ کرتا تھا صریحاً لیکن
میں جو پوچھا تو کہا : خیر یہ مذکور نہ تھا
باوجودیکہ پر و بال نہ تھے آدم کے
وہاں پہنچا کہ فرشتے کا بھی مقدور نہ تھا
درد کے ملنے سے اے یار برا کیوں مانا
اس کو کچھ اور سوا دید کے منظور نہ تھا

جگ میں کوئی نہ ٹک ہنسا ہوگا
کہ نہ ہنسنے میں رو دیا ہوگا
ان نے قصداً بھی میرے نالے کو
نہ سنا ہوگا ، گر سنا ہوگا
دل کے پھر زخم تازہ ہوتے ہیں ×
کہیں غنچہ کوئی کھلا ہوگا
یک نہ یک نام لے اٹھا میرا
جی میں کیا اس کے آگیا ہوگا

ق

میرے نالوں پہ کوئی دنیا میں (۵۷ ب)
بن دیے آہ ، کم رہا ہوگا
لیکن اس کو اثر خدا جانے
نہ ہوا ہوگا یا ہوا ہوگا
قتل سے میرے وہ جو باز رہا ×
کسی بد خواہ نے کہا ہوگا
دل بھی اے درد قطرۂ خوں تھا ×
آنسوؤں میں کہیں گرا ہوگا۱

مثلِ نگیں جو دل سے ہوا کام رہ گیا
ہم روسیاہ جاتے رہے ، نام رہ گیا
یا رب یہ دل ہے یا کوئی مہماں سرائے ہے
غم رہ گیا کبھی ، کبھی آرام رہ گیا

۱۔ اس غزل کے تین اشعار نشان زدہ (×) پہلے بھی اصحاب ہوئے ہیں یہاں مکرر ہوگئے ہیں ۔

هم کب کے چل بسے تھے پر اے مژدۂ وصال
کچھ آج ہوتے ہوتے سرانجام رہ گیا
شدت سے وہ تپاک تو موقوف ہوگئے
اب گاہ گاہ بوسہ بہ پیغام رہ گیا

کسی سے کیا بیاں کیجے اس اپنے حال ابتر کا
دل اس کے ہاتھ دے بیٹھے جسے جانا نہ پہچانا

ہم نے چاہا بھی در اس کوچے سے آیا نہ گیا
واں سے جوں نقشِ قدم دل کو اٹھایا نہ گیا

تو بن کہے گھر سے کل گیا تھا
اپنا تو جی نکل گیا تھا
اب دل کو سنبھالنا ہے مشکل
اگلے دنوں کچھ سنبھل گیا تھا
بارے پھر مہرباں ہوا ہے
بے طرح سے کچھ مچل گیا تھا

(یہاں درمیان سے کچھ اوراق غائب ہوگئے ہیں جن پر خواجہ میر درد کے کلام کا انتخاب تھا)

(۶۷الف) . . . . صورت کہیں نہ دیکھی ہائے
جو کچھ دیکھا تو خاک پتھر دیکھا

(۶۷) محمد حسین کلیم

شاعر ریختہ ، متوطن شاہ جہاں آباد ، سپاہی پیشۂ شاعر زبردست ، صاحب قدرت معنی یاب ، فکر ہایش ہمہ تلاشی و الفاظش مزیّن

بخوش فهانی ، طرزش طرز کسے مانا نیست ۔ چند اشعار او که انتخاب
سخن وران ست نوشته می شود ، ازوست :

آئی ہے دل پہ قلقل مینا سے اب شکست
وے دن گئے کلیم جو یہ شیشہ سنگ تھا

درازیٔ شب ہجران زلف یار کلیم
مجھی سے پوچھ کہ کاٹوں ہوں رات آنکھوں میں

ہر تار پیچ زلف کے عالم کی جان ہے
گویا یہ اژدہا تھا کہ سب کو نگل گیا
گردن اس اژدر کے عجب یہ مروڑ ہے
آشفتہ ہو کہیں یہ نہ زلفوں سے بل گیا

میں تاکہیں سے دیرے نہیں ڈرے کا رقیب
باور نہیں تو مجھ کو تو للکار دیکھنا

نقاب اپنے رخ کا جو تو باز کرتا
تو گل اپنی خوبی پہ کب ناز کرتا
وفا کا ہوں دردمند ، نہیں توڑ پنجرا
چلا جاتا جنگل کو پرواز کرتا

لگا جب غیر سے ہم طبق ہونے وہ مہماں کش (٦٧ب)
وہ اپنے ہاتھ دھوتا تھا میں اپنے ہاتھ ملتا تھا

قبر میں بهی لیے همراه گیا اپنے کلام
آه کیوں درد دل اپنا نه کسی کو سونپا

تا صبح تجه بغیر عجب میرا رنگ تها
روشن تهی شمع آه دل اس پر پتنگ تها

زبانِ موج سے یوں بحر کہتا هے حبابوں سے
که ایسا سر هی ڈهایا هے جهاں میں جن نے سر کهینچا

اے شمع تیری باری هے شب کو که شام تک
اپنے دنوں کو جتنا میں رونا تها رو چکا

کس پریشاں نے قدم رکها هے پیچ و تاب سے
جاده آتا هے نظر جوں زلف کچه برهم هوا

چهپا هے آ مری چشم پر آب میں دریا
کبهی یه دیکها هے اب تک حباب میں دریا ؟

همیں تو پانو پر بهی سر کے رکهنے کو نه فرمایا
ملیں هم خاک میں اور لے مزا دامانِ پا قسمت

رکها هے زلفِ یار کا کوچه هزار پیچ
اے دل سمجه کے جائیو هے راه مار پیچ

طریقِ عشق میں مجنون و کوہ کن کی نمط
ہزاروں ہو گئے غارت سو ایک دو معلوم

غرورِ حسن ممکن نہیں کسی کی داد کو پہنچے
عرض تم سن چکے احوال ہم فرہاد کو پہنچے

(۷۲ الف) اس کی ابرو کی اگر تصویر کھینچا چاہیے
اول اپنے قتل پر شمشیر کھینچا چاہیے

---

(۷۳) محمد قائم

متوطن قصبہ چاند پور ، بسیار آدم بامزہ و اہل درد ، متواضع ، حلیم ، مستعد صورت ، پاکیزہ مشرب ، نہایت پرگو و خوش مقال و در فنون سخن وری باکمال از خوش خیالان زمان و بلند فطرتان جہان ، فکر صائب دارد و در نازک خیالی و معنی یابی داد سخن وری می دہد ۔ اکثر یاران سخن را از فیض صحبت او بہ مرتبۂ عالی رسانیدہ ، فضائل او از حیز تحریر بیرون ست ۔ بر حال این ہیچمدان اکثر شفقت می فرماید ، اتفاق صحبت داشتن و گپ زدن بسیار می افتد ، از چند مدت در رفاقت نواب محمد یار خان امیر کہ احوالش خواہد آمد ، بود ۔ نواب موصوف مشق سخن از ایشان نمودہ ، در اندک ایام بہ رتبۂ عالی رسانیدہ ، ہر قدر از اشعارش کہ در فہمید خاطر این ہیچمدان آمدہ ، نوشتہ می شود ۔ ازوست :

کیا میں کیا اعتبار میرا خواری بس افتخار میرا
اے شاہ سوار اندکے جھد زخمی ہے نپٹ شکار میرا

کدھو[1] بھی حال نیں[2] بلبل کا یوں سا اے گل (۷۷ب)
کہ رو کے ان کے کہا ھنس کے تیں[3] اڑا نہ دیا

دل چرا لے کے اب کدھر کو چلا
ھت درے چور کی کہے تھی بھلا

ٹل گئے ٹالے آسمان و زمیں
لیک بانی سے اپنی تو نہ ٹلا

فہرست میں خوبانِ وفادار کی پیارے
دیکھی تو کہیں اس میں ترا نام نہ پایا

جا چکے ہم جب آپ سے سارے
کیوں نہ اس راہ سے اب آئیے گا

بندے ھیں تمھیں ہزار ہم سے
گو ایک غلام کہنہ نکلا (کدا)

ہم سے بے چاروں کا کچھ چرخ نے چارا نہ کیا
سب کیا ان نے یہ کچھ فکر ھمارا نہ کیا
دل میں آ دل میں کہ اس در پہ جو بیٹھا ان نے
میل ہم بزمئی اسکندر و دارا نہ کیا

---

۱ - کدھو = کبھی
۲ - ۳ - نیں = نونے

جی ہمارا ہے کہ آنکھ اس سے لڑاتے ہیں سدا
جس کو خورشید نے بے دنحہ نظارا نہ کیا
غیر کیا جانے...... ایسی طرح سے پیارے (کذا)
لیک کیا کہیے کہ ٹک تم نے اشارا نہ کیا

دل پا کے اس کی زلف میں آرام رہ گیا
درویش جس جگہ کہ ہوئی شام، رہ گیا
نے مجھ نہ وہ بہار رہی اثر نہ یاں وہ دل
کہنے کو نیک و بد کے اک الزام رہ گیا

پڑھ کے خط قاصد مرا، اس بد زباں نے کیا کہا
کیا کہا سچ کہہ بتِ نامہرباں نے کیا کہا (۸۷ الف)
سب خراجِ مصر دے کر تھا زلیخا کو یہ سوچ
مول یوسف سے بسر کا کارواں نے کیا کہا

یہ کہیو تو قاصد کہ ہے پیغام کسی کا
پر دیکھنا اپنا ہو کبھی نام کسی کا
جوں ان کے طرف رکھیے کاغذ ہوں میں قائم
ملتے ہیں کہیں، نام ہے بدنام کسی کا

کیوں کر ہو سخن تمام اپنا
اس زلف سے ہے کلام اپنا
بھلے ہی گدھا جہاں ملے شیخ
اس کعبے کو ہے سلام اپنا

نظریں پھریں ہیں سب کی اسے دیکھ کر اب آہ
یاروں کا فکر کیجے کہ اغیار کا علاج

ہو گر ایسے ہی مری سکل سے بیزار بہت
تم سلامت رہو ، بندے کے خریدار بہت
یک دگر جب خفگی آئی تو جھگڑا کیا ہے
تم کو خواہندہ بہت ہم کو طرح دار بہت

کیا کم ہوں سکندر سے اگر دیکھیے مجھ کو
آئینہ صفت مالکِ خسکی و تری ہوں

نہ دل بھرا ہے نہ اب نم رہا ہے آنکھوں میں
کبھی روئے بھرے سو خوں جم رہا ہے آنکھوں میں
وہ محو ہوں کہ مثالِ حبابِ آئینہ
جگر سے اشک نکل تھم رہا ہے آنکھوں میں

اے دل نہ رنگِ غنچہ نہ مل گل رخوں سے تو
اپنی گرہ میں ان کے کھلانے کو زر نہیں (۸۷ب)

دل تو کبھی سمے سے سمجھتا بھی ہے کوئی
جو کچھ کہو سو دیدۂ خانہ خراب کو

میں کہا خلق تمھاری جو کمر کہتے ہیں
تم بھی اس کا کہیں کچھ ذکر و بیاں سنتے ہو

هنس کے یوں کہنے لگا خیر اگر ہے یہ بات
ہوئے گی وسی ہی جیسے کہ دھاں سنتے ہو

راہ پنیڈے اسے رکھتا ہوں اگر گھیر کبھو
ہنس کے کہتا ہے مجھے کام ہے اب پھیر کبھو

جی میں چھلیں تھیں جو کچھ سو تو گئیں یار کے ساتھ
سر پٹکنا ہی پڑا اب در و دیوار کے ساتھ
میں دوانا ہوں صدا کا مجھے مت بند کرو
جی نکل جاوے گا زنجیر کی جھنکار کے ساتھ

دھن کو تیرے پانا بات کہے
ہماری جز رسی میں کیا سخن ہے

قائم کو اس طرح سے تو دینا ہے گالیاں
جس کو کسی نے آج تلک تو نہیں کہا

بزعم ایں ناقہم اگر بجائے لفظ 'کیا' کہ ردیف است ، لفظ کہا' باشد موافق محاورہ درست می نشست و الا نہ غلطی است ، را کہ کیا فعل و کلمۂ تو قول ، و فعل را بر قول اطلاق نمی کنند للہ اعلم بالصواب ۔

گو تغافل سے میرا کام ہوا
پر بھلا تو تو نیک نام ہوا (۹ ے الف)
کل کی سب اس طرح کٹی قائم
آج کا روز پھیر شام ہوا

شعلہ درهم شمع کا جب باد سے ہوے کہیں
یاد آجا ہے مجھےاس کے وہ جھنجھلانے کی طرح
کل وہ مجمع سانھ تھا اور آج یہ صحبت کہ آہ
کس دن آیا ہے نو اے بے مہریاں آنے کی طرح

———

ادب سے آدمی آنکھوں میں خوب لگتا ہے
مگر یہ فرقۂ خوباں ہو جس طرح گستاخ

———

تم کو کیا قدر ہے اے دیدہ مرے رونے کی
ایک بوند آتی ہے سو خونِ جگر سے باھر
تھی تو اک بات یہ کیا کہیے کہ یاں نو پیارے
نکلی ھی پڑتی ہے تلوار کمر سے باھر
سو جتن کر کہیں ممسک سے لگے ہے کچھ ہانھ
ایک قطرہ کوئی کاڑھے تو گھر سے باھر

———

آغاز خط کا ہے ترے عارض پہ معجزہ
شعلے کے یاں جگر سے ہوا ہے گیاہ سبز

———

جو سوز عشق کا چرچا وهاں نہیں قائم
تو دینے جاؤں گا کیا میں بہست میں آتش

———

فی الواقع مقتضاے عشق همین است ۔ چناں چہ نقل کوکناری مشہور است کہ از کسے پرسید کہ آیا در بہشت پوست می شوند یا نہ ۔ کسے جواب داد کہ نمی باشند ، گفت : (۹۷ ب) ''تو یاروں کا بھی جانا گاہ گاہ ہی ہوگا'' ۔ لحاظ باید نمود کہ چہ

محبت ازیں ظاہر می گردد ۔

کس سے کہوں اس کے منہ کا نقشہ
اے وائے جبین و ہائے عارض

آج آپ مری جان نہ کرتے ہیں تاسّف
اشفاق و عنایات ، کرم ، مہر ، تلطّف

کر امتحاں ٹک ہو کے تو خونخوار یک طرف
میں اک طرف ہوں تیرے یار یک طرف
انصاف ہے کہ غیر سے صحبت رکھے تو گرم
بیٹھا رہوں میں مثل گنہگار یک طرف
سیکھے ہو کس سے سچ کہو پیارے یہ چال ڈھال
تم اک طرف چلو ہو تو تلوار یک طرف
قائم ہر ایک کوچے میں ہے طرفہ تعزیہ
یوسف ترے کی گرمیٔ بازار اک طرف
دلّال ایک سمت کو منہ سے ملیں ہیں خاک
سر پیٹتے پھریں ہیں خریدار یک طرف

قاصد لتا ہے یار کے کوچے کا بوئے خوں
جاوے اگر تو اس ستم آباد کی طرف

جب موج پر اپنی آ گئی چشم
دریا دریا بہا گئی چشم
پنجے میں مژہ کے روتے روتے
اولے کی طرح ملا گئی چشم

لیتا ہے نہ خمیازہ مجھے دیکھ کے تک گل
غنچے کے بھی انداز ہے بوسے کا دہن میں

جو کوئی در پہ تیرے بیٹھے ہیں (۸۰الف)
دونوں عالم سے پھرے بیٹھے ہیں
کوئی آیا ہی نہ بھولا ہم تو
کب کے رستے کے سرے بیٹھے ہیں
کس کو دوں دوس تری مجلس میں
اپنے مسنفی ہی تیرے بیٹھے ہیں

ہر اک صورت میں مجھ کو جانتے ہیں
ہم اس بہروپ کو پہچانتے ہیں
نہ سنبھلا آسماں سے عشق کا بوجھ
ہمیں ہیں جو نہ مگدر بھانیے ہیں
ہے قادر تو خدا لیکن بتاں بھی
وہ کر چکے ہیں جو کچھ ٹھانتے ہیں

جوں صورت آئینہ ترے محو جو در سے
گر رہے ہیں تو بیارے پس دیوار رہے ہیں

یاں سے اٹھ غیر کے گھر شب تو گیا کہتے ہیں
بارے اے ننگ مروت اسے کیا کہتے ہیں
بڑ نہ کچھ بات کو تو حضرت قائم کی کہ وہ
مست اللہ ہیں ، کیا جانیے کیا کہتے ہیں

آگو سرے نہ غیر سے گو بات چیت کی
سرکار کی تو نظروں کو پہچانتا ہوں میں

کیوں نہ روؤں میں دیکھ خندۂ گل
کہ ہنسے تھا وہ بے وفا بھی یونہیں

یہ اب کی سب برات اے یار تجھ بن ہم پہ یوں گزری
ہوائی تو ہماری آہ تھی اور اشک پھلجھڑیاں

قصۂ برہنہ پائی کو مری اے مجنوں (۸۰ ب)
خار سے پوچھ کہ سب نوکِ زباں ہے اس کو

جاتے ہو گر خواہ مخواہ فبہا ، بہتر ، بسم اللہ
قائم سے کوئی ہووے خفا بندہ ، خادم ، دولت خواہ

آئنے پہ کیا حصر ہے جو تجھ سے کو دیکھے
البتہ کہ آب اس کے دہن بیچ بھر آوے

خط کے آتے ہی وہ مکھڑے کی صفائی کیا ہوئی
وہ مِس کدھر گئی ، وہ مہرائی کیا ہوئی
شیخ جی آیا نہ مسجد میں وہ کافر ورنہ ہم
پوچھتے تم سے کہ اب وہ پارسائی کیا ہوئی

نہ لگا دل کو اس کی مژگاں سے
اپنے حق میں تو کانٹے مت بووے

میں اور اس بت کے دام میں پھنس جاؤں
پر کسی کی خدا نہ مت کھووے

قائم ترے مرنے سے ہے نزع میں سارا گھر
کہہ تو سہی اے ظالم کیا تجھ کو تمنا ہے

اٹھا روند ڈالا اک عالم کا دل
بھلا شوخ یہ بھی کوئی چال ہے
پسارے ہے گل ہاتھ سب کے حضور
ہوا زر تو کیا جی تو کنگال ہے

کرو ہو تو سے کا وعدہ جو آج اساروں سے
یہ چھڑیں خوب نہیں ہم غضب کے ماروں سے

آہ کوئی جو اسے آن کے سمجھاتا ہو
دیکھے ہیں کھڑے ہندو و مسلماں اتنے
دم بھی کچھ چیز ہے جب چوک گیا بات تمام (۸۱الف)
کون سی زیست یہ تو کرتا ہے ساماں اتنے
طفل اسک آنکھوں میں ڈالے بھرے میں اتنی لیکن
کون جانے تھا کہ یہ ہوئیں گے طوفاں اتنے

دست رد کس مسری نے اس کو مارا ہے جو اب
جنس کی دل کے کسی نے پھر خریداری نہ کی
پشت دی تنہا نہ مجھ کو مردم دیدہ نے یاں
جن نے دیکھا رو ترا میری طرفداری نہ کی

کاسۂ چشم مرا اب بھی ہے طوفاں کا تنور
گرچہ اک عمر ہوئی دیدۂ گریاں کو گئے
اے دل اس درد سے مر رہیے کہ تا خلق کو بات
ہو نہ کہنے کو کہ جی کے لیے درماں کو گئے

دل ڈھونڈھنا سینے میں مرے بوالعجبی ہے
یاں راکھ کا اک ڈھیر ہے اور آگ دبی ہے

کو ، کرنہ ، کہ ہے غبار حی میں
ٹک مینہ پڑے تو درد دب جائے
میں اور سر کوے یار قائم
گو نام رہے نہ نا نسب جائے

سوز پروانہ نوں سے ہے چراغ
کان میں جس سے بل ڈالا ہے
چسم بر راہ ہوں میں کس کے لیے
آج یاں کون آنے والا ہے

دیکھیے غیر کے مری اس سے نگاہ لڑ گئی
کام ھی حل نہ حل ہوا ، بات ھی سب بگڑ گئی
دوں ہے قائم اس حکہ حس کو نہیں کسی سے ربط (۸۱ ب)
مری ھی حاہ کی فقط سہر میں دھوم پڑ گئی

سکوہ اغیار سے ، نے یار کی آزاری سے
جو ہوا ہم پہ سو اس دل کی گرفتاری سے

ہر قدم کوے بتاں کارگہ مینا ہے
دیکھیو بچ کے ، سنبھالے ہوئے ، هشیاری سے
رو کے پوچھا میں : میسر ہو ترا کیونکہ وصال؟
ہنس کے کہنے لگا : طالع کی مددگاری سے
شور تجھ حسن کا گر عالمِ علوی میں نہیں
مہر و مہ جھانکیں ہیں کیوں پردۂ زنگاری سے
غافل اس لب سے نہ مقدور حذر بہتر ہے
گھر اک عالم کا جلا ہے اسی چنگاری سے
اب ٹھہری ہے گویا عشق ہمارے گھر کی
جو موا ہم میں سو آخر اسی بیماری سے
حسن کو تیرے میں یوسف سے مقابل کرتا
کون روکش ہو پہ ہر سوقی و بازاری سے
ہائے قائم نہ تری آنکھ پسیجی اک دن
ابر روتا ہے سدا خوفِ سیہ کاری سے

از رباعیاتِ اوست :

رہنا ہر گھر کے بیچ شب کا چھوٹا
ملنا خوباں کے ساتھ کب کا چھوٹا
اک خو سی ہے دیکھنے کی اب سو قائم
کیا کیجیے تجھ سے یہ نہ لپکا چھوٹا

قائم وہ نہیں ہم کہ گدائی کرتے
یا بیٹھ کے تخت پادشائی کرتے

اس شانِ غیور کے مناسب یہ تھا
یک چند اگر جیتے خدائی کرتے (۸۲الف)

کیا پشم ھیں دنیا کے تو یہ اھلِ نعیم
عزّت نہ کریں اپنی جو دے کر زر و سیم
مسجد میں خدا کو بھی نہ کیجے سجدہ
محراب جو خم ہو نہ برائے تعظیم

رباعی در مرثیۂ پسرِ خود گفتہ

کیدھر ھے تو اے قرار دل کے میرے
تجھ بن ھے دلوں کو بے قراری گھیرے
کس کھیل میں لگ گیا خدا جانے تو
بے کار پڑے ھیں سب کھلونے تیرے

کہتا ھے کبھی کہ میں ھوں بیرونِ دروں
کہتا ھے کبھی کہ میں ھوں بے چون و چگوں
جو بات کہے ھے پھر کرے ھے نسخہ
اللہ بھی دیکھا تو ھے طرفہ معجوں

قائم کی جو شوکت و گدائی دیکھی
درویش کے روپ میں خدائی دیکھی
پروا نہ تھی گر کرے دو عالم سجدہ
سنتے تھے جسے سو کبریائی دیکھی

دیکھ حال مرا ، اٹھا کے سو سو حیلے
ساتھی بھاگے سب اپنا اپنا جی لے

کہتی یہ کفش میں نہ چھوڑوں گی قدم
سو اس کے بھی ہو چکے ہیں کتنے ڈھیلے

از مثنویات اوست :

مثنوی درشدّتِ سرما گفتہ

سردی اب کے برس ہے اتنی شدید
صبح نکلے ہے کانپتا خورشید
ان دنوں چرخ پر نہیں ہے مہر
گود میں کانگڑی رکھے ہے سپہر
پانی پر جس جگہ کہ کائی ہے
سبز وہ شال کی رضائی ہے
دیکھ گل پر صبا نہیب برد
بھرتی پھرتی ہے ہر طرف دمِ سرد
جس طرف اب نگاہ جاوے ہے
جو ہے جوں بید تھرتھراوے ہے
بےحرارت ہیں سردی کے مارے
طرح یعقوب کے اب انگارے
ہے یہ آفت چراغ تک درپے
لو گویا کہر ناے شمعی ہے
جاڑا لگنے کا یخ تلک ہے حرف
لپٹے رہتے ہیں نمدوں میں ہی برف
شب جو رخشندگی پہ برق آوے
ابر میں یوں ٹھٹھر کے رہ جاوے

کیا کروں اس کے حسن کو تقریر
جوں کسوٹی پہ سونے کی ہو لکیر
باؤ سے برگ کھڑکے ہیں اس بھانت
دھیے نو باجتے ہیں دانت سے دانت
آگ بھی ٹھنڈ سے ٹھٹھرتی ہے
گودوں کے بیچ جھتی پھرتی ہے
دیں ہے برباد ٹھنڈ سے یک دست
جو کوئی ہے سو آفتاب پرست
گر کسی مہروش کو دیکھے ہے
شیخ بھی اپنی آنکھیں سنکے ہے
دن کی کٹتی ہے دھوپ میں اوقات
کالے کمل میں رات کاٹے ہے رات (۸۳ الف)
قائم آخر ہے سردی کا مذکور
سعر بھی گر خنک ہوں رکھ معذور
آگے جاتا نہیں ہے اب بولا
ہوگئی ہے زبان بھی اولا

مثنوی در هجو طفل پتنگ باز

ایک لونڈا پتنگ کا ہے کھلاڑ
ڈور میں اس کی . . . ہیں هزار
حس کو جانے ہے کچھ یکے والا
اس کے پیچھے ہے آپ پنچھالا
کسی سے ان نے منہ نہیں موڑا
کل میرا نام کو نہیں چھوڑا

خواهش کی تصحیح کلیات قائم مرتبہ

جس کا پورا نظر پڑے
کھاوے واں کھرنیاں یہ سو سو بار

چاہے جس دم پتنگ آڑاوے یہ
اور مطلق ہوا نہ پاوے یہ

کسی نوھائی ساتھ وہ حا کر
داؤ پیدا کرے ہے . . . . کر

گود میں جس کی جا یہ ذرّہ لیٹ
کھول ننڈے کو اور دکھا کر پیٹ

لینے فرصت نہ دے ننک اس کو
لوٹ لے سر سے پانو تک اس کو

. . . کو یہ جب کھجاتا ہے
یہ کٹا وہ کٹا بتاتا ہے

کوئی کیسا ہی اس سے کنیائے
آخر اس کو یہ پیچ میں لائے

اپنا عاشق یہ جس کو پاتا ہے
انگلیوں پر آسے نچاتا ہے

نہیں جس . . . کے پاس ازار
اس کو سمجھے ہے یہ لنگوٹیا یار

٨٢ب) ٹک جو ڈھیلا کسی کو سنتا ہے
سر کھڑا اس کے گھر پہ دھنتا ہے

ٹکڑا شیشے کا دو جو اس کے ھاتھ
پھیر مانجھا چڑھاؤ ساری رات

. . . کی ہے جہاں پہ ان نے سبیل
اس سے جو لگ چلے نہیں اسے ڈھیل

کسی دنگل میں یہ . . . . فلان
کہیں چھاتی ہو اس کو کیا امکان (کذا)

کوڑے کس کس کے کھائے ہیں ان نے
ٹوپی والے اڑائے ہیں ان نے

پاس کے آدمی کا یہ جی لے
خوب کنّے نہ ہوویں تا ڈھیلے

پھٹے پنڈے کو اپنے جوڑے ہے
منہ بھلا ان سے کب یہ موڑے ہے

کس میں یہ کام ہیں کوئی کہہ دے
یار کو کاٹے اور کو شہ دے

دو سے آنکھ اس کی جس جگہ لڑ جائے
باپ بیٹے ہوں تو گرہ پڑ جائے

آدھے تختے پہ وہ . . . . . ہے
ایک تکّل پہ چرخی جاتا ہے

یہ بھی اک طور کا کھلاڑی ہے
ہر کھلاڑی نے اس کی . . . . ہے

وہ جو مغلم ہے لڑکوں کا ہوا
دے گیا اس کو کل ہی کنکوّا

مثنوی

حکایت یہ اک زن سے ہے یادگار
کہ تھی سخت اوباش اور ہرزہ کار

کیا ان نے آچا سے اپنی سوال
کہ ہیں مرد پر چار عورت حلال

ہے کیا قہر چار عورت اور ایک مرد (۸۴ الف)
کہا ان نے سن اس کو بھر آہِ سرد
خدا اور پیمبر جو تھا مرد تھا
ہمارا ہواں[1] کون ہم درد تھا

مثنوی کثرت گل و لائے قصبہ بسولی

اے خامہ یہ کیا نری ہے کیا فکر
کیچڑ کا بسولی کی ہے یاں ذکر
تنہا نہیں مجھ کو تاب و طاقت
ایسے میں ضرور ہے رفاقت
ہے چوب نو اور میانہ سب جوف
گو آب ہو غرق کا نہیں خوف
ہر صبح و مسا تو اے قوی پائے
جھیلے ہے دوات کی گل ولائے
جاتے ہیں جو ان دنوں میں دربار
اس طرح سے ہیں ذلیل اور خوار
اک خلق کا ازدحام ہے ساتھ
پکڑے ہے کوئی کمر کوئی ہاتھ
کہتا ہے کوئی کہ پل بناؤ
بولے ہے کوئی کہ ناؤ لاؤ
ڈھونڈھے ہے کوئی بارکش سے یاری
دے ہے کوئی چوتڑوں میں چاری

---

۱ ۔ ہواں ، بہ تقدیم واؤ 'وہاں' کی بگڑی ہوئی عامیانہ شکل ۔

ھر چار طرف نفر کھڑے ھیں
کیچڑ میں میاں رُندے کھڑے ھیں

سب جان ھے پالکی جنھوں پاس
کچھ ان کو نہیں ھے اس سے وسواس

کیچڑ سے گئے ھیں ان کے بھی ھوش
پھرتے ھیں ھمیشہ خانہ بردوش

رتھ میں جو کوئی سوار ھیں یاں (۸۴ب)
وہ سب سے زیادہ خوار ھیں یاں

چلنے کا کرے جو یک قدم میل
پھر پہیے نہ رتھ نہ آپ نے بیل

یاں تک ھیں چقر زمیں کے گہرے
تا تحت ثریٰ کہیں نہ ٹھہرے

جو گاو زمیں کہیں ھیں مردم
سو بیل بہیں ھوا تھا وہ گم

گھوڑا ھو جو اونٹ کا سا بوتا
سو کھی وہ جگہ میں کھائے غوطہ

اور نم ھو زمیں جہاں کم و بیش
ھاتھی کو ھے واں تو فکر درپیش

اللہ رے شدت گل ولاے
رہتے ھے جہاں خیال کا پاے

مثنوی هجو حجّام مشتمل بر سرگزشت خود گفته

اب جو حجّام اپنے ساتھ ہے یاں
سو وہ بھڑوا ، پلشت ، گندہ دھاں

سکل وصورت سو نہ لطیف و نکو
پھر حجامت ، سو جانتا ہے تو

ھاتھ سے اس کے جس کے سر پہ ہے کھال
پلپلے آم کا سا ہے کچھ حال

غرض اک دن تھی میری کم بختی
جانے کیدھر نصیبوں کی سختی

ساتھیوں سے کہا میں اپنے تمام
لاویں اصلاح کو مری حجّام

ووھیں کوئی اسے بلا لایا
لوگ بولے کہ ھائے وہ آیا

زانو تہہ کرکے جب وہ آ بیٹھا
دل میں میرے اک ہول سا بیٹھا

سب میں اس سے کہا کہ سن اے دوست (۸۵ الف)
سر نہادم ھر آنچہ خاطر اوست

جب گلوبند ان نے باندھ دیا
پھر تو گویا گلے کو باندھ دیا

نہ اس آفت کے دیکھنے کو فقط
جمع مردم تھے مژہ کی سی نمط

اس مصیبت پہ تا کریں وہ نظر
نکل آئیں تھیں بھی سے باھر

حکایت دیگر

اک اندھے سے پوچھا کہ اے گوسہ گیر
تو کھاوے گا مطبخ میں پکتی ہے کھیر
کہا کھیر کے حال سے دے نشاں
کہ ہوتی ہے کیسی وہ اے مہرباں
نہ سمجھا یہ اس کی جہالت کا بھید
کہا مثل بگلے کے ہو ہے سفید
کہا ڈول بگلے کا ہوتا ہے کیا (۸۶ الف)
کہ یہ نام ہے کان سے آشنا
کیا ان نے اک ہاتھ اپنے کو خم
کہ یہ سر ہے اس کا وہ پشت و شکم
لگا کہنے وہ ڈر کے اس کو قیاس
کہ نگلی نہ جاوے گی اپنے تو پاس
سو وجداں ہے جس ماہیت کا بصیر
نظر اس کی کہنا ہے اندھے کی کھیر
ہے قائم جو کچھ تجھ کو عقل و خبر
تو آ، ان حکایات سے در گزر
میں ڈرتا ہوں اس طول تقریر سے
ہو نہ جائے بگلا کہیں کھیر سے

مثنوی دیگر درہجو کسے متصدی گمہ و مضمون باد ہوائی بستہ

بیٹھ دفتر میں جب وہ مارے پاد
ہوں کچہری میں منتشر افراد
بس کہ پادے ہے متصل یہ تمام
. . . . کی مہر گھس گئی ہے تمام

شش جہت میں جو کچھ بھری ہے باؤ
ہے یہ سب ان کے گوز کا پھیلاؤ
ہووے جب یہ جہان کا احوال
کیوں نہ عالم کہے خلا کو محال
اب تو پادے ہے جس جگہ یہ پلشت
خاک اڑجا ہے واں کی تک دو بلشت
بر جو کچھ دن یوھیں گذشت ہوے
گانڈ سے یہ تو کھود دیں گے کوے
گاہ طوطی کا دے ہے جھنکارا
کہ یہ سدب کہ گونجے گھر سارا
دے ہے ہر وقت اک نئی آواز (۸۶ب)
گانڈ ہے یا یہ بلبل شیراز
کل کہے تھا کوئی یہ نادر بات
کہ گئے تھے یہ اک سہوس سانھ
کیا ضرور کہ جاکے پیش سنار
ایسا اک راز تو کرے اظہار
تھوڑے سے کوبلے ہوں جو آمادہ (کذا)
دھونکنا پھونکنا ہے پھر زیادہ
گو سہاگے کی کرج مت ڈالو
سیر دابا تو مجھ سے گلوالو
کیا کرے گا تو منک اور دمیں
ساری بانوں کو بس ہیں ایک ہمیں
جوں سنا ان نے یہ کلامِ لطیف
ہنس کے کہنے لگا وہ مردِ ظریف

واہ لالہ جی تم میں یہ گن ہے
بل بے وہ کون جس میں یہ دھن ہے
پیٹ ہے یا یہ باؤ کا صندوق
... ہے یا فرنگ کی بندوق

مثنوی ساماں هولی و مثنوی شاہ لدھا کہ فقیرے تکیه دار عاشق مزاج مجنوں منش درنواحی پنجاب بود بسیار ادا ہائے رنگیں بسته ، از اول تا آخر همه اشعار انتخابی است ، دریں مختصر گنجایش ندارد ۔

(۴۷) میر

محمد تقی، تخلص میر، متوطن اکبرآباد ، همشیر زادہ سراج‌الدین علی خان آرزو مصنف "تذکرۂ شعرائے هندوستان" صاحب دیوان مربوط و کلام ، از اعاظم مستعداں (۸۲ الف) و اکابر عالی فطرتان زبان خواست ، شاعر پر مغز و همه داں ، استاد هم چشماں ، اکثر سخن طرازاں و معنی یاباں محاورات و روزمرات ایں فن از ایشاں اخذ نموده اند ۔ از مغتنمات زمانه و استاد یگانه ، سه سوار سمند عرصۂ فصاحت ، فارس مضمار بلاغت، مجمع قابلیت و هنرصاحب‌طبع‌وخوش‌فکر ، سرآمد مستعداں عصر ، محاوره داں ، متیں ، متلاشی مضامین رنگین ، متحسس الفاظ چرب و شیرین ۔ هر چند ساده گو است ، اما در ساده گوئی ، تہه داری و پرکاری او ظاهر و نمودار است ، از مدتے بسبب افراط و تفریط روزگار ناهنجار همراه ناگرمل که دیوان تن و دخیل بادشاهی بود ، در قلعۂ ڈیگ شنیده می شود ۔ حق تعالیٰ زنده دارد ، از نتائج فکر صائب اوست :

میر کے قائل ہے دل صد پارہ (اس) نخچیر کا
جس کے ہر ٹکڑے میں ہو پیوست پیکاں تیر کا

کس طرح سے مالیے یاراں کہ یہ عاشق نہیں
رنگ اڑا جاتا ہے ٹک چہرہ تو دیکھو میر کا

دریں زمین مطلع مرزا رفیع‌السودا چرب و شیریں تر است :

سودا : ہو یہ دیوانہ مرید اس زلف چھٹ کس پیر کا
سلسلہ بہتر ہے سودا کے لیے زنجیر کا (۸۷ ب)

از میر است :

شب درد و غم سے عرصہ مرے جی پہ تنگ تھا
آیا شب فراق تھی یا روز جنگ تھا
مت کر عجب جو میر ترے غم میں مر گیا
جینے کا اس مریض کے کوئی بھی ڈھنگ تھا

جو اس شور سے میر روتا رہے گا
تو ہمسایہ کوئی کیونکہ سوتا رہے گا
تو یوں گالیاں غیر کو شوق سے دے
ہمیں کچھ کہے گا تو ہوتا رہے گا

کھلا نشے میں جو پگڑی کا پیچ اس کی میر
سمند ناز کو اک اور تازیانہ ہوا

عیدِ آئندہ تک رہے گا گلہ
ہو چکی عید، تو گلے نہ ملا

آنکھوں میں جی مرا ہے ادھر دیکھتا نہیں
مرتا ہوں میں تو، ہائے رے صرفہ نگاہ کا

هم اسیروں کو بھلا کیا جو بہار آئی نسیم
عمر گذری کہ وہ گلزار کا جانا ہی گیا
جی گیا میر کا اس لب و لعل میں لیکن
نہ گیا ظلم ہی تجھ سے نہ بہانہ ہی گیا

کفِ جاناں سے ممکن نہیں رہائی سحر کوئی ہو
اچھا ہے جو اس کے ہاتھ سے رنگ حنا چھوٹا

نہ گئی سبح اس کی نزع میں بھی سحر سے ہرگز
اسی کے نام کی سمرن تھی جب منکا ڈھلکتا تھا
خبر آمد کی سن کر تیری اے میرے جانانی (۸۸ الف)
کہیا رنگ صحرا کا بھی دس دس کر ڈھلکتا تھا

معاں مجھ مست نے پھر حمدۂ واعل نہ ہووے گا
مٹے کلگوں کا سیسہ عحکماں نے لے کے رووے گا

صحرا میں سیلِ اشک مرا جابجا پھرا
مجنوں بھی جس کی موج میں مدت بہا پھرا
کم طالعی سے مجھ کو یہ دولت ہوئی نصیب
سر پر ہزار بار مرے آ ہما پھرا
دیر و حرم میں کیوں کہ قدم رکھ سکوں میں سحر
ادھر تو مجھ سے بت پھرے ، اودھر خدا پھرا

دل پہنچا ہلاکت کو نبٹ کھینچ کسالا
لے یار مرے سلمہ اللہ تعالٰی

کچھ میں نہیں اس دل کی پریشانی کا باعث
برھم ھی مرے ھاتھ لگا تھا یہ رسالہ

خوبی کو اس کے چہرے کی کیا پہنچے آفتاب
ھے اس میں اس میں فرق زمیں آسمان کا

مرا سر نزع میں زانو پہ لے کر یوں لگا کہنے
کہ اے بیمار میرے جلد تجھے آساں ھو مر جانا

اس میں حیراں ھوں کہ کس کس کا گلہ تجھ سے کروں
بدگمانی کا ، تغافل کا ، ترے کینے کا ؟
میر کی نبض پہ رکھ ھاتھ لگا کہنے طبیب
آج کی رات یہ بیمار نہیں جینے کا

تماشا دیکھنے ھنستا چلا آ
کرے ھے شیشہ بازی میرا رونا

سب طرحیں اس کی اپنی نظر میں تھیں کیا کہیں
پر ھم بھی ھوگئے ھیں گرفتار ایک طرح

پل میں جہاں کو دیکھتے میرے ڈبو چکا
اک وقت میں یہ دیدہ بھی طوفان رو چکا
افسوس میرے مرنے پر اتنا نہ کر کہ اب
پچھتاؤنا عبث ھے ، جو ھونا تھا ھو چکا

ہر صبح حادثے سے یہ کہتا ہے آسماں
دے جامِ خون مہر کو ، گر منہ وہ دھوچکا

گزرا بنائے چرخ سے نالہ پگاہ کا
خانہ خراب ہو جیو اس جی کی چاہ کا
یک قطرہ خون ہوکے زمیں سے ٹپک پڑا
قصہ یہ کچھ ہوا دلِ غفراں‌پناہ کا

کیا دن تھے وہ کہ یاں بھی دلِ آرمیدہ تھا
رو آشیان طائر رنگ پریدہ تھا
مت پوچھو کس طرح سے کٹی رات ہجر کی
ہر نالہ میری جان کو تیغِ کشیدہ تھا

کھب گئی جی میں تیری بانکی ادا
اے نکیلے یہ تھی کہاں کی ادا

سنو ہو ، جل ہی بجھوں گا کہ ہو رہا ہوں میں
چراغِ مضطرب الحال ، صبح گاہی کا

موند رکھنا چشم کا ہستی میں عینِ دید ہے
کچھ نظر آتا نہیں جب آنکھ کھولے ہے حباب
(۸۹ الف) مت ڈھلک مژگاں سے میری اے سرشکِ آبدار
مفت ہی جاتی رہے گی تیری موتی کی سی آب

دیکھ خورشید تجھ کو اے محبوب
عرقِ شرم میں گیا ہے ڈوب

میر شاعر بھی زور کوئی تھا
دیکھتے ہو نہ بات کا اسلوب

تاک کی چھانہہ موں جوں مست پڑے سوتے ہوں
اینڈتی ہیں نگہیں سایۂ مژگاں کے بیچ

میرے سنگ مزار پر فرہاد
رکھ کے تیشہ کہے ہے یا استاد !

دیکھوں میں اپنی آنکھوں سے آوے مجھے قرار
اے انتظار تجھ کو کسی کا ہو انتظار
ساقی تو ایک بار تو توبہ تڑا مری
توبہ کروں جو پھر میں تو توبہ ہزار بار

وہ جو عالم اس کے اوپر تھا سو خط نے کھودیا
مبتلا ہے اس بلا میں میر اک عالم ہنوز

ساقی نہیں ہے دل میں یہ غم ہے بجا ہنوز
ٹپکے ہے خون دمبدم آنکھوں سے تا ہنوز
احوال نامہ بر سے مرا سن کے کہہ اٹھا
جیتا ہے وہ ستم زدہ مہجور کیا ہنوز ؟

بارہا چل چکی تلوار تری چال پہ شوخ
تو نہیں چھوڑتا اس طرز کی رفتار ہنوز

اے ابر جا تو اور کسی سمت کو برس
اس ملک میں ہماری ہے یہ چشم تر ہی بس

نقاش کیوں کہ کھینچ چکا تو شبیہ یار (۸۹ ب)
کھینچوں ہوں ایک نازھی اس کا میں اب تلک

بھلا ہم نقد دل لے کر ہمیں دشمن گنو اپنا
کبھی کچھ ہم بھی کر لیں گے حساب دوستاں در دل

دامن نہ جھٹک ہاتھ سے میرے کہ ستم گر
ہوں خاک سر راہ کوئی دم میں ہوا ہوں
آتے ہیں مجھے خوب یہ دونوں ہنر عشق
رونے کے تئیں آندھی ہوں، کڑھنے میں بلا ہوں

جب درد دل کا کہنا میں دل میں ٹھانتا ہوں
کہتا ہے: بن کہے ہی میں خوب جانتا ہوں

اس کے کوچے میں نہ کر شور قیامت کا ذکر
شیخ یاں ایسے تو ہنگامے ہوا کرتے ہیں
فرصت خواب نہیں ذکر بتاں میں ہم کو
روز و شب رام کہانی سی کہا کرتے ہیں

ملنے لگے ہو دیر دیر، دیکھیے کیا ہو کیا نہیں
تم تو کرو ہو صاحبی، بندے میں کچھ رہا نہیں

عاشق ہے یا مریض ہے ، پوچھو تو میر سے
پاتا ہوں زرد روز بروز اس جواں کو میں

میں وہ پژمردہ سبزہ ہوں کہ ہو کر خاک سے سرزد
یکا یک آ گیا اس آسماں کی پائمالی میں
مرے استاد کو فردوس اعلٰی میں ملے جاگہ
نہ سکھلایا بغیر از عشق مجھ کو خورد سالی میں

یہ علط کہ میں پیا ہو قدح شراب تجھ بن
نہ گلے سے میرے اترا کبھی قطرہ آب تجھ بن
(۹۰ لف) کٹی عمر میری ساری جیسے شمع باؤ کے بیچ
یہی رونا ، جلنا ، گلنا ، یہی اضطراب تجھ بن
یہ ہے بستی عاسقوں کی ، کبھی سیر کرنے چل تو
کہ محلّے کے محلّے پڑے ہیں خراب تجھ بن

گزرے ہے شب خیال میں خوباں کے جاگتے
آنکھیں لگا کے ان سے میں ترسوں ہوں خواب کو
اب تو نقاب منہ پہ لے ظالم کہ شب ہوئی
شرمندہ سارے دن تو کیا آفتاب کو

صدائے آہ جی کے پار ہووے تیر سی شاید
کسی بے درد نے کھینچا کسی کے دل سے پیکاں کو
کیا سیر اس خرابے کا بہت اب چل کے سو رہیے
کسی دیوار کے سائے میں منہ پر لے کے داماں کو

اس کی طرزِ نگاہ مت پوچھو
جی ہی جانے ہے آہ مت پوچھو
میر عاشق کہ کچھ کہے ہی بنے
خواہ وہ پوچھو خواہ مت پوچھو

رات ساری تو گئی سنتے پریشان گوئی
میر جیو کوئی گھڑی تم بھی تو آرام کرو

ٹک چشم میں بھی سرمے کا دنبالہ کھینچیے
اس مست کے بھی ہاتھ میں تلوار ایک دو

دردِ دل، زخمِ جگر، کلفتِ غم، شامِ فراق،
آہ عالم سے مرے ساتھ چلا کیا کیا کچھ
قبلہ و کعبہ، خداوند، ملاذ و مشفق
(۹۰ ب) مضطرب ہو کے اسے ہم نے کہا کیا کیا کچھ

دل پرخوں ہے یہاں، تجھ کو گماں ہے شیشہ
شیخ کیوں مست ہوا ہے تو، کہاں ہے شیشہ
جا کے پوچھا جو میں کل کارگہِ مینا میں
دل کی صورت کا بھی اے شیشہ گراں ہے شیشہ
کہنے لاگا کہ کدھر بھٹکا پھرے ہے اے مست
ہر طرح کا جو تو دیکھے ہے یہاں ہے شیشہ
دل ہی سارے تھے یہ اک وقت میں جو کرکے گداز
شکل شیشے کی بنائی ہے، کہاں ہے شیشہ

بنے یہ کیوں کہ ملے تو ہی یا ہمیں سمجھیں
ہم اضطراب زدہ اور تو حجاب زدہ

چمن پر نوحہ و زاری سی ہے، کس گل کا ہے ماتم
جو شبنم ہے تو گریاں ہے، جو بلبل ہے تو نالاں ہے

ایسے ہنس مکھ کو سمع سے تشبیہ
شمعِ مجلس کی روتی صورت ہے

سمجھے ہے نہ پروانہ، نہ تھانبے ہے زبان شمع
وہ سوختنی ہے تو یہ گردن زدنی ہے
لیتا ہی نکلتا ہے مرا لخت جگر اشک
آنسو نہیں گویا کہ یہ ہیرے کی کنی ہے

میر پھر کبھو سرنوشت ابہی
بارے یہ کہہ مزاج تو خوش ہے

اچنبھا ہے اگر چپکا رہوں مجھ پر عتاب آوے
و گر قصہ کہوں دل کا تو سن کر اس کو خواب آوے
لپیٹا ہے دل سوزاں کو اپنے میر نے خط میں
الٰہی نامہ بر کو اس کے پہنچانے کی تاب آوے

کیا خط لکھوں کہ گریے سے فرصت نہیں رہی
لکھتا ہوں تو پھرے ہے کتابت بہی بہی

ہوگئی شہر شہر رسوائی
اے مری موت تو بھلی آئی

تمام اس کے قد میں سناں کی طرح ہے
نکیلی نپٹ اس جواں کی طرح ہے
تعلق کرو مہر اس پر جو چاہو
مری جان یہ کچھ جہاں کی طرح ہے

کب فلک جی رکھے خفا ہووے
آہ کر لے کہ ٹک ہوا ہووے
بے کلی مارے ڈالتی ہے نسیم
دیکھیے اب کے سال کیا ہووے

ہے یہ بازار جنوں ، منڈی ہے دیوانوں کی
یاں دکانیں ہیں کئی چاک گریبانوں کی
خانقہ کا تو نہ کر قصد ٹک اے خانہ خراب
یہی اک رہ گئی ہے بستی مسلمانوں کی
کیوں کہ کہیے کہ اثر گریۂ مجنوں میں نہ تھا
گرد نمناک ہے اب تک بھی بیابانوں کی

غافل میں رہا تجھ سے نپٹ تا بہ جوانی
اے عمر گزشتہ میں تری قدر نہ جانی
بھاتی ہے مجھے اک طلب بوسہ میں وہ آن
(۹۱ ب) لکنت سے الجھ جا کے تجھے بات نہ آنی

بزم میں سے اب تو چل اے رشک صبح
شمع کے منہ پر تو پھر گئی مُردنی

مر گیا کوہ کن اسی غم سے
آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل ہے

دیوار کہنہ ہے یہ ، مت بیٹھ اس کے سائے
اٹھ چل کہ آسماں سب کاواک ہوگیا ہے
زیر فلک بھلا تو رووے ہے آپ کو میر
کس کس طرح کا عالم یاں خاک ہوگیا ہے

کل ہم سے اس سے بارے ملاقات ہوگئی
دو دو بچن کے ہونے میں اک بات ہوگئی
اپنے تو ہونٹھ بھی نہ ہلے اس کے روبرو
رنجش کی وجہ میر وہ کیا بات ہوگئی

سجدہ کرنے میں سر کٹیں ہیں جہاں
سو ترا آستان ہے پیارے
میر عمداً بھی کوئی مرتا ہے
جان ہے تو جہان ہے پیارے

گئے جی سے ، چھوٹے بتاں کی جفا سے
یہی بات ہم چاہتے تھے خدا سے
نہ شکوہ شکایت ، نہ حرف و حکایت
کہو میر جیو آج کیوں ہو خفا سے

ڈھب ہیں تیرے سے باغ میں گل کے
بو گئی کچھ دماغ میں گل کے

قابل آغوش ستم دیدگاں
اشک سا پاکیزہ گہر چاہیے
(۲۹الف) حال یہ پہنچا ہے کہ اب ضعف سے
ملتے پلک ایک پہر چاہیے
شرط سلیقہ ہے ہر اک امر میں
عیب بھی کرنے کو ہنر چاہیے

ہر شب گلی میں اس کی روتے تو رہتے ہو تم
اک وقت میر صاحب طوفاں ہو رہا ہے

برقع کو اٹھا چہرے سے وہ بت اگر آوے
اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آوے
ہم آپ سے جاتے رہے ہیں ذوق خبر میں
اے جان بلب آمدہ رہ تا خبر آوے
ٹک بعد مرے میرے طرف داروں کنے[1] تو
کوئی بھیجیو ظالم کہ تسلی تو کر آوے
کہتے ہیں گیا ہے ترے کوچے کی طرف میر
تب جانیے وہ خانہ خراب اپنے گھر آوے

---

۱ - کنے بمعنی کے پاس (متروک)۔

طاقت نہیں ہے جی میں ، نے اب جگر رہا ہے
اور دل ستم رسیدہ کچھ ظلم کر رہا ہے
مارا ہے کس کو ظالم اس بے سلیقگی سے
دامن تمام تیرا لوھو میں بھر رہا ہے

قبر عاشق پر مقرر روز آنا کیجیے
جو گیا ہو جان سے اس کو بھی جانا کیجیے

تڑپھنا بھی دیکھا نہ بسمل کا اپنے
میں کشتہ ہوں انداز قاتل کا اپنے
نہ پوچھو کہ احوالِ ناگفتہ بہ ہے
مصیبت کے مارے ہوئے دل کا اپنے

بید سا کانپتا تھا مرتے وقت (۹۲ ب)
میر کو رکھیو مجنوں کے تکیے

میر کی بات پہ ہر وقت بھی جھنجھلایا نہ کر
سڑی ہے ، خبطی ہے وہ ، شبفنہ ہے ، مفتوں ہے

بے کس ہوں مضطرب ہوں مسافر ہوں بے وطن
دوریٔ راہ بن مرا ہمراہ کون ہے

رونے سے دن کٹیں ہیں ، آہ و فغاں سے راتیں
گر شغل ہے تو یہ ہے ، مذکور ہے تو یہ ہے

تیرا خرام دیکھے تو جا سے نہ ہل سکے
کیا جی تدرو کا کہ ترے آگے چل سکے

آتش کے شعلے سر سے ہمارے گذر گئے
بس اے تبِ فراق کہ گرمی میں مر گئے
تلوار آپ کھینچیے، حاضر ہے یاں بھی سر
بس عاشقی کی ہم نے جو مر نے سے ڈر گئے
یہ راہ و رسمِ دل شدگاں گفتنی نہیں
جانے دو میرؔ صاحب و قبلہ جدھر گئے

کاتب کہاں دماغ کہ اب شکوہ لکھایئے
بس ہے یہ ایک حرف کہ مشتاق جانیے

حال بد، گفتنی نہیں میرا
تم نے پوچھا تو مہربانی کی
سب کو مرنا ہے یوں تو پر اے میرؔ
آتی ہے آڑے دری جوانی کی
تشنہ لب مر گئے ترے عاشق
نہ ملی ایک بوند پانی کی

آج پھر بے قرار ہیں ہم بھی
بیٹھ جا، چلنے ہار ہیں ہم بھی

(۹۳ الف) دشمنی جانی ہے ہم سے اب تو غیروں کے لیے
ایک کا سا ہو گیا وہ بھی کہ ہم یاروں میں تھے (کذا)

مرگئے لیکن نہ دیکھا تو نے ہرگز آنکھ اٹھا
آ. کیا کیا لوگ ظالم تیرے بیماروں میں تھے

برقع اٹھا تھا یار کے منہ سے سو شرم سے
کل مہر آفتاب نے جوں تیوں کے رات کی

سرھانے میر کے کوئی نہ بولو
ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے
وہ کیا چیز ہے آہ جس کے لیے
ہر اک چیز سے دل اٹھا کر چلے
کوئی نا امیدانہ کرتے نگاہ
سو تم ہم سے منہ کو چھپا کر چلے
نہ دیکھا غم دوستاں شکر ہے
ہمیں داغ اپنا دکھا کر چلے

ار غزلیات تازۂ اوست کہ بایں راقم الحروف نوشتہ :
برقع اٹھا تھا منہ سے مرے بدگمان کا
دیکھا تو اور رنگ تھا سارے جہان کا

---

۱ - یہ اشعار خود میر نے انتخاب کرکے اس تذکرے میں شمول کے لیے بھیجے تھے - ان میں بعض مکرر آ گئے ہیں یعنی گذشتہ انتخاب میں جو مؤلف تذکرہ نے کیا ہے ، موجود ہیں ایسے اشعار پر نشان (×) لگا دیا گیا ہے ۔

× خوبی کو اس کے چہرے کی کیا پہنچے آفتاب
ہے آس میں اس میں فرق زمین آسمان کا
تو برسوں میں کبھی ہے ملوں گا میں میر سے
یاں کچھ کا کچھ ہے حال ابھی اس جوان کا

سارھا گور ، دل جھکا لایا
اب کی سرطِ وفا بجا لایا
(۹۳ ب) دل مجھے اس گلی میں لے جا کر
اور بھی خاک میں ملا لایا
اب تو جاتے ہیں بت کدے سے میر
پھر ملیں گے اگر خدا لایا

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں ، کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماریِ دل نے آخر کام تمام کیا
عہدِ جوانی رو رو کاٹا ، پیری میں لی آنکھیں موند
یعنی رات بہت تھے جاگے ، صبح ہوئی آرام کیا
ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہتے ہیں سو آپ کریں ہیں ہم کو عبث بدنام کیا
سارے رند اوباش جہاں کے تجھ سے سجود میں رہتے ہیں
بانکے ٹیڑھے ، ترچھے تیکھے سب کا تجھ کو امام کیا
کس کا کعبہ ، کیسا قبلہ ، کون حرم ہے ، کیا احرام
کوچے کے ہیرے باشندوں نے سب کو یہیں سے سلام کیا
شیخ جو ہے مسجد میں ننگا ، رات کو تھا مے خانے میں
جبہ ، خرقہ ، کرتا ، ٹوپی ، مستی میں انعام کیا

ایسے آھوے رم خوردہ کی وحشت کھونا مشکل ھے
سحر کیا ، اعجاز کیا ، جن لوگوں نے تجھ کو رام کیا
میر کے دین و مذھب کو کیا پوچھتے ھو اب تو ان نے
قشقہ کھینچا ، دیر میں بیٹھا ، کب کا ترک اسلام کیا

ھونے پہ جمع اپنے پھولا بہت تھا لیکن
کیا غنچہ تنگ آیا جب وہ دھاں بنایا (۴۹ الف)
وہ تو مٹا گیا تھا تربت بھی میر جیو کی
دو چار اینٹیں رکھ کر پر میں نشان بنایا

اس کام جان و دل نے عالم کا جان مارا
زلفوں کی برھمی سے برھم جہان مارا
بلبل کا آتشیں دم دل کو لگا ھمارے
ایسا ، کسو نے جیسے چھاتی میں بان مارا
کیا خون کا مزا ھے اے عشق تجھ کو ظالم
ایک ایک دم میں دو سے سو سو جوان مارا
ھم عاجزوں کے اوپر یوں کوہ غم گرا ھے
جیسے زمیں کے اوپر اک آسمان مارا
کہتے نہ تھے کہ صاحب اتنا کڑھا نہ کریے
اس غم نے میر تجھ کو جی سے ندان مارا

مکث طالع دیکھ وہ ایدھر کو چل کر رہ گیا
رات چوتھی چاند سا گھر سے نکل کر رہ گیا
ھم تو تھے سرگرم پابوسی ، خدا نے خیر کی
نیمچہ کل خوش غلاف اس کا اگل کر رہ گیا

اک ڈھیری راکھ کی تھی صبح جائے میر پر
برسوں سے جلتا تھا شاید رات جل کر رہ گیا

ہوتی ہے گرچہ کہنے سے یارو پرائی بات
پر ہم سے تو تھمے نہ کبھو منہ پر آئی بات
رک کر بدرو رہ گئے دیوار باغ سے
رفتار کی بری جو صبا نے چلائی بات
بلبل کے بولنے میں سب انداز ہیں مرے
پوسیدہ کب رہے ہے کسی کی اڑائی بات
اک دن کہا تھا میں کہ خموسی میں ہے وقار (۳۹ ب)
سو مجھ سے ہی سخن نہیں میں جو بنائی بات
خط لکھتے لکھتے میر نے دفتر کیے رواں
افراط اشتیاق نے آخر بڑھائی بات

ہو کوئی بادشاہ کہ کوئی وزیر ہو
اپنی بلا سے ، بیٹھ رہے جب فقیر ہو
ایسا ہی اس کے گھر کو بھی آباد دیکھو
جس خانماں خراب کا دل مستثیر ہو
دم بھر نہ ٹھہرے دل میں نہ آنکھوں میں ایک پل
اتنے سے قد پہ تم تو قیامت سریر ہو

آنسو مری آنکھوں میں ہر دم جو نہ آجاتا
تو کام مرا اچھا پردے میں چلا جاتا
طفلی کی ادا تیری جاتی نہیں ہے جی سے
ہم دیکھتے (ہیں) مجھ کو تو منہ کو چھپا جاتا

کہتے تو ہو یوں کہتے یوں کہتے جو آتا وہ
پر کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا
ان آنکھوں سے ہم چشمی، بر جا ہے جو میں جل کر
بادام کو کل یارو مجلس ہی میں کہا جاتا
صحبت سگ و آہو کی اک عمر رہی باہم
وہ بھاگتا مجھ سے تو میں اس سے لگا جاتا

نبی تھی کچھ اک اس سے مدت کے بعد
سو پھر بگڑی پہلی ہی صحبت کے بعد
لگا آگ ، پانی کو ہے دوڑتا
یہ گرمی تری اس سوارت کے بعد (۹۵ الف)
نظر میر نے کیسی حسرت سے کی
بہت روئے ہم اس کی رخصت کے بعد

کیا بدبلا ہے لاگ بھی دل کی میر کہ جیو
دامن سوار لڑکوں کے ہو کر نفر رہے

آغشتہ خون دل سے سخن تھے زبان پر
رکھے نہ تم نے کان ٹک اس داستان پر
یہ دلبری کے فن و فریب اسی عمر میں
جھنجھلاہٹ اب تو آئی ہے اس کی سیان پر
بزاز کے کو دیکھ کے خرقے بہت پھٹے
بیٹھا وہ اس فباس سے آ کر دکان پر

کیا کیا نہ لوگ کھیلتے جاتے ہیں جان پر
اطفال شہر لاتے ہیں آفت جہان پر
کچھ ان دنوں اشارۂ ابرو ہے تیز تیز
کیا تم نے پھر رکھی ہے یہ تلوار سان پر
کس در ہے بے دماغ کہ ابرو بہت ہے خم
دیکھو زور سا پڑا ہے کہیں اس کمان پر
دامن میں آج میر کے داغِ شراب تھے
تھا اعتماد ہم کو بہت اس جوان پر

اے ہم نفس کسو کی مت عشق کی ہوس کر
جاتی ہیں تو ہیں جانیں ناداں ترس ترس کر
اک شمع کے سر اوپر روزِ سیاہ لایا
پگڑی میں دل اپنے نکلا جو وہ گھرس کر

(۹۵ ب) بہت مدت ہوئی ہے اب ٹک آ مل
کہاں تک خاک میں ، میں تو گیا مل
بس اے مدت سفر سے آئے ہیں میر
گئی وے اگلی باتیں تو بھی جا مل

کعبے میں جاں بلب تھے ہم دوریِ بتاں سے
آئے ہیں پھر کے یارو اب کی خدا کے ہاں سے
کیا خوبی اس کے منہ کی اے غنچہ نقل کریے
تو تو نہ بول ظالم ، بو آتی ہے دہاں سے
آنکھوں ہی میں رہے ہو ، دل سے نہیں گئے ہو
حیران ہوں یہ شوخی ، آئی تمھیں کہاں سے

کی شست و شو بدن کی جس دن بہت سی اُن نے
دھوئے تھے ہاتھ ہم نے اُس دن ہی اپنی جاں سے

خدا کرے کہ بتوں سے نہ آشنائی ہو
کہ پھر موئے ہی بنے ہے اگر جدائی ہو
گلی میں اُس کی رہا جا کے جو کوئی سو رہا
وہی تو جاوے ہے واں جس کسی کی آئی ہو
ہماری چاہ نہ یوسف ہی پر ہے کچھ موقوف
نہیں ہے وہ تو کوئی اور اس کا بھائی ہو

کیا جان بیاں کیجے عجب طرح پڑی ہے
وہ طبع تو نازک ہے ، کہانی یہ بڑی ہے
کیا اپنی شرر ریزی کہوں پلکوں کی صف کی
ہم جانتے ہیں ہم پہ جو نہ تازہ جھڑی ہے (۹۶الف)
کیا فکر کروں میں کہ ٹلے آگے سے گردوں
یہ گاڑی مری راہ میں بے طرح اڑی ہے

اب ہم فقیر جی سے دل کو اٹھا کے بیٹھے
اس خصم جاں کے در پر تکیہ بنا کے بیٹھے
جو کفر جانتے تھے عشق بتاں کو وہ ہی
مسجد کے آگے آکر قشقہ لگا کے بیٹھے
وادیِ قیس سے پھر آئے نہ میر صاحب
مرشد کے ڈھیر پر وے شاید کہ جا کے بیٹھے

جھمکے دکھا کے طور کو جن نے جلا دیا
اپنے ویاسب ان نے جو پردہ اٹھا دیا
اب بھی دماغ رفتہ ہمارا ہے عرش پر
گو آسماں نے خاک میں ہم کو ملا دیا
وہ آپ ہوگیا ہے خدا جانے غیر نے
میری طرف سے اس کے تئیں کیا لگا دیا
اتنا کہا تھا : فرش تری رہ کے ہم ہوں کاش
سو تو نے مار مار کے آ کر بچھا دیا

اشک کے جوش سے ہوں شام و سحر پانی میں
مثل ماہی ہے مجھے سیر و سفر پانی میں
آتش عشق نے راون کو جلا کر مارا
گرچہ لنکا سا تھا اس دیو کا گھر پانی میں
بردباری ہی میں کچھ قدر ہے گو ہی ہو فنا
عود پھر لکڑی ہے ، ڈوبے نہ اگر پانی میں

(۹٦ ب) اب آنکھوں میں خوں دم بدم دیکھتے ہیں
نہ پوچھو جو کچھ رنگ ہم دیکھتے ہیں
جو بے اختیاری یہی ہے تو قاصد
ہمیں آکے اس کے قدم دیکھتے ہیں

فردیات

ہنس دے ہے دیکھتے ہی کیاخوب آدمی ہے
معشوق سو ہمارا محبوب آدمی ہے

چاک پر چاک ھوا جوں جوں سلایا ھم نے
اب گریباں ھی سے ھاتھ اٹھایا ھم نے

ترے لعلِ جاں بخش کو ھم نے بتلا
کیا آبِ حیواں کو پانی سے پتلا

ایک عالم ھے کشتہ اس لب کا
الغرض اس پہ دانت ھے سب کا

پیرِ کنعاں سے گیا کب دردِ عشق
گو مثل ھے : آنکھ پھوٹے پر گئی

کیا کہوں آہ کچھ بھی چھوٹا ھے
ملکِ دل ان نے صاف لوٹا ھے
خاک سے سر کیوں نہ یکساں ھو
مجھ پہ دو آسمان ٹوٹا ھے

تو گلِ باغ پر نہ بلبل پھول
وہ تو ھے گا گلاب کا سا پھول

جو ترے لب سے کام رکھتے ھیں
تمھیں کو وہ تو نام رکھتے ھیں

دیکھتا ھوں تو کام میرا میر
اول عشق ھی میں آخر ھے

نقد دل چھوڑتے نہیں خوباں
اس پہ گویا یہ قرض کھاتے ہیں

از رباعیات اوست

دل تجھ پہ جلے نہ کیوں کہ میرا بیتاب
(۷۹ الف) یاں تجھ کو توقع ہے کہ لاتا ہے جواب
واں ان سے شراب پی کے مستی میں میر
کر کھائے بھی نامہ بر کبوتر کے کباب

مسجد میں تو شیخ کو خروشاں دیکھا
میخانے میں جوش بادہ نوشاں دیکھا
یک گوشۂ عافیت جہاں میں ہم نے
دیکھا تو محلۂ خموساں دیکھا

کاہے کو کوئی خراب خواری ہوتا
کاہے کو کسی پہ عشق بھاری ہوتا
دل خواہ اگر ملاپ ہوتا ملتے
اے کاش کہ عشق اختیاری ہوتا

پیغمبر حق کہ حق دکھایا اس کا
معراج ہے کمترین پایا اس کا
سایہ جو اسے نہ تھا یہ باعث ہے کہ
کل حشر کو ہوگا سب پہ سایا اس کا

---

(۴۷) میر ، سوز

محمد میر ، پیشتر میر تخلص می‌کرد ، اکنون به میر سوز مشهور سید صحیح النسب ، ساکن شاه جهان آباد ، جوان قابل ، تیرانداز، خوش نویس هفت قلم ، در انشا پردازی مهارت تمام دارد ۔ بسیار نازک طبع ، نکته سنج ، زود رنج ، مردے ست عجیب و شخصے غریب ۔ موجد طرز علیحده ، شعر را باداے نادر که دست و پا و چشم بلکه تمام اعضا در حرکت می آیند ، می خواند (۷۹ ب) و مردمان نافهم را متوجه جانب خود می گرداند ۔ ایں احقر یک دو ملاقات در مقام محمد نگر ٹانڈه نمود ، بسیار بتواضع و خلق پیش آمد ۔ آدم خلیق و بامزه است ، اشعارش بطرزے که دارد انتخاب نموده نوشته می شود ، ازوست :

سر دیوان پر اپنے جو بسم‌اللہ میں لکھتا
بجاے مد بسم اللہ شد آہ میں لکھتا

کعبہ و دیر کے ڈھونڈھے سے تمھیں کیا حاصل
سوز ہووے گا کہیں محفلِ رنداں میں پھنسا

یار گر صاحبِ وفا ہوتا
کیوں میاں جان کیا مزا ہوتا
جان کے کیا بیاں کروں احساں
یہ نہ ہوتی تو مر گیا ہوتا

شہرۂ حسن سے از بسکہ وہ محجوب ہوا
اپنے مکھڑے سے جھگڑتا تھا کہ کیوں خوب ہوا

اثر ہوتا نہیں معشوق کو عاسق کے جلنے سے
عزیزو ہم نے بھی سو ر اہما دل بھلس دیکھا
علم بھی تیغ کاندھے پر، احل نوئیسں[۱] کرتی بھی
ندیمو، آح ہم نے سور کا فریاد رس دیکھا

ترے دل میں بے رحم کچھ بھی نہ آیا
مجھے تو نے کس کس طرح سے ستایا
بھلا اور تو اور یہ پوچھتا ہوں
کبھی یاد کرتے بھے سو بھی بھلایا

پرائے دل کو لے کر اپنے تلووں کے تلے ملنا
ارے سن تو مجھے ہرگز حدا کا ڈر نہیں آتا
کسی کے جی میں ہوگ سوز مر جاوے تو بہتر ہے
(۸۹الف) الٰہی میں مروں کیوں کر مجھے تو مر نہیں آتا

میں تو غبار دل کا یک بار دھو کے آیا
کوچے میں حوب رو کے کل حوب رو کے آیا
تکھی نگہ ہے الم مژگاں لہو میں ڈوبی
او انکھڑیاں تو کس کے دل میں گڑو کے آیا

میاں رات کسی طرح تو کٹ جائے
مذکور کرو کچھ اس جواں کا

---

۱ پوئنس : بس ، ا کا مخفف ، جو اکثر سواری والے آواز لگاتے ہیں
یہی اردو میں ''پونی سا'' ہوگیا ہے۔

جس کا تو آشنا ہوا ہوگا
ان نے کیا کیا ستم سہا ہوگا
تھرتھراتا ہے اب فلک خورشید
سامنے تیرے آ گیا ہوگا
یہ تو میں جانتا ہوں لوگوں نے
کچھ تجھے جھوٹ سچ کہا ہوگا
پر جو اتنا یہ منہ تھتھاتا ہے
نہ ملو گے تا اور کیا ہوگا

مروت دشمنا ! غفلت پناہا !
ادھر بھی دیکھنا ٹک مڑ کے آہا

آہ صد حیف کچھ اثر نہ کیا
گھر بسے اس کے دل میں گھر نہ کیا
دل کو یوں لے کے پاؤں سے ملنا
ارے ظالم خدا کا ڈر نہ کیا
غیرت اور سوز کی اہاہاہا
جی دیا عشق مختصر نہ کیا

سنے ہے نام جب میرا تو چھاتی کوٹ لیتا ہے
زباں سے ڈر کے مارا اور پیارا کچھ نہیں کہتا
مجھے کہتا ہے تجھ کو میں نہیں کہتا ہوں کچھ ہرگز
ہزاروں گالیاں دیتا ہے اچھا کچھ نہیں کہتا (۹۸ ب)

سنے جب سوز کے اشعار سب منہ پھیر کر ووھیں
لگا کہنے کہ کیا بھونڈا ھے، اچھا کچھ نہیں کہتا

سوز کے قتل پر کمر مت باندھ
ایسا جاتا ھے کیا گیا گزرا

نہیں یہ برق حسن کو لوگ بجلی جانتے ھیں کہ
جھمک جاتا ھے اس اچپل کے معجرا کا کہیں کونا

بھلا ھم بھی تو آپہنچے ھیں یہ یہ چھلیں رکھتے ھو
مکرتے تھے بہت تم ھم سے ، اب فرمائیے صاحب

کیا ھے ایسا بھی ، ذرا منہ تو پھراؤ صاحب
تو جی بس تم سے نہیں بولتے جاؤ صاحب

ایک بوسہ بھی ھم کو دو صاحب
پھیر کر منہ کہا کہ لو صاحب

سوز نے دامن کو جوں پکڑا تو ووھیں چھین کر
کہنے لاگا : ان دنوں کچھ زور چل نکلا ھے ھنس!

یک طرف ابر ، یک طرف خورشید
واچھڑے زور ھی آب و تاب ھے آج

۱- معجر = اوڑھنی ، دوپٹا ۔

کب دبستاں میں ترے آتا ہوں میں ، مت کہہ غلط
واچھڑے جی واچھڑے پہلی ہی بسم اللہ غلط

اے سوز وہ دیکھ آتا ہے قاتل
ٹک چونک ظالم ، اتنا بھی غافل
دین و دل و جاں ، صبر و تحمّل
سب کچھ لیا چھین تس پر بھی بیدل
کس کس کو روؤں ، میں یاد کر کر (۹۹الف)
اے اشک ، اے چشم، اے آہ ! اے دل
کوچے میں اس کے لاکھوں پڑے ہیں
مذبوح ، مجروح ، مقتول ، بسمل

کاہے کو گھورتا ہے اے ظالم
کچھ لے کے ترا مکر گئے ہم
بس بس آنکھیں نکال مت ، واہ
ایسے غصّے سے ڈر گئے ہم

دل پر درد ہے عاشق کا کہیں ، ہوش کہیں
سر کی دستار کہیں ، پاؤں کی پاپوش کہیں
بند میں اپنے گرہ دے ، کہ تجھے یاد رہے
میں یہ ڈرتا ہوں نہ ہوجائے فراموش کہیں
آج میں سوز کو دیکھا تو اچنبھے میں رہا
سر کہیں ، پاؤں کہیں ، ہوش کہیں ،گوش کہیں

چین آتا نہیں مجھے ہے
دل بےاضطرار کس کا ہوں
دل ہے یا میں ہوں ، میں ہوں یا دل ہے
اور اب ہم کنار کس کا ہوں
سوز نے جو کہا ، کہاں تھا دار
کہا چل بے ، میں یار کس کا ہوں

نصیحتوں پہ بہت ہے گھمنڈ ناصح کو
جو اس کے روبرو بولے تو ہم سلام کریں

وعدہ کیا جلد بھول جاتے ہو
جھوٹ کہہ کر مسکراتے ہو
جب ہوتے نہیں ہو شرمندہ
واہ کیا انکھڑیاں ملاتے ہو
دل میں کچھ ہو تو منہ سے بول اٹھو
کیا غلاموں سے بڑبڑاتے ہو
آشنا جان کر کہا ہم نے (۹۹ ب)
ورنہ کچھ سوز کا دھرا ہے ہو

گالیاں تو لبوں سے بہت سہیں
کبھی بوسے کی بھی اجازت ہو
کچھ بڑی بات تو نہیں لیکن
چوم کر لیں اگر عنایت ہو

بہ بہے کچھ ہو رہے ہو قتل پر عشاق کے
سوز کو کیوں بے طرح گھورو ہو بس ایسا نہ ہو

کون تھا جو پھر بساتا کشور دیوانگی
میں اگر اڑتا نہ کرتا خانۂ زنجیر کو
منہ نہ موڑا تیغ سے ، جم جم اٹھائے زخم یار
آفریں ہے سوز ! صد رحمت ہے تیرے پیر کو

او جانے والے اس سے تو کہیو کہ واہ واہ
کچھ بھی خبر ہے در پہ پکارے ہے داد خواہ
ق
کل کس کے یاں گئے تھے بھلا یہ بھی جھوٹ ہے
پھر تو کہے گا مجھ سے جھگڑتے ہو خواہ نخواہ
تس پر یہ عذر ہے کہ مرا آشنا ہے وہ
میاں جی تمھارا عذر تو ہے بدتر از گناہ

سچ کہیو قاصد آتا ہے وہ ماہ
الحمد للہ الحمد للہ
ہے دل کو لگتی پر کیوں کہ مانوں
کھا تو قسم تو میاں تجھ کو واللہ

قطعہ

بعضوں کا مجھ پر یہ بھی گماں ہے
یعنی بتوں کو کرتا ہے بدراہ
جھوٹے کے منہ میں آگے کہوں کیا
استغفراللہ استغفراللہ

(۱۰۰ الف) یہ پوچھنا کہ سچ ہے فلانے کو عشق ہے
صدقے میں ، جان بوجھ بھلانے کو عشق ہے
دل خانۂ خدا ہے ، خدا لاشریک ہے
اے سوز تیرے اس میں سمانے کو عشق ہے

رفیق کوئی برے وقت کا نہیں الا
فغان نیم شبی یا کہ نالۂ سحری
خبر کسی کو نہ تھی میرے حال کی یارب
کہاں سے آئی مرا حال سن کے بے خبری

قیس کا وقت گیا ، سوز چلو تو جلدی
لخت ِ دل سے ہیں پڑے دامن ِ صحرا خالی

نہ ملیے ہم سے ، ولے جی سے آشنا رہیے
خوشی سے رہیے مرے مہرباں جہاں رہیے

لے آنکھ اٹھا کے دیکھ تجھ کو
کرتی ہے سلام زندگانی

جو سرگوشی میں بوسہ لے لیا احسان کیا اس کا
تکلف برطرف یہ حق تعالیٰ کی ہے رزاق
کبھی کالی گھٹا سے جیسے بجلی کوند جاتی ہے
چمک جاتی ہے مستی سے ترے دادوں کی تراق

دل ھی مطلب تھا لیا اب تو نہ آوے ھاں جان
جان اتی ھے ابھی دیکھیے کیا ھوتا ھے

دل لے ھی گیا نہ یار ھے ھے
ھے ھے دلِ بے قرار ھے ھے
تو مت جا پار پار ھاھا
اے میں ترے وار وار ھے ھے

(۱۰۰ب) اپنا ھے سوز اس سے تو کیا منہ پھرائیے
پر شوخ ھوگیا ھے ٹک آنکھیں دکھائیے
یہ جو کھڑا ھے سامنے، کہتا ھے مجھ سے یوں
میرا جو بس چلے اسے کچا ھی کھائیے
تلوار سونت سونت کے دبکاوتے ھو کیا
بس قبلہ جانے دیجیے غصّہ نہ کھائیے

ق

کر میان تیغ، اتنا مناسب نہیں ھے یہ
گر دل میں ھے یہی کہ لہو ھی چکھائیے
تو اس بچارے سوز میں لوھو نہیں رھا
یہ سامنے کھڑا ھے دو ہتڑ لگائیے

مار بیٹھے چٹ سے تو ھم نے تمہارا کیا کیا
دل میں آوے کوئی گالی دیجیے یوں بھی سہی
گالیاں دینے کو اچھے ھو بچارے سوز کو
یہ نہ آیا ایک بوسہ دیجیے یوں بھی سہی

نوح پر زلف کے مارے کی لکھا دیکھا تھا
پھر موئے نہ گئی ، اے ترا کاٹا نہ جیے

---

(۵۷) بیان

بیان تخلص ، شاعر مربوط و مضبوط و خوش‌گو است ، دیگر بر حسب و نسب او اطلاع ندارم کہ از کدام سو است ۔ چند ابیات از بیان واضح او بنظر رسیدہ ، ازوست :

جا کہو کوے یار میں کوئی
مر گیا انتظار میں کوئی
وہ بھی کیا رات تھی کہ سوتا ہے
سر رکھے اس کنار میں کوئی (الف ۱۰۱)

مت آئیو اے وعدہ فراموش تو اب بھی
جس طرح کٹا روز، گذر جائے گی شب بھی

کون کہتا ہے ناروا تجھ کو
جھوٹ ہے ، افترا ہے ، تہمت ہے

بیاں کون ہے ؟ اب تلک پوچھتے ہو
تجاہل کے قربان ، تغافل کے صدقے

انجھ دیکھو دامن سے اس کے بھی ہاتھو
یہ مجھ ناتواں کا گریباں نہ ہووے !

---

(۷۷) وحشت :

از میر ابوالحسن وحشت است :

کہیں یہ جھوٹ دیکھا ہے ، تجھے جب میں بلاتا ہوں
صریحاً تو چلا جا ہے ، مجھے کہتا ہے آتا ہوں

---

(۷۸) سودائی :

از مرزا داؤد سودائی است :

زلف دلبر سے مجھ کو سودا ہے
خلق کہتی ہے تجھ کو سودا ہے

---

(۷۹) میر رمضانی :

میر رمضانی ، یک فرد از پنبه دهانی او بسمع رسیده :

رہتے ہیں رات دن خفا تجھ بن
جیویں گے ایسے شخص کیا تجھ بن

---

(۸۰) فرحت الله :

از فرحت الله است :

ترا گناہ معاف ہم نے کیا کیا ہو گا
یہی مگر کہ دل اپنا تجھے دیا ہو گا
جو کچھ کہ تم سے کسی نے کہا ہے جھوٹ خلاف
مرا برا ہو ، اگر میں نے کچھ کہا ہو گا

---

(۸۱) غافل

از غافل است :

نہ بس اپنے سے کیا اس کو میں رخصت غافل
جب مرا بس نہ چلا تب میں خدا کو سونپا

(۱۰۱ ب) جب وہ کرتا ہے ان لبوں کا وصف
غافل اس وقت لعل اگلتا ہے

---

(۸۲) مائل

از مائل است :

مائل سے یارو مرد مسلماں پہ یہ ستم
اللہ کا بھی اس بت کافر کو ڈر نہیں

---

(۸۳) محمد اکرم

محمد اکرم جوانے بود قابل ، از مصاحبان وزیر الممالک نواب غازی الدین خاں موصوف ، در رسانیدن تاریخ فی‌البدیہہ دسترس تام داشت ۔ اکثر کلمات کہ از زبان او برآمدے خالی از لطیفہ و تاریخ نمی شد ۔ دیگر بر حسب و نسب او اطلاعم نیست ۔ مدتے شد کہ ازیں جہاں درگذشت ۔ برادر پسرش کہ بلاقی نام وطبع موزوں دارد ، چند اشعار متفرقہ او بسمع رسیدہ ، اروست :

دل ڈوبے ہے اور دیدہ تکے راہ کسی کی
یارب نہ کسی دل کو لگے چاہ کسی کی
یوں اشک لے آتا ہے ہر اک لخت جگر ساتھ
جیسے کہ لدی جاتی ہو ، سن گاہ کسی کی

یہ داغ دل کسی کو دکھایا نہ جائے گا
اس آبلے کو ہاتھ لگایا نہ جائے گا

---

(۸۴) هادی

عبدالهادی شاہ جہان آبادی ، هادی تخلص ، از مصاحبان وزیرالممالک نواب غازی الدین خاں که احوالش خواهد آمد ۔ شاگرد میرزا رفیع السودا موصوف ، وچندے بسبب بعضے (۱۰۲ الف) موانعات از محمد قائم مسطور نیز اصلاح می گرفت ۔ این چند ابیات او بنظر رسیده ، ازوست :

صدقے ترے ہو کے مر گئے ہم
کرنا تھا جو کچھ سو کر گئے ہم
خنداں خنداں جدھر گیا تو
گریاں گریاں آدھر گئے ہم
کہتے ہیں مسیح جس کے لب کو
ہادی آسے دیکھ مر گئے ہم

---

(۸۵) فقیر

شمس‌الدین فقیر متوطن شاہ جہان آباد ، شاعر زبردست فارسی‌گو معاصر سراج الدین خاں آرزو ۔ گاه‌گاه فکر مرثیه نیز می کرد ، یک مطلع بے نظیر روشن تر از شمس منیر ازاں فقیر بنظر رسیده احوالش مفصل معلوم فقیر نیست ، ازوست :

ترا منه دیکھ بلبل گل ستی بیزار ہو جاوے
اگر گل تجھ تلک پہنچے گلے کا ہار ہو جاوے

---

(۸۶) ولی

ولی اللہ ولی تخلص ، متوطن بلدۂ سورت ، شخصے بود معاصر انعام اللہ خان یقین ، بکمال تہذیب و اخلاق آراستہ پیراستہ ، دیگر احوال مفصل معلوم نیست ، دو فرد او بسمع رسیدہ ، ازوست :

نا ظلم ہے اے سوئی سی پلکوں والے
آہستہ سمو رحم ہیں دل کے آلے
برچھی وہ نظر کدر کسٹی سینے سے
ورنہ تیرے بہت ہیں دیکھے بھالے (۱۰۲ ب)

---

(۸۷) صابر سرھندی

صابر سرھندی استاد فیض اللہ بیگ فدوی است ، این چند ابیات او شنیدہ شد ، ازوست :

کب جانیے تھی تم سے جدائی ہو جائے گی
غم کی منادی دکھ کی دھائی ہو جائے گی
گر سینہ صاف ہو ، کھلے سدوں گلے لگو
اتنے میں دل کی کارروائی ہو جائے گی
رانوب تے کی جسم کا دنبالہ پھر ہے
واقف نہ ہوئے پھلی کی گھائی[۱] ہو جائے گی
صابر یہ بات حسن نے کہی آفریں اسے
جب منہ سے نکلی بات پرائی ہو جائے گی

---

۱ - فی الاصل : پہلی کی کہانی -

(۸۸) شاہ شاکر

ساہ شاکر صدیقی سوطن اعظم پور ، مردے بود قابل و مسجم درویش صورت ، خوش سیرت ، مذاقش بطور آبرو و ناجی ۔ دیوان ضخیم دارد مگر اسعارش بسمع فقیر نرسیده ؛ بریں غزل او شاکرم :

رو رو رہے غم میں سب سحر لی
تیں آکے دھلی مری خبر لی
کچھ اس میں بھی فائدہ نہ دیکھا
فریاد و فغاں بھی ہم نے کر لی
گل چیں تجھے کیا ، نروی بلا سے
گل توڑ کے میں تو جیب بھر لی
شاکر نے تمام ڈھونڈھ سھرا
اب کہیے ہیں راہ جی نگر لی

---

(۸۹) حیف

شیخ محمد حاجی حیف متوطن شاہ جہاں آباد ، از شاگردان محمدی بیدار (۳۰۱ الف) موصوف است ، دیگر بر احوالش اطلاعم نیست ، ایں چند ابیات او بسمع رسیده ، ازوست :

آتا نہیں نظر کوئی ہمدرد یاں مجھے
اے گردشِ سپہر لے آئی کہاں مجھے
اس کی نگاہ آن پڑی اس طرف کو حیف
یہ تیر آکے لگ ہی گیا ناگہاں مجھے

نہیں ہے خوف مجھے گو کہ سب جہاں پھر جاے
پہ یہ غضب ہے جو وہ یار مہرداں پھر جائے
کہیں ہیں لوگ مجھے دیکھ کوے دل میں
الٰہی یاں سے سلامت یہ نوجواں پھر جاے

ق

کہا کسی نے کل اس سے اگر اجازت ہو
تو آس پاس ترے حیف ناتواں پھر جاے
یہ سن کے لب متبسم ہو وہ لگا کہنے
جو اس کے جی کی خوشی ہے یہی تو ہاں پھر جاے

نظر آیا جو مکھڑا رات کو اس مہرِ تاباں کا
خجل ہو ماہ نے منہ چادرِ مہتاب سے ڈھانکا
خدا کے واسطے موقوف کر یہ چال اے کافر
کہ دل پامال ہوتا ہے ہر اک گبر و مسلماں کا
اکیلا بیٹھ کر روتا ہوں، سر زانو پہ رکھ ہم دم
اٹھانا یاد جب آتا ہے مجھ کو اس کے داماں کا
کیا موقوف اس نے شام کا آنا بھی، ہے قسمت (۱۰۳ ب)
چراغ اب کون یاں روشن کرے گورِ غریباں کا
کوئی بے خود ہوا رستے میں اور کوئی گیا جی سے
ادا سے کون منالی کا یہ پردہ کھول کر جھانکا
خبر لے حیف کی، اب دید کیا کرنا ہے سنبل کا
تری زلفوں کے غم میں ان نے سنبل کوٹ کر پھانکا

نشۂ حسن ہے تجھ کو تو اے سفاک چڑھا
جا بجا پیالۂ مے دیکھ نہ بے باک چڑھا

حسن خوبانِ جہاں جی سے مرے اترا جب
بام پر سادہ مرے وہ بتِ چالاک چڑھا
رو نہ اتنا کہ ذرے اشک کے ہر قطرے سے
بحر عماں ہے اب اے دیدۂ نمناک چڑھا
کان پر پھول تو کب رکھے ہے وہ غنچہ دہن
گل تصویر کو جو دیکھ کے لیے ناک چڑھا
منہ ترا آج جو اترا ہے یکا یک اسنا
کس کا نقشہ ترے چت اے دلِ غم ناک چڑھا
ترے پابوس کی حسرت میں ہوا خاک یہ حیف
اس کی تربت پہ کبھی پاؤں سے تو خاک چڑھا

نقد دل یوں ہے لگا اس بتِ عیار کے ہاتھ
مال مردے کا لگے جیسے خریدار کے ہاتھ
غیر لیتے ہیں بلائیں ترے پاؤں کی میاں
جی میں آتا ہے اڑا دیجیے دو چار کے ہاتھ (۴۰ الف)
دست بستہ مجھے مقتل میں لیے چل ظالم
کوئی رکھتا ہے کھلے مجھ سے گنہ گار کے ہاتھ
اس نے چھپ کر مجھے لکھی تھی حقیقت جس میں
وائے قسمت وہ کتابت لگی اغیار کے ہاتھ
حیف کا قتل ترے ہاتھ سے ہوگا ظالم
یہ کہا دیکھ برہمن نے مرے یار کے ہاتھ

رہتا ہے مجھے عشق کا آزار ہمیشہ
کیا خاک جیے جو رہے بیمار ہمیشہ

از رباعیات او یک رباعی بہم رسیدہ :

اب تم سے کہوں جو کچھ ہے میرے دل میں
سب تم سے کہوں جو کچھ ہے میرے دل میں
پہلے کہہ لو کہ میں یہ کہنے کا نہیں
تب تم سے کہوں جو کچھ ہے میرے دل میں

---

(۹۰) عشق

مرزا گھسیٹا عشق مردے بزرگ ، درویش وضع ، صاحب ارشاد ، ساکن شاہ جہاں آباد ، از چند مدت در عظیم آباد سکونت داشت ، خدا داند کہ زندہ است یا وفات یافت ، ایں چند ابیات ازو بہم رسیدہ ، ازوست :

جس نے ظالم تجھے یہ دشنۂ خوں خوار دیا
اس نے سینے کو مرے داغ سپر وار دیا
خندۂ جام تجھے گریۂ مینا مجھ کو
لعل لب تجھ کو ، مجھے چشم گہر بار دیا

(۳۰۱ ب) رو برو تیرے جو گذر کر گیا
دل کو وہ پلکوں کی نظر کر گیا
جس کی طرف سے تری آنکھیں پھریں
اشک صفت پل میں سفر کر گیا
جو کوئی بیٹھا ترے کوچے میں آ
اٹھ نہ سکا واں سے وہ مر کر گیا
جس کی نظر عشق کے اوپر پڑی
چشم کے تئیں اپنی وہ تر کر گیا

جو آئے اس سفر میں تو کچھ کچھ کما چلے
اک بد سلیقہ ہم تھے کہ دل بھی گنوا چلے

جو چھینتا ہے دین اور ایمان یہی ہے
کافر کہو یا اس کو مسلمان ، یہی ہے

---

(۹۱) شاداں

مولوی نجم الدین شاداں ابن مولوی حمید الدین ، مردے ست قابل و فاضل ، متوطن قصبہ کاکوری ۔ دو فرد او از نظر ایں عاصی گذشتہ ، ازوست :

پان کھانے سے ملا اس کے دہن کا پتا
ورنہ معلوم کہاں تھا کہ دہاں ہے کہ نہیں

شاداں نہ راز خفیہ کے تئیں برملا نہ کہہ
جب منہ سے نکلی بات پرائی ہو جائے گی

---

(۹۲) اثر

میر مہدی اثر تخلص ، برادر خورد خواجہ میر درد موصوف است ، دیگر بر احوالش اطلاعم نیست ۔ یک فرد او بہ گوش خوردہ ، ازوست :

سادہ رویوں سے کچھ نہ چاہ اثر
یاں سبھی بات کی صفائی ہے

طبقهٔ چهارم : در ذکر شعرائے تازه گو و بعضی نو مشقان دیگر (۱۰۵ الف) مشتمل بر پنج مقالات -

مقالهٔ اولی در ذکر بعضے تازه گویان سرآمد روزگار

(۹۳) ممتاز

فصل علی ممتاز از شاگردان مرزا رفیع السودا ، جوان خوش عنوان ، حافظ قرآن ، طبع سلیم و جولان داست ، رسائی مکرس از مذاق سحس پیدا و استعداد قابلیتس از صفاے دسکویس ظاهر و هویدا و بجمع فضائل انسانی موصوف و مسمی ، در اثناے راه دکهن از دست قطاع الطریق بدرجهٔ سهادت رسد ، مردے بود جان باز ، صاحب امتیاز ، و در هم چسمان حود ممتاز ، ایں راقم الحروف نیز در قصبهٔ آنوله واقف راز و نیاز او سده بود ، بسیار بتواضع و مدارا پیس آمد ، پارهٔ اسعار که از مسوداب او بتحریر آورده بود نوشته می شود ، ازوست :

زباں کو حمد سے تیری جو بہره مند کیا
میں بہترین سخن پہلے یہ پسند کیا
کبھی نہ بھولے اسیروں کے دل سے وہ صیاد
قفس میں طائرِ قدسی کو جن نے بند کیا

ہزار مرتبہ دیکھا ستم جدائی کا
ہنوز حوصلہ باقی ہے آشنائی کا
جو بخت کج سے میسر نہ ہوسکے رہ راست
نہ دیجے خضر کو الزام رہنمائی کا

۱۰۵ ب) نہ پہنچنے کا سبب تا بہ نکتۂ تحقیق
فقط قصور ہے ممتاز کی رسائی کا
میں لاکھ طرح سے چاہا کہ دل کسی کو نہ دوں
پہ تیرے ہاتھ عجب ڈھب ہے دل ربائی کا
اگر خلاف کہوں یہ سخن تو کافر ہوں
جمالِ دیدِ بتاں دید ہے خدائی کا

الٰہی سوزِ محبت میں کیا اثر نہ رہا
کہ اس کو رحم مرے حالِ زار پر نہ رہا
کیا مجھے ہے دلا تیں جو اپنے ہاتھ ذلیل
دوانے کیوں تیں کہیں منہ لپیٹ مر نہ رہا
ہزار حیف کہ ممتاز کا چراغِ سحر
خموش کرنے تئیں نالۂ سحر نہ رہا

کچھ تو تقصیر ہوئی ہم سے کسی بات کے بیچ
کہ تفاوت ہے تری طرزِ ملاقات کے بیچ

عذار چھوڑ کے کب دل پھنسے ہے کاکل میں
جو لطف گل میں ہے یارو کہاں ہے سنبل میں
تری نگاہ سے کس کام کی رکھوں میں امید
مرا تو کام سیاں ہوگیا تغافل میں
چمن میں سوچ یہ کس کے دھن کا ہے ممتاز
ہر ایک غنچہ ہے کیوں سرنگوں تأمل میں

اور تو کوئی ترقی کی نہیں صورت مگر
دن بہ دن پارہ ہمارا درد دل افزوں ہے

تجھے نگاہ مروت پہ گر نہ ہو تو نہ ہو
ہمیں تو مدنظر پاس آشنائی ہے
(۱۰۶ الف) سمجھو عیب نہ افلاس کو کہ جوں شمشیر
ہمیشہ مرد کی یاں آبرو صفائی ہے

قطعہ

شادی میں اگر ملا ہوا غم
اے دل جو نہ رائج حسن ہو
یک دم کی شگفتگی میں گل کا
کس واسطے چاک پیرہن ہو
بے جا ہے بسکہ جو مجھ کو ممتاز
اندیشۂ صحت بدن ہو
مرغان اسیر کی خوشی ہے
پنجرہ جو شکستہ و کہن ہو

ملتے تھے رات دن میں سو اب گاہ گاہ ہے
پیارے میں سچ کہوں تری دو دن کی چاہ ہے
تیغ جفائے دھر سے اے دل گلہ نہ کر
دو روز جس طرح سے کٹیں واہ واہ ہے
مانند رشتہ چرخ کے کھاوے جو پیچ و تاب
جوں تار سبحہ پھر آسے سو دل میں راہ ہے

ق

میں ہی فقط نہیں ہوں فلک تجھ سے شکوہ مند
ظالم ترے ستم سے تو عالم تباہ ہے
منہ شام کا سیہ ہے ، سحر کا ہے چاک جیب
کہہ کس کے ہاتھ سے یہ ہر اک داد خواہ ہے

جستجو سے بخوشی ہاتھ اٹھایا ہم نے
ورنہ کس چیز کو ڈھونڈھا کہ نہ پایا ہم نے
شیخ رکھتا تھا سدا حسنِ بتاں سے انکار
آج دکھلا کے تجھے خوب رجھایا ہم نے

---

(۹۴) حیرت

مراد علی حیرت متوطن شاہ جہان آباد ، از مدتے در قصبۂ مراد آباد طرح اقامت انداختہ ۔ (۱۰۶ ب) جوانے بود قابل ، درویش سیرت ، آزادانہ مزاج ، خوش تقریر و درد مند ، متواضع و خلیق بمرتبۂ بود کہ بہ تحریر نمی آید ، از شاگردان خواجہ میر درد موصوف بودہ ، ہر چند کم گو و کم مشق بود فاما مذاق سخنش کم از مرتبۂ استادان نیست ۔ ذہن سلیم و طبع مستقیم داشت ، چند سال است کہ بہ حسب اتفاق بہ طریق سیر بہ سمت فرخ آباد روانہ شدہ بود ، ناگاہ در راہ از دست قطاع الطریق متصل قصبۂمئو بدرجۂ شہادت رسید ، دل پر از حسرت و دیدہ در حیرت است ، حق تعالیٰ مغفرتش کند ۔ چند غزلیات متفرقات از راہ مہربانی کہ از دست خاص بایں راقم حروف نوشتہ دادہ بود ، انتخاب نمودہ نوشتہ می شود ، ازوست :

کب آوے نظر جلوہ دیدار صنم کا
پردہ نہ اٹھے دل سے اگر دیر و حرم کا
گر خلق نہ ہونا یہ ترا نور جہاں میں
تھا روز عدم تک بھی عدم تھا ہی عدم کا
کیا کہیے ترے حسن خدا داد کی خوبی
حیرت ہے نہ مقدور زباں کا نہ قلم کا

سمجھ کے دیکھا تو بےجا تھا کچھ گلا دل کا
یہ چشم تم نے ڈبویا معاملہ دل کا
(۱۰۷ الف) کہاں ہے شیشۂ مے محتسب خدا سے ڈر
مری بغل میں چھلکتا ہے آبلہ دل کا
سرشک و آہ ہے، شور جنوں ہے، وحشت ہے
عجب شکوہ سے جاتا ہے قافلہ دل کا

ایک پل ممکن نہیں اب یاں ٹھہرنا خواب کا
جوں حباب آنکھوں میں اپنی بس ہے عالم آب کا
بستر سنجاب اور بالیں و مخمل کیا ضرور
ایک مشت خس ہے اب سامان اپنے خواب کا
سر بھی اپنے تن پہ ہے بار گراں اور درد سر
دوش آزادی اٹھاوے بار کس اسباب کا

ابرو تری تھرکتی ہے اپنے سبھاؤ پر
تیغ اصیل دیتی ہے اک اپنی باؤ پر

وعدہ تھا میاں مجھ سے دمِ صبح ملوں گا
سو اب تلک آتے ہو کہ وہ دن گیا ڈھل کر
مہندی سے مرا خون بھی کچھ کم نہیں قاتل
پر دیکھیے اس کو بھی کفِ پا ستی مل کر
ہم مل کے بہی خاک ترے نقشِ قدم کی
اب جوگی ہو بیٹھیں گے کہیں بھیس بدل کر

حشر کے دن جو ترے جور اگر یاد رہے
جب مزا ہو کہ ہمیں طاقتِ فریاد رہے
ہم تو اک سینۂ ساعت کی طرح سے حیرت
خاک چھانا کیے دنیا میں اور آزاد رہے (۷۰ ب)

زاهد نہ کھلے تجھ پہ یہ نیرنگِ خرابات
جب تک نہ پیے بھر کے قدح بنگِ خرابات
سنگِ درِ مے خانہ پر اس رنگ محک ہے
کب سنگِ حرم ہوسکے ہم سنگِ خرابات
حیرت نہ رہا ایک طرف تو کہیں قائم
اے عارِ درِ مسجد و اے ننگِ خرابات

اب چھوڑ کر کنشت جو کعبے کو جائیے
واں بھی یہی صنم ہو تو کیا منہ دکھائیے

رو بہ رو قاتل کے ہونا تجھ کو اے دل کام کیا
دور سے کر لے تماشا صبح کیا اور شام کیا

مجھ کو حیرت ہے کہ میں جب ہو چکا ہوں جاں بلب
آج ظالم پوچھتا ہے مجھ سے میرا کام کیا

جی جاؤ یا رہے پہ یہ بیمار چپ رہے
یا رب کسی طرح یہ دلِ زار چپ رہے
لاچار ہم نے گالیاں کھانی قبول کیں
پر حیف ہے کہ بس نہ بھی اے یار چپ رہے

کیا پوچھتے ہو زلفِ سیہ من میں ڈسی ہے
یاں جان چلی جاتی ہے اور اس کی ہنسی ہے
ہے شادیٔ مرگ اپنے بھی دل میں تو ولیکن
کیا جانیے قاتل نے کمر کس پہ کسی ہے

زاہد کی لڑکپن سے جو بگڑی ہے طبیعت
پیری میں بھی کھاتا ہے وہ عاصی کے سہارے
اس دیدۂ حور نار کے ہاتھوں ستی حسرت
(۰۸ الف) کیا پوچھتے ہو ہم تو سراسر ہیں سارے

نظر آتا یہ جہاں مثلِ حباب آخر کار
تاج ہے سر پہ تو کہتا نقش برآب آخر کار
کیا غلط بیں ہیں مرے دیدہ و دل یاں وسمت
چشمۂ خضر نکلتا ہے سراب آخر کار

اے چرخ اگر زندگیٔ خضر جیوں میں
تجھ سے تو کبھی مانگ کے پانی نہ پیوں میں

کہتے تو ہیں کل عید کا دن ہے وہ ملے گا
پر دیکھیے تب تک بھی جیوں یا نہ جیوں میں

لینا نہیں ہے مجھ کسو تو قاتل سے خوں بہا
اس واسطے تو اس کا میں دامن کشاں نہیں
اتنی ہی آرزو ہے کہ یہ بات پوچھ لوں
ظالم تو مجھ سے اب تو بھلا بدگماں نہیں

رخسار یوں جھلکتے ہیں حلقے میں زلف کے
آپس میں ہو رہے ہیں بہم کفر و دیں گرہ
حسرت کے دل میں ہائے کوئی آرزو نہیں
لکنت سے ہے زباں پہ دمِ واپسیں گرہ

---

(۴۹) قلندر

بدھ سنگھ قلندر تخلص، قوم کھتری، متوطن دھلی ۔ جوانے بود قابل و خوب صورت، آزاد سیرت حوصلہ عالی و وضع لاؤبالی داشت ۔ ہر چند عمدہ روزگار بود اما محبت ہر دو جہاں را پس‌پشت داد قریب دو لکھ نقد و جنس (۱۰۸ ب) در یک لمحہ یکمشت تصرف نمودہ در فرقۂ نانک پنتھی فقیر شد و اصلا بریں مال و منال التفاتے ننمود، چناں چہ مقولۂ اوست :

دو جہاں ایک داؤ ہے میرا
کھیلتا ہوں قمار آنکھوں میں

لباس آزادی را در بر کردہ دید و تماشاے نیرنگی گردش دور دوار کج رفتار از دیدۂ عبرت بیں می نمود و اصلا لب شکوہ و شکایت و طمع پیش کسے نمی کشود، بعضے اعزا کہ احوالات

او نقل می کردند ، چنیں تعجب روے می داد که از انسان ایں چنیں کارها بوقوع آمدن ممکن نباشد ، مثلاً بعض وقت در دل او می آمد که طعام نباید خورد ، هفته دو هفته بیست روز ، تا یک ماه علی الاتصال گرسنه می ماند و هرگز کسے معلوم نمی کرد - عجب مرد دیوانه بود ، چناں چه خود می گوید :

وہ سکھ کہ جس کے واسطے دکھ سے مریں ہیں لوگ
میں اس کو اپنے نفس پہ دھر کر اڑا دیا

ایں شعر قلندرانه دال بر آزادی و بے پروائی اوست - از چند سال در بلدۂ بریلی آمده اقامت گرفته بود - چوں اجلش نزدیک رسیده دفعهً بیماریٔ شدید کشید ، در حالت نزع (۱۰۹ الف) از صاحب خانه گفت که چهارپائی ما در کسے وادی بنهید که ایں طائر روح ازیں قفس تن پرواز نماید و ایں قالب خاکی بار دوش کس نشود - آشنایاں هر چند منع نمودند ، اصلا اب اجابت نکشود ، لاچار نعش او در وادی نهادند ، آخر همانجا در گذشت ، فکر صائب و ذهن صائب داشت ، بعد وفات او مسوده ایں هولاس رائے رنگیں که حاوالتش خواهد آمد جمع نموده ، نزد خرد نگاهداشته ، دیوانش از نظر ایں عاصی گذشته ، چند اشعار ازاں انتخاب نموده نوشته می شود - ازوست :

نہ ڈر پرسش سے روزحشر کی اے دل بہار آئی
کر اب رندی و مستی کل جو ہونا ہو تو ہو لے گا
بتاں کیا مفت ہے یہ دل جو لے کر بھول جاتے ہو
جو کوئی من مانتی قیمت ہمیں دیوے گا سو لے گا

میں نے اپنے جی کے تئیں اس کی جفا کو سونپا
پر جو پوچھو تو کہے کس کی بلا کو سونپا
اے دل اب جاتے ہیں ہم تو تو رہا کر اس پاس
عشق[1] اللہ ، تجھے ہم نے خدا کو سونپا

زھر اب تیغ ناز و ادا کا جو پی گیا
کہنے کو مر گیا پہ جو پوچھو تو جی گیا

عشق یوں کیجے کہ کوئی آپ کو پہچان نہ جا (۱۰۹ ب)
جان جاوے تو بلا سے پہ کوئی جان نہ جا

مست ہی رہتے ہیں دن کیا رات کیا
ہم قلندر ہیں ، ہماری بات کیا

قلندر تو کیا دل کی پوچھے ہے باتیں
تجھے دل کا رونا مجھے اپنے جی کا

پایا مجاز میں جو گاھک بہ از حقیقت
راہ ہی میں بک گیا دل بازار تک نہ پہنچا

کون ہے جینے کا غم جس کا نہ لوھو پی گیا
اس بلا کے ھاتھ سے جو مر گیا سو جی گیا
اب لگا دو عیش کو آگ اور طرب کو پھونک دو
تھا یہ جس کے واسطے سب کچھ سو وہ دل ہی گیا

---

۱ - عشق ہے، عشقِ اللہ اور صرف عشق ، قلندروں کا سلام ہے -

کچھ تو اپنے لب سے دے ظالم قلندر کو مراد
گو نہیں بوسے کے قابل گالیوں سے بھی گیا؟

دل میں خیال ایک ہی دلبر کا خوب ہے
اجڑے ہے ملک آوے ہے جب ساہ دوسرا
جانے نہ ہم کسی کو قلندر بغیر دوست
اللہ ایک ہے، نہیں واللہ دوسرا

اگر ملتے ہو غیروں سے تو ایدھر دو ہمارا دل
ہمارا دل رکھو صاحب جو رکھتے ہو ہمارا دل

(۰۱ ولف) نہیں اس بسمل تیغ نگہ میں دیکھ آ کر دم
عبث غمزے کے تئیں مت تشنۂ خوں کر بتا کر دم
قلندر درد دل کہتا کہاں تک میں نظیری سے
حکایت بود بے پایاں بخاموشی ادا کردم

طالب نہیں ہوں دیں کا، نہ دنیا پرست ہوں
عاشق ہوں، درد کش ہوں، قلندر ہوں، مست ہوں

حباب آسا مری تعمیر ہے بحر فنا اوپر
جو کھولوں دیدۂ تحقیق ابھی اک دم میں بہہ جاؤں

وصف میں اس کے دہن کے کہہ تو کہیے کیا سخن
غیب کی تو بات ہرگز کچھ کہی جاتی نہیں

وفا تجھ بے وفا سے چاہتا ہوں
سڑا ہوں ، ناؤلا ہوں ، کیا بلا ہوں
ترا ہونا ہوں بندہ یک نگہ میں
بھلا اس مول کو میں کیا برا ہوں

کیا تھا تجھ سے دو بوسوں کا وعدہ
بھلا اب دو نہیں تو ایک ہی دو
قلندر دے کے دل تو خوش ہوا ہے
یہ کیا اچھا کیا ، تیرا برا ہو

دنیا نہ ہو تو غم نہیں اور دیں بھی گو نہ ہو
یا رب نہ ہونا اس کا قیامت ہے سو نہ ہو

قسم ہے موت کی ، جینے پر اس بن کس کا جی ہووے
ہمیں اس جی سے نئیں کچھ کام، جیوے جس کا جی ہووے
بھلا دیکھیں نگاہیں کس کے جی کو کاڑھ لیتی ہیں
ملاوے آنکھیں ان آنکھوں سے گر نرگس کا جی ہووے (۱۰۱ ب)

جی کو سر زندگی نہیں ہے
کیا جی کے کروں کہ جی نہیں ہے
جب ہوگی تو ہوگی زندگانی
اب تو ہمیں موت بھی نہیں ہے

چاہ زنخ میں ڈوبے گا اے دل سنبھالیو
رخسارِ صاف پر تو مبادا پھسل پڑے

قصد خوں ریزی کا گر دل میں ترے اے جان ہے
تیغ کرنی تیز کچھ مشکل نہیں آسان ہے
بہہ گئے آفاق میرے اشک کے طوفان میں
مت کہو طوفان نوح ایسا تھا، یہ طوفان ہے

کیوں مری دن ہی کی باتوں سے خفا ہوتا ہے
رات باقی ہے ابھی دیکھ تو کیا ہوتا ہے

جدائی میں تری اے یار جانی
ہوئی ہے موت ہم کو زندگانی

رہتا ہے وہ ہجر بیچ جیتا
جس شخص کی موت آ لگی ہے

مجھ کو کیا ہے جنوں نے آکر دی
ساری عقل و خرد ہوا کر دی

پوچھتا تھا یار مجلس میں قلندر کون ہے ؟
میں کہا بندہ ترا ہے اور خدا کا نام ہے

---

(۹۶) محشر

اکرام اللہ محشر متوطن بلدۂ بدایوں، جوانے است قابل، سعادت مند، خوش خصال، پسندیدہ افعال، خوبصورت، پاکیزہ سیرت (۱۱۱ الف) خلیق، آشنا پرست، سخن فہم، دقت پسند، طالب علم، مستعد، ناظم وناثر، شاعر زبردست فارسی، مزاج آزادانہ و دریکانگی ایں جہان فانی یگانہ، ذہن سلیم و طبع مستقیم دارد، اکثر مثنویات

دلچسپ و رنگین و دیوان مختصر فارسی و تذکرہ اولیاے بدایونی مسمی به روضۂ صفا از تصانیفات (کذا) اوست ۔ گاھے بحسب فرمائش یاراں ، خصوصاً ایں ھیچمداں ، چند غزلیات متفرقه ریخته ھم گفته ، بموجب مقولۂ او :

دی ریختے کی شوق نے محشر مجھے تکلیف
میں ورنه کہاں مانے تھا باللہ کسی کی

ھر چند کم گو است واما بسیار خوش گو ۔ بایں عاصی ربط تام و اتحاد کلی دارد ، ازوست :

عشق کی آتش سے گھر میرا تجلی زار ھے
گرچه ویرانه ھوا پر دشت ایمن ھو گیا

عاجز ھوں دل کے ھاتھ سے ویسا ھی بعد مرگ
آرام بھی نه لینے دیا ٹک مزار میں
اے ھمرھاں نه کیجو تم اب فکر زادراہ
ھیں لخت دل بھرے مرے جیب و کنار میں
خالی ادا سے خط کی سیاھی نری نہیں
گویا چھپا ھے لشکر ناز اس غبار میں

ھے جوانی میں بھی یاں تک تو نہایت دلچسپ (۱۱۱ ب)
اب بھی چھاتی سے لگا لیجے تو چھوڑا تو نه جا

مجھ کو اس ناز اٹھانے کا سروکار نہیں
کیا اکڑتے ھو بہت ، یہی طرح دار نہیں

نے گلِ جیب ہوں عالم میں نہ خارِ دامن
جامہ زیبوں کا ہوا ہوں میں غبار دامن
ہوئی امید مجھے دیکھ ترا سرخ سنجاف
میرا خوں بھی کبھی آوے گا بکارِ دامن

اب تو نہیں رنگ رہا دل کو کسی خواری کا
ہوں میں سودا زدہ اک دلبر بازاری کا
اک نگہ مول ہے تس پر بھی گراں ہے جانی
دور جانا ہے رہا دل کی خریداری کا
کبھو مژگاں سے مرے دل کو نہ دے ہاتھ سے ڈال
ہے یہ تعوید تری چشم کی بیماری کا

خفا ہو غم سے جب نالہ لبوں کے متصل آیا
وہیں دامن پکڑنے کے لیے پیچھے سے دل آیا
خبر شیریں کے مرنے کی یکایک اس کو پہنچا دی
کوئی اول نہ رکھ فرہاد کی چھاتی پہ سل آیا
وہ معنی جس کی میں صورت ہوں نہیں پایا کہیں ہرگز
خجل جاتا ہوں ہستی سے عدم سے منفعل آیا

نہ پڑھا کھول کے نامے کو نہ پیغام سنا
اس نے شاید کہیں قاصد سے مرا نام سنا

کبھی بھی گالی نہ دی ہنس کے اف ری کم سخنی
ترے دہن نے کیا تنگ حوصلہ دل کا

اب وہ نو مشق ستم ، زور ھی استاد ھوا
یعنی دلبر ھوا قاتل ھوا ، جلاد ھوا

کہاں سیکھے ہے دلداری کا شیوہ شمع چھتیسی
جلا پروانے کے تئیں آپ پھر جلتی ہے ستی سی
تغافل کے شہیدوں کو جلادے ہے تبسم میں
مگر صبح قیامت ہے ترے دانتوں کی بتیسی

بہار آئی ہے اے ساقی مئے گلگوں پلا ظالم
مغنی تو بھی ھاں ٹک ساز عشرت کا بجا ظالم
بچا سکتا ہے کوئی جان کو کیوں کر جو رکھتا ہو
فلک سا دشمن بےرحم تجھ سا آشنا ظالم

اگر بجائے بےرحم برائے مناسبت فلک لفظ بے مہر باشد
ایں شعر باسماں رسیدے۔

آتا ہے کس انداز سے سمشیر کو کھینچے
اس وقت مصوری تری تصویر کو کھینچے

آچھپا شور قیامت ترے داماں کے تلے
فتنہ پلتا ہے ترے سایۂ مژگاں کے تلے
جز لب زخم کہ ہے ریزۂ الماسی پر
کون چاہے تری شمشیر کو دنداں کے تلے

میں جور خلق اٹھاتا ھوں یار کی خاطر
رکھوں ھوں ایک کی خاطر ھزار کی خاطر

مرے غبار سے دامن کشیدہ جاتا ہے
ہوا ہوں خاک میں جس سہسوار کی خاطر

پر غضب باندھے کمر ناز سے تنگ آتا ہے
(۱۱۲ب) یاد آتا ہے ولے در سر جنگ آتا ہے

دل کو ان آنکھوں نے ڈالا ہے مروڑ
اس پری کے رہو سانے سے پرے
چشمِ بد دور کس انداز ستی
تیغ کاندھے اوپر آتا ہے دھرے

تلوار کھینچ کس کو دکھاتے ہو بانکپن
بیٹھے رہو ، میں ایسی اداؤں سے ڈر گیا
حالت میں نا امیدی کی پڑھتا تھا وہ یہ بیت
محشر کے گھر جو آج میں وقتِ سحر گیا
آیا نہ یار ہائے سب آنکھوں میں کٹ گئی
سن لوگے انتظار میں دن بھی گزر گیا

کیاعجب دن تھے کہ وحشت کو مری تاثیر تھی
سیرِ دشت و باغ تھا اور پاؤں میں زنجیر تھی
گور میں فرصت سے کرتا ہوں کفن کو تار تار
حسرتِ چاکِ گریباں بس کہ دامن گیر تھی
اٹھ گیا میں در سے تیرے کر محبت کو سلام
چرخ دشمن ، بخت واروں ، آہ بے تاثیر تھی

اس کے کوچے میں جو محشر پھرگیا معذور رکھ
سوف دامن کش تھا اور حسرت گریباں گیر تھی

تھمے ہے نالے سے گر یک نفس زباں میری
بہے ہے پھوٹ کے یہ چشمِ خوں نشاں میری
ملی تھی چندے محبت کے ہاتھ سے فرصت
نظر پہ پھیر چڑھا اب کی ایک آن سیری
صنم کدے سے لیے تا حریم بیت اللہ (۱۱۳ الف)
خبر نہ کفر کی پہنچی کہاں کہاں میری
ثنا میں زلف کی از بس لکھا کیا محشر
قلم کی طرح سیہ ہوگئی زباں میری

خبر تھی تیرے اس اک غمزۂ نہانی کی
میں ایک عمر عبث دل کی پاسبانی کی
تری گلی میں بزور فتادگی میں رہا
خدا دراز کرے عمر ناتوانی کی
مرے قفس پہ نہ اے ہم صفیرو کیجو گزار
تڑپ مروں گا میں حسرت سے پرفشانی کی

مرے آنسو نے کی ہے کیا صفِ مژگاں سے سر جنگی
غنیم ایسا کوئی دُرانیوں میں ہو تو ہو جنگی
چمن میں بلبلِ مسکیں کرے کس کس کی غم خواری
ادھر گل کی پریشانی ، اُدھر غنچے کی دل تنگی

چرا لینا نگاهوں میں دل اور هونٹوں میں هنس دینا
لیا شیوہ نکالا واہ وا چوری و سرهنگی

نالہ کھینچوں هوں تو کسے هی جگر جلتے هیں
شعلے کے اڑنے سے جوں سیکڑوں گھر جلتے هیں
هے دل گرم میں یہ دوق کہ مانند سپند
رمزمہ کرتے هیں هم ، آگ میں کر جلتے هیں
یہ بھی هستی هے کہ هو آنکھ جھپکنے میں تمام
فرصت عمر پہ هم مثل شرر جلتے هیں
(۱۱۳ ب) دیکھ کر گرمئی بازار کو تیری محشر
آس رشک میں ارباب ہنر جلتے هیں

هو جیسے صدا لب پر آهوں کے بھبھوکے هیں
دل تجھ کو نہ دینا تھا اس جاگہ پہ چوکے هیں
جی هاتھ سے خوباں کے بچتا نظر آتا نہیں
بے رحم هیں ، ظالم هیں ، پیاسے هی لہو کے هیں

نقشہ ذرا آ دیکھے مرے دل کے بغل میں
خورشید چھپا جن نے نہ دیکھا هو کنول میں
هرگز نہ هو آرام ، وہ بت رکھتا هو هر چند
تسخیر کو ، افسون کو ، لٹکے کو عمل میں
خورشید نہیں ، گردوں کی هر برج کے دل بیچ
هے داغ ، تو جس روز سے چڑھتا هے بہل[۱] میں

---

۱ - بہل ، بہلی : ایک گاڑی جو رتھ سے مشابہ هوتی هے -

یہ وہ مے ہے کہ جس کو دیکھ کر ہوشِ ملک جاوے
کہیں ایسا نہ ہو ساقی کہ پیمانہ چھلک جاوے
یہ حسرت ہے دمِ آخر جو تو بالیں پر آ بیٹھے
رکھوں سر کو ترے زانو پہ اور گردن ڈھلک جاوے

بس تفِ نالہ کہ ناحق نہ مجھے سانگ کہیں
اب درِ اسک پگھل جائے ہے جوں رانگ کہیں
پھر نہ اکڑے گا فلک اپنی سیرداری پر
ہم سے گر چل گئی نالے کی کوئی سانگ کہیں
کوچۂ عشق میں تا پھر نہ کوئی پاؤں رکھے
کرچکے قتل تو ظالم مرا سر ٹانگ کہیں
طرح غنچے کی ہر اک عقدے میں ناخن ہیں چھپے
اپنی مشکل میں مدد غیر سے مت مانگ کہیں (م ۱ ، ب)

ہووے اس بت میں وفا یا کہ جفا ، دیکھیں تو
کیا دکھاتا ہے ہمیں اب کی خدا ، دیکھیں تو
ہم ہوا خواہوں کو لادے خبرِ کوچۂ یار
کیسی جلد آئے گی ہاں بادِ صبا دیکھیں تو

ق

خلوتِ وصل میں کل شمع کی جا پروانہ
اتنا بولا کہ میں جلتا ہوں کہا : دیکھیں تو
پھر نہ معلوم ہوا حال کچھ اس کا یارو
آؤ ٹک پردۂ فانوس اٹھا دیکھیں تو

یار کچھ مائلِ فریاد رسی ہے محشر
حال دل اپنے کا آ ہم بھی سنا دیکھیں تو

نہ ترا نامہ بر آیا نہ نوستہ پہنچا
مجھ کو پیغامِ اجل لے کے فرستہ پہنچا

ہے چڑھی جب سے تری زلفِ پریشان سر پر
سایہ گستر ہے مرے شامِ غریبان سر پر
قصد ادھر کو جو قدم رنجے کا ہے بسم اللہ
آئیے جان مری آنکھوں پہ جانان سر پر
کیا یہ شوخ انکھڑیاں آہو سے کہو تو کم ہیں
سینگ ہوتے ہیں مگر آہو کے یاران سر پر

مجھے آرایشِ گردونِ ناھموار لے ڈوبی
مرا گھر آب میں بردستئی معمار لے ڈوبی
نفس کے ضبط سے عقل نہ رہ یاں ایک عالم کو
حباب آسا تنک منہ کھولتے گفتار لے ڈوبی (۱۴ ب)
اثر کے زور سے اس بت کے دل میں جا دھنسا نالہ
یہ پیکاں تیر کو پتھر میں ناسوفار لے ڈوبی
میں عرقاب فنا روتے ھی روتے ھو گیا محشر
کسی ظالم کی تجھ کو حسرتِ دیدار لے ڈوبی

حق تعالیٰ کرے جلووں کی ترے دھوم رہے
ایک ہم کو ترے دیدار سے محروم رہے

کیا سبب ہے مری وحشت کو خوش آیا ہے یہ شہر
ورنہ صحرا میں مرا خار قدم چوم رہے
ہم‌سری کر نہ سکے زلف سے اس لیلی کی
بید مجنوں کی جو ہر شاخ جدا جھوم رہے
مست ہو سیخ خرابات کی کیفیت دیکھ
یاں وہ چہلیں ہیں فرشتہ بھی نہ معصوم رہے
تجھ سے میکس کے نہ ہو دل میں جو نوبہ کا خیال
محشر اس بزم خرابات میں کیا دھوم رہے

مجھ سے کچھ الجھے ہے یہ زلف پریشاں بے طرح
ہائے یہ کالی بلا ہے درپئے جاں بے طرح
ڈر سے طوفاں کے کھڑا کانپے ہے گردوں کا جہاز
لہر پر آئی ہے اب کی چشم گریاں بے طرح
دل کو اک دھڑکا سا ہو جاتا ہے اس مذکور سے
حرف جانے کا سنا دیتے ہو جاناں بے طرح
سچ کہو آغوش سے کس کی نکل بھاگے ہو رات (۱۱۵ الف)
چولی سب مسکی ہے اور پھاٹا ہے داماں بے طرح

---

۹۷) امیر

حافظ امیرالدین امیر تخلص ، از نجبائے بلدۂ بدایوں ، صاحب دیوان مختصر فارسی ، اگرچہ کم گوست فاما بسیار خوش گو۔ شق سخن او بدرجۂ استادان رسیدہ ، گاہے یک دو غزل ریختہ قریبے موزوں می کند ، چند اشعار متفرقات ازو حفظ است :

ان دنوں کچھ بن نہیں آتا ، ٹک آنے دو بہار
چھین لوں مجنوں سے اقلیم بیاباں تو سہی

باغباں لالہ پر اتنا بیٹھتا ہے پھول پھول
داغ سینے کے کروں میں بھی نمایاں تو سہی

پھر چمن کی سیر کو امسال آتی ہے بہار
سووے فتنے جنوں کے کو جگاتی ہے بہار
کیوں نہ آپس میں کریں بحث سخن ہر صبح دم
گلستاں کا درس غنچوں کو پڑھاتی ہے بہار
بو عروسانِ چمن کی گر یہ مساطہ نہیں
کیوں گلوں کے ہاتھ پر مہندی رچاتی ہے بہار

باغ میں کس کے دہان و رخ کی کل تقریر تھی
گل پریشاں ہو رہا تھا اور کلی دلگیر تھی
پہنچتے ہی کر دیا اس سنگ دل کو بد دماغ
واہ واہ اے آہ بس تجھ میں ہی تاثیر تھی
(۱۱۵ ب) دے چکا تھا اپنے در سے بارہا تو تو اٹھا
پر وفاداری ہماری ہم کو دامن گیر تھی

قاعدے پڑھا ہے ستم کے وہ طفل
ہووے دل اب زیر و زبر چاہیے
خانہ بدوشی ہے عجب گھر امیر
جس کو نہ دیوار و نہ در چاہیے

---

۱ - فی الاصل : ابھی

ق

پاس میرے ٹک وہ آ بیٹھا امیر
رات اپنے بخت نے کی یاوری
بے خودی میں میں نے جام شوق کی
ایک بوسے کی طلب اس سے کری
کر کے رو کھی تیوری مہ رو اٹھا[1]
رکھ کمر میں خنجر کینہ وری
اس کے دامن کو پکڑ کر میں کہا
اب کوئی چھوڑوں ہوں اے رشکِ پری
مسکرا کر ناز سے کہنے لگا
عاشقی کرتے ہو یا زور آوری

---

(۹۸) معین الدین

معین الدین برادر امیر الدین مسطور ، ساکن بلدۂ بدایوں ، جوان خوش رو و خوش گوست ۔ از مدتے در رکاب سعادت خلائق پناہ ظل اللہ شاہ عالم بادشاہ می ماند و ہر سال قصیدۂ جشن تیار نمودہ می گذراند و صلۂ لائق از حضور پر نور می یابد ۔ چند ابیات متفرقات او بسمع رسیدہ ، ازوست :

اے باد صبا جائیو مت باغ میں تڑکے
سوتا ہے وہ گل بات مبادا کہیں کھڑکے
جوں یسب[2] کی تختی اگر اس راحتِ جاں کو (۱۱۶ الف)
چھاتی سے لگا رکھیے تو دل کا ہے کو دھڑکے

۱۔ فی الاصل : اٹھ چلا ۔
۲۔ سنگ یشب — جس کی یہ خاصیت مشہور ہے کہ خفقان اور ہول دل میں نافع ہے ۔

آتے ہیں نہیں کر کے سو نے چشم پھر آنسو
اس گھر سے مگر روٹھ کے نکلے ہیں یہ لڑکے
سر رشتہ رہِ عشق کا ہرگز نہ کرو گم
سو ٹکڑے اگر سبحہ نمط ہوں مرے دھڑکے

اگر بوسہ نہ پایا لذتِ دشنام لے آیا
غرض میں کچھ نہ کچھ اس لب سے اپنا کام لے آیا

رباعی

غربت میں ہماری اور کن نے دیکھا
پیدا کیا زر کہ زور کن نے دیکھا
گو بخت اٹھاوس تختِ طاؤسی پر
ناچا جنگل میں مور کن نے دیکھا

---

(۹۹) فدوی

وصل اللہ بیگ فدوی ساکن ضلع پنجاب ، مردے بود ، دوموے ، آبلہ روے ، زیادہ گوے ، و جھگڑوے ، نوکری پیشہ ، بے اندیشہ ، مائل برفض ، گزاف لایعنی دشمنان بے معنی پیش ہر کس می گفت و باوجود ہیچمدانی خود را ہمہ داں می شمرد بموجب مقولۂ کسے :

ہر کس کہ نداند و بداند کہ نداند
در جہل مرکب ابدالدہر بماند

به سبب سخنان بیهوده باکسے صحبت برآر نمی شد ، قریب دوماه شدکه از بیماریٔ تپ ولرزه در دہلی فوت شد ـ با این راقم الحروف در قصبۂ آنوله یک دوملاقات شده بود ـ (۱۱۶ ب) اکثر غزلیات

قطعه بند او بنظراں مؤلف گذشته ، شعر را بوضع خود تراشی
بطور شاه نامه بآواز کرخت می خواند ۔ سامعانِ نافهم لب تحسین
آفریں می کشودند ، غرهٔ شاعری در دل خود حنان داشت کا
خود را از حود زیاده می نداشت ، بعضےاعزاء در مرض‌الموت برا
ملاقات او رفته بودند ، بمجرد ملاقات گفت که یاراں بشنوید دریں
روزهاچه مطلع تازه موزوں[1] کرده ام :

پہلو میں اپنے درد اٹھا دل کے متصل
بیٹھا رمب ساتھ جو وہ مل کے متصل

طبع مو زوںو مناسب داشت ، قصهٔ یوسف زلیخا را در زبان ریخت
بوجه احسن بسته ، از اشعارش چند غزلیات متفرقات بنظر رسیده
ازوست :

گلشن میں جب لٹک کے شہ ِ گل رخاں چلے
اس کے جلو میں سرو سا رعنا جواں چلے
عمرِ عزیز دم لے کہ دنیا سے ایک دن
رختِ سفر کو باندھ کے سارا جہاں چلے

ہے نظر نازوں کی اے مشفق ! نظر چاروں طرف
دیکھتے ہیں پیش و پس ایدھر اُدھر چاروں طرف
کعبہ و بت خانہ و دیر مغاں و مدرسہ
جس جگہ دیکھو ہے اس فدوی کا گھر چاروں طرف (۱۱۷ الف)

پرواز میں ہے زلف گرہ‌گیر ہوا پر
اڑتے ہیں سدا کافر بے پیر ہوا پر

---

۱ - فی الاصل : مضموں ۔

آتش نفسی شیشے کا گھر کرتی ہے برباد
مانند حباب اس کی ہے تعمیر ہوا پر

چشم کے روزن سے گویاں ریزش ناسور ہے
لخت دل کٹ کر گرے رونا تو تب منظور ہے
جس جگہ ہوتا ہے میرا ذکر واں کہتا ہے یار
کون ہے ، کیا ہے ، اجی اسے کا کیا مذکور ہے

آج تیری جھلک جو دیکھی ہے
اے بت حوس خرام کیا کہیے
واہ ساقی ترے اس آنے کو
نے صراحی ، نہ جام کیا کہیے

پہنچ اے آہ سحر ، دوڑ تو اے پیک سرشک
کون لاتا ہے بھلا دل کی خبر دیکھیں تو
ہم تری تیغ کے اوصاف سدا سنتے ہیں
اس کو ٹک لا تو مری جاں ادھر دیکھیں تو
لوگ کہتے ہیں برکت ہے اس تیغ کے پر
دست بس ہووے مری جاں اگر دیکھیں تو
بول اٹھا : آپ کے در حق میں یوہیں آتی ہے
جانب قبلہ جھکا بیٹھے سر دیکھیں تو

روتے روتے ہوا ہے تر کاغذ
کیا کہیے کوئی نامہ تر کاغذ

اب اسی پر لکھوں میں دل کا درد
ھے بڑی پرچۂ حگر کاغذ (۱۱۷ ب)
لے کے قاصد سے ان مطالعہ کر
پڑھ چکا جب کہ سر بہ سر کاغذ
مثل مکتوب کھا کے پیچ و تاب
دیا آتش پر ان نے دھر کاغذ
اور کہا نامہ بر سے ہاں ایسے
اڑتے پھرتے ھیں در بہ در کاغذ
کن نے بھیجا ھے ،کون ھے وہ شخص
جس کا لاتا ھے تو ادھر کاغذ
مثل کاغذ ترے کروں پرزے
پھر تو لاوے کسی کا گر کاغذ
یہ زبانی ھی اس سے جا کہیو
یعنی ارزاں ھے اس قدر کاغذ
یا ہیں لوٹی ھے کاغذی کی دکاں
یا برستا ھے تیرے گھر کاغذ
روز لکھ لکھ کے مختلف مضموں
بھیجنا شام اور سحر کاغذ
ایسے انشا کے ہم نہیں مشتاق
رہنے دیجیےگا طاق پر کاغذ
ایک دن اس میں کچھ ضرر ہوگا
ھم میں تم میں ھے فتنہ گر کاغذ
کون جانے ھے سرنوشت کی بات
دیکھیے کس کو دے ضرر کاغذ

وہ جو قدوی ہیں خوش رہیں گھر میں
کیوں الجھے ہیں بھیج در کاسد

قطعہ

شمشیر مرے ہاتھ میں کل دیکھ کے ناگاہ
بولا کہ ادھر جا کے کہیں پھینک پرے تیغ
دھمکانے ہمیں دیکھو کس ڈول سے آیا
ہتھوانسوں میں پردھال کو، سائے نہ دھرے تیغ
(۱۸ الف) لو ڈر گئے ہم آپ سے ، بھلا رہے پری دھج
سہ دیکھو تو، کھسکے گا مرے پر تو ارے تیغ
اور میں بھی جو وحشت میں پھر آجاؤں تو واللہ
اس وقت مرے ہاتھ سے وہ کاٹ کرے تیغ
حیرت میں رہے تو بھی اور میں بھی نہ ڈھوں بس
جب تک کہ پرے خون میں تاللہ نہ پرے تیغ

اگرچہ اس قطعۂ بے لطف قابل تحریر نبود فاما محض برائے خاطر بعضے یاران کہ قائل قطعہ گوئی شاعر مسطور اند ، بتحریر در آورد ، دیگر ہم ازیں قیاس باید کرد ، مثل مشہور است کہ :

تانت باجے اور راگ بوجھا

جرأت کہاں کہ اس کو دوں قرآں کی قسم
لاتا ہے دل مرا مجھے آگے دھرے ہوئے

مژہ کی نوک سے میں نگاہ یار لے ڈوبی
کہ جیسے بھال تودے میں سرے یک بار لے ڈوبی

آوارہ و سرگشتہ، نہ دیوار و نہ در کے
سائے کی طرح ہم نہ ادھر کے نہ آدھر کے
افسوس بھٹکتے ہی پھرے ہم تو جہاں میں
پوچھا نہ کسی نے کہ میاں تم ہو کدھر کے

گرمی سے عرق ہو گیا چلتے ہوئے اے اشک
آ سایۂ مژگاں میں تنک بیٹھ کے دم لے
دل کو تو گنوا بیٹھے تصور میں کمر کے
اور ہم بھی تعاقب میں چلے راہ عدم لے (۱۱۸ب)
ناحق ہے یہ تہمت کہ تو غیروں پہ ہے عاشق
گر تیرے سوا اور کو چاہیں تو قسم لے
راتوں کے تئیں چونک پڑے نیند سے رستم
گر خواب میں دیکھے اسداللہ کے حملے

بادہ کشی سے ہم کو ہوتے ہیں یار مانع
یاں ترک سے نہ ہووے گو ہوں ہزار مانع
یاں گل کا دیکھنا تو چھوٹے نہ بلبلوں سے
گو سو طرح سے الجھیں اور ہووے خار مانع

ق

آنے سے اپنی جانب تم ہم کو اے پیارے
تھے وقت سادہ روئی بے اختیار مانع
پر یہ عجب تماشا جب سے کہ خط نکالا
نے آپ سدِ رہ ہیں نے چوب‌دار مانع
بولا کہ یاں چمن میں دیکھا ہے ہم نے اکثر
ہوتا ہے باغباں بھی وقتِ بہار مانع

جب موسم خزاں ہو، اڑتی ہے خاک ہر سو
تب ہوویں کیا کسی کو گرد و غبار مانع

---

(۱۰۰) نعیم

محمد نعیم متوطن شاہ جہان آباد - طبع درست و موزون داشت ، از چندے بسبب ویرانگی دہلی در اتر جھیڈی کہ موضع است متصل قصبہ آنولہ ، اسقامت داشت - قریب دو سال شد کہ بآزار استسقا در گذشت ، خدایش بیامرزاد - دیوان ضخم ترتیب دادہ (۱۱۹ الف) پارۂ اشعار او بتحریر می آید ، ازوست :

جب مر چکے تب جواب آیا
قاصد تو بھلا شتاب آیا

بتوں کی بندگی دل سے کیا کر اس کو کر جانے
اسی ہی شکل میں ہووے تو ہووے اے خدا پیدا
نعیم اپنے کو مت چھڑو میاں صاحب میں کہتا ہوں
نہیں ہوگا مرے صاحب پھر ایسا آشنا پیدا

کچھ بھید نہیں اب اس کا اے یار نہیں پایا
جب مجھ کو تو پایا ہے تلوار نہیں پایا

جو کچھ سلوک ہم سے کرے تو، سرا ہے یار
چوکے ہمیں جو تم کو نمودار کر دیا

تم جو وہ لطف و پیار بھولے ہو
اس قدر کس پہ یار پھولے ہو

ایسے کو دل کوئی بھی دے ہے نعیم
اس جگہ میرے یار بھولے ہو

کس کی ہو انتظار سچ کہو
اے مری چسمزار سچ کہو
میں بھی آوارگی میں کیسا ہوں
کیوں بھلا تو کب خار سچ کہو

بدلے میں وفا کے جور و دسنام
اے آفریں تیری منصفی کو

دم بہ دم جھڑکی اور گالی ہے
تو نے یہ کیا زباں نکالی ہے
خاکساروں کو مثل اخگر کے
وھی توسک وھی بہالی ہے

جب مانگوں ہوں میں اس سے سائل کی طرح بوسہ
کہتا ہے مجھے ہنس کر : پھر مانگ خدا دیوے (۱۰۹ ب)

دیجیے گر خیر ، خیر ، ورنہ بخیر
خوش رہو ، یہ فقیر سائل ہے

دل میں ہو ہو گداز جلتے رہے
دم بہ خود شمع وار جلتے رہے

وہ ادھر دل کو لے گیا اے نعم
ہم ادھر بیٹھے ہاتھ ملتے رہے

---

(۱۰۱) شہرت

محمد علی شہرت تخلص ، متوطن دھلی ، از شاگردان یحیی امان جرأت است ، از نسکہ شہرت دارد محتاج بہ توصیف نیست ، چند ابیات او بسمع رسیدہ ، ازوست :

دیواں دں جہاں تک مشہور ہے ہمارا
ہر خار کی زباں پر مذکور ہے ہمارا
ہیں صید ناتواں ہم، تاخیر سم ہے قاتل
گر مجھ کو ذبح کرنا منظور ہے ہمارا
رہتا ہے پاس اور وہ ٹک بیٹھتے ہی بولا:
جانے دو اب تو ہم کو گھر دور ہے ہمارا
اٹھے ہے اس کے دل سے گو جی چلا، یہ یارو
جانے کو منع کیجے ، مقدور ہے ہمارا
وہ وقت نزع بارے یوں ہاتھ مل کے بولا
اب عن قریب مردن رنجور ہے ہمارا
ٹپکے ہے خون گاہے، کہ درد سا اٹھے ہے
شہرت عجب طرح کا ناسور ہے ہمارا

ملیے جو اس بت قاتل سے تو ڈر آتا ہے
(۱۲۰ الف) اور ملیے نہ ، تو مرنا ہی نظر آتا ہے
کر کے ناخوش مجھے کوچے سے اٹھا مت ظالم
کرتے ہیں اس کی خوشی اپنے جو گھر آتا ہے

گھر سے لڑکے کو اکیلا نہیں جانے دیتے
اس لیے اسکے کے همراه جگر آتا ہے
میرے ہی گھر کی طرف اس کے قدم لڑے ہیں
میں تو حیران هوں وہ آج کدھر آتا ہے
کم نصیبی سے ملاقات نہیں ھوتی آہ
جب میں جاتا ھوں آدھر بت، وہ ادھر آتا ہے
نہیں معلوم کہ کیوں آج نہایت غمگیں
سہرت اس کوچے سے با دیدۂ تر آتا ہے

---

۱) حیران

میر حیدر علی حیران ، جوانے ست قابل ، خوش گو ، متوطن
و ۔ شاعر خوش فکر و خوش گفتگو ست از شاگردان حسرت
رو ، چند اشعار او بنظر رسیده ، ازوست :

یہ کب کہتا ہوں میں تم کو نہ اے آرام جاں جاؤ
مرا جی تک نکل لے ، پھر جہاں چاھو وھاں جاؤ
نہیں جانے کے جیتے جی گلی سے یار کی ہم تو
اگر جاوے هو تم اے طاقت و تاب و توان جاؤ
ترے کوچے کی هیرا پھیری هی میں دن گزرتا ہے
وھاں جاؤ ، یہاں آؤ ، یہاں آؤ ، وھاں جاؤ
لگا جو حال کہنے اس سے میں ، غصے سے یوں بولا
مجھے آتی ہے بس اب کہہ چکے تم داستاں ، جاؤ (۲۰۱ ب)
همیں تو عشق سے حیران نہ ٹلنا ہاں یہی دھن ہے
اگر ہے عشق میں برباد جاتا خانماں ، جاؤ

ق

کل کہا میں نے : میرے گھر چلیے
اس میں کچھ کم نہ ہوگی محبوبی
سن کے ، تیوری بدل ، لگا کہنے :
رسم و راہ ادب تو سب ڈوبی
مجھ کو کہتا ہے میرے گھر چلیے
دیکھنا اختلاط کی خوبی

---

(۱۰۳) حسن

خواجہ حسن ، از فرزندان خواجہ کمھاری نوراللہ مرقدہ ، متوطن دہلی ۔ جوانے است وجیہہ ، عالی حوصلہ ، نہایت قابل و حسن پرست ، حالا در لکھنؤ سکونت دارد ، ایں چند شعرش بنظر رسیدہ ، اینست :

آیا خیال ہوش میں ہے مجھ سے مست کا
مدہوش ہو چکا ہوں میں روز الست کا
ہر تار میں ہیں اس کے گرفتار کیسے دل
مذکور کیجیے زلف کے کیا بندوبست کا

فقط نقشہ نہیں خوب ، اس کا عالم ہی نرالا ہے
خدا نے اس کو سر سے پاؤں تک سانچے میں ڈھالا ہے
خیال آتا ہے جب تیرا تو ہم جانے نہیں دیتے
ترے ملنے کا ہم نے یار اور ہی ڈھب نکالا ہے
چمن میں دیکھ اس کی چشم ، نرگس سرنگوں ہو کر
گری تھی خاک پر لیکن عصا نے ٹک سنبھالا ہے

[اس کے بعد غالباً ایک ورق غائب ہے، اور حسن کا کچھ انتخاب یوں رہ گیا ہے

- - - - - - - نہیں شاید کہ آہ (۱۲۱ الف)

دل جگر سب بہہ چکے جو اشک آنے سے رہے
ہم نے ایسی بھی تو کچھ چوری نہ کی تھی آپ کی
بے سبب جو آپ اب ایدھر کے آنے سے رہے
آہ کس کس بے وفائی کا میاں کیجے شمار
اور تو سب یک طرف، منہ بھی دکھانے سے رہے
آگے تو کچھ کہتے بھی تھے غم، پر اس کے ڈر سے اب
حال دل بھی اپنا یارو ہم سنانے سے رہے
کس طرح سے زیست ہووے گی بھلا اے دوستو
اب تو قاصد بھی ادھر کو آنے جانے سے رہے
اس نے کس کس طرح اپنے در سے ٹالا ہم کو پر
دیکھ تو ہم بھی حسن کس کس بہانے سے رہے

---

(۱۰۴) ترساں

بہادر علی ترساں تخلص، متوطن لکھنؤ، احوالش بہ تحقیق نرسیدہ، طبع موزون دارد۔ چند ابیات او بنظر رسیدہ، ازوست :

کیا کرے کوئی کہ اس کی ستم گری کا
جس کا شیوہ ہی پڑا آکے دل آزاری کا
دیکھ کر مجھ کو دیا آج مسیحا نے جواب
اب معالج ہو خدا اس مری بیماری کا
گھر میں جو بیٹھ گیا دیکھ کے تو ترساں کو
اس سے تھا کون سا موجب تری بیزاری کا

(۱۲۱ ب) تاب و توان و ہوش و خرد سارے چل بسے
جس وقت میرے پاس سے وہ دلستاں اٹھا
تیرے ہی بیٹھنے سے ہماری ہے زندگی
اٹھ جائیں گے جہاں سے ہم، تو جہاں اٹھا

کچھ نہ جیتے جی ہی میں اے وائے غم کھاتا رہا
گور میں بھی دل کے ہاتھوں سخت دکھ پاتا رہا
آج مجلس میں بہت ترساں کو دیکھا مضطرب
اس فلک سارے کا شاید دل کہیں جاتا رہا
رات کس کا ذکر تھا ترساں کہ سن سن کر جسے
اشک سرخ آنکھوں میں تو ہر آن بھر لاتا رہا

ہم درد عظیم، ہم دوا ہو
تم حضرت عشق کیا بلا ہو
وہ جانے ہمارے غم کو ترساں
جس کا کہ کسی سے دل لگا ہو

اسی کی سب نے خاطر کی، میں دکھ رویا جہاں جاکر
کوئی سر پٹکے ایسا ہائے یارو اب کہاں جاکر
مرا جی اس کی زلفوں میں ہوا گم آج اے ترساں
اندھیری رات ہے دونوں طرف ڈھونڈھوں کہاں جاکر

بگڑی ہوئے پھر اے دل جو یار سے اب کی
تو کچھ نہ ہوگا کسی دوست دار سے اب کی

دیا تھا آگے بھی دل ، لیکن آہ چھوٹ گئی
عـنـان صبر مرے اختـیـار سے اب کی

کس نے ترساں کو تری بزم میں روتے دیکھا (۱۲۲ الف)
اس پہ ناحق تجھے طوفان اٹھاناکیا تھا

میں کہا کیا ہو جو گھر تک مرے مدھوش چلے
سن کے بولا کہ ترے گھر مری پاپوش چلے
ہم نشیں اس کو مرے ساتھ یہاں تک ہے ضد
راہ میں دیکھے کبھی مجھ کو تو روپوش چلے
درد دل کہنے کو ہم آئے تھے ترساں لیکن
دیکھ کر چیں بہ جبیں یار کو ، خاموش چلے

چاک گل کا پیرہن گلشن میں تھا کس کے لیے
صبح تک شبنم بھی روتی تھی صبا کس کے لیے
مر گیا ترساں تری دیوار کے سائے تلے
تونے کچھ جانا کہ اس نے جی دیا کس کے لیے

(۱۰۵) خورشید :

یٰسین علی خورشید متوطن سبزوار ، حالا در قصبۂ تلہر اقامت دارد دیوان ریختہ ترتیب دادہ ، این چند ابیات او کہ بہم رسیدہ ، تحریر می آید ازوست :

ہم بھی اس بزم سے اے اہل نظر جاتے ہیں
شمع ساں اب نہیں تا وقت سحر جاتے ہیں

یوں گدر اشک کو مت خاک په ڈالوکه عبث
هاتھ سے ننجۂ مژگاں نه گهر جاتے هیں
گرم رو راهِ فنا کے جو هیں اس هستی پر
دم به دم هنستے هوئے مثل شرر جاتے هیں
(۱۲۲ ب) ناله هاے جرسی کہتے هیں غافل نه رهو
هم تو اے بے خبراں کر کے خبر جاتے هیں
جو که عاشق هوئے خورسند عجب نزع میں هیں
دم میں جی اٹھتے هیں اور آن میں مر جاتے هیں

کب تلک یوں عمر بسر کیجیے
شام سے رو رو کے سحر کیجیے
دور هے خورشید کجھ اوج فلک
حسن کی مسافت نه نظر کیجیے
چاهیے تو دل میں کئی مرتبه
عشق معلوم نه گذر کیجیے

---

(۱۰۶) محشر

خواجه علی نقی متخلص به محشر، متوطن بلدۂ لکھنو، شاگرد حیران موصوف است - رسائی طبعش وصفائی فکرش از کلامش پیدا و رنگینیِ سخنش از اشکوے سخنش هویدا - این چند ابیات متفرقه او بسمع رسیده، ازوست :

شب سوز اشتیاق سے یه اضطرار تھا
سینے میں مضطرب مثل نظر بے قرار تھا
پژدل هی لسے عمر لٹی پر هوئی نه صبح
یا رب شب فراق که روز شمار تھا

اک نگہ میں مجھے غلام کیا
واہ استاد زور کام کیا
محشر اب اتنی راہ یار سے ہے
گالی دیتا ہے جب سلام کیا
اس قدر دردِ دل سے گھبرایا
موت آئی تو جی میں . . . . . کہا[1] (۱۲۳ الف)

---

(۱۰۷) نول رائے وفا . . .

موجوں کی کشمکش سے ہے ظاہر کہ دھر کی
کج طینتوں میں چلتی ہے تلوار بیشتر
دیکھا تو کہا ہے کم دلِ عاشق غمِ جہاں
سچ ہے کہ فاقہ کرتے ہیں بیمار بیشتر
رکھتے ہیں فعلِ بد کی وفا جو سیہ دلاں
پیتا ہے بادہ ورقہٗ کمار بیشتر

عشق نے کثرت سے جا کی تجھ دلِ بے تاب میں
آ بھرا دریائے آتش قطرۂ سیماب میں
سختیٔ قسمت سے جوں آئینہ کب ہوتی ہے نرم
گرچہ تانو اپنی سدا ڈوبی رہے ہے آب میں
باغ پر آفاتِ دوراں ، منزلِ غفلت نہیں
جانیے ہیں انکھڑیاں بادام کی کس خواب میں

---

[1] یہاں پھر ایک ورق غائب ہے اور آئندہ ورق سے نول رائے وفا کا انتخاب کلام شروع ہوجاتا ہے ۔

جو کہ ہمسر ہیں سو آمادۂ پیکار سدا
کہ دو ابرو میں کھینچی رہتی ہے تلوار سدا

جو کہ ہم چشم کریں ہیں سو برابر کہ تنک
عملِ مردمکِ چشم کم و بیش نہیں

آپ کو چشمِ فہم سے ٹک دیکھ
ہے تجھی میں یہ کائنات تمام
اپنی ہستی فلک ہیں کون و مکاں
ساتھ دولہا کے ہے برات تمام

خضر کو یوں رکھا محروم مے کی پاسبانی سے
مبادا کچھ بدل لے اپنے آبِ زندگانی سے
(۱۰۳ ب) نہیں معلوم لے آیا ہے کیا دولت غمِ جاناں
چونی پڑتی ہے سادی اپنے رنگِ زعفرانی سے

(۱۰۸) حسرت

مرزا جعفر علی حسرت احوالش بہ تحقیق نہ رسیدہ ، از مدتے آوازۂ سخن‌وریٔ او می شنیدم کہ در بلدۂ لکھنئو اقامت دارد و اکثر سخن طرازاں ار فیض صحبت او استفادہ کمال حاصل نمودہ ، و بعضے منکرین فکر عالیس پائمال حسرت گردیدہ ، الحال چند غزلیات او از نظر گذشتہ ، چاشنیٔ سخن از مذاق گمگویس پر ظاہر ، و در فن ریختہ بسیار پرگو و ماہر ، ازوست :

آخر ترے غم میں مر گئے ہم
بھرنا تھاجو دکھ سو بھر گئے ہم
عقبیٰ کی بھی کچھ خبر نہیں ہے
دنیا سے تو بے خبر گئے ہم
کرٹک تو اثر کہ اپنے جی سے
اے نالۂ بے اثر گئے ہم

ق

کل روتے ہوئے جو اتفاقاً
حسرت کے مزار پر گئے ہم
پڑھتا تھا یہ شعر وہ تہ خاک
بس سنتے ہی جس کے مر گئے ہم
واماندوں پہ دیکھیے کہ کیا ہو
اپنا تو نباہ کر گئے ہم

کوئی دشمن سے بھی کرتا ہے اس اسلوب سلوک
دوستی کرکے کیا ہم سے میاں خوب سلوک
مطلب اک دیکھنے سے ہے، سو نہیں دیکھیں گے (۴۲ الف)
نہ وفا آپ کی منظور، نہ مطلوب سلوک
مار بھی کھاویں گے، دسنام بھی سن جاویں گے
کہیے کیا ان میں سے ہے آپ کے مرغوب سلوک
دل دوانے کو مرے تو کہے ہے راہ پر آ
کہہ تو اے شیخ کہ کب جانے ہے مجذوب سلوک

حس دن پھری نگاہ تری ہم تمام ہیں
اپنی جو زندگی ہے سو تیرے کرم تلک

ق

حسرت ہزار رنگ سے بولا میں جھوٹ سچ
یعنی کہ نوبت آوے سخن کی قسم تلک
لیکن سمجھ کے بات کو ان نے اڑا دیا
پہنچاتے ورنہ ہاتھ ہم اس کے قدم تلک

کل کب تھے ہم سے خوس کہ نہیں ہو تم آج خوش
ہم نے تو ایک دن بھی نہ پایا مزاج خوس
بندوں کی پرورس نہیں کرتے تو یہ چلے
بیٹھے کرو تم اپنے مکاں گھر میں راج خوش
حسرت کو دردِ عسق سے مرنا قبول ہے
لیکن طبیب کا نہیں آتا علاج خوش

بھلی خو ہے تمھیں اے جان کچھ محجوب ہونے کی
ادھر کو منہ کرو یہ بھی کوئی صورت ہے سونے کی
(۱۲۴ ب) مثال اس سمع کی حس کو ہوا بھی تیز لگتی ہے
ہماری ساعت آپہنچی ہے اب خاموس ہونے کی

ہے کس کا جگر جس پہ یہ بیداد کروگے
لو دل تمھیں ہم دیتے ہیں ، کیا یاد کروگے

ترے سامنے ہو یہ دل جان کیا ہے
غضب ہے ، بلا ہے ، تری آن کیا ہے

ارے دل بتا کس ستمگر کو دیکھا
نہیں آج کچھ تجھ میں اوسان کیا ہے
کہا کرتے ہیں پھر نہ ملیے گا اس سے
پر اس سے نہ ملیے یہ امکان کیا ہے
یہ ارمان ہے تونے اتنا نہ پوچھا
کہ حسرت نرے دل میں ارمان کبا ہے

یہ رنگ اللہ اے وائے، یہ کیا زندگانی ہے
کہ جس کے پاؤں پڑتے ہیں اسی کو سرگرانی ہے
ملا ہے جاکے اے حسرت تو اس خون خوار ظالم سے
مجھے افسوس آتا ہے کہ تیری نوجوانی ہے

مجھ کو تجھ سے خدا جدا نہ کرے
میں ہوں مجھ سے جدا، خدا نہ کرے
تم جو کہنے ہو کہہ دو حسرت کو
آہ و فریاد یاں کیا نہ کرے
آپ کا اس میں کیا بگڑتا ہے
دردِ دل کی کوئی دوا نہ کرے

رونے کی جو حد تھی یارو روچکے
یاں تلک روئے کہ آنکھیں کھوچکے
سوگواروں کو کہاں آتی ہے نیند (۱۲۵ الف)
ہم نشیں تو جاکے سو، ہم سوچکے
چھوڑیے ہٹ، صبح تو ہونے لگی
جان یہ جھگڑا کہیں اب ہوچکے

دل ہے حاضر، جان تک بھی نہیں دریغ
بوسے کی قیمت لو ہم سے جو چکے

جگر سوزاں ہے، دل بے تاب ہے اور چشم گریاں ہے
الٰہی دن ہے میری موت کا یا شامِ ہجراں ہے
یہ کس کی نعش جاتی ہے کہ جس کے ساتھ اے گردوں
غم و درد و الم، فریاد و افغاں، مرثیہ خواں ہے

بدن کو، جان کو، دل کو، جگر کو آگ لگی
غمِ فراق مرے گھر کے گھر کو آگ لگی
دھواں بلند ہوا میری آہ کا شب کو
پکارے اہلِ محلہ کدھر کو آگ لگی

تمہیں عالم سے کم فرصت رہے، ہم غم سے کم خالی
غرض اب ہوچکا ملنا، نہ تم خالی نہ ہم خالی

ہوئے ہیں بت کے بندے، برھمن سے راہ کرتے ہیں
حرم کے رہنے والو! تم سے عشق اللہ کرتے ہیں

کیا جانیے دل کا حال کیا ہو
بے تابیٔ دل، ترا برا ہو

ق

مرتا ہوں میں ہجر کے الم سے
ایسا کوئی بندۂ خدا ہو

گر اس کو ملا دے مجھ سے، اس کا
دونوں ہی جہان میں بھلا ہو

کیوں نہیں بہے ہیں آنسو چشم تر کو کیا ہوا (۱۲۵ ب)
ہوگیا دریائے خوں میرے جگر کو کیا ہوا
ایک سے ایک اس زمانے میں ہے اس سے خوبرو
کوئی خوش آتا نہیں ، میری نظر کو کیا ہوا

اس زلف میں جا وفات پائی
اس دل نے عجب ہی راہ پائی

پٹکیے دو مجھے سر اس کے آستانے سے
خبر کروں ہوں میں اپنی اسی بہانے سے
مثال نقشِ قدم یاں سے اٹھ نہیں سکتے
تری گلی میں نہ جانا بھلا تھا جانے سے
تسلی ہے دلِ بیمار کو ترے باعث
خدا کے واسطے مت اٹھ مرے سرہانے سے

عبث نرما کے مت کر ذبح کافر اس مسلماں کو
خدا کے واسطے رکھ دے گلے پر تیغِ برّاں کو
گھڑی، پل، آن، ساعت، رات دن مذکور ہے تیرا
بھلایا یاد نے تیری ہمارے دل سے نسیاں کو

نازک دلوں کے زخم کو مرہم کبھی نہ ہو
پیراہنِ حباب پھٹے تو رفو نہ ہو

تجھ کو ہے گر قتل کی چاہ
حاضر ہوں میں ، بسم اللہ !
برائے رعایت بسم اللہ ، لفظ ذبح بجائے قتل بہتر است :
حسرت اس کی وہ جانے
اپنی طرف سے کیجے نباہ

(۱۲۶ الف) نہ کر اب بوسہ دینے میں تو تکرار
ہمیں ہے لعل شکر بار کا شوق
دمِ آخر اسے دیتے ہیں ظالم
چلے جس چیز پر بیمار کا شوق

نبض نہ دیکھ اے طبیب ، ہاتھ لگا اور موا
میری تو وہ شکل ہے ، آہ چھوا اور موا

خدا حافظ ہے ، کیوں مجلس میں اس کا نام آیا تھا
تڑپنے سے مرے دل کو ابھی آرام آیا تھا
وفا سمجھا تھا میں پر دل کو لیتے ہی نہ ٹھہرا وہ
جو دیکھا تو غرض اپنی کو وہ خود کام آیا تھا
فلک اک دم بھی تو نے وصل کی شب کو نہ ٹھہرایا
یہ ساری عمر میں تجھ تک ہمارا کام آیا تھا
نہیں معلوم کیا ہے جو سحر تک شمع رویا کی
کچھ اپنا حال پروانہ سنانے شام آیا تھا
اجل منت تری کیا ہے وہ ابرو جب سے دیکھی ہے
اسی دم سے ہمیں تو مرگ کا پیغام آیا تھا

باغ میں جاکر تو نے ظالم ، حسن سے قد اور عارض کے
گل اور بلبل ، سرو اور قمری سب کا کام تمام کیا
لیلیٰ اور مجنوں بندے ہیں تیرے، چاکر ہیں محمود و ایاز
عاشق اور معشوق کو میاں تیں ایک نگہ میں غلام کیا
گاہ سفیدی چشم کی دیکھی ، بخت کی گاہے تاریکی(۲۶ ا ب)
شام کو میں یوں صبح کیا اور صبح کو میں یوں شام کیا

---

(۱۰۹) بقا

شیخ بقا اللہ بقا تخلص ، موطن ماً لکھنئو ، جوانے ست قابل ، صاحب استعداد کامل ، نہایت برگو و خوش گفتگو است ۔ حالا در بلدۂ لکھنئو کوس سخن وری می نوازد ۔ دیوان ہندی ترتیب دادہ انچہ اشعارش بزبانی بعضے اعزاء سمع رسیدہ بتحریر آورد ، ازوست :

جب کرے دختر رز جلوہ گری شیشے میں
پانی پانی ہو خجالت سے پری شیشے میں
صاف تر شیشۂ دل سے ہے ہر اک اس کا حباب
مے بھی کرتی ہے عجب شیشہ گری شیشے میں
مے کشی غیر کی محفل میں جو کرتے ہو تو یار
با خبر رہیو کہ ہے بے خبری شیشے میں
گرمیٔ مے سے پڑے آبلے یوں دل میں بقا
جس طرح ہوویں حبابِ جگری شیشے میں

تھے ہم استادہ ترے در پہ ، ولے بیٹھ گئے
تو نے چاہا تھا کہ ٹالے ، نہ ٹلے ، بیٹھ گئے

گھر سے نکلا نہ تو اور منتظروں نے تیرے
در پہ نالے کیے یاں تک کہ گلے بیٹھ گئے
اشک اور آہ کی شدت ہے وہی گرچہ بقا
(۱۲۷ الف) گھر کے گھر اس میں ہزاروں کے جلے بیٹھ گئے

سیلاب سے آنکھوں کے رہے ہیں خرابے میں
نگری[1] جو مرے دل کی بسی ہے دو آبے میں

یہ رخِ یار نہیں زلفِ پریشاں کے تلے
ہے نہاں صبحِ وطن شامِ غریباں کے تلے
آہ کی برق جو سینے میں چمکتی دیکھی
طفلِ اشک آئے چھپے دامنِ مژگاں کے تلے
نہیں ملنے کی بقا ہم کو بجز کنجِ مزار
جائے آسودگی ، اس گنبدِ گرداں کے تلے

سیلابِ اشک اپنا گر سر بہ اوج مارے
طوفانِ نوح بیٹھا گوشے میں موج مارے

وہ گل اندام اگر صرفے[2] سے ٹک ناز کرے
کام لے زلف سے ، کاکل کو پس انداز کرے

مری چشم سے کیوں نہ خونناب اترے
کہ البتہ دریا میں سرخاب اترے

---

۱ - دریا کے کنارے کی بستی کو نگری کہا جاتا ہے ۔
۲ - صرفہ بمعنی کفایت شعاری ۔

غم سے کیوں کر دل کے جیب چاک کا پیولد ہو
اب یہ دیوانہ ، الٰہی ! خاک کا پیوند ہو

کیوں نہ شکوے میں وہ زخم یار منہ کھولے رہے
جس کا خوں پیکاں پیے، سوفار منہ کھولے رہے
دیدۂ تر چھٹ چواوے کون اس کے منہ میں آب
نزع کے دم گو ترا بیمار منہ کھولے رہے

جب دل صد چاک تیرے عشق سے ہم خانہ تھا
کوچہ ہائے زلف میں شبگیر مثل شانہ تھا (۱۲۷ب)
نوبت اب اس بت سے پہنچی نامہ و پیغام تک
جس سے نت خلطہ تھا مجھ کو اور باہم یارانہ تھا
آہ کانوں سے سنا اس کو جو تھا منظور چشم
چشم سے دیکھا جو کانوں کے لیے افسانہ تھا
ہم نفس کوئی نہ دیکھا بے کسی کے دن بقا
آشنا صورت مگر اک معنیٔ بیگانہ تھا

شب گذری اب اے سحر کے نالو
پھر چرخ پہ برچھیاں سنبھالو
گر قتل کیا بقا کو خوباں
تو منہ سے یہ بات مت نکالو
پنہاں ہی بھلا ہے خون عاشق
جانے دو ، اب اس پہ خاک ڈالو

وہ انگارا ہے پہلو میں دلِ بےتاب آتش کا
کہ دیکھے سے جسے ہوجائے زہرہ آب آتش کا
دلِ بےتاب چھٹ اپنے کہ سوزِ غم سے خوگر ہے
نہ دیکھا ہم‌نشیں ہوتے کہیں سیماب آتش کا

قصیدۂ در تتبع قصیدہ مرزا رفیع السودا گفتہ ، چند ابیات او نوشتہ می شود :

جب مری چشم گئی نیند سے کل رات جھپک
جاگ اٹھے طالعِ خوابیدہ ، لگاتے ہی پلک
خواب میں آئی نظر مجھ کو وہ اک غیرتِ حور
(۲۸ ، الف) حور بھی دیکھ کے ساید جسے رہ جائے بھچک
زیبِ تن تھا نہ فقط اس کو لباسِ تن زیب
سر سے تھی وہ زر و زیور میں چھپی پاؤں تلک
عضو عضو اس کا ہر اک خوبی و رعنائی میں
ایک سے ایک زیادہ تھا ، جو کی غور تنک
مانگ وہ جادۂ ظلمت کہ سکندر جس میں
جا کے یک چند رہا نور کی صورت کو بھٹک
من تو کالے کا وہیں دم میں دیا سا بجھ جائے
دیکھے عارض پہ جو اُس طرّۂ مشکیں کی لٹک
جا چھپا زیرِ زمیں ، عہد میں اس کاکل کے
چھوڑ کالے کا ہرن خوف سے راجا باسک
گوش یوں زلف میں لگتے تھے صدف کو جس طرح
لبِ دریا سے لگا دیتی ہو لہروں کی چھلک
رنگِ پاں اس کے گلے بیچ یہ رکھتا تھا نمود
مے کی معلوم ہو جوں گردنِ مینا سے جھلک

کیا کروں اس کی میں اب نازکیٔ دل کا بیاں
پاپ کھڑکے تھا تو وہ خوف سے جاتی تھی جھجھک
جب نظر اس کے دو پستاں سے کمر تک پہنچی
اس کی انگیا کو یہ سمجھا میں بلا شبہ و شک
ٹوبیاں آنکھ پہ دے دی ہیں وگرنہ یہ کمر (۱۲۸ ب)
کرتی صید دل عشاق پہ چیتے کی لپک
ناف ایسی تھی کہ جوں چھپ کے کوئی غیرتِ حور
کھول پردے کو ذرا سا، رہے اک آنکھ سے تک
فندقِ پا تھی کہ سجدے میں وہاں عاشق کی
چشمِ پر خوں سے گرے دانۂ یاقوت ڈھلک
سرخی ان میں یہ قیامت کہ بنِ سرو کے بیچ
جس طرح بیربہوٹی رہے آتش سی دھک

قطعہ در ہجو میر تقی و سودا گفتہ

عیب ہے گرچہ کثرت یک لفظ
سخنِ فارسی سے تا ہندی
پر جدا ہے تمام عالم سے
وضعِ سودا و طرزِ میر تقی
یعنی واں لفظ 'تو' ہے پر کن شعر
'ھی' سے یاں پر کلام کی بھرتی
کھول دیوان دونوں صاحب کے
ہم نے جس دم بقا زیارت کی

شعر سودا و میر کے دیکھے
وے تو توتو کریں ہیں یہ ہی ہی

---

(۱۱۰) جرأت[1]

شیخ قلندر بخش جرأت متوطن شاہ جہان آباد ، خطاب امانی از قدیم الایام دارند ، چنان چہ محلہ رهٹی اماں[2] (کذا) بہ اسم اجداد ایشان مشہور است ، از شاگردان رشید حسرت موصوف است ۔ جوانے است خوش خلق (۱۲۹ الف) و قابل و نہایت اهل درد ۔ انداز سخنش پہلو بہ پہلو با استاد دم می زند ۔ این چند ابیات او کہ بہم رسیدہ ، دال بر خوش گفتگوئی اوست ، ازوست :

درد دل سے تو میں کس رات پکارا نہ کیا
نہ کیا میری طرف تونے گذارا نہ کیا
اب جو آتا ہوں تو محمل سے اٹھاتے ہو بھلا
دور ہی سے مجھے کیوں تم نے اشارا نہ کیا
آ لگے گور کے اس غم سے کنارے ہم تو
تو بھی غیروں سے میاں تم نے کنارا نہ کیا
کوئی شب ایسی نہ گذری کہ ترے بن جرأت
در و دیوار سے سر اپنے کو مارا نہ کیا

رونا آتا ہے ہمیں رونے پر اپنے یارو
یاں تلک روئے کہ آنکھوں کو بھی رو بیٹھے ہم

---

۱ ۔ جرأت کا نام قلندر بخش تھا اور اُن کے والد کا نام یحییٰ اماں تھا ۔ قدرت اللہ شوق نے باپ کے نام میں بیٹے کا تخلص جوڑ دیا ہے ۔

۲ ۔ محلہ رائے مان ہونا چاہیے جو اب دہلی میں کوچہ رحمان کہلاتا ہے ۔

نہ ملا عشق کے دریا کا کہیں تھل بیڑا
پہلی ہی موج میں گھر بار ڈبو بیٹھے ہم

کھینچ کر مانی و بہزاد بہم اک تصویر
یہ کہیں دل میں کہ ہم خوب بنایا یوسف
جب ترے سامنے آویں تو کہیں آپس میں
ہم غلط سمجھے تھے، اس شکل کا ہوگا یوسف

دل ہم نے دیا ہے تجھے دلدار سمجھ کر
ٹک تو بھی اسے دیجیو آزار سمجھ کر
اس بزم میں تو شمع کا رونے پہ کٹا سر (۱۲۹ ب)
تو روئیو اے دیدۂ خوں‌بار ! سمجھ کر
آزار کا جرأت میں بہانہ کروں، شاید
یاں آوے عیادت کو وہ بیمار سمجھ کر

اس دلِ بے‌تاب کو، آہ نہیں کل کہیں
مجھ کو پھرے ہے لیے، آج کہیں کل کہیں

یک بار عقل و ہوش کا اب ڈھنگ اڑ گیا
اڑ جائے عشق جس سے سبھی ننگ اڑ گیا
محظوظ سیر باغ سے تو ہووے کس طرح
گلشن میں گل کا دیکھ تجھے رنگ اڑ گیا

بارے کل ہنس کے کہا یار نے ہم کو جرأت
اپنا بتلا تو ٹک اک نام ہمیں بھول گیا

مری نعش پر اس کو مت لائیو
عزیزو ! وہ ہے طفل ڈر جائے گا
یہی درد و غم ہے تو جرأت کو خیر
اگر شام نہیں تو سحر جائے گا

یوں ترے کوچے میں ہم اور دل زار ملے
حوں دل افگار سے اک تازہ دل افگار ملے
جان و دل پرسشِ احوال کو یوں کرتے تھے
آہ بیمار سے جیسے کوئی بیمار ملے
دوستو ! اس لیے دن اٹھ کے سفر کرتا ہوں
کہ پھر آؤں تو گلے سے مرے دلدار ملے
(۳۰ الف) ٹک تو کر رحم ترے کوچے میں جو بیٹھے ہیں
ان بچاروں کے میاں خاک میں گھر بار ملے
آج اس طرح سے جھڑکا کہ پھر اس سے جا کر
کچھ بھی غیرت ہو جو دل کو تو نہ زنہار ملے
ایک دم خواب کی صورت نہ کبھی دیکھی ہائے
ایسے جرأت بہ ہمیں دیدۂ بیدار ملے

دوستو ! سانس بھی لینا ہوں میں دشواری سے
حال یہ کچھ ہے مرا ، عشق کی بیماری سے
ہر قدم پر ہیں ترے دشمنِ جاں سیکڑوں واں
جرأت اس کوچے میں جانا تو خبرداری سے

اے دوستو! سنو تو کچھ بھی وہ بولتا ہے
مذکور کچھ ہمارا جب اس کے ہاں چلے ہے

گلی میں اس کی لے چل ہم‌نشیں اب
نہیں لگتا ہے دل میرا کہیں اب
فسانوں میں سنا ہے حسنِ یوسف
ہمارے دور میں تو ہے حسیں اب
گذشتہ خواب ، آیندہ خیال است
غنیمت کہہ ہے تو اے نازنیں اب

یاں فوجِ غم جو ٹوٹ پڑی آن کر تمام
تاراج کردیا مرے دل کا نگر تمام
اب جوں چراغِ صبح کوئی دم کے ہیں سو آہ
اودھر اٹھا وہ اور ہوئے ہم ادھر تمام

(۱۳۰ ب) کہیے اس کو تو کون مانے ہے
دل کی حالت خدا ہی جانے ہے

ق

دم نکلتا ہے سکوہ کر لبویں
کیا ہوا گر برا وہ مانے ہے
دل میں آوے جو کچھ سو کہتا ہے
اپنا مرنا جو دل میں ٹھانے ہے
فی‌الواقع هرکه دست از جان بشوید هرچه در دل آید بگوید :

جرأت اس کے نہ پوچھ جور و ستم
جی ہی جانے ہے ، جی ہی جانے ہے

ہم کچھ اسیر ہوتے ہی خاموش ہوگئے
سب چہچہے چمن کے فراموش ہوگئے
مثلِ ہلالِ عید ہم آغوشی کو تری
ہم تو تمام صورتِ آغوش ہوگئے
جرأت ہمیشہ کہتے تھے دیکھیں گے ہم اسے
آمد ہی اس کی دیکھ کے بے ہوش ہوگئے

ساقیا ! دیوے ہے کیا تو بادۂ گلگوں مجھے
خون پلاوے گا یہ دل اور دیدۂ پر خوں مجھے
سر کو ٹکرا کر ترے در سے کسی دن مر رہوں
ان دنوں میں اب یہ سوجھا ہے نیا مضموں مجھے

ہے یہی بہتر اٹھاوے تو نہ چہرے سے نقاب
گو نہ دیکھوں میں تجھے، پر غیر کم دیکھا کریں

خدا نا کردہ گر اس بت سے اور مجھ سے لڑائی ہو
نہ ہووے صلح پھر ، گر درمیاں ساری خدائی ہو

(۱۳۱ الف) دامن کو کیا تر ، ترے رونے کے لہو نے
جو رنگ دکھایا مجھے اے چشم ! سو تو نے
تھا زلف میں دل ، آتے ہی خط جی بھی پھنسا آہ
جرأت یہ مثل وہ ہے کہ ہم رنگ کے دو بے

آہ کرنے کی بھی طاقت ہمیں ہیہات نہیں
آہ کیا کیجیے دم مارنے کی بات نہیں
وصل کی رات مرا جی ہی نکل جاتا ہے
جب کہ آواز یہ آتی ہے کہ اب رات نہیں

جو اس گلی میں کسی آشنا کا گھر ہوتا
اسی بہانے سے تو اپنا واں گذر ہوتا

یار کا آستان پایا ہے
زور دل نے مکان پایا ہے
جی سے مارا ہے پیر چرخ نے آہ
مجھ سا جو نوجوان پایا ہے

کوئی شکل ایسی ہو ہم دم کہ جو اب پہلو میں آہ
درد ہی تھم تھم کے ہو وے ، گذرے ہم آرام سے

دیکھ کر کل لیلیٰ و مجنوں کی وہ تصویر کو
اپنے تئیں دیکھے تھا گہ اور گاہ مجھ دل گیر کو
ف
میں کہا ، دیکھے ہیں میں نے خواب میں ابروے یار
دوستو ! مجھ سے کہو اس خواب کی تعبیر کو
آہ اس مذکور کو سنتا تھا وہ قاتل کہیں
آن پہنچا سر پہ میرے کھینچ کر شمشیر کو

ہم کو معلوم ہے دھج ہم پہ نہ اے یار بدل
اب ہوا ہے کسی بانکے سے تو دستار بدل[1]

(۱۳۱ ب)

شکوہ کیا کیجے ناتوانی کا
کھو دیا لطف زندگانی کا
دے گیا جلتے وقت دل پر داغ
میں تو بندہ ہوں اس نشانی کا

ق

کہتے کہتے فسانہ جب لایا
ذکر میں اپنی خستہ‌جانی کا
سنتے ہی بول اٹھا وہ عیار
پھر سرا کھیے اس کہانی کا
اب تو سب کی زباں پہ ہے جرأت
ذکر اس تیری خوش زبانی کا

یوں رکھے تو اپنا زانو ناکساں کے زیرِ سر
اور نہ ہووے سنگ بھی مجھ ناتواں کے زیرِ سر
ہائے حس بلبل کی کل گلسن میں دھومیں تھیں سو آج
ہے پروں کا اس کے تکیہ باغباں کے زیرِ سر
دیکھ کس عالم سے سوئے ہیں ترے کوچے میں لوگ
اپنا اپنا ہاتھ ہے ان خفتگاں کے زیرِ سر

ہو ابر خجل دیدۂ گریاں کے آگے
دم مارے نہ رعد اس دلِ نالاں کے آگے

---

۱ - دستار بدل ہونا ، رسم مواخات ہے - عورتیں سہیلی بنانے کے لیے اوڑھنی بدلتی تھیں اور مرد دستار بدل لیا کرتے تھے -

سن در پہ خبر ان نے جو گھر میں نہ بلایا
شرمندہ ہوا سخت میں دربان کے آگے
جاتا تھا کہیں جلد ، پر آیا جو نظر میں
ہرگز نہ بڑھا وہ مجھے پہچان کے آگے
سج اپنی بنا آتے ہیں خوبانِ جہاں ، پر
اوچھے نظر آتے ہیں تری شان کے آگے

دم آخر مری بالیں پر آؤ گے تو کیا ہوگا
میاں صاحب جو دو آنسو بہاؤ گے تو کیا ہوگا (۱۳۲ الف)
ابھی ہم جاؤں جاؤں کہتے ہو اور جی نکلتا ہے
مجھے یہ سوچ ہے یاں سے جو جاؤ گے تو کیا ہوگا
ابھی باتیں ہی ہیں اور دست و پا پھولے پڑے یارو
یہ دھڑکا ہے جب اس گلرو کو لاؤ گے تو کیا ہوگا
یہ حالت ہے کہ کہہ اٹھتا ہوں بھولے سے رقیبوں کو
کوئی دم اور اس اچپل کو بٹھاؤ گے تو کیا ہوگا

آنکھیں لڑا کے پہلے پھر منہ چھپا لیا ہے
کس کس ادا سے ان نے دل کو لبھا لیا ہے
رنگ حنا جو میرے ہاتھوں سے اڑ چلا ہے
یہ رنگ رو کا میرے نقشہ اڑا لیا ہے
بولا وہ در پہ میرے آہوں کی دیکھ دھونی
یہ بھی عجب طرح کا کوئی جلالیا[1] ہے

---

۱ ۔ جلالی کی تصغیر باضافۂ الف ۔

اب بتا دل میں ترے اے بتِ عیّار ہے کیا
بولتا کیوں نہیں ، دل لے کے تو بیزار ہے کیا
ہمدموں سے مرے پوچھے ہے وہ ہو کر انجان
کیوں کراہے ہے یہ اس طرح سے بیمار ہے کیا ؟
طرفہ تر بات یہ سنتا ہوں کہوں کس سے کہ یار
میرے ساتھ اس بتِ عیّار کی گفتار ہے کیا
دیکھ روتے مجھے پوچھے ہے وہ آپھی ہنس کر
دوست دل جس کو دیا ہے وہ ستمگار ہے کیا (۱۳۲ب)

یوں رکھا بختِ سیہ نے ہم کو اس محفل سے دور
جیوں مسافر وقتِ شب رہ جائے ہے منزل سے دور

خبر ہے تجھ کو بھی کچھ کوئی اپنی جاں کھوتا ہے
ذرا تو او انیندے چونک ، تو کس نیند سوتا ہے

کس سے کہوں بھلا میں برائی نصیب کی
دل لگتے ہی فلک نے جدائی نصیب کی

جگر پہ مجھ سے سیہ بخت کے ہے داغ ضرور
کہ چاہیے شبِ تاریک میں چراغ ضرور

ہم سے یوں چھپ چھپ کے جانا غیر کے گھر چھوڑ دو
سنتے ہو جاناں ! نہیں یہ حال بہتر ، چھوڑ دو
کیا کہوں بیمار کی تیرے کہ جتنے ہیں طبیب
سب یہ کہتے ہیں کہ اب اس کو خدا پر چھوڑ دو

هاتھ اس کا هاتھ آتا هے کبھی تو کیا کہوں
کس ادا سے مجھ کو کہتا هے وہ دلبر : چھوڑ دو !
ایسے بے رحموں کے مجھ کو دام میں لایا هے چرخ
کوئی یوں کہتا هے اس کو توڑ کر پر چھوڑ دو
اور کوئی بے درد کہتا هے یہ بے دردی سے بات
گر تماشا دیکھنا هے ، ذبح کر کر چھوڑ دو

صوتِ بلبل دلِ نالاں نے سنائی مجھ کو
سیرِ گل دیدۂ تر خوں نے دکھائی مجھ کو (۱۷۳ الف)
نار اٹھاے تو بتوں کے مجھے لگتے هیں بھلے
اس میں گو سمجھے ترا ساری خدائی مجھ کو
اس سے پوچھا جو مرا حال تو سرما کے وہ شوخ
بولا : معلوم هے کیا بات پرائی مجھ کو
یوں تو سب پر هے بہ ظاهر نگہِ خشم اس کی
لیک باطن میں یہ هے چشم نمائی مجھ کو
خانۂ یار کے گرد آٹھ پہر پھرتا هوں
بے قراری نے تو یہ چال سکھائی مجھ کو
وصل میں جس کے نہ تھا حین سو جرأت افسوس
وہ گیا پاس سے اور موت نہ آئی مجھ کو

ترکِ چشم مست قاتل کے پر از جادو هیں دو
کیوں کہ دل جاں بر هو ان سے ایک کی دارو هیں دو

جوں بوے گل چمن میں ہوئے ہم تو کیا ہوئے
ٹک بھی ہوا نہ کھائی کہ ووھیں ہوا ہوئے

چلا بغل سے مرا دل بھی جی گنوانے کو
رھا نہ کوئی ترے پاس دکھ بٹانے کو

ہر رنگ میں گر ہم کو وہ جلوہ نہ دکھاتا
تو گلشنِ ہستی کا کوئی رنگ نہ بھاتا
تا زیست رہے روتے ہی ہم مثلِ گلِ سمع
یک دم کے لیے کاس یہ گردوں نہ ہنساتا
سررشتۂ الفت سے سروکار ہے ہم کو
نے کوئی ہمارا ، نہ کسی سے ہمیں ناتا

(۳۳ ب) رتبہ گلِ بازی کا دلا ، کاش تو پاتا
ہاتھوں سے جوگرتا تو وہ آنکھوں سے اٹھاتا
تنہائی پر اپنی ہوں نپٹ سشدر و حیران
آنے کا جو ہے نام تو رونا نہیں آتا
بے صبریٔ دل سے نہ ہوا اس کا ظہور آہ
میں اس لیے روٹھا تھا کہ وہ مجھ کو مناتا
دیتا تو مجھے کاش فلک رتبۂ قلیان
تو مجھ کو وہ دمباز مرا منہ تو لگاتا

ضعف سے بارے میں اس پیارے کا میں پیارا ہوا
دیکھ حیرت سے مجھے کیا محو نظارا ہوا

یوں قمار عشق سے ہم اٹھ چلے ہاتھ اپنے جھاڑ
گھر کو جاتا ہے جواری جس طرح ہارا ہوا
گنبدِ گردوں اندھیری کوٹھری لگنے لگا
ٹک مری آنکھوں سے جب اوجھل وہ مہ پارا ہوا
جب چلا روٹھ اس سے میں جرأت تو چپکے سے کہا
کوئی جا سکتا ہے یاں سے، یہ تو ہے مارا ہوا

میرے اور اس کے جو پوچھو ربط کیا کیا کچھ نہ تھا
پر دل اس کا دھر گیا ایسا کہ گویا کچھ نہ تھا
میں یہ سمجھا تھا کہ سمجھا ہے مری کچھ کچھ وہ قدر
لیک اب سمجھا تو سمجھا میں کہ سمجھا کچھ نہ تھا
کچھ بہت تم تو ہنسے مرتے کسی عاشق کو دیکھ
یہ تو تھی[1] . . . .

. . . . شرم سے
جرأت حجاب کیوں ہے یہ اس نام سے مجھے

بچے واں جان کیوں کر نت جہاں تیغ آزمائی ہو
وہی اس کی گلی میں جائے جس کی موت آئی ہو
ترے کہنے سے تو واں جاؤں میں لیکن غضب ہووے
اگر یہ بات اے پیغام‌بر تو نے بنائی ہو
ابھی آئے ہو، کیوں پیارے بہانہ کر کے اٹھتے ہو
نہیں میں چاہتا تھا مجھ میں اور تجھ میں جدائی ہو

---

۱ - یہاں پھر اسحاب کلام جرأت کا غالبا ایک ورق غائب ہو گیا ہے۔

عبث انگڑائیاں لے لے کے کیوں ملتے ہو آنکھوں کو
بھلا یہ بھی تو گھر ہے ، سو رہو گر نیند آئی ہو

ہے کس کے قتل کا تو قاتل خیال باندھے
نکلا جو گھر سے باہر تلوار و ڈھال باندھے
تیر و کماں لیے ہے صیاد کوئی کہہ دے
بلبل اب آشیانہ ٹک دیکھ بھال باندھے
ہو جس کا ناخن پا رشک ہلال یارو
ابرو کو اس کی جرأت کیوں کر ہلال باندھے

بلبل سی نہ کیوں کی قفس میں چمن کی بات
آوارۂ وطن کو لگے خوش وطن کی بات
مت پوچھ حال اپنے تو بیمارِ عشق کا
ہونے لگی اب اس کے تو گور و کفن کی بات
سر دیجے راہِ عشق میں پر منہ نہ موڑیے
(۱۳۴ ب) پتھر کی سی لکیر ہے یہ کوہ کن کی بات

اگر بجائے لفظ لکیر 'پتھر کی لیک ' می شد ، ایں لفظ حکم کوہ کنی می کرد و در دل نقش کالحجر می شد ۔

آنکھوں میں اپنی اشک جو گل رنگ آ گئے
اس میں بھی تیرے رنگ کا جلوہ دکھا گئے
ہم تو تمھارے تابع فرماں ہیں مہرباں
جس وقت آپ نے ہمیں منہ سے کہا گئے

جرأت غزل اک اور بھی کہہ اس زمین میں
اشعار جاں گداز مجھے یاد آ گئے

رھنے کی جا جہان میں ھم خوب پا گئے
جوں درد اھلِ درد کے دل میں سما گئے
ھم گلشنِ جہان میں جوں آتشیں انار
اک دم کی زندگی کا تماشا دکھا گئے

کیوں اٹھ چلا جہاں سے دل زار کیا ہوا ؟
بیٹھے بٹھائے تجھ کو یہ آزار کیا ھوا ؟
اے شوخ تیرے کوچے میں دل نام اک جواں
ہر دم کراھتا تھا ، وہ بیمار کیا ھوا ؟
آوارہ کس قدر ھوئے اسک آہ دل بغیر
اے چشم اس سپہر کا سبردار کیا ھوا ؟
کوچے میں اس کے میں جو کراھا تو بول اٹھا
کیا جانے اس مریض کا گھر بار کیا ھوا

رخ جو پردے سے مرے رشکِ قمر کا نکلا (۱۳۵ الف)
نہیں معلوم کہ یہ چاند کدھر کا نکلا
اٹھ گیا بزم سے دامن کو وھیں جھاڑ کے وہ
ذکر باتوں میں جو مجھ خاک بسر کا نکلا
اشک کا طفل بھی ہے دل کی طرح خانہ خراب
یہ بھی آوارہ اسی کے کوئی گھر کا نکلا

نہ جی کو دل کی خبر ہے، نہ دل کو جی کی خبر
ترے بغیر کسی کو نہیں کسی کی خبر
وہ شکل دیکھتے ہی محو ہو گیا ایسا
نہ اس کو اپنی خبر ہے ، نہ آرسی کی خبر
وہی ہے رافضی و خارجی سن اے جرأت
نہ ہووے جس کے تئیں رتبۂ علی کی خبر

چمن میں کس کے آنے کی ہے شادی کون آتا ہے
کہ ہر یک نخل شبّو کا جو شہنائی بجاتا ہے

چین اس دل کو نہ اک آن ترے بن آیا
دن گیا ، رات ہوئی ، رات گئی ، دن آیا

تفرقہ ایسا بھی کم دیکھا ہے اے ہمدم کہیں
جی کہیں ہے ، دل کہیں ہے ، وہ کہیں ہے، ہم کہیں

جو کوئی اس کا نام لیتا ہے
پھر وہی مجھ کو تھام لیتا ہے

آخر اس کی بزم سے ہم شمع ساں اٹھ جائیں گے
صبح تک جلتے ہیں پھر گریہ کناں اٹھ جائیں گے
اے دلِ نالاں ! ذرا چپ رہ خدا کے واسطے (۱۳۵ب)
پاس سے ہمسائے سن کر یہ فغاں اٹھ جائیں گے
ہم بھی اس باغِ جہاں میں شب کی شب مہماں ہیں
مثل شبنم صبح کو گریہ کناں اٹھ جائیں گے

مت خفا ہو بیٹھنے سے ایک دم کے اس قدر
ٹک تمھیں ہم دیکھ کر اے مہرباں اٹھ جائیں گے

———

رباعی

کیا کہیے کہ دل پر اپنے کیسی گزری
گزری اے یار اس پہ جیسی گزری
پر دفن کیا ہے کل سے وہ کشتۂ زلف (کذا)
جا آج تو پوچھ رات کیسی گزری

———

آرام نہیں ہے زندگانی میں مجھے
ہر دم گزرے ہے زندگانی میں مجھے (کذا)
جوں لالہ بغل میں ہے دل پر خوں آہ
کیا داغ لگا ہے نوجوانی میں مجھے

———

۱۱) طرز

گردھادی لعل طرز ، قوم کایتھ ، متوطن شاہ جہاں آباد ، از گردان محمد قائم موصوف ـ طرز علیحدہ دارد ـ یک رباعی او بسمع یدہ ، ازوست :

کھا زلف میں بل نہ گوشوارہ ٹوٹا
کیا جانیے کس کا دل بچارا ٹوٹا
دھڑکے ہے گا جی کہ اب خدا خیر کرے
اس رات میں بے طرح ستارا ٹوٹا

———

(۱۱۲) قوت

احمد علی قوت تخلص، متوطن لکھنؤ است، دیگر بر حسب و نسب او (۱۳۶ الف) اطلاع ندارم - این چند ابیات او بنظر رسیده، از اشعارش قوت سخن معلوم می شود، ازوست:

هم نہیں واقف کہ کیا الفت کی رسم وراہ ہے
رحم لازم ہے کہ ظالم اپنی بہلی چاہ ہے

جی لڑ گیا ہے اس بت پر فن شریر سے
ہے قتل عام جس کی کہ چتون شریر سے
کیا خاک روز وصل ہو پھر مدعا حصول
ہوتی ہے بات بات میں ان تن شریر سے
قوت چھڑاؤں کیوں کے کہ دل لگ گیا مرا
اک سوخ بے نظیر سے، پر فن شریر سے

---

(۱۱۳) تسکین

تسکین خان تسکین تخلص، از خواجه سرایان سرکار وزیرالممالک آصف‌الدوله موصوف است - ذهن ذکا و طبع رسا و فهم بجا دارد و تلاش معنی تازه و الفاظ رنگین چنان می کند که دل و جان را تسکین تام حاصل سود، این چند ابیات اوست:

انداز فغاں کا مری، بلبل نے اڑایا
نقشے کو نزاکت کے تری گل نے اڑایا
کیا کہیے سیه بختی که هم بیچ میں آگئے
دل مفت ہمارا ترے کاکل نے اڑایا
بس سور نہ کر اس قدر اب اے دل نالاں
(۱۳۶ ب) اک خلق کا تو مغز ترے غل نے اڑایا

سمجھا نہ گیا ہم سے کچھ اس کا غضب و لطف
اک عمر ہمیں اس کے تغافل نے اڑایا
کیا گذری جو اس طرح سے ہے سوچ میں یارب
ہوش اپنا تو قاصد کے تامل نے اڑایا
تھی اتنی دل اوپر کب آشفتگی اس میں
یہ طور اسی زلف کا سنبل نے اڑایا
دیکھی جو سحر اشک فشانی مری تسکیں
شبنم کے تئیں چٹکیوں میں گل نے اڑایا

کیا جاک ہو صفائی بھلا ہم میں یار میں
خط بھی لکھا جو اس نے تو خطِ غبار میں

یوں مجھ میں اس میں بگڑی سدا اور سدا بنی
کچھ اب کے ایسی بگڑی کہ سر جی پر آ بنی

---

(۱۱۴) غضنفر

غضنفر علی خان غضنفر تخلص ، ابن غلام حسین خان کڑوری متوطن شاہ جہان آباد ، از شاگردان جرأت موصوف است ، طبع مناسب دارد ، اشعار فارسی هم بوضع خود گاهے می‌گوید ۔ ازوست :

پاک بازی تم مری تنہا بٹھا کر دیکھ لو
جھوٹ کہتا ہوں تو لب سے لب ملا کر دیکھ لو
اب مریض عشق کے سب دیکھنے ہیں دست و پا
دیکھ لینا ہے تو لو ، جلدی سے جا کر دیکھ لو
خندۂ گل کے لیے تکلیفِ سیر باغ کیا
آئنہ لو ہاتھ میں اور کھلکھلا کر دیکھ لو

بولتے مردے کو دیکھا ، کہنے کو ہوگی یہ بات
ناتواں بیمار کو اپنے بلا کر دیکھ لو
مہر و مہ نکلیں جو دونوں شب کو مشکل ہے ولے
یہ طلسمات اپنے تم کوٹھے پر آ کر دیکھ لو
کہہ کے کچھ مردے کو جو عیسیٰ جلاتا تھا ، وہ سیر
تم مری تربت پر آ ، ٹھوکر لگا کر دیکھ لو
وصل میں عاشق کو کچھ اپنی نہیں رہتی خبر
تم بھی ساتھ اپنے غضنفر کو سلا کر دیکھ لو

جب لگاوٹ وہ مری ہر بات میں بانے لگا
باتوں باتوں میں رکھائی یار نتلانے لگا
دفعۃً یہ کون گھر کو بزم سے جانے لگا
خود نہ خود جو غش مجھے اے ہم نشیں آنے لگا
دل کو بھلانے گیا وہ یا الٰہی کس جگہ
جس کی فرقت میں مجھے ہر کوئی بہلانے لگا
لگ گئی چپکی سی کیوں تجھ کو غضنفر یک بہ یک
اٹھ کے چپکے سے کوئی کیا اپنے گھر جانے لگا

یوں پھر گئی جو ہم سے اس بے وفا کی مرضی
(۱۳۷ب) کیا زور ہے ہمارا جو کچھ خدا کی مرضی

مجھے صیاد کہے ہے ، تجھے گر چھوڑوں گا
تو مہر بھر باندھ کے یا ، توڑ کے پر چھوڑوں گا
داغ فرقت مجھے دے جاتے ہو اچھا جاؤ
میں کلیجے سے لگا کر اسے دھر چھوڑوں گا

در پہ وحشت مری دیکھ اس نے کہا ہو کے سبک
اس کے ہاتھوں سے میں اک روز یہ گھر چھوڑوں گا

تصور میں ہو اس سے دو بہ دو ہم
کیا کرتے ہیں پہروں گفتگو ہم

ق

کہا میں نے جو اس پردہ نشیں سے
کریں پردے میں کب تک گفتگو ہم
تو بولی آنکھ کا پردہ ہے لازم
نہیں ہوتے تمہارے رو بہ رو ہم
نہ آیا مرتے دم بھی وہ غضنفر
چلے دنیا سے کیا پر آرزو ہم

سونا فراقِ یار میں خواب و خیال ہے
جب دل لگا تو آنکھ کا لگنا محال ہے

زرگر پسر کی کوئی عیاریاں تو دیکھو
دیتا ہے گالیاں بھی عاشق کو زرگری میں

گھر سے اک دم کے لیے نکلے نہ باہر وہ شوخ
در پہ جب تک کہ نکل جائے نہ دو چار کا دم
جب تلک دم میں مرے دم رہے یا رب باقی
یہ تمنا ہے کہ بھرتا رہوں دو چار کا دم[1]

---

۱ - اس کے بعد پھر کچھ ورق غائب ہیں ، جن میں فہرست کے
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

(۱۱۵) ممنون

باقر علی ممنون (۱۳۸ الف)… قساما فکر رسا و فہم بجا دارد ، و ایں چند ابیات دال بر نازکیٔ فکر اوست ۔ ازوست :

دیکھ اس پائے نگاریں کے پھبن کی خوبی
مل گئی خاک میں یک دست چمن کی خوبی

پشت لب پر ہے ترے یہ خط ریحاں ایسا
منہ تو دیکھو لکھے یاقوت رقم خاں ایسا

خوف زلف یار چھٹ مانا ہے کن کا رات نے
کہکشاں سے لے لیا دانتوں میں تکا[1] رات نے

اشک کی فوج نے جب جانے کی تیاری کی
سرہ نے از سر نو پھر کے قلم جاری کی

(۱۱۶) مشتاق

مشتاق تخلص ، موطن شاہ جہاں آباد ، ازچندے در بلدۂ میرٹھ سکونت دارد مردے قابل ، حافظ قرآن و نابینا است ، ایں چند ابیات او بنظر رسیدہ ، اگرچہ نو مشق است فاما فکر رسا دارد ، ازوست :

کوہ کن اور پرویز کو قصے اپنے اپنے سنانے دو
ہے یہ وہی افسانۂ شیریں ایک پری دیوانے دو
سکڑوں جانیں آتی ہیں مرے تن میں تمھارے آنے سے
جتنی جانیں چاہیے لیجیے پر نہ کہیے جانے دو

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحے کا)
مطابق شیر علی افسوس اور باقر علی ممنون کا ترجمہ و انتخاب کلام ہونا چاہیے ورق ۱۳۸ ۔ الف پر ممنون کا ادھورا ترجمہ اور اصحاب ملتا ہے ۔

۱ ۔ دانتوں میں تکا لینا ۔ اظہار عجز کرنا ۔

میں جو کہا : اے جان جاں مشتاق بھی تم پہ مرتا ہے
کہنے لگا وہ : یاں تو ہزاروں مرتے ہیں مر جانے دو(۸

کنگھی میں کھنجاوٹ جور ستم جوپٹ کی لٹک پھر ایسی ۔
وہ سیدّھی مانگ قیامت ہے ، زلفوں کی کجک پھر ایسی ۔
وہ بندش جوڑے کی ہے غضب اور چھوڑنے ڈھیلے پیچ ب
وہ تیل چنبیلی ہے اے ستم ، بالوں کی مہک پھر ایسی ۔
وہ ٹیڑھی ، بانکی ، ترچھی نظر ، اور سحر مجسم وہ آنکھ
چتون میں صفا ، سسدن میں جفا، مرگاں کی جھپک پھر ایسی ہے
ہے قہر وہ سرمہ تلا تلا ، کچھ زہر وہ کاجل گھلا گھ
اس چشم کی چشمک اف رے غضب اور منہ کی مٹک پھر ایسی ہے
وہ کان کہ جس پرکان ہو غش اور ناک سے لاکھوں ناک میں د
بینی میں سراسر خود بینی ، نتھنے کی پھڑک پھر ایسی ہے
طوفان ہے وہ مسی کی دھڑی ، آفت وہ لکھوٹا پانوں
اللہ رے رنگ اور واہ رے لب ، دانتوں کی چمک پھر ایسی ہے
وہ ساعد سیمیں فخر ذہب ، اور دست حنا بستہ وہ غضب
انگشت ہے ہر یک پنجہ بہ دل اور اس کی لٹک پھر ایسی ہے
وہ کہنی اس کی نئے سر سے سو مردہ کہنہ جلا دیوے (۳۹
اور ہاتھوں ہی کے اشاروں سے وہ الٹی جھٹک پھر ایسی ہے
ان مونڈھوں پر سر آنکھوں سے لاکھوں ہی کریں جی جان فد
وہ سخت بھجیں ، نازک بانہیں اور ان کی مرک پھر ایسی ہے

---

(۱۱۷) لطف

مرزا علی لطف تخلص ، احوالش معلوم نیست ، فاما شاہ

پرزور و خوش گفتگو است ، مثنوی لدھا خوب گفته[1] و درو داد معانی داده ، اکثر اوقات در بلدۂ لکھنئو اقامت دارد ، اشعارش از لطف خالی نیست - این چند ابیات ازوست :

خاکساری کا جو مزا سمجھے
تخت جم نقشِ بوریا سمجھے
کیا بھلی کٹ گئی انھوں کی جو
مدعا ترکِ بوریا سمجھے
خار ہیں کیا زباں درازی پر
لطف تجھ کو برہنہ پا سمجھے

قیس کی جا اب ہماری خاطر ناشاد ہے
روح مجنوں شاد ، اقلیم جنوں آباد ہے

کشور دل تو سدا ہی کا نہ ویرانہ تھا
یہ خرابہ بھی اک عالم میں پری خانہ تھا

(۱۳۹ ب) چمن میں کل جو تری مے کشی کا دھیان رہا
ہر ایک پات کے کھڑکے پہ گل کا کان رہا
طواف گاہ بگولوں کا ہوگا بعد وفات
ہماری خاک سے کچھ بھی اگر نشان رہا

---

۱ - یہ وہی قصہ ہے جسے قائم نے بھی اردو میں لکھا ہے ، لطف نے اپنی مثنوی ، گلشن ہند، میں شامل انتخاب کی تھی، لیکن نسخہ مطبوعہ میں نہیں ہے - اب اس کا متن حیدرآباد دکن سے چھپ گیا ہے - یہ اصلاً عہد اورنگ زیب کی ایک فارسی روایت سے ماخوذ ہے -

کہاں پھنسا دیا دل لطف تو نے ، ہے ظالم
امان مانگتا جس سے کہ اک جہان رہا

خجل ہم کو ہوا صیاد کر بند
قفس میں پائے جب اک مشت پر بند
پھنسا دام نگہ میں اس کے دل جا
جن آنکھوں کا ہے اک عالم نظر بند
لچکتی ہے کمر اس نازنیں کی
کرے گر رشتۂ جاں سے کمر بند
مبارک لطف اس آوارہ کے ہاتھوں
ہیں اب تک رہ گذر کے رہ گذر بند

---

(۱۱۸) رقّت

رقت تخلص ، احوالش معلوم فقیر نیست ، اسعار پر درد دارد ، کہ از استماع آں سامعں را رقّت می آید ـ ایں چند ابیات ازوست :

بہ کس کا رقص دیکھ آیا دلا تو
کہ بیٹھا زندگی سے ہاتھ اٹھا تو
نشانی غیر کو دے ہے تو پہلے
نشانِ زندگی میرے مٹا تو

لباس سرخ تو نے جب سے یہ اے گل بدن پہنا
ہر اک عاشق نے قبل از مرگ ہی رنگیں کفن پہنا
لچکتی تھی کلائی بوجھ سے تعویذ کے پیارے
نزاکت کا یہ عالم ، تس پہ تو نے نورتن پہنا (۴۰۱ الف)

اس طرف وہ ہاتھ سے دامن چھڑا جانے لگا
اس طرف چاک گریباں پاؤں پھیلانے لگا
ہوش کی اپنے خبر لے ، تجھ کو رقّت کیا ہوا
اس کے جاتے ہی تجھے کیا غش پہ غش آنے لگا

ہاتھ اس سینے پہ میں از راہ نسیاں رکھ دیا
بد گماں لوگوں نے کچھ کچھ مجھ پہ بہتاں رکھ دیا
پڑ گیا تھا آنکھ میں کچھ میری ، میں روتا نہ تھا
مجھ پہ یہ ناحق پیارے تم نے طوفاں رکھ دیا
یار کے مژگاں نے منہ پھیرا جو میرے قتل سے
اس کے آگے تیر کا اک میں نے پیکاں رکھ دیا
نہیے ہیں جدول کلام اللہ کی خط کو ترے
نام اس کافر کا یہ کس نے مسلماں رکھ دیا
جس کا جی چاہا کہ رووے شعر بڑھ پڑھ خوب سا
ہم نے اس کے آگے لا رقت کر دیواں رکھ دیا

تو نہیں دیتا لگانے سیم بر چھاتی پر ہاتھ
آخر اس غم سے چلا جاؤں گا دھر چھاتی پر ہاتھ
ہو گئی تقصیر اب تو ، پھر نہ ایسی ہوئے گی
ہاتھ کٹوانا لگے پھر تیری گر چھاتی پر ہاتھ
(۴۰ ب) اے خوشا خواب اس کا جو کوئی کہ اپنے یار کا
سو رہے ہے چین سے رکھ رات بھر چھاتی پر ہاتھ

---

(۱۱۹) میر ضیا

میر ضیا متوطن دهلی ، از شاگردان[1] میر محمد تقی موصوف واز استادان میر حسن که مصنف مثنوی بدر منیر است ، بوده ، دیگر احوالش به تحقیق نه رسیده ، این چند ابیات او که بسمع رسیده بتحریر می آید ـ ازوست :

سب مراد اپنی کر حصول گئے
اک ترے در سے هم ملول گئے
بھول کر بھی کبھی نه یاد کیا
هم ترے جی سے ایسے بھول گئے

---

(۱۲۰) رنگیں

رنگیں تخلص ، دیگر بر حسب و نسب او مطلع نیستم ، اشعار پر درد و مضامین رنگین دارد ، ازوست :

قسمیں کڑوڑ جن نے ملنے سے کھائیاں هوں
یه سوچیے اب اس سے کیوں کر صفائیاں هوں
دیتا هے گو تو مژده پر دل ڈرے هے اپنا
باتیں نه تو نے قاصد جی سے بنائیاں هوں
اب ظالم کی هم ان کے ، جا کس سے داد چاهیں
اقلیم دل میں جن کی پھرتی دهائیاں هوں
شب هونے آئی لیکن اب تک نهیں وه آیا
ایسا نه هو که قسمیں جهوٹی هی کھائیاں هوں
سنتے هیں سب خوشی سے ، خاموش مت هو رنگیں (۱۴۰ الف)
پڑھ اور بھی جو بیتیں تو نے بنائیاں هوں

---

۱ - یه بیان غلط هے یه ضیا ، میر تقی کے شاگرد تھے ـ

کچھ جھوٹ سچ کسی نے باتیں لگائیاں ہیں
جو آج تم نے پیارے آنکھیں چرائیاں ہیں
دل اپنا ہاتھ میں ہے ان کے ہی اے عزیزو
یہ گول گول جن کی گوری کلائیاں ہیں
گو مجھ سے وہ خفا ہے ، پر دوستوں نے میرے
باتیں ملاپ کی اب ، کچھ کچھ چلائیاں ہیں
رنگیں سر شک چشم اب کیوں کر نہ سرخ نکلے
ہم کو وہ فندق پا اب یاد آئیاں ہیں

---

(۱۲۱) خنداں

علی محمد خاں خنداں تخلص ، برادر خورد محمد میاں که از نبائر نواب عظمت الله خاں مرادآبادی است - جوانے ست صاحب وجاهت ، کان ملاحت و صباحت ، خوش خلق و با تمکین ، نهایت وجیهه و شکیل و در وجاهت و سباهت بے تمثیل ، نهایت خنده رو و کشاده پیشانی ، گویا غلمانے ست در قالب انسانی - مخزن قابلیت و اهلیت و علم و معدن مروت و سخاوت و حلم - در خورد سالگی از اکثر فنون آشنائی و مناسبتے پیدا کرده - خط نسخ و تعلیق و شکسته وغیره خوب می نویسد - خصوصاً در خط (۱۴۱ ب) شفیعای یکتا است - گاهے بحسب جودت طبع فکر شعر ریخته هم می کند ، از شاگردان ذوق رام حسرت است - طبع رسا و فکر بجا دارد ، این چند ابیات که به دستخط خاص مرقوم نموده بود به تحریر می آید - ازوست :

دلستاں ہو ، پہ نرے دل کے ستانے والے
یار دل سوز ولے جی کے جلانے والے

عشق پاک اپنا تو بے لاگ ہے پر ڈرتے ہیں
لوگ کم بخت برے ہوں ہیں لگانے والے
کون ہیں ہم جو کہیں تم سے بیا یا بنسیں
پھر کے ٹک دیکھ تو لو او میاں جانے والے
اس قدر مشق ستم ہوتی نہیں بے تلقیں
میری نظروں میں ہیں سب تیرے سکھانے والے
جاں بلب ہوں غم ھجراں سے کہاں ہیں خنداں
مجھ کو اس شوخ کا پیغام سنانے والے

یار سنگین دل ، بلا ہے بدگمانی آپ کی
سر دیا تو بھی ہے ناق سر گرانی آپ کی
کیا غضب ہے ، سن کے میرا حال دل ، بولا وہ شوخ
بس کرو ، میں سن چکا ہوں قصہ خوانی آپ کی
بول لو ، ھنس لو ، میاں کیا یہ رکاوٹ ہے بری
کیا کریں گے یاد ہم حسن و جوانی آپ کی (۳۲ الف)
میں کہا: مرتا ہوں دوری میں تری ، تو بول اٹھا
خوب میں جانوں ہوں یہ باتیں بنانی آپ کی

---

(۱۲۲) حسن

میر حسن ، حسن تخلص از شاگردان رسید میر ضیا متوطن دھلی است ، حالا در لکھنئو شہرت کمال یافتہ ، چند اشعار او بعضے احباب نقل کردہ آوردہ بودند ازاں انتخاب نمودہ بہ تحریر آید ۔ ازوست :

تمھارا شکوہ کیا کیجیے ، جو پھرتے ہو خفا ہم سے
بتاں تم بھی کرو کیا کچھ پھرا ہے اب خدا ہم سے

ہمیں تنہا نہیں اس شوخ کے کوچے میں ، کنے ہی
بہ رنگ نقش پا بے خود پڑے ہیں جا بہ جا ہم سے

کیوں کر نہ ہم جہاں میں پھریں اب اداس سے
لائے نصیب ہم کو اٹھا کس کے پاس سے
اب داغ سے پڑا ہے اسے کام مجھ بغیر
ہوتا تھا بے دماغ جو گل گل کی باس سے
کس کس سے ہوں میں عہدہ بر آ ، ناتواں ہوں عشق
حیرت سے ، غم سے ، درد سے ، یا داغ یاس سے
جانے کی آج کس کے سنی ہے حسن خبر
کچھ اڑ گئے ہیں اس کے تو ہوش و حواس سے

جب تب جیے مصیبت غم کی یہ سر سے سر کی
(۳۴ ب) سر سے گذر کے اجر ہم نے مہم یہ سر کی
میں حال دل کہوں ہوں، تم سکوت سمجھو ہو، واہ
کہتا ہوں میں کہاں کی سنتے ہو تم کدھر کی
جوں آئینہ سراپا کس کا ہوں محو دیدار
نے پاؤں کی خبر ہے مجھ کو نہ اپنے سر کی

ق

پھر روئیو حسن تو، نامہ تو لکھ لے ظالم
تو نے تو یہ کتاب رو رو کے ساری تر کی
جیسا تھا آہ کاغذ ، ویسا ہی ہو گیا پھر
بے فائدہ یہ تو نے کیا شام سے سحر کی

مجھ کو بھی کوئی صورت آئینہ گر بتا دے
جس سے کہ یار اپنا مکھڑا ہمیں دکھا دے

عمارت بن سکے اس کی نہ پھر، مسمار ایسی کی
خرابی دل کی میرے تو نے آخر یار ایسی کی
بلا سے گھر میں اپنے گالیاں دیتا تو بہتر تھا
خرابی تو نے میری کیوں سر بازار ایسی کی
فلک سب جل گیا جوں کاغذ آتش زدہ ہو کر
جگر سے رات میں اک آہ آتشبار ایسی کی
سماجت ہم نے کی کیا کیا نہ کچھ، پر اب نہیں کرنے
اگر سو بار ویسی کی تو پھر اک بار ایسی کی

کئی دن تیرے حجرے رہنے میں اشک آنکھوں سے برسا ہے
نکل خورشید رو گھر سے دہ عالم خوب ترسا ہے
نہیں معلوم، ہے کس عالم بالا پہ گھر تیرا ہے(۳۴۳ الف)
وگرنہ اے اثر نالہ تو میرا عرش فرسا ہے

کیا ہنسے اب کوئی اور کیا روسکے
دل ٹھکانے ہو تو سب کچھ ہوسکے
کون اب داغ جگر کو اے حسن
بن مرے اشک ندامت دھوسکے

زلف سے مل کے جو پٹوں نے نمو داری کی
اور اس حلقے سے زنجیر مری بھاری کی

مطلع نہایت خوب و مرغوب است فامّا بہ سبب تفرقہ زلف و پٹّا دل در کشاکش است ، خدا داند کہ شاعر چہ فرق درمیان ہر دو پیدا کردہ ، در قید شدید افتاد ۔

نوجوانی کا دید کر لیجے
اپنے موسم کی عید کر لیجے
اب کے بچھڑے ملو گے پھر کہ نہیں
کچھ تو وعدہ وعید کر لیجے
اپنے کسو درار کے مجھ تو
سلسلے میں مرید کر لیجے

نے فقہ ، نہ منطق ، نہ حکمت کا رسالہ ہے
اس فن محبت کا نسخہ ہی نرالا
ہے دل ہی میں وہ لیکن دکھلائی نہیں دیتا
باہر تو اندھیرا ہے اور گھر میں اجالا ہے
تعجیل نہ کر اے دل ، آنے تو لگا ہے وہ
مل جائے گا بوسہ بھی ، کیا منہ کا نوالا ہے
تو ہونا کیا ہوتا ، کل نام درا لیے (۳۳ ب)
گلشن میں حسن کو میں گرنے سے سنبھالا ہے

زلف میں اس کی بہت رہ کے نہ اترائیو دل
تجھ سے کتنے ہی مری جان یہاں جھول گئے

ہجر کا رونا آسے آنکھوں سے دکھلاتا رہا
بوند سا دن وصل کا ، پل مارتے جاتا رہا

غیر سے وہ گرم سرگوشی رہا کل دیر تک
میں پڑا زانو بدلتا اور گھبراتا رہا

ق

ایک تن میں ہوں اگر دو دل تو نکلے کام کچھ
یاں تو اپنے ناؤ میں ہر ایک بل کھاتا رہا
جی اگر اس سے لگایا ، رشک سے دل جل گیا
دل اگر اس کو دیا ، جی ہاتھ سے جاتا رہا
مارے ضد کے شیخیوں میں اپنی آ کر اے حسن
جو نہ مجھ سے ہو سکا وہ کام فرماتا رہا

---

(۱۲۳) مشتاق

عنایت اللہ مشتاق سرهندی ، مشق سخن از فدوی مسطومی کرد طبع شور انگیزے و موزوں دارد ۔ چند اشعار از مسودہ‌اش بہ قلم آوردہ شد ، ازوست ،

اے باغباں نہ جائیو بلبل کے متصل
بیٹھی ہے کس خوشی سے وہ اب گل کے متصل
الجھے ہوئے ہیں سیکڑوں دل اس کے پیچ میں
اے شانہ تو نہ جائیو کاکل کے متصل

باغباں کچھ کہہ تو ہم سے ماجرائے عندلیب (۴۴ الف)
آج گلشن میں نہیں آتی صدائے عندلیب
زخم دل کو تازہ کرتا ہے گلوں کا چاک جیب
شورش افزائے جنوں ہیں نالہائے عندلیب

جب سے اس کو سلسلہ الفت ہوا گلزار سے
تب سے ہے جوش جنوں زنجیر پاے عندلیب

رو کے بلبل نے کہا جا کے چمن کے نزدیک
جیتے جی آن تو پہنچے ہیں وطن کے نزدیک

جو کہیے سو ہرگز نہ کرے ، دل ہے تری ضد
اس بات کے ہیں اس تن خود کام کے مشتاق

گھر سے ستاب اپنے ، تب صندلی نکل
اے درد سر سے جان ہماری چلی نکل
سر پٹکا ساری رات میں دیوار سے تری
ظالم خبر بھی گھر سے ہو باہر نہ لی نکل

مرا تو جی ہی گیا پاس دل ربائی میں
ملا نہ کوئی ہمیں بات آسنائی میں
مزا نہ دیر میں پایا نہ دل نے کعبے میں
جو حظ اٹھایا ہے مجھ در کی جبہ سائی میں
وفا نباہیے جب تک کہ نبھ سکے مشتاق
جفا تو اس کی ہے مشہور سب خدائی میں

(۴۴۱ ب) اے واہ وا جی اوروں پہ کچھ بس نہ چل سکا
نا حق کو مجھ غریب کے اوپر دبسل پڑے

---

(۱۲۴) سلامت

سلامت علی سلامت تخلص ، شخصے است متوطن عظیم آباد ،

این چند اشعار او بزبانی بعضے اعزا بسمع رسیده دیگر از احوال او خبر نه دارم ، ازوست :

کٹتی ھیں رونے میں اب روز زندگانی کے
مرے یه دیدۂ تر بلبلے ھیں پانی کے

آہ اتنی ناتواں ھے پہلو کو تھام کرکے
آتی ھے دل سے باھر لاکھوں مقام کرکے

یاں تک تو ان دنوں کچھ اب جوش پر فغاں ھے
نے کی طرح سے نالاں تن میں ھر استخواں ھے
کہیے ھو : کیوں سلامت ھے عاشقی سیں پورا ؟
کیجے نه قتل آکر ، گر قصد امتحاں ھے

عاشق تو مر چکےسب ، اب ایک ھم رھے ھیں
تلوار کھینچ کرکر کیوں آپ تھم رھے ھیں

کس طرح کوئی عشق کے عہدے سے بر آوے
صحرا میں موا قیس یو ھیں ٹھوکریں کھا کے
دیکھا جو کچھ انجام نہیں اس کا ھے سر پر (کذا)
مارا ھی نه فرھاد نے تیشے کو اٹھا کے

---

(۱۲۵) یاس

حسن علی خاں متخلص به یاس ، از شاگردان رشید حسرت موصوف است ـ این چند اشعار از حسن فکر (۱۳۵ الف) صائب اوست :

مکیں بغیر کبھو تو مکاں سے کیا حاصل
جو وصل یار نہیں تو جہاں سے کیا حاصل

جب سے کہ پیدا ہوا، اس گل خنداں سے ربط
ہاتھ ہمارے کو ہے، چاک گریباں سے ربط
ربط چھٹا تجھ سے آہ، کس سے کروں ربط میں
ہاں مگرافسوس میں، ہے لب ودنداں سے ربط

---

(۱۲۶) روشن

مرزا قاسم‌علی روشن تخلص ، از شاگردان جرأت مسطور است ، چند اشعار او بنظر رسیده ، ازوست :

ہےدل بےتاب میرا خصم جاں، زیر بغل
وہ سل مجھ پر ہوئی: دشمن کہاں، زیر بغل

رکھے پر بند یا صیاد ، سروا
پھنسے جب دام میں تب کیا ہے پروا

دیکھ تنہا جو رکھا میں نے اسے گھیر کبھو
یوں دھرایا ، نہ ملےگا تو مجھے پھیر کبھو ؟

آنکھوں میں اپنی اس نے سرمہ نہیں دیا ہے
کہتے ہو تم جو دارو ناحق کا ، دوتیا ہے

دیگر برحسب ونسب او اطلاع ندارم ، خدا داند که از کجاست ، **فاما خوش مقالی** او از طرزش ظاهر و پیداست ؛

(۱۲۷) پہاڑی مل

پہاڑی مل قوم کایتھ ، متوطن شاہ جہان آباد ، از مدتے بلدہ امروھہ وطن اقامت گرفتہ (۱۴۵ ب) طبع رسا و فکر بجا دارد شاگردان محمد قائم موصوف است ۔ یک رباعی مستزاد او بہم رسید ازوست :

آیا نظر اک طفل فرنگی گورا سنگین نگاہ
پلٹن سے مرہ کی قلب دل کو توڑا بے جرم و گناہ
میں نے کہا ظالم کہیں صاحب سے تو ڈر اس پھرے میں
شرما کے لگا کہنے ہو تھوڑا تھوڑا ویل کیا پرواہ

(۱۲۸) بیتاب

سنو کھرائے بیتاب جوانے ست خلوت دوست ، کہ بسبب عزلہ نشینی جز گوشت و پوست در اعضایش باقی نماندہ ، قوم کھتری از یاران محمد قائم موصوف ، متوطن شاہ جہان آباد ، از چندے در قصبہ چاندپور گوشہ نشین است ۔ اگرچہ کم گوست فاما بسیار خوش گفتگو دیوان مختصر ریختہ ترتیب دادہ ، این چند اشعار از مسودات او بقلم آوردہ شد ازوست :

غافل نہیں اعتبار پل کا
کیوں فکر عبث کرے ہے کل کا
بل بے تری زلف کا اکڑنا
کیا زعم ہے اس کو اپنے بل کا
بیتاب بھی کیا جوان تھا ہائے
ہو خانہ خراب اس اجل کا

(۹۰۱ الف) یہ تو نہیں کہتا میں ساتھ اس شوخ کے کیوں دل گیا
پر یہ حسرت ہے کہ نہ کچھ کہہ گیا نہ مل گیا
ہو گیا نالہ ہمارا فوج غم کے سامنے
یہ سپاہی ہاتھ میں لیے ہی نیزہ پل گیا
شب جو مانگا اس سے میں بوسہ لگا کہنے مجھے
چل بہت جھک مار مت ہر روز، اب تو ہل گیا

شب سن کے یار بولا بیتاب کا فسانہ
یارب غریق رحمت تحفہ تھا یہ دوانہ

میں جب بیتاب سے پوچھا مل اس ظالم سے کیا پایا
وہ ہو کر چشم تر کہنے لگا : اپنا کیا پایا

پھرا تو کیا فلک کج خرام یا نہ پھرا
اگر یہ معاملہ مرے حسب مدعا نہ پھرا
مجھی پہ جرم نہ رکھ کن نے یاں تجھے دیکھا
کہ مثل سایہ ترے پیچھے وہ لگا نہ پھرا
کدھر ہیں دوست کہ بیتاب سے تنک مل لیں
چلا ہے واں یہ جہاں کا کوئی گیا نہ پھرا

خواہش روزی ہے گر تجھ کو تو ہو خانہ نشیں
آسیا کو دیکھ گھر بیٹھے اسے ملتا ہے قوت
چشم و دل کا خاندان آخر ڈبویا اشک نے
یا الٰہی مت کسی کا ہوجیو لڑکا کپوت

ابلاغ خبر شرط ہے ، اے مہر گسل آج
ملنا ہے تو مل لے ، نہیں ہم ہیں نہ یہ دل آج
اے دیدہ ہے کیا صرفہ نم چشم کا تم کو (۱۴۶ الف)
جب اشک سے گوہر ہی گئے خاک میں مل آج

نہ رہے باغ جہاں میں کبھو آرام سے ہم
پھنس گئے قید قفس میں جو چھٹے دام سے ہم
او میاں دیکھ نہ رسوائے خلائق ہو تو یاں
مت مل اب ہم سے کہ اک شخص ہیں بدنام سے ہم
ہائے رے تیرے یہ جھنجھلانے کے انداز میاں
بس گویا ڈر گئے اس جھڑکی و دشنام سے ہم

آہ اس دل سے ، جس میں داغ نہیں
وائے وہ گھر جہاں چراغ نہیں

دل، نہ جانا ہی بھلا ہے واں، جہاں عزت نہیں
پر میں سمجھاؤں سو کیا تجھ کو تو کچھ غیرت نہیں
یاں تلک ہے ضعف مستولی کہ مثل نقش پا
جس جگہ اوپر، گرے، اٹھنے کی پھر طاقت نہیں
ہے سزا ، جتنا کرے دل کو تری کاکل نزار
کہہ وہ زور آور سے کیوں الجھے جسے قوت نہیں
کیوں گراتی ہے بھلا آغوش سے آنسو کو چشم
کیا بلا ہے، تجھ کو اس لڑکے سے کچھ الفت نہیں
تجھ کف پا کی جدائی سے حنا کا ہے یہ رنگ
گھس لگانے کو بھی اب دیکھا تو اس میں ست نہیں

(۱۴۷ الف) بے تحاشا چشم کے باہر نکل جاتا ہے اشک
کیوں نہ ہو آوارہ وہ لڑکا جسے دہشت نہیں
آہ جس بیتاب کی سارا جہاں کرتا تھا قدر
اب جدھر جاتا ہے وہ حاصل بجز ذلت نہیں

بسر کرے ہے جو کوئی زندگی کو تنہا ہو
میں اس کو بوم سمجھتا ہوں گو کہ عنقا ہو
رغیب بر سر اغوا و یار سوے مزاج
غرض کہ دات تو بگڑی ہے دیکھیے کیا ہو
ابھی سے شعلہ صفت تند را ہے عالم سوز
بڑا غضب ہے یہ آتش اگر دوبالا ہو
پھر اب لگے ہیں ترے پاس بیٹھنے اغیار
عجب نہیں ہے اگر کچھ فساد برپا ہو

دل کو الفت ہے سدا ابروے خم دار کے ساتھ
اس سپاہی کو عجب عشق ہے تلوار کے ساتھ
دیکھو دل یہ کہیں کیجیو یاں مجھ کو خفیف
لگ تو چلتا ہے تو ہر ایک خریدار کے ساتھ

سچ کہو کیا بات ہے دل میں یہ کچھ خالی نہیں
آج ہر دم دیکھتے ہو تم جو بن بن آئنہ
خبث باطن جان تو ظاہر میں دیکھے جس کو صاف
عیب جوئی کا رکھے ہے بر سر فن آئنہ

دل دیا بیتاب کیوں اس سنگ دل کو تیں کہ آہ
کوئی پتھر سے بھڑاتا بھی ہے دشمن آئینہ (۱۳۷ ب)

ستم گر ، بے وفا ، بے رحم اور عیار سنتے تھے
سو ہم نے سب تجھے دیکھا جو کچھ اے یار سنتے تھے
خبر مرنے کی سن میرے ، لگا کہنے موا ہوگا
اسے تو چند مدت سے بہت بیمار سنتے تھے
کہے گا ایک تو ، ہم دس سناویں گے ، گئے دن وے
جو تیری گالیاں ہم دن میں سو سو بار سنتے تھے
دلا کہہ ، ابرو و مژگاں سے تونے کیوں کہ سازش کی
سدا ان کو تو ہم تجھ سے ، چھڑی تلوار سنتے تھے

سبزے پر اس کے خط کے ، نہ مارا گیا میں ایک
اس گل زمیں میں کھیت ہزاروں جواں رہے
جی میں ہے ، اس کی بات میں اب پھر نہ بولیے
لیکن کسی طرح جو یہ کافر زباں رہے

نہ بک ناصح وہی ہوگا جو کچھ قسمت میں ہونا ہے
تو کچھ اپنی ہی گاوے ہے ، مجھے اپنا ہی رونا ہے
محلے کے محلے ڈوبے ، تس پر بھی نہیں تھمتیں
تمھیں اے چشم تر کیا شہر اب سارا ڈبونا ہے
کوئی شیریں لبان ہند میں دیکھا نہ میں اب تک
نہ اب [illegible]

(۱۴۸ الف) مبارک ہو یہ کنج صومعہ تجھ کو ہی اے زاہد
غرض اپنے بھی پڑ رہنے کو میخانے کا کونا ہے

محبت اب تلک رکھتی ہے یہ تصویر مجنوں کی
کہ بن لیلیٰ نہیں کھنچتی کہیں تصویر مجنوں کی

میں کیا جفا نہ اٹھائیں فلک کے کینے سے
کسی کو کام نہ ڈالے خدا کمینے سے
جو جذب حضرت قائم نہ کھینچتا بیتاب
تو کام کیا تھا ہمیں چاندپور[1] ندینے سے

صحبت تمام شب رہی اس ماہتاب سے
مطلب کی بات ہو نہ سکی پر حجاب سے
اللہ رے تجھ لبوں کا تبسم نہ نقاب
بجلی کب اس طرح ستی چمکے سحاب سے
رنگیں بیاض گل پہ، ہے جی میں کہ اب لکھوں
تجھ لعل لب کے وصف کو موج شراب سے

جو تیری رفع خلش پر یہ طبع آئی ہے
تو خیر جان مری ، یاں کسے لڑائی ہے
ترے ہی دل میں کدورت کچھ ہو تو ہو ورنہ
خدا گواہ ہے یاں سب طرح صفائی ہے

---

۱ - چاندپور ندینہ (یا نگینہ) ضلع بجنور کا ایک قصبہ اور قائم کا وطن ۔

عبث تو مجھ سنی کرتا ہے اس قدر اخفا
ترے تو جی کی میں بیتاب بات پائی ہے
جو تجھ پہ پرسوں تھی حالت،کل اس سے دیکھی میں زیاد
اور آج کل سے بھی کچھ بے کلی سوائی ہے (۴۸ ب)
یہ اضطراب و کوچینی[1] نہ بے سبب ہے کہ آہ
تیں آنکھ جان مری ، پھر کہیں لگائی ہے

رباعی

یاں آکے ہم اپنے مدعا کو بھولے
مل مل غیروں سے آشنا کو بھولے
دنیا کی تلاش میں گنوائی سب عمر
اس مس کی طلب میں کیمیا کو بھولے

---

(۱۲۹) نثار

محمد پناہ خاں نثار ولد سید محمد شریف خاں ، از خاندان عالی و منصب داران بادشاهی است۔ شاگرد خواجہ میر درد موصوف ، این چند ابیات دال بر جودت طبع اوست ، ازوست :

کیا ہی اس کے بانکے ہاتھوں ، زخم دل بانکا لگا
سوئی کج ہوئی تار نے بل کھایا تب ٹانکا لگا

یہ دل کیا ہے جو تیرے قربان جاوے
سعادت ہے اپنی اگر جان جاوے

۱۔ چین میں هندی سابقہ کاف مضموم (بمعنی بد) اردو میں یہ استعمال شاذ ہے ۔

نثارؔ اس کے کوچے میں پوشیدہ جانا
مبادا کوئی تجھ کو پہچان جاوے

رباعی

زاهد تو کہے ہے زهد کوشی کیجے
مے خوار کہے ہے بادہ نوشی کیجے
ہر ہم سے جو پوچھے تو دونوں سے نثار
بہتر ہے یہی کہ عیب پوشی کیجے

رباعی

اس سوخ سے اظہار نہ کر غم اے دل
(۱۲۹ الف) بے زار جو وہ تجھ سے ہے مل کم اے دل
اپنی خواهس اٹھا دے یک سر جی سے
خاطر کو اسی کی رکھ مقدم اے دل

---

(۱۳۰) فیض

فیض علی فیض ولد میر محمد نقی موصوف ، جوان قابل ، خوش اخلاق و خوس خو و خوس گفتگوست ۔ ایں حند ابیات از فیض سخن اوست ۔ ازوست :

لگاؤ تیغ ھی جو ڈھب پڑے لگانے کا
کسے دماغ ہے هر دم ستم اٹھانے کا
اٹھا ہے برقع رخسار جاں بلب ہوں میں
کوئی یہ وقت ہے اے یار منہ چھپانے کا
نہ گفتگوے پریشاں کو میری بھولو کوئی
یہ حرف یاد رہے باؤلے دوانے کا

بہار حسن کو پیارے بہت غنیمت جان
کہ خط کے آئے کوئی منہ نہیں لگانے کا
بگڑ ہی جاتی ہے صحبت ہر ایک سے پیارے
کسو سے تم کو سلیقہ نہیں بنانے کا
مرا ہی آنا ہے منظور اس میں گو کچھ ہو
خیال تم کو جب آنا ہے جی کے جانے کا
مگر خراب کیا چاہتے ہو گور دو چار
بن رہے ہو جو نیمہ یہ چار جانے کا

آزردگان عشق سے اے ابر ڈر کہ یہ
دریا کو وقت رونے کے ماریں ہیں دھار پر (۹ ۴ ب).
مرغ چمن سے مجھ کو نہیں آگہی ولے
باد صبا کے ساتھ ہیں دو تین چار پر
کیا کیا طیور آکے سر تیر پھر گئے
کچھ ان دنوں نہیں ہے ترا دل شکار پر

دل داغ ہے تمام ، جگر سب فگار ہے
گلشن تو ہے ہی ، یاں بھی عجب اک بہار ہے
کس ساتھ شب کو بیٹھ کے پی ہے شراب عیش
جس کا یہ تیری آنکھ سے ظاہر خمار ہے
ہم خاک ہو کے اڑ گئے اس کی گلی سے لیک
خاطر میں اس کے اب تئیں ہم سے غبار ہے
اوقات خوش انھوں کی جو رکھے ہیں اس سے ربط
ہم ناکسوں کو بزم میں کب اس کی بار ہے

پر صید بند قصد مرا کرسکے ہے کب
سب جانے ہیں فیض کسی کا سکار ہے

---

(۱۳۱) تجلی

تجلی تخلص ، پسر محمد حسین کلیم موصوف ، دیگر از احوال او خبر ندارم ، ازوست :

حال ہووے گا بھلا یا کہ برا ہووے گا
دل تو ہم دے چکے، اب دیکھیے کیا ہووے گا
بدگمانی نے رقیبوں کی بہت مارا ہے
کہیں جاؤ تو کہیں اس کے کیا ہووے گا
(۱۵۰ الف) در گلے شکوے کو موقوف میاں بس چپ رہ
میں بھی بولوں گا تو ناحق تو خفا ہووے گا
عشق میں تیرے تجلی نے کیا ترک لباس
بے نوا وار ، سر راہ کھڑا ہووے گا

ق

اور عاشق نے صدا زور نکالی ہے ، سنا
کسی کا جب گذر اودھر کو پڑا ہووے گا
طالب یک نگہ مہر ہے مدت سے فقیر
ٹک ادھر دیکھ میاں دوست بھلا ہووے گا

کہاں تک گریہ ، بس روئی سحر تک
کلی کو خوں میں پاتے ہیں کمر تک

---

(۱۳۲) نوا

شیخ ظہور اللہ نوا تخلص ، پسر مولوی دلیل اللہ بدایونی ،

از شاگردان شیخ بقاء اللہ موصوف ، متوطن بلدہ بداؤں ، جوان اعجوبہ عنوان ، خوش تلاش و خوش فکر ، قصائد بر زور[1] می گوید ، این چند ابیات ظہور طبع رسا ے و فکر بجا ے اوست ۔ ازوست :

اس اوج تک تو سیل سر شک اپنا جا پھرا
جس میں کہ ابر جوں کف دریا بہا پھرا

اب تو رخسار ترا غیرت گلزار ھوا
خط کا آنا ترے مکھڑے پہ سزاوار ھوا
جب تکلف نہ رہا یار سے پھر کیا ہے حجاب
بوسہ آپ مانگ لیا، جب کبھی درکار ھوا (۱۵۰ ب)
پھر نظر آہ نہ دیکھا نہ میں اس خودبیں کو
کہ وھیں آئنہ آ بیچ میں دیوار ھوا
شربت بوسۂ لب بن ترے اے رشک مسیح
نہ جیا وہ جو تری چشم کا بیمار ھوا
بھولی باتوں سے میاں تو نے دغا کی آخر
دل کو لیتے ھی مرے جی کا طلب گار ھوا

دل پر خوں تو سیشۂ مل ہے
نالہ و آہ ، شور قلقل ہے

جو خوب ہو ، چلتی ہے یہ مل اس سے زیادہ
چشم اپنی تو بدخو ہے ، پہ دل اس سے زیادہ

---

۱ ۔ اصل : ہر روز

وہ بھی پھیرا دل جو کچھ آیا تھا اس کا واہ پر
آفریں اس نالے کو ، اے رحمت ایسی آہ پر
ہم پڑے ہیں بس میں طرفہ طفل خو صیاد کے
گاہ پا باندھے ہے رسی سے ہمارے گاہ پر

آپ ہی مے اور سب غیروں کو پلواتے رہے
ہم کو ساغر کے عوض آنکھیں ہی دکھلاتے رہے

---

(۱۳۳) محزوں

مولوی غلام حسین دکھنی محزوں تخلص ، عالم متبحر و نحریر[1] بودہ ، از چندے در الہ‌آباد استقامت داشت ۔ یک مطلع و یک رباعی ہمراہ او بسمع رسیدہ دیگر احوالش (۱۵۱ الف) معلوم ایں ہیچمداں نیست ۔ ازوست :

زاہد کہتا ہے طوف کعبہ کیجے با صوم و نماز
ہندو کہتا ہے بت کو پوجا کیجے با عجز و نیاز
یہ شیشۂ دل بہت ہی نازک ہے گا پس تو ہی بتا
کس کس پتھر سے اس کو پٹکا کیجے اے آئنہ ساز

نظر سے مت پٹک اس کو کہ یہ نے سنگ و نے گل ہے
ارے او بے مروت یہ کسی کم بخت کا دل ہے

---

(۱۳۴) عبرت

ضیاء الدین عبرت ابن علاءالدین تمکین متوطن بلدہ لکھنئو ،

---

۱ ۔ یہ ترکیب سوق نے پہلے بھی استعمال کی ہے ، خدا جانے اس سے کیا مراد لیا ہے ۔

جوانے ست قابل و خوش خلق ، یار باش ، و در علم حکمت دست رس کامل دارد ، ذهن سلیم و فکرش بسیار عالی ، بسبب موانع علائق دنیا و تفکر خاطر ، گاہ گاہے متوجه باین فن می شود و دم شاگردی نواب محبت خاں موصوف می زند ۔ بسیار پرگو و خوش گواست ۔ اشعار فارسی و هندی هر دو موزوں می کند ۔ چند اشعار متفرقه که بزبانی او بسمع رسیده ، تحریر می آید ۔ ازوست :

کہاں پہنچے تصور واں ، خیال باد پیما کا
که حس وادی میں پیغمبر ہے قائل ماعرفنا کا

فزوں ہے آنکھوں میں اس ستم گر کی ، آج کل کچھ وقار میرا
جو وہ نگہ بولی ، میرا بسمل ، پکارا غمزہ شکار میرا (۱۵ ب)
وہ بخت برگشتہ ہوں کہ سایہ بھی چھوڑ کر مجھ سے بھاگتا ہے
بسان خورشید کوہ و صحرا میں ہو جدھر کو گذار میرا
میں گرد کی طرح سر پٹکتا پھروں ہوں آوارہ ہر شجر سے
ڈپٹ کے گھوڑے کو آہ جاتا کدھر رہا شہسوار میرا
نظر میں اس گل کی گو سبک ہوں میں ہم نشیں، پرجنوں کی دولت
تو میرے رتبے کو دیکھ صحرا میں پانوں چومے ہے خار میرا
میں دل جلا اٹھ چلا ہوں عبرت تو قبر پر میری لالہ بودے
کہ ہووے معلوم اهل دل کو بغیر پوچھے مزار میرا

جلا ہوں بے ڈھب نہ چھیڑ ہم دم کہ جل اٹھے گا یہ داغ میرا
خموش مشعل کی طرح پھونکے سے ہو ہے روشن چراغ میرا
کروں میں جوں صبح خاک شادی فلک تو مجھ سے یہ ضد کرے ہے
اگر کروں شیر سے لبالب بھرے ہے خوں سے ایاغ میرا

کہیں ہیں جلتے، کہیں سلگتے ہیں اور کہیں جل کے بجھ گئے ہیں
گلوں کے سینے کی کیا کہوں ، رنگ کشت لالہ ہے داغ میرا
سبک روانی طریق وحدت قدم لگاتے نہیں زمیں پر
حباب آسا میں سو سے گذرا ہوں کون پاوے سراغ میرا (۱۵۲ الف)
سمجھ نہ کم قدر مجھ کو اتنا کہ عشق خورشید رو سے عبرت
میں ذرہ ساں گو کہ کچھ نہیں ہوں پہ ہے فلک پر دماغ میرا

طفلی ہی میں اس کو فتنہ تک کر
دایہ بھی سلاتی تھی تھپک کر
ہے قند سے میٹھا تیرا بوسہ
تو اس میں نہ شبہ کر نہ شک کر

عجب صورت سے چشموں سے مری سیلاب نکلے ہے
کہ ہر یک آستیں سے حلقۂ گرداب نکلے ہے
ہماری آہ سرکس سے حذر کرنا ہی بہتر ہے
کہ برق اس شعلۂ سوزاں سے دامن داب نکلے ہے

کرے ہے تیغ جو ہر دم علم تو کینے سے
تو جڑ دے سر میں، کہ میں بھی خفا ہوں جینے سے
ہمیں شراب بھلا کس طرح کہ غنچہ صفت
گرہ گلو میں ہے خون جگر کے پینے سے
ہمیشہ چرخ سے ہے اہل دل کو رنج حصول
ضرر سوا بھلا حاصل ہو کیا کمینے سے

شرار دل سے رگ و عضو تن میں آگ لگی
خبر دوانے کی لیجو کہ بن میں آگ لگی
بسان آتش پژمردہ زیر خاکستر
ترے شہید کے قاتل کفن میں آگ لگی
زباں نکالنا ہم شمع کا سمجھتے ہیں
اشارہ کرتے ہی دیکھو دھن میں آگ لگی (۱۵۲ ب)
کچھ آبلے کی طرح ہیں نمود یہ انجم
کسی کے نالے سے شاید گگن میں آگ لگی

نہ کر شور اس قدر دل ٹک تو دم لینے دے بس ہم کو
کہاں کا قافلہ، تکلیف مت دے اے جرس ہم کو
مثال مہر و مہ چلتے ہی روز و شب تجھے گذرا
دیا آرام یک ساعت نہ تو نے اے نفس ہم کو
نصیبوں میں ہے اپنے کاستن مثل مہ گردوں
تن آسانی نہیں ہوتی کبھی دن چار دس ہم کو

دل سوزی سے ہم پر نہ ہوئے تم کبھی تر چشم
پر آب بہت ہنسنے سے کر لیتے ہو پر چشم
ہے در پئے آزار خلائق سر دوراں
بدلے ہے مہ و مہر سے ہر شام وسحر چشم
مسکینوں کے آرام سے واقف نہیں منعم
ہوتی ہیں کہاں خواب سے پالوں کی خبر چشم
کہنے لگا اک دن وہ سیہ مست ضیا سے
بیٹھوں میں ترے بر میں کہا میں نے کہ بر چشم

ابرو نے تیری بسمل کیا ہے
کیا ہی ہے خنجر ، اللہ اکبر

جدا کر کر صدف سے آسماں کے مثل گوہر کی
لیے پھرتا ہے آب و دانہ ہر جانب کشاں مجھ کو

این چند بند مخمس که ریختہ (۱۵۳ الف) جرآت را تضمین نمودہ نوشتہ می شود :

ساکت ہے کیوں ترا لب گفتار کیا ہوا
کیوں زیست سے تو ہو گیا بیزار کیا ہوا
یک بار میرے مونس غم خوار کیا ہوا
کیوں اٹھ چلا جہاں سے دل زار کیا ہوا
سٹھے اٹھائے تجھ کو یہ آزار کیا ہوا

بسیار دیری حشم کے تھے سبکڑوں یہاں
کس کس کے حال کا کروں تفتیش اور بیاں
پران سبھوں میں تھا جو نہایت ہی نیم جاں
اے شوخ تیرے کوچے میں دل نام اک جواں
ہر دم کراہتا تھا وہ بیمار کیا ہوا

خنجر سے یا تو چاک کسی نے کیا جگر
یا کر گیا جہاں سے کوئی نیم جاں سفر
روتے ہیں بے سبب بھی کہیں اتنے نوحہ گر
ٹک جا کے اپنے در تک اسیروں کی لے خبر
یہ شور سا ترے پس دیوار کیا ہوا

آنے سے میرے کس لیے ہوتا ہے تو خفا
کیا اتنے ازدحام میں ہوں میں ہی اک برا
اتنا بھی بے سبب کا یہ غصہ نہیں بھلا
بیٹھے سبھی ہیں پر خدا مجھ کو مت اٹھا
آیا جو میں بھی اے بت خوں خوار کیا ہوا

رہتے نہیں ہیں آپ تو الزام بن دیے
پر کیوں کے روے خوب سے آنکھیں کوئی سیے (۱۵۳ ب)
اک دید کے بغیر میں جاتا ہوں کیا لیے
تیوری بدل کے دست بہ قبضہ نہ ہوجیے
دیکھا جو یک نظر تمھیں اے یار کیا ہوا

---

(۱۳۵) کامل

شیخ غلام کبریا کامل تخلص ، متوطن بردوان ، شاگرد فغاں جوان قابل و خوس عنوان ، طالب علم مستعد ۔ درفن ریختہ گوئی استعداد کامل دارد ، ایں چند اسعار بزبانی اوبسمع رسیدہ ، ازوست:

یہ تو وہ نہیں ہے کہ سے جس میں بھری رہتی ہے
شیشۂ دل ہے یہاں اس میں پری رہتی ہے
اے میں قربان عجب تیر ہے یہ تیری نگاہ
جس میں سوفار ، نہ پیکاں ، نہ سری رہتی ہے
ان طبیبوں سے سفا اک مجھے ہوتی ہے
یاں مسیحا کی مسیحائی دھری رہتی ہے

جو کوئی ہے مردہ دل اس کو کہاں ذوق سخن
کور کے لب آشنا ہوتے ہیں کب گفتار سے

دیکھ احوال اپنا اے کامل
طرح ایسی نظر میں آتی ہے
گور میں بھی نہ چین پائیے گا
واں بھی قسمت میں سنگ و چھاتی ہے

دنیا وہ جگہ ہے، نہیں امکان یہ ہرگز
(۱۵۴ الف) محفوظ جہاں گردش ایام سے رہیے
کامل کوئی اب فکر کرو ایسی کہ جس سے
حندے تو بھلا گور میں آرام سے رہیے

پوچھا میں طفل اسکو، قاصد کے سنگ ہو گے
کہنے لگے کہ ہاں جی آنکھوں سے ہم چلیں گے

چھوڑ کر مجھ کو چلی ہائے تو اے عمر عزیز
خوب آتے ہیں برے دانسنہ کو یاں ہم بھی
غنچے جب کھلتے ہیں یاد آتی ہے اپنی حالت
کوئی دن پھاڑے تھے یوہیں گریباں ہم بھی

کس سے کہتے ہو با وفا ہوں میں
بندگی میں بہت رہا ہوں میں

لڑکے ملتے نہیں دوانے سے
درد کیا اٹھ گیا زمانے سے
گھر سے نکلا نہ وہ بہت پٹکا
سر کو میں سنگ آستانے سے

ق

مجھ سے کب ہوسکے ہے فکر سخن
کار عاقل ہو کسب دوانے سے
اصل یوں ہے کہ حال دل اس کو
کچھ سنانا کسی بہانے سے
طالب زر کبھو نہ ہو کامل
قاروں بدنام ہے خزانے سے

اگرچہ تم نہیں ملتے ہو ہم غریبوں سے
پر آج ہاتھ لگے ہو مرے نصیبوں سے

جوں جوں مجھے وہ کھینچے ہے آغوش کی طرف (۱۵۴ ب)
ڈرتا ہوں بھینکے دور کہیں تیر کی طرح
اے شمع رو وہ دل ہی نہیں دوں میں کیا تجھے
سینے میں مشت خاک ہے گل گیر کی طرح
کامل دنوں سے چھوڑ دے یہ گرم جوشیاں
نوے نو کی ہے اپنی یہ تشہیر کی طرح

ہم غم زدوں کو سر لب جو نہ چاہیے
آنکھیں مری دکھاتی ہیں آب رواں مجھے

لے گئی اب مار دل کو اس قد بالا کی زلف
آسماں سے جو بلا نازل ہو کیا سر سے ٹلے

بے جا ہے اسے کہیے کہ وہ یار ہے میرا
وہ مول مجھے اسے ہے ، خریدار ہے میرا
ہم خانہ بدوشوں کا مکاں پوچھتے کیا ہو
مسکن تو میاں سایۂ دیوار ہے میرا
نا حق مجھے بدنام کیا ، یاروں نے لے کر
دلدار کہاں ، وہ تو دل آزار ہے میرا

ق

قاتل مرا کل آن درشتی سے یکایک
پوچھے تھا مجھے تو ہی طلب گار ہے میرا
بس ہوس مرے جانے رہے میں نے کہا ہاں
سچ ہے کہ فدا تجھ پہ دل زار ہے میرا
اس بات کی سنتے ہوئے بس کھینچ کے شمشیر
للکارا کہ ہاں لیجو گرفتار ہے میرا
پھر جتنے حسود اسے تھے سب آن کے گھیرے
(۱۵۵ الف) دیکھوں تو اس اجماع میں اک یار ہے میرا
روداد مری دیکھ ، کہا ان نے ادب سے
میاں چھوڑ دو اس کے تئیں غمخوار ہے میرا
کہنے لگا تو کون ہے ، چل دور ہو یاں سے
ماروں گا میں کامل کو گنہ گار ہے میرا

ہستی سے چھوٹ یارو عدم کو جو جائیے
پھر یاں خدا بھی بھیجے تو ہرگز نہ آئیے

طفل اشکو تم تو آنکھوں میں ہماری تھے پلے
تم مجھے کیوں چھوڑ کر ایسی مصیبت میں چلے
ہم تو نادانی سے آ گئے ان بتاں کے ہاتھ میں
اب کہیں جو کچھ یہ چاہیں ہاتھ ہے پتھر تلے
بادۂ گلگوں کی جاگہ پیتے ہیں خون جگر
دانۂ انگور اب ٹھہرے ہیں دل کے آبلے

رباعی

میاں تجھ میں جو دیکھی دل ربائی ہم نے
کم دیکھی کہیں یہ خوس ادائی ہم نے
پر بے ادبی معاف ، یہ تو سچ ہے
الفت کی جو تجھ میں بو نہ پائی ہم نے

---

(۱۳۶) شیدا

محمدی شیدا تخلص ، متوطن بلدۂ مراد آباد ، جوانے سب نوکری پیشہ ، خوش خلق ، طبع موزون و فکر رسا دارد . احوالش بوجہ احسن ، دریافت نشدہ ، ایں چند اشعار متفرقہ بزبانی بعضے اعزا بسمع رسیدہ :

هزار طرح کی منت کری نهی جب اک دن (۱۵۵ ب)
وہ سنگ‌دل مرے آیا تھا ایک سب اک دن
سنایا ہوگا کسی نے تو تجھ کو اے ظالم
پڑا تھا میں ترے کوچے میں جاں بلب اک دن
ہوا نہ ایک سو ہم سے بت دو رنگ ہنوز
جو مہربان ہے اک دن تو ہے غضب اک دن

سبب تو قتل کا شہدا کے اس سوا نہ سنا
ہلا تھا دور سے بوسے کو اس کے لب اک دن

پڑی ہے جی ہی کے پیچھے یہ بےکلی دل کی
کسی ہوا سیتی کھلتی نہیں کلی دل کی
ہزاروں دیکھی ہیں زلفیں پہ کچھ بلا ہے زلف
کہ جس کے پیچ کے آگے نہ کچھ چلی دل کی
یہاں کے عشق کے شعلے سے خاک بھی نہ رہی
جو کچھ متاع تھی گھر میں سو سب جلی دل کی

جھلکتے ہیں ستارے جس طرح تاریک بادل میں
ترے بازو میں زیر آستیں یوں نورتن چمکی

---

(۱۳۷) میر طالب علی

میر طالب علی شاہ جہاں آبادی ، احوالش معلوم نیست ، چند فرد او بسمع رسیدہ ، ازوست :

یہاں تلک مری آنکھوں نے خوں فشانی کی
کہ روح قیس نئے سر سے پھر دوانی کی
نہ پہنچی جان مری آ کے تا بہ لب افسوس
سسکتی رہ گئی ، ہت تیری ناتوانی کی

(۱۵۶ الف) پہلے ہی دختر رز بات مری مان گئی
پھر میں چھیڑا تو کہا : اوہ مری جان گئی

---

(۱۳۸) سائل

جلیل شاہ سائل پسر شاہ پیارے ، متوطن مکن پور ، جوانےست صالح ، خوش اخلاق ، صاحب درد ، از خادمان مزار بدیع الدین شاہ مدار قدس سرہ ، فکر رسا و طبع مناسب و ذہن صائب دارد و اکثر بہ طور خواجہ میر درد و میر سوز حرف می داند ۔ این چند غزلیات بعد ملاقات او از مسودہ اش بہ قلم آوردہ شد ۔ ازوست :

بہ رنگ آب تو ہر رنگ میں فنا ہو جا
اگرچہ غیر بھی ہووے تو آسنا ہو جا
نہ پاوے آپ کو اپنے ہی ڈھونڈھنے سے آپ
حباب وار یہاں جس کی آنکھ وا ہو جا
خدا کے واسطے ہاں درگذر نہ کر ظالم
مرے برے میں اگر تیرا کچھ بھلا ہو جا
گذر گنہ سے مرے اے ترا بھلا ہووے
جو میں برا ہوں تو ٹک تو ہی اب بھلا ہو جا
یہ ذکر خیر میں کرتا ہوں جس کا اے سائل
اگر وہ آپ ہی آجائے کیا مزا ہو جا

جب سے بیٹھا گوشۂ خاطر میں پھر نکلا نہ آف
کس کماں ابرو کا ایسا چلّہ کس یہ تیر تھا

نالہ نہ کیا کہ مر نہ دیکھا
کیا تھا کہ جو ہم نے کر نہ دیکھا
ایدھر ہوئے جب خودی سے اپنی
پھر آپ سے کچھ ادھر نہ دیکھا

کس فکر کے جنگل میں بھرتا ہے تو آوارہ
جو دم ہے سو اے ناداں ہے کوچ کا نقارا
کیا پوچھے ہے تو مجھ سے جو چاہے سو کر ظالم
نا چاروں کی کیا قدرت ، بے چاروں کا کیا چارا
ہوتا ہوں نہ میں عاشق، قاسم کے بہ قول، از خود
لیکن چہ تواں کردن آں مانک دلبہارا

دل سے یہ آہ نا بہ لب آوے اگر برھنہ پا
چرخ ابر کو ساتھ لے ۔ لاوے نذرا برھنہ. پا

نہ کیا زلف نے اب تک بھی ترے گوش گذار
حال کیا خانہ بدوشوں کی پریشانی کا

چشم ساقی سے کبھی پھر کے اشارا نہ ہوا
دور اس جام کا افسوس دوبارا نہ ہوا
باغباں ہم ترے گلشن میں نہ آئے زنہار
چشم نرگس سے ہمیں تاکہ اشارا نہ ہوا
اشک آئے تھے نب دل سے نکل سائل کے
قائم النار سھوس سے یہ پارا نہ ہوا

سان نقش قدم یہ قدم نہ چھوڑیں گے
چلے چلو مرا صاحب جدھر کو جی چاہے

کشتی کے نمط آمد و رفتن یہ کہاں تک
لازم ہے کہ ہو بیٹھے اب ایک کنارے

---

۱ - فی الاصل : نطر -

نہ ہوگی جوانی نہ یہ سوز فردا (۱۵۷ الف)
کوئی دم میں ہووے گا امروز فردا
کہاں تک کروں صبر وعدوں پہ تیرے
وہ ہووے گا امروز کس روز فردا
ترے بے قراروں کو بن دید ہرگز
نہ امروز شادی نہ نوروز فردا
غنیمت ہے سائل کوئی دم کی فرصت
خدا جانے کیا ہووے امروز فردا

تشریف جو تم نہ لائے صاحب
ہم آپ ہی آئے آئے صاحب
برسات ہمیں تو یوہیں گذری
اور آپ ادھر ہی چھائے صاحب
کہتے نہ تھے مت ملو بتاں سے
کیوں کیسے نتیجے پائے صاحب

ہوتا ہوں میں رخصت ، ترا اللہ نگہبان
کیا جانیے کب پھیر یہ صورت نظر آوے
آئے تو کہے جا کہ ترے ملنے کو پھر بھی
سائل ادھر آوے ، اُدھر آوے ، کدھر آوے

سفر کیوں کر بسر ہو تنگ چشموں ساتھ عشرت سے
سوئی کے ساتھ رشتہ ہر قدم پر تنگ ہوتا ہے

رشتہ تری زلفوں سے مجھے یار بندھا ہے
مدت سے مرے دل میں یہی ھار بندھا ہے

یک عمر ھوئی صرف ھمیں سیز میں لیکن
(۱۵۷ ب) جوں موج وطن سے کہیں آگے نہ گئے

دل کو لے مفت میں ، اب جان کے درپے ھیں یاں
ھاں سو ھم دیں گے انھیں اسی ضرورت دیکھو
جذبۂ عشق زلیخا کی ہے کیا کیا تاثیر
ٹک ذرا قصۂ یوسف کی دو سورت[1] دیکھو

منظور نظر اس بت گلفام کے ھوے
اے کاش اگر ھم بھی کسی کام کے ھوتے

گرم خوئی سے تری ھم نہ ٹلے بیٹھ گئے
شمع کی طرح سے جس جا پہ جلے بیٹھ گئے
کس کی الفت نے نہ اتنا ھمیں پابند کیا
یاں سے سو بار اٹھے، اٹھ کے چلے، بیٹھ گئے
کوئی دم اور نہ آتے تو نہ پاتے ھم کو
ھم تو گھبرا کے چلے تھے پہ بھلے بیٹھ گئے
جس گھڑی بام پہ دیکھا تجھے مثل خورشید
سایہ ساں ھم ووھیں دیوار تلے بیٹھ گئے
دھک سے ھو خوف سے تیرا نہ لیا دم اے سانس
مثل نے بے مدد نالہ گلے بیٹھ گئے

---

[1] فی الاصل : صورت ۔

پھرا خدائی سے جب وہ تو خیر کیا ہوں میں
قرار تھا کہ جو تجھ سے پھرے ، خدا سے پھرے
ملول آتے ہیں بے طرح حضرت سائل
کہاں گئے تھے خدا جانے ، کچھ خفا سے پھرے

رباعیات اوسط

کیا فرقت دلبراں بلا ہوتی ہے (۱۵۸ الف)
آرام و قرار و صبر سب کھوتی ہے
سائل نہیں جنبس مرہ یہ واللہ
ملتی ہے یہ آنکھ ہاتھ اور روتی ہے

اب تو جاتے ہیں پھر بھی آویں گے آہ
غمگیں نہ ہو ، لو ہماری اللہ اللہ
دنیا میں مسافروں کا ہے حال یہی
آئے ، بیٹھے ، اٹھے ، چلے اپنی راہ

میری کہاں دیکھنے سے ہوتی ہے آہ
پر کیجیے کیا کہ بس نہیں ہے واللہ
باندھی کمر ہم نے اور چلے اپنی راہ
اللہ اللہ یارو اللہ اللہ

گو سیر بتاں ہے خوب ہر چند ولے
ہے ہجر میں کس کو تاب جو ہاتھ ملے

کیا دید بتاں کو جانے سائل کوئی
روزے کو گئے نماز پڑتی ہے گلے

قطعہ

اس کو غیروں ساتھ صحبت گرم دن اور رات ہے
ہم سے اب صاحب سلامت ، مل گئے کی بات ہے
تجھ سوا ہم بے کسوں کا کون ہے اے بے کسی
آشنا یا دوست جو کچھ ہے سو تیری ذات ہے

ہر دم سپاہی زادوں کو تدبیر جنگ ہے
آئے جو ایک دم کو تو آنکھیں لڑا گئے
(۱۵۸ ب) تنہا چمن میں کیا کریں ہم رہ کے اے صبا
مسفق گئے ، رفیق گئے ، آشنا گئے
معلوم حال حضرت سائل نہیں ہمیں
کیا جانے یاں ہی رکھتے ہیں تشریف یا گئے

میاں خوش رہو کیوں عبث ہو خفا سے
جو کچھ تم سے ہوگا سو ہوگا خدا سے
امید وفا محض بے دانشی ہے
کسی دوست سے ، یار سے ، آشنا سے
نہ پوچھا کبھی تو نے احوال سائل
مرو یا جیو کوئی تیری بلا سے

باطن کی تو حق ہی جانے ، ظاہر اسباب
اس دم تو ہماری روح تازی کردی

معلوم ہوا بہ قول شخصے لیکن
اے دوست بمن زمانہ سازی کر دی

اسے کرکے رخصت بہت روتے آئے
سرشکوں سے تخم وفا بوتے آئے
نہ تھا آج کوچے میں اس بت کے کوئی
ہمیں اور سائل ابھی ہوتے آئے

واقف نہ تھے ہم ہاں کے غم و رنج و الم سے
ہستی ہمیں بہلا کے لے آئی ہے عدم سے
افسوس کہ تک چند بھی تونے نہ نبھائی
سائل کو تو کیا کیا نہ گماں تھا ترے دم سے

---

۱۲) مصحفی

غلام ہمدانی مصحفی متوطن شاہدرہ : جوان حافظ قرآن ،
ن (۱۵۹ الف) تلاوت قرآن مجید و فرقان حمید در دلش زیادہ
تد بود ، ہمیں سبب مصحفی تخلص می‌کرد ۔ جوان سعادت مند ،
ن و مسکین وضع ۔ ذہنش بسیار مناسب و سلیقہ‌اش درست ۔
سخن او الحال بہ مرتبہ رسیدہ کہ حالا در لکھنئو در جرگۂ شعرا
ل است ، ازوست :

ابتر ہوئے ہیں طفل سرشک اپنے اس قدر
باہر نکل کے گھر سے یہ کھیلیں ہیں گولیاں

ہم تو بیٹھے ہی رہے یار کے در کے آگے
کھائیں سو ٹھوکریں پر واں سے نہ سرکے آگے

ناگہاں جا جو پڑی اس گل نازک پہ نگاہ
پھر گئے سیکڑوں رنگ اپنی نظر کے آگے
مصحفی اس کو ہی کہتے ہیں ، سنا ہووے گا
وہ جو کل غش میں پڑا تھا ترے در کے آگے

ان آنکھوں سے کیا کیا ستم دیکھتے ہیں
خدا جو دکھاتا ہے ہم دیکھتے ہیں
ہماری طرف آپ کم دیکھتے ہیں
وے نظریں نہیں اب جو ہم دیکھتے ہیں
تو آوے نہ آوے ولے ہم تو ہر شب
تری راہ تا صبح دم دیکھتے ہیں
یہی خط نویسی ہے ہر دم کی اس کو
تو اس سر کو اک دن قلم دیکھتے ہیں

(۱۵۹ب) اول تو قفس کا مرے در باز کہاں ہے
اور ہو بھی تو یاں طاقت پرواز کہاں ہے
انجام ہے بد اس کا ، نہ ہر یک سے ملا کر
چہرے پہ ترے خط ابھی آغاز کہاں ہے

بادل سے برستے ہیں مرے دیدۂ تر روز
ساون کا سا گذرے ہے میاں مجھ پہ تو ہر روز
اغیار کی مجلس میں جو تم جاتے ہو شب کو
آ رہتی ہے اس رات کی ہم تک بھی خبر روز
اے غیرت خورشید یہ رو پوشی کہاں تک
برقع کو اٹھا ، میری شب تار کو کر روز

میں اپنی ہی کچھ زیست سے جیتا ہوں وگرنہ
بندہ رہتی ہے قاتل کی مرے خوں پہ کمر روز
اے مصحفی اس کوچے میں دل بس کہ لگا ہے
جاتے نہیں اور کرتے ہیں ہم عزم سفر روز

تری کو سے مر کر یہ بے جان نکلا
بھلا تیرے جی کا تو ارمان نکلا
میں اس آن کے کیوں نہ ہوجاؤں قرباں
کہ ٹک یاد کرتے ہی نو آن نکلا
کہانی سی بجانی گئے بھول مطرب
وہ زاہد پسر جب لہوں تان نکلا
جسے رات پکڑا تھا عاشق سمجھ کر (۱۶۰ الف)
بڑی خیر گذری وہ دربان نکلا
جہاں شیخ جیو روز سجدہ کریں تھے
وہاں شیخ سدو کا اک تھان نکلا
ہوئے مصحفی خون کتنوں کے دم میں
وہ جب اپنے گھر سے چبا پان نکلا

نند بھی آنکھوں کو ذری کیجیے
چند پریشاں نظری کیجیے
دل کے عوض دیجیے بوسہ ہی اک
خوب نہیں ، مفت بری کیجیے

یاد ہیں وے دن تجھ کو جب ہم تجھ سے محبت رکھتے تھے
کیسی کیسی کریں تھے باتیں کیا کیا صحبت رکھتے تھے

سایۂ گل بھی سر پہ ہمارے کرے ہے یارو اب تو گرانی
ناز چمن کے اٹھاتے تھے جب عشق کی طاقت رکھتے تھے
نزع میں آیا ایسی گھڑی گھر یار ہمارے ہائے نصیب
جس دم اب بھی ہلانے کی زنہار نہ فرصت رکھتے تھے
جن دنوں اپنے عشق میں تھی اے مصحفی اک گرمی و کشش
ہم کیا یہ خورشید جبیناں ہم سے خود الفت رکھتے تھے

یا نہ ہوتی تھی کبھو یک مژہ تر پانی میں
یا پڑے بہتے ہیں اب لخت جگر پانی میں
کیوں نہ اس رشک سے میں ڈوب مروں یارو وہ شوخ
جاتا ہے پیرنے کو شام و سحر پانی میں
(۱۶۰ ب) گریہ یاں تک میں کیا ہے کہ کھڑے ہیں احباب
کوئی تا زانو کوئی تا بہ کمر پانی میں
جھاڑے بال آن نے نہا کر تو گریں یوں بوندیں
تو کہے ٹوٹ پڑی سلک گہر پانی میں
گریہ عاشق تو نہیں مانع نظارۂ یار
سچ ہے ماہی کو سب آتا ہے نظر پانی میں
طرح مچھلی کی پڑا پیرے ہے یہ طفل سرشک
ہائے مطلق نہیں لگتا اسے ڈر پانی میں
بیچ دریا کے بھی ہوتی نہیں کم شورش دل
گرچہ رہتے ہیں پڑے دو دو پہر پانی میں

اس سوا اور ہزاروں ہیں تو کیا کام مجھے
اس کے بن دیکھے نہیں ایک دم آرام مجھے

سادگی دیکھ کہ بوسے کی طمع رکھتا ہوں
جن لبوں سے کہ میسر نہیں دشنام مجھے
میں نے کیا ان کا لیا ہے ، جو گلی کوچوں میں
مدعی ڈھونڈھتے ہیں صبح مجھے شام مجھے
اک ترے کوچے سے باہر نہ نکالے تا زیست
یوں جو چاہے سو کرے گردش ایام مجھے
مصحفی ہاتھ اٹھا اب بھی تعشق سے کہ یار
نظر آتا ہے بد اس کام کا انجام مجھے

رباعی

وہ شوخ ابھی تو مجھ سے رم کرتا ہے
جوں چاہیے اختلاط کم کرتا ہے (۱۶۱الف)
اتنا تو ستم نہیں نہ ملنا اس کا
غیروں سے ملے ہے یہ ستم کرتا ہے

---

(۱۴۰) بلیغ

قدرت اللہ بلیغ متوطن قصبۂ آلدن ، سابق غم تخلص می کرد ، حالا بلیغ اختیار نمودہ ، جوان قابل خوش تقریر ، ہر چند گردش فلکی باو مساعد نیست فاما چناں صاحب غیرت است کہ تا حال پیش کسے سر التجا فرود نیاوردہ ۔ صاحب دیوان فارسی ، گاہے یک دو غزل ریختہ ہم بتقریبے موزوں می کند ۔ بایں راقم الحروف بہ سبب نسبت ہمنامی اتحاد تمام دارد ، چند سال شد کہ بطرف کعبۃ اللہ رفتہ بود ، شنیدہ می شود کہ الحال بطرف نواح دکن استقامت دارد ۔

این چند اشعار بدستخط خود نوشته داده بود ، بہ تحریر می آید - ازوست :

جب ہاتھ میں قاتل کے وہ خنجر نظر آیا
دعوت کو لبوں پر مرا لخت جگر آیا
دل تڑپے ہے بسمل کی طرح خود بہ خود اندر
حیراں ہوں میں اے غم کہ وہ قاتل کدھر آیا

کانوں میں کسی کے جو پڑا نام کسی کا
سنتے ہی کسی کے گیا آرام کسی کا

(۱۶۱ب) کس صفائی سے مقابل ہو یہاں آئینہ
کہاں معنی تری صورت کے ، کہاں آئینہ
نہ وہ پیغام کو سنتے ہیں ، نہ خط پڑھتے ہیں
ہم سے لے جائیو اے نامہ براں آئینہ

بے دماغی سے تری دل کے تئیں ہے خطرہ
ورنہ کچھ کام نہیں چاک گریباں کرنا

دل کی کلفت چھپی نہیں رہتی
یعنی الفت چھپی نہیں رہتی
رنگ اڑتا ہے ، وضع کہتی ہے
غم کی حالت چھپی نہیں رہتی

کیا کہوں میں اے بلیغ اس دل کی نادانی کے تئیں
یار جانی جانتا ہے ، دشمن جانی کے تئیں

جب دھن آیا ترا تصویر میں
مانی اور بہزاد نقطہ کر گئے

---

(۱۴۱) نیاز[1]

محمد صبیح عالم خاں نیاز (۱۶۲ الف) تخلص، ازمفتیان بلدۂ سنبھل ۔ جوان قابل ، نازک دماغ و نہایت خوش فکر ، از بسکه ذھن رسا و فکر بجا دارد سر تفاخر او برائے اصلاح سخن سوے کسے فرو نمی آید ، این چند ابیات او که بنظر رسیده بتحریر می آید ۔ ازوست :

بسے ھے زلف کا کس کی خیال آنکھوں میں
تمام شب یه کھٹکتا ھے دال آنکھوں میں

نقاشوں میں اس ابرو کی تصویر کھنچے ھے
اب دیکھیو کوئی دم میں که شمشیر کھنچے ھے

گنجفے میں عشق کے مجھ سا نہیں کوئی جلد باز
آن نے واں شمشیر کھینچی ، میں کہا سر لیجیے

روز کوچے میں ترے گالیاں کھا جاتا ھوں
ناز کا بھوکا ھوں اس واسطے آ جاتا ھوں (۱۶۲ ب)

---

۱ ۔ اصل متن ورق ۱۶۱ ب پر امان الله معمار متخلص به نثار کا مختصر ترجمه اور انتخاب درج ھوا ھے لیکن اسی کا ترجمه ورق ۱۶۹ ۔ الف پر بھی موجود ھے ، یہاں غلطی سے درج ھوگیا ھے ھم نے اس موقع پر اسے حذف کر دیا ھے ، البته جو اشعار دونوں انتخابوں میں الگ الگ تھے انھیں ھم نے یک جا کر دیا ھے ۔ (ملاحظه ھو نمبر ۱۵۰)

یہ تو کچھ پیار ہی ہے گالیاں دیتے ہو میاں
ورنہ غصے کی تو نظروں کو میں پا جاتا ہوں
ٹھہرتا کون ہے صاحب کی گلی میں یک دم
خیر دل دیجیے میرا میں اٹھا جاتا ہوں
واں تو پاؤں کے تئیں مہندی لگا بیٹھا ہے
خاک میں یاں ترے ہاتھوں سے مٹا جاتا ہوں
جی نیاز آپ کی ہے، لیجیے لینا ہے اگر
زود رنجی سے تمھاری میں سوا جاتا ہوں

شہید عشق یہ قاتل سے کہہ تمام ہوا
تمھارا نام ہوا اور ہمارا کام ہوا
سنا ہے میں کہ دم نزع کہہ سوا محمود
جو بادشاہ ہوا، عشق کا غلام ہوا
کہے تھا میں کہ شب غم تمام ہوگی کب
سو ہوتے صبح کے یاں کام ہی تمام ہوا
کبھی کبھی نظر آتا تھا خواب میں وہ نیاز
سو دل کے درد سے سونا ہی اب حرام ہوا

اک دن بھی بات چیت میں تم نے نہ شام کی
آوے جو دل میں آپ کے، ہے بات کام کی
کعبے میں گر وہ بت ملے اللہ کی قسم
تعظیم خوب سے کروں بیت الحرام کی (۱۶۳ الف)
روزہ نماز کر دیا سب عشق کی نیاز
تسبیح رہ گئی ہے، سو ہے تیرے نام کی

یہ اشک دل کے تلف ہونے کی خبر لایا
مثل ہے ، روتا گیا مرنے کی خبر لایا

ہر جا ہے گالیاں دو جو اب سنا سنا کر
ہم نے تمھیں پکارا چاھیں جتا جتا کر
تم نے رقیب کو کل اک پان جو دیا تھا
کرتا تھا کیا ہی باتیں کافر چبا چبا کر

جب بے کسی پر اپنی سینہ اٹھا سلگ کر
قاتل کی تیغ لو ہو روئی گلے سے لگ کر
کہتے تھے ختم ہم پر دانائی جہاں ہے
دل لے گئے نہ آخر لڑکے ہی ہم سے ٹھگ کر

جدھر مرے بانکے نے جس آن اٹھایا
گویا کہ مرے قتل پر آن پان اٹھایا[1]
تھی دور میں مجنوں کے کہاں اس کی یہ تعظیم
نالے نے مرے سر پہ بیابان اٹھایا

دیگر مثنویات وقصائد او بسیار است ، یک مطلع مثنوی او یاد است :

الٰہی دل دے اک آس کا پارا
کہ ہو دوزخ کا وہ سلگانے ہارا

---

(۱۴۲) میر ضیف

احوالش مفصل معلوم من نیست، یک فرد او بسمع رسیدہ ، (۹۳ ، ب)

---

۱ - پان اٹھانا : بیڑا اٹھانا

هم مسلماں ہوئے مدت سے بتوں کو چھوڑ؟
تو بھی گردن سے مٹا نہیں خط زنار ہنوز

---

(۱۴۳) کبیر

حکیم محمد کبیر سنبھلی ، انصاری ، از اقربائے نواب امین الدوله ، جوان قابل ، خوش اخلاق و در مروت و قبیله پروری و آشنا پرستی طاق ۔ یار صادق ، حکیم حاذق ، از مدتے در رفاقت نواب محمد یار خان امیر که احوالش عنقریب خواهد آمد ، بوده ذهن مستقیم و طبع سلیم دارد ۔ دیوان مختصر ریخته ترتیب داده ، این چند ابیات او که بهم رسیده ، به تحریر می آرد ، ازوست :

واعظ کی باتوں سے میں ہوں گا گمراہ
استغفر اللہ ، استغفر اللہ
آتا ہے وہ بن کیا سج بنائے
اللہ اللہ ، اللہ اللہ
کہتا ہے قاصد خط اس کے آیا
الحمد للہ ، الحمد للہ

تر دیا بے پر و بالی نے نشیاں مجھ کو
اس رہائی سے وہی خوب تھا زنداں مجھ کو
وہ روہیلے کا پسر جب سے گیا آنکھ لڑا
تب سے نہیں سوجھتا جز نالہ و افغاں مجھ کو

بن پان چبائے ہوئے بن لال رہے ہیں
ہیں ہونٹھ ترے یا کوئی مرجان کے ٹکڑے

جب جامہ پہن بر میں تو انداز سے آوے
پھر میں نہ کروں کیوں کہ گریبان کے ٹکڑے

ترے دوانوں کے پیارے عجب ہیں زشت نصیب
ہوا نہ جن کو کبھی غیر سنگ و خشت نصیب
ڈراتا ہے مجھے دوزخ سے ہر گھڑی واعظ
خدا کرے کہیں جلدی اسے بہشت نصیب
تباہ کرتی ہے دنیا یہ قحبہ کس کے ساتھ
بھلا ہوا نہ ہوئی میرے یہ پلشت نصیب
مناقشہ ہے عبث شیخ و برہمن میں کبیر
کسی کے کعبہ، کسی کے ہوا کنشت نصیب

در ایامے کہ افواج افاغنہ درکوہ سری نگر محصور بود، گرانیٔ غلہ از بسکہ زیادہ شد مردماں اکثر روزہ ہم انداشتہ شاعر مسطور ایں رباعی موزوں گفتہ:

زاہد سے بہت عید کو ہم شرمائے
اس قحط میں رمضان مبارک آئے
ناچار جب اور کچھ میسر نہ ہوا
بھر پیٹ بہت سے ہم نے روزے کھائے

---

(۴۴۱) سجاد

متوطن قصبہ جھنجھانہ، جوانے ست قابل و لائق محفل، یارباش، خوش خلق، در علم نوارج و فن موسیقی (۱۶۴ب) دست رس تمام دارد، برادر کلاں او حکیم ساجد، از مغتنمات روزگار است۔ ذہنش بسیار مناسب و طبعش درست۔ اکثر مرثیہ موزوں می کند،

گاہے یک دو فرد ریختہ بہ تقریبے بہم می رساند ، این چند ابیات دال بر موزونیت و جوش طبع اوست :

سووتا کیا ہے زلف منہ پہ رکھے
اٹھ میاں دونوں وقت ملتے ہیں

جو ہمارے سر پہ گذری منہ سے کہنا ہے عبث
تیغ سے قاتل کی جا پوچھو ہماری سر گذشت

در شدت سرما گفتہ :

اب تو کرتا ہے ہم کو دق جاڑا
باد سے ہو کے متفق جاڑا
غ کی کوٹھی بندھی زمیں اوپر
مینھ کی باندھا ہے چق جاڑا

مثنوی در ہجو کسے ہندو و تاریخ تولد پسر او بطریق تعمیہ خوب گفتہ و مضامین نادر تلاش نمودہ ، چند ابیات او بہ تحریر می آید :

ایک بیٹی . . . کے بیٹا نہ تھا[1]
لیٹ آن نے . . کو جورو کی سہا
ناگہاں آمد بہ فرمان حمید
نطفۂ ناپاک در رحم پلید
نو مہینے بعد جب وہ گل کھلا
نیم شب کو جاگ اٹھی زن چلچلا

---

۱ - فحش الفاظ کی جگہ جو نقطے لگا دیے گئے ہیں وہ تعداد میں اتنے ہی ہیں جتنے اس فحش لفظ کے حروف ۔

یہ خبر سن کر اٹھے دیوان جی (۱۶۵ الف)
یوں کہا دو بہمنوں کو دان جی
پوت کے ہونے سے وہ کم ذات نیچ
پھولتا تھا . . . جوں شہوت کے بیچ
پور کے دیدار کو چاھتا تھا دل
جا لگائی آنکھ . . کے منصل
پوت نے دیکھا جو بابا کا جال
ھاتھ دونوں باپ کی گردن میں ڈال
لے گیا وہ دھینچ اندر زور سے
گھر کے لوگوں کے گئے اڑ مور سے
. . . میں جب گھس گئے دیوان جی
رہ گئی حکرت بہن اور بھانجی
. . . میں یوں لے گیا بابا کو پوت
جس طرح مکھی کو لے جا عنکبوت
جا پھنسے دیوان در قید گراں
ہم چو کیکاؤس در مازندراں
یوں کہا تب جی سے ہو کرنا امید
پوت نہیں یارو یہ ہے دیو سفید
پھر تو آخر دب گیا وہ پوت سے
بھاگنے کو سر نکالا . . . سے
یہ ذرا چوڑے تھے . . . . . . تھا تنگ
اڑ گئے سوڑھے ہوئی اس میں درنگ
اس طرف بیٹا کرے تھا مار مار
یہ ادھر تھے بھاگنے پر بے قرار

استری پیچھے تھی اور آگے تھے ناتھ
(۱۶۵ ب) کھوپڑی گھستی ہے جوں کچھوے کے ہاتھ
یوں لگیں دیوان در ... ... ہال
جوں چلے گینڈے کا بچہ سر نکال

در تاریخ تولد اومی گوید :

پوچھی تاریخ اس کی جب سنسار سے
سب کہیں : نکلا ہے پلا غار سے

دیگر تاریخ تولد کسے سر اغنیاے حال گفته :

منہ نہ میٹھا کیا گندوڑے سے
ایک بیٹا ہوا تو ...... سے

در ہجو کسے دایہ کہ لب آو دیدی بود گفته :

دیدی سے میں کہا کہ ذرا سی تو مجھ کو دے
لیکن حرامزادی ہے دی دی ....

دیگر اشعار بسیار دارد از نوادرات روزگار خود است :

(۱۴۵) پروانه

پروانه علی مراد آبادی متخلص به پروانه ، مردے ست دیوانه جوانے ست مردانه ، مزاج آزادانه ، مشرب رندانه ، ذهنش مناسب و موزون شاعرانه ، شعررا باواز بلند می خوانند ۔ شاگرد مراد علی حیرت، حالا از محمد قائم مرقوم اصلاح می گرفت ، دریں ایام جوش جنون بر خاطرش طاری ست ، ازوست :

کیوں میاں پروانہ ہوئے جل کے ڈھیر
پھر بھی کسی شعلے کو اب چاہیے

گیوں کے پیغام مجھے اس کا زبانی آوے
نام سنتے ھی مرا حس کو گرانی آوے (۱۶۶ الف)
جھوٹ کہتا ھے تو قاصد یہ زبانی پیغام
مجھ کو باور نہیں جب تک کہ نشانی آوے

---

(۱۳۶) شہید

شہید بلگرامی طبع موزون و درست دارد ، دیگر برحسب و نسب و حالس اطلاعم نیست ، دو فرد او بسمع رسیده ازوست :

پھر بن نہ سکے گا کبھی ، زنہار نہ ٹوٹے
ساقی یہ مرا دل ھے ، خبردار نہ ٹوٹے
قاتل تو شہید اپنے کے پھر زخم لگانا
دم لے کہ ترا خنجر خوں خوار نہ ٹوٹے

---

(۱۳۷) حسن

سید حسن علی حسن ساکن شاہ جہان آباد ، مرد قابل و شجاع تیر انداز ، خوش نویس ، دستکار ، صاحب غیرت ، و درفن بانک و پٹہ نیزمہارت داشت ، اگرچه به سبب عدم مساعدت روزگار درکوے پریشانی سر گران بود فاما تا بمرگ بیش کسے سر النجا فرو نیاورده ، چند سال شد که در گذشت ، حق تعالیٰ مغفرتش کند ، طبع موزون داشت ، چند اشعار او یاد است ۔ ازوست :

ناز آئینے پر اتنا تو سکندر مت کر
کیا تماشا ھو جو سینے سے دل آوے باھر
غرق ھو موج تبسم سے بہ گرداب ذقن
کشتی دل کو اگر زلف نہ ھووے لنگر (۱۶۶ ب)

یہ تو نم جانو بجلی کو سکھائیں کن نےاچپلیاں
ھمارے دل سیتی تعلیم لے سیکھی ھیں ے کلیاں

---

(۱۴۸) مجذوب

غلام حیدر مجذوب تخلص ، جوانے ست وجیہہ و خوبصورت ، متوطن دھلی، منظورنظر و تربیت کردۂ مرزا رفیع السودا، ازہفلی بطریق فرزندی خود او را پرورش دادہ ، اکنون ازفیض صحبت اوسخنش بمرتبہ رسیدہ - چند ابیات متفرقہ او بہم رسیدہ - ازوست :۔

چمن میں حسن کی مے جب وہ گل اندام لے آیا
ادھر غنچہ صراحی اور ادھر گل جام لے آیا
طپش سے مہر کی جب جل گئی اک خلق کوچے میں
مہ نو وقت شام اس کو بہ سمت بام لے آیا
عجب قیمت ھے اپنے دل کی بازار محبت میں
جو کوئی صبح اس کو لے گیا تو شام لے آیا
گئے تھے ھم نری کو سے ارادہ کر نہ آنے کا
گریباں کھینچ کر لیکن وفا کا نام لے آیا
میں کافر ھوؤں گا **مجذوب** اب کی سیخ کی ضد سے
بتوں کے پاس سے قاصد اگر پیغام لے آیا

کب کسی دل سوختہ سے ساز کرتی ھے حنا
ان دنوں ھاتھوں پہ تیرے ناز کرتی ھے حنا
قتل کر **مجذوب** کو تونے چھپایا گو صنم
برملا عالم میں اب یہ راز کرتی ھے حنا

جہر و جفا پہ یار کی دل مست پکار کر (کذا)
اپنی طرف سے ہووے جہاں تک نباہ کر
نام و نشاں رہا نہ جہاں میں تو کیا ہوا
مثل نگیں تو منہ کو نہ اپنے سیاہ کر

اعجاز جو تجھ لب کے کرے گوش فلک پر
عیسیٰ کے رہیں سن کے نہ پھر ہوش فلک پر
پھرتا تجھے خورشید جو دیکھے بہ لب بام
گردش کو کرے اپنی فراموش فلک پر

قاصد جو بتاتا ہے تو محبوب کی باتیں
باور نہیں آتی ہیں اس اسلوب کی باتیں
تجھ عشق میں رسوا میں ہوا یار جہاں میں
کیا کیا نہ سنیں ہم نے بد و خوب کی باتیں
تجھ کو سے کوئی جائے کہاں اٹھ کے پیارے
باور تو بھلی کرتا ہے مجذوب کی باتیں

بتاں ، قربانیِ عشاق کی تمہید کرتے ہیں
، لگا مہندی کو ہاتوں میں یہ ظالم عید کرتے ہیں
طبیعت اس قدر بادی انہوں کی ہے کہ جب دیکھو
وضو کی شیخ جی بیٹھے ہوئے تجدید کرتے ہیں

بد کہنے کو کسی کے معیوب جانتے ہیں
اپنے تئیں گو یارو ہم خوب جانتے ہیں (۱٦۷ ب)

قاصد هزار ڈھب سے باتیں بناوے یارو
ہم تو زباں کا اس کی اسلوب جانتے ہیں
خاطرمیں کون لاوے میرا سخن کہ مجھ کو
سودا کا سن کے لٹا مجذوب جانتے ہیں

عداوت سے تمھاری کچھ اگر ہووے تو میں جانوں
بھلا تم زہر دے دیکھو، اثر ہووے تو میں جانوں
تمھارا ہم سے جو وعدہ وفا ہے اس کو تم جانو
مرے پیماں میں کچھ نوع دگر ہووے تو میں جانوں
نہ اندیشہ کرو پیارے کہ سب ہے وصل کی تھوڑی
تم اپنی زلف کو کھولو، سحر ہووے تو میں جانوں

آوے بھی مسیحا مری بالیں پہ تو کیا ہو
بیمار یہ ایسا تو نہیں جس کو شفا ہو
مجذوب ترے عجز و تکبر سے ہوں نالاں
بندہ ہو کبھی بیٹھے ہے تو گاہ خدا ہو

لوگے خبر جو دل کو گرفتار کر چلے
یا دام ہی میں صد کو مردار کر چلے
جیونے کے مارنے کا نہ گذرا کبھی خیال
اتنا ہی ہم جہان سے مسن مار کر حلے (کذا)

ہمارے قتل کے مکرے سے حاصل، خلق جانے ہے
(۶۵ و الف) کہ تیری تیغ کس کے خون میں ظالم نہیں ڈوبی

کہا ہے قتل تیغ یاس نے شاید تمنا کو
کہ آتے ہی لہو میں آج آہ آتشیں ڈوبی

کچھ سنا مجذوب تونے بھی کہ وقت کوچ حسن
ہونٹھ مل کر فوج خط نے یار سے تن خواہ لی

چاہوں مدد کسی سے نہ اغیار کے لیے
میں بھی تو یار کم نہیں دو چار کے لیے
باغ جہاں میں آنے سے ہے گل کو کیا غرض
جز یہ کہ تیرے گوشۂ دستار کے لیے
طوبیٰ کے نیچے بیٹھ کے روؤں گا زار زار
جنت میں تیرے سایۂ دیوار کے لیے

اناالحق کہنے کی منصور کو تقریر پیش آئی
جب ان نے آپ میں دیکھا تری تصویر پیش آئی
نہ تنہا کوہ کن تجھ عشق میں مارے ہے سر اپنا
گیا ہے قیس صحرا کو، ہمیں زنجیر پیش آئی

پونچھے نہ کبھی اشک وہ مغرور کسی کے
پڑ جائیں اگر چشم میں ناسور کسی کے
آنکھوں سے جو نزدیک ہو کتنا ہی تو پھر کیا
جس روز پڑا دل سے کوئی دور کسی کے

ہیں پر خاکستری قمری کے اور سیلی ہے گردن میں
کہو چھوڑا ہے کیا ان گھر گئی نے فرق جوگن میں

رباعی

(۱۶۸ ب) افسوس کہوں کس سے میں اپنی کھٹکی
قالب سے پھرے ہے روح بھٹکی بھٹکی
ان آنکھوں نے چین جی ما کھویا مجذوب
یہ خانہ خراب جس سے اٹکی اٹکی

---

(۱۳۹) اویسی

غلام محی الدین اویسی متوطن سرھند ، از مریدان خاندان سـ
حسن رسول نما ، مردے ست فاضل درویس سیرت ، مہذب صور
صاحب نسبت کامل ، خوس نویس، انشا پرداز قابل ، صاحب طبع ر
و فکر اشعار فارسی و عربی و هندی او از نظر ایں احقر گذشته ، فہم
سلیم و ذهن مستقیم دارد ۔ حالا در تصنیف تفسیر قرآن‌شریف در نظ
اشتغال دارد وبسیار نکات عجیب و غریب درو بکارمی برد ایں چ
ابیات او که بسمع رسیده به تحریر می آید ۔ ازوست :

لائق نه رہے هم تو کہیں سیر و سفر کے
جوں نقش‌قدم چلّه نشیں‌هیں ترےدرکے
هم اپنے تخیل میں نہیں آپ کو پاتے
جس دن سے هوئےمحو میاں تیری کمر کے
سنگرف سے لکھاھےمیں احوال‌به‌مکتوب
یعنی که معانی هیں مرے خون جگر کے
لے جائیو نو خط کی طرف اس کو شتابی
(۱۶۹ ب) قرباں هوں کبوترمیں‌ترےبال اور پر کے
ٹک جلد خبر لیجیو بچتا ھے یه بیمار
پھر فائدہ کیا جب که ملا خاک میں مر کے

اس قدر جی ترے جوروں سے صنم رکتا ہے
کہ مرے نام سے شمشیر کا دم رکتا ہے
کس طرح چھوڑ سکوں تیری گلی کو جاناں
سر اگر جاوے تو جاوے یہ قدم رکتا ہے

کیا کہوں کیسے کٹی ہجر کے حالات میں رات
روز محشر ہے مجھے تیرے خیالات میں رات
ساقیا موت ہے مجھ بن مجھے پینا بادہ
سکر کیا معنی گذر جاتی ہے سکرات میں رات
ذکر و شغل اب دو اوسی کا یہی آٹھہرا
کچھ کٹے رونے میں کچھ تیری حکایات میں رات

دل کی چوری نہ ترا حال ہے کالا کالا
لے گیا وہ درا لیکن اسے بالا بالا
یک طرف تھی نگہ خشم جبھی دل میں مرے
دوسرے ہر سرہ کرتی اٹھی بھالا بھالا

اس آفتاب سے چہرے پہ زلف ہے کالی
پناہ سوختگاں سد ظلہ العالی
میں روز عید بھی قرباں کیا نہ میرا دل
ہزار حیف یہ ذی حجہ بھی یوں گیا خالی[1]

---

[1] عوام اورخصوصاً عورتوں کی زباں میں ذی قعدہ کے مہینے کو 'خالی' کہا جاتا ہے ، کیوں کہ یہ دو عیدوں کے درمیان کا خالی مہینا ہے ، یہاں شاعر نے اسی رعایت سے ایہام رکھا ہے ۔

(۵۰۱) نثار

امان‌اللہ بہار[1] متخلص بہ نثار، متوطن دہلی، ازشاگردان(۹۶
حاتم مسطور، طبع رسا و فہم بجا دارد، دیوان ضخیم ترتیب د
این چند ابیات ازاں انتخاب[2] نمودہ شد، بہ تحریر می آید۔ ازوست

کیا جامۂ پھلکاری اس گل کی پھبن کا تھا
جو تختۂ داماں تھا تختہ وہ چمن کا تھا
[x]ہم آگے ہی جانے تھے تم گھر کو سدھارو گے
جس وقت گجر باجا ماتھا ووہیں ٹھنکا تھا

نکلے ہے ڈرتے ڈرتے منہ سے کلام آدھا
پیغام بر کہے ہے اس سے پیام آدھا
صاحب سلامت ان کی ہے منہ پہ ہاتھ رکھنا
ایجاد ہے بتاں کا سب سے سلام آدھا
دریا میں یوں کمر تک دیکھا نثار اس کو
خورشید چھپ گیا ہو جوں وقت شام آدھا

نہ آنکھیں اس کی آنکھوں پر، نہ دل اس کے گال پر ریجھا
جو اٹکی جان زلفوں سے تو پھر جی خال پر ریجھا
ہمارا نقد دل زلفوں میں لے کر اینٹھ رکھتا ہے
بھلا کیا طرح ہے یہ کیوں پرائے مال پر ریجھا

---

۱ - ملاحظہ ہو نمبر ۱۴۱ کا حاشیہ،
۲ - جن اشعار پر نشان × دیا ہوا ہے وہ اس انتخاب میں شامل نہیں جو پہلے ہوا ہے اور جسے ہم نے اس متن میں ضم کر دیا ہے۔

صرحا جاگتا تھا تو پلنگ پر رات کو لیٹا
ووہیں پھر موند لیں آنکھیں تری اس ٹال پر ریجھا

پستاں کا خال مشکیں ، دل اڑائے بن نہیں رہتا
یہ کالا چور ہے اس کو چرائے بن نہیں رہتا (۲۰۷ الف)
ہمارا کھوج کھونے کے نثار ایسا وہ درپے ہے
اگر نقش قدم دیکھے ، مٹائے بن نہیں رہتا

دل پر خیال زلف ستم گار کی نشست
یوں ہے کہ جیسے گنج پہ ہو مار کی نشست
رستا تمام بند کھڑا ہے نظر تو کر
لائی ہے کیا غضب تری بازار کی نشست

تم رات کو بھی آئے نہ اپنے قرار پر
یہ ظلم تم نے کیا کیا اس بے قرار پر
جانا ہے ساتھ آہ سے یوں جی چلا مرا
جوں عنکبوت جائے چلی اپنے تار پر
ہے چرخ پر ہلال اس ابرو کے آگے یوں
بے نور جیسے چاند ملمع کا ڈھال پر
موباف سرخ جعد میں اس کی نہ جانیو
ثابت ہے آج خون مرا بال بال پر

یار میرے نے مجھے زہر دیا کھانے میں
آہ پتھر پڑیں اس وقت کے یارا نے میں

شانہ کس روز چھڑاوے گا دل اس کاکل سے
شانے میں دیکھیو احوال مرا شانے میں
آ کے اس بزم میں یہ خانہ خرابی کیا کی
(۷۰ ب) گھر کے گھر بیٹھ گئے اک ترے اٹھ جانے میں

دل تجھے دے کے جو ظالم گالیاں کھاتا ہوں میں
کیا کروں شکوہ ترا اپنا کیا پاتا ہوں میں
اب تو یوں ٹھانی ہے دل میں یہ بھی اک جو کھوں سی ہے
ہو سو ہوجا ، اس کے در کی چول آ کساتا ہوں میں

سو کوس ترے سائے سے بھی دور رہوں ہوں
جوں دزد حنا کب میں ترے ہاتھ لگوں ہوں
لیتے ہوئے بوسے کے ، ادا لگتی ہے پیاری
منہ پھیر کے وہ شوخ جو کہتا ہے کہ ہوں ہوں
مت جا تو نثار ، اس سے ملاقات نہ ہوگی
ہوتی ہے تبھی جھینک جبھی گھر سے چلوں ہوں

کیا حظ لکھوں میں اس کو جو کوئی خط لکھے ہے
آخر کو ہاتھ اس کے دیکھا قلم ہوئے ہیں

اس سنگ دل سے ہوتی نہیں راہ کیا کروں
پتھر میں لیس دھنستی نہیں آہ کیا کروں

مژگاں پر اشک ہو ، تو ہو زیبا مکاں چشم
جھالر گھر کی چاہیے اس سایہ بان کو

برسر کاوش جو دیکھی اس کی چتون رات کو
اٹھ گیا آگے ہی میں، ڈر اس سے ان بن رات کو
اس کی سرگاں کی جھپک نے دل سے کاوش کیا رکھی (۱۷۱ الف)
واہ کیا لڑتی رہی یہ کالی پلٹن رات کو
گل لیے گل گیر میں یوں شمع کے فراس نے
چٹکیوں میں اڑ گیا گوری کا جوبن رات کو

چل کے اپنے گھر سے تم کیوں آتے آتے رہ گئے
ہم تمھارے منتظر قالیں دَدھائے رہ گئے
اٹھ گیا داس جھٹک کر بزم مستافاں سے وہ
شمع ساں ہم دل جلے آنسو بہاتے رہ گئے
ھوگیا اخلاص مجھ سے اس کو اب تو اے نثار
سورۂ اخلاص سب پڑھتے لڑھاتے رہ گئے

کینہ جو ترے دل میں بھرا ہے سو کدھر جائے
ممکن ہے کہیں سنگ کے پہلو سے سرر جائے
قاصد مرے مرنے کی خبر اس سے نہ کہنا
کیا جانیے کیا سن کے دل اس کے پہ گذر جائے
تڑپوں ہوں، تماسے کو سرے ہٹ کے کھڑا ہو
چھینٹوں سے لہو کے دری پوساک نہ بھر جائے
اس ریش خضابی کو نہ کر نیل سے چکنا
اے شیخ کہیں رات کو چوھا نہ کتر جائے

بن دیکھے آپے کل نہ پڑے چاہ سو ایسی
تاثیر کے نزدیک نہیں، آہ سو ایسی

(۱۷۱ ب) اس گل کی خبر ٹھیک ہمیں لا نہیں دیتی
اک باد صبا ہے جو ہوا خواہ سو ایسی

جوں اُن نے پکارا مجھے اور میں نے کہا : جی
بولا وہ کہ اب تک نہیں نکلا ہے ترا جی
کیا پوچھے ہو تم مرے احوال کو یارو
جو مجھ پہ گذرتی ہے سو میں جانوں مرا جی

عشق میں ترے ظالم ، ضعف و ناتوانی ہے
شب سے بھی سیہ میرا روز زندگانی ہے
تیغ ہاتھ میں کھینچے ، بند پیرہن کھولے
مست ناز پھرتا ہے ، عالم جوانی ہے

مگر ہنسی تری گلشن میں یاد آتی ہے
کلی کلی جو اب ہونٹوں میں مسکراتی ہے

خواب میں جب تری صورت نظر آجاتی ہے
آفت تازہ مری جان پر آجاتی ہے
دیکھیے خط کے بھی آئے یہ رہے ہے صورت
صبح و شام آپ کی شیخی نظر آجاتی ہے

طاقت مقابلے کی ترے کس بشر میں ہے
تلوار تیری اب تو لٹکتی ادھر میں ہے
دیکھا جو مجھ کو آنکھ لڑاتے کہیں نثار
کہنے لگا وہ شوخ: بھلا بے ، نظر میں ہے!

گئی ہے بگڑ اس بت بے وفا سے
مجھے اس گھڑی بن رہی ہے خدا سے (۱۷۲ الف)

تیغ نگہ نے کشتوں کے پشتے لگا دیے
ایسی حلی کہ خون کے نالے بہا دیے
کیوں دسمنوں کے گھرمیں نہ گھی کے دیے جلیں
دل ایسے دوستوں کے جو تو نے جلا دیے

دل میں خیال زلف ستمگار بند ہے
کس نے فسوں کیا ہے جو یہ مار بند ہے
فریاد کو گئے ہیں سبھی تیرے ہاتھ سے
گھر سے نکل کے دیکھ کہ بازار بند ہے
ہر پیچ میں لپیٹے ہے عاشق کے دل کو تو
تجھ سا بھی کوئی جہان میں دستار بند ہے

بلا سے تیری اے کافر جو میری جاں نکلے ہے
مبارک ہو تجھے ، دل کا ترے ارمان نکلے ہے
دھن کو دیکھ کر غنچے چمن میں سر جھکاتے ہیں
ترے عارض کے آگے گل پکڑے کان نکلے ہے
تری مجلس میں ظالم شمع اس جلوے سے آتی ہے
ستی ہونے کے نئیں جیسے کوئی باشان نکلے ہے

تیغ ابرو کو جو آنکھوں کا اشارا ہوجاے
آپ کا نام ہو اور کام ہمارا ہوجاے

ریش زاهد سے بناوے جو کبھو بل مکڑی
سوح نکلے تری اس داؤ سں تارا ھوجاے

+ (۲۷۱ ب) بیٹھا تھا منفا مجھ سے کب اکے لٹتا تھا
احسان کیا مجھ پر بجلی کے تڑکے نے
+ جلوہ وہ دکھایا ہے، جوں ابر سے مہ نکلے
اودی ترے جامے کی چولی کے مسکنے نے

+ دو یار مل کے ھوں جو نہ آپس میں ھم کلام
گویا کہ ایک سل ہے دھری سل کے متصل

+ صف مرگاں سے اسک بڑھ نکلا
مقتدی تھا، سو اب امام ھوا

مقالۂ دوم

در ذکر بعضی سلاطین روزگار و وزراے نامدار و آمرای والا تبار و بعضی منصبداران سرکار فیض آثار، و مصاحبان شاهزادۂ عالی مقدار ـ

(۱۵۱) آفتاب

ظل سبحانی، خلیفۃ الرحمانی، خلائق پناه، **شاه عالم بادشاه** عرف عالی گہر، مرجع خلائق مآب (کذا) متخلص به **آفتاب فضائل** او اظهر من الشمس است، گاه گاهے در سال و ماهے، به حسب قابلیت و

صفائی ذهن متوجه این فن بوده ، یک دو غزل فارسی و هندی موزوں می فرماید، بادساه کریم و حلیم و حوس نویس است۔ این چند ابیات او بسمع رسیده ، ازوست :

تصور تیرا جس کو اے یار ہوگا
اسے غیر سے کیا سروکار ہوگا
مرا لخت‌دل‌اسک میں‌ڈھونڈھنا جسم
اسی قافلے میں وہ سالار ہوگا
دیا دل تو ہے آفتاب اس کو لیکن
خدا جانے کیا عاقبت کار ہوگا

صبح تو جام سے گذرتی ہے (۳۰۱ الف)
سب دلآرام سے گذرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے
اب تو آرام سے گذرتی ہے

اشعار فارسی خوب می‌گوید چناں‌چه این مطلع دال برخوش‌تلاشی اوست :

بخت گر یاور سود امداد کس درکار نیست
می کند تسخیر هفت اقلیم تنها آفتاب

(۱۵۲) جهاندار

مرزا جواں بخت جهاندار شاه ، صاحبزادهٔ عالمیان ، خلف الصدق خلائق پناه شاه عالم بادشاه موصوف است ، جوانے بود مجمع قابلیت و اهلیت منبع سخاوت و سجاعت ، مخزن مروت ، معدن فتوت جامع جمیع اوصاف سلطانی ، قدردان کمالات انسانی ، خصوصاً دریاے حلم و سجاعت ، کوهے بود مستحکم ، چناں‌چه بعضے اعزا که

از مصاحبان آں والا جاہ بودند نقل می کردند که وقتے که از قلعه شاه جہاں آباد بسبب خفگی از پدر بزرگوار ، کمند انداخته بیروں آمده و بکوچ متواتر در لکھنؤ رسید ، روزے با جمعیت بسیار براے شکار رفته بود ، که ناگاه در صحرا ، فیل صحرائی برآں شہزاده جواں بخت حمله کرده خواست که در خرطوم گرفته (۱۷۳ ب) از جا برد که ناگاه آں رستم دستاں حمله دلاورانه نموده شمشیرے بر مستک فیل زد و از زخم تفنگ آں را هلاک ساخت که باعث تعجب وزیر وغیره نظارگیاں شد ۔ بسیار عالی حوصله و اولوالعزم بود در اندک مدت قریب پنجاه هزار جمعیت سوار و پیاده بہم رسانیده بود و داعیۂ سلطنت هندوستان در سر داشت ، فاما اجلش مہلت نداد ، تقدیر بنوع دگر مقدر بود ، دفعتہ در بلدۂ بنارس از مرگ مفاجات، درگذشت ۔ اللهم اغفره ۔ جدت ذهن و جودت طبع و فہم رسا و فکر بجا داشت و اشعار فارسی و هندی هر دو را موزوں می ساخت ۔ ایں چند ابیات دال برخوش گفتگوئی اوست ۔ ازوست :

کب وه کرتا ہے مری اور ، جفا کیش نگاه
میں تو هر چند پکارا هی کیا پیس نگاه

زلف آشفته[1] جو یه رخ په صنم رکھے هیں
روز اور شب کو یه اعجاز بہم رکھتے هیں

کیا کیا بلائیں لائیں گی کس کس کی جان پر
زلفیں یه اس طرح سے پڑی تیرے کان پر

---

۱ ۔ اصل : آعسته

چھوڑا ملاپ یار کا اغیار کے لیے (۴۷ الف)
ترک سمیم گل ، میں کیا خار کے لیے
میرا دل فگار بھی کچھ گل سے کم نہیں
منظور ہو جو گوشۂ دستار کے لیے
جز جیب و آستیں نہیں مونس جہاں میں کوئی
دیکھا تو اپنے دیدۂ خوں‌بار کے لیے
اس زلف عقدہ گیر کا یک تار اے صنم
بس ہے جہان کے سبحہ و زنار کے لیے
اس بت کا وصل غیروں کی قسمت میں تھا نصیب
تھا ہجر آہ ایک جہاں دار کے لیے

نرگس کے انتظار میں یہ بے اجل گیا
آنکھیں جو یوں کھلی رہیں اور جی نکل گیا

گویند کہ ایں غزل در دم واپسیں گفتہ ۔ واللہ اعلم ۔

(۱۵۳) احسن

مرزا احسن بخت خلف رشید مالک تاج و تخت ، جوانے ست اولوالعزم ، صاحب حوصلہ و خوش سلیقہ ، مجمع شجاعت و مردے منبع سخاوت و فتوت ، از چندے بہ سبب افراط تفریط روزگار و درہمی و عدم مساعدت زمانہ ناہنجار بسبب غیرت ذاتی کہ لازمۂ سلاطین کامگار و شہزادہ ہائے والا اقتدار است از قلعہ شاہ جہاں آباد برآمدہ عازم ملک‌گیری و شمشیرزنی گشتہ ۔ چندے در ضلع جے‌نگر و چتوڑ (۴۷ ب) اقامت نمودہ ، حالا عازم کابل گشتہ ، تا باعانت افواج شاہ تیمور باز ملک موروثی آمدہ مسلط شود آں ناصر مطلق و معین برحق مظفر و منصور باز گردانیدہ بہ مقاصد دلی بوجوہ

احسن رساناد ، تا خلق اللہ در سایۂ عدل و داد او آرام یابد ۔ چون از راہ قابلیت ذاتی برائے تفنن طبع گاہے متوجه فن شعر می شود و بعد سالے و ماھے غزل فارسی و ھندی بہم می رساند ، این چند ابیات آن احسن بخت کہ بزبانیٔ بعضے مقربان و منصب داران او بسمع رسید ، بہ تحریر می آید، اگرچہ نو مشق است فاما ذھن صائب و فکر مناسب دارد ، ازوست :

تجھ سے وحشی کی اگر تصویر کھینچا چاہیے
اے مصوّر صورت دل‌گیر کھینچا چاہیے
اس کمان ابرو سے بیٹھا مل کے گوشے میں رویت
آہ یہ پہلو سے میرے تیر کھینچا چاہیے
سب یہ کہتے ھیں کہ اس سودا زدہ کے پاؤں میں
مست ھاتھی کی طرح زنجیر کھینچا چاہیے

بوسہ میں اب کی لوں گا ، کہا کر نہیں نہیں
مانوں گا میں نہیں ، تو پڑا کر نہیں نہیں
ساقی قسم ھے تجھ کو کہ دینے میں جام کے
(۱۷۵ الف) سب پر نہیں ہوا کرے ھم پر نہیں نہیں
پرواہ کچھ نہیں ھے ھمیں گھر کی دوستو
کوچہ سلامت اس کا رھے گھر نہیں نہیں
احسن کو دیکھ اب کی چمٹا ھے کس طرح
کیسی نہیں نہیں نہیں کیوں کر نہیں نہیں

فرقت میں اس کی یارب کھینچیں ھم آہ کب تک
آنکھیں تو تھک گئی ھیں دیکھیں گے راہ کب تک

دو چار دن تو ہم نے لیت و لعل میں کاٹے
آخر کو اس طرح سے ہوگا نباہ کب تک
گھر سے نکل کے باہر اپنے ذرا تو آؤ
در پر کھڑا رہے گا یہ بے گناہ کب تک
دن رات میں ہزاروں کرتے ہو برخلاف
احسن تمھارا پیارے بخشے گناہ کب تک

یاد ہے گل عذار کی صورت
گل ہے نظروں میں خار کی صورت
کیا قیامت ہے اس کی نوک مژہ
خنجر آب‌دار کی صورت

جب گذر جی میں یار جاتا ہے
دل سے صبر و قرار جاتا ہے
تیغ ابرو سے وہ مرا قاتل
ایک عالم کو مار جاتا ہے
یاد میں تیرے زلف و رخ کی سدا
مجھ کو لیل و نہار جاتا ہے

دوستو گرچہ غم نہ کھانے دو
لیکن آنسو تو ٹک بہانے دو
زندگانی نہ ہوگی بن دیکھے
مجھ کو کوچے میں اس کے جانے دو
اے رقیبو ، خدا سے ڈر کے ذرا
یار کو میرے پاس آنے دو

ہاتھ مت پکڑو کوئی قاتل کا
اس کو تلوار تم لگانے دو
منع مت کیجو میرے اشکوں کو
گھر رقیبوں کے سب ڈوبانے دو
اپنے معشوق سے ملو احسن
پڑے لوگوں کو غل مچانے دو

اپنا وہ رقیبوں سے چھڑا ہاتھ یکایک
آ نکلا مرا یار مری رات یکایک.
ہاتھ اس کی ، خبردار ، نہ زلفوں سے لگانا
ناگن ہے پلٹ کاٹے گی بد ذات یکایک

---

(۱۵۴) سلیمان

مرزا سلیمان شکوہ خلف رسید عالم پناہ ، شاہ‌عالم بادشاہ ، جوانیست صاحب حوصلہ و خوش سلیقہ ، کوہ تمکنت و سخاوت و بردباری ، معدن حلم و مروت و شجاعت و دین داری ، مخزن قابلیت و حلم ، معدن انسانت و علم - از مدتے بہ سبب افراط و تفریط روزگار ناہنجار (۱۷٦ الف) کہ ناکس مساعد نیست از قلعۂ دہلی برآمدہ در لکھنئو اقامت ورزیدہ اوقات در گوشہ گیری می گذارد و منتظر بوقلمونی روزگار و انتظار مساعدت وقت می نماید کہ تاچہ از پردۂ خفا بہ ظہور آید - از بسکہ جودت طبع و جدت ذہن بسیار دارد از راہ قابلیت ذاتی گاہے متوجہ فن شعر می شود و غزل فارسی و ہندی بہم می رساند و اکثر در خدمت او مشاعرۂ شعرا می شود - این چند ابیات کہ بہ تحریر می آید از فیض سخن اوست :

یار کے غم میں کچھ نہیں فکر ہمیں معاش سے
آمد خوں ہے دم بہ دم سینے کی ہر خراش سے
جسی ہے خوش تراش چھب، نام خدا ، تری صنم
ایسی نہ شکل بن سکے آزر بت تراش سے
کس کی نگہ کی تیغ کا کشتہ ہوں میں کہ بعد مرگ
تا لب گور جوے خوں جاری ہے میری لاش سے
کس سے سلیماں پوچھیے اس کے مکاں کا پتا
واقف حال کب کوئی اس کی ہے بود و باش سے

وفور اشک سے کیوں کر ہو اپنی چشم تر خالی (۱۷۶ ب)
جو دریا جوش سے بہتا ہے سو ہوتا ہے کم خالی
بہ رنگ نے دل در داغ میں سوراخ ہونے دو
صداے درد سے بھر یک جہاں چھوڑیں نہ ہم خالی
بھرا آتا ہے دل ، جب دیکھتے ہیں شکل سائل کی
نہیں ہوتا ہے ظرف ہمت اہل کرم خالی
سلیماں اس پری کی ہم ہیں تیغ ناز سے گھائل
کہ جس کا لطف پنہاں سے نہیں جور و ستم خالی

ہجر میں کہتے ہیں سن نالہ مرے ہمسائے
کوئی روتا ہے دل آزردہ عجب درد کے ساتھ
سیر گل تم کرو ، آئینے میں ہم دیکھتے ہیں
زعفراں زار کی سیر اپنے رخ زرد کے ساتھ
نہ اٹھا لولیٔ دنیا کی طرف پردۂ چشم
دوستی بنتی نہیں فاحشہ بے پرد کے ساتھ

بیرے لبوں کا ساقی جو ہے مریض پیاسا
ہے نفع جام مے سے اس کو گلاب کا سا
ڈوبے اور اچھلے کیا کیا اس بحر عشق میں ہم
پایا نہ حیف اپنا اک صورت آشنا سا
اقلیم دل کا اپنے افسوس اے عزیزاں
یغمائے عشق میں سب جاتا رہا اساسا[1]
(۱۷۷ الف)تاج شہی کا وارث تو کیوں نہ ہو سلیماں
تیمور کا تو پوتا، عباس کا نواسا

جوں ہی وہ غیرت پری اٹھ گیا میرے پاس سے
ہمدم من وہیں میرے اڑ گئے کچھ حواس سے
کپڑے کیے ہیں گیروے بہتوں نے ہو فقیر آج
کتنے ہوئے لہو میں لال، سرخ ترے لباس سے
میرے سخن کی قدر کو، جانے سلیماں وہ کوئی
جو اسے دیکھے غور کر، چشم گہر شناس سے

---

(۱۵۵) قمر

مرزا فرخندہ بخت جہان شاہ متخلص بہ قمر، خلف ظل اللہ شاہ عالم بادشاہ، برادر خورد مرزا جوان بخت موصوف بودہ، جوانے بود وجیہہ، مجمع قابلیت و ہنر، عالی حوصلہ و خوش سلیقہ، قدردان انسان کامل، بسیار قابل و خوش تلاش و خوش فکر بودہ فامّا اجلش مہلت نداد، این چند ابیات او کہ بسمع مفر رسیدہ

۱- کذا فی الاصل، (مراد: اثاثہ)

ازو برائے یادگاری به تحریر می آید :

نه هوتا آفتاب عشق کا جلوه اگر پیدا
تو کب هوتا شب تاریک سے نور سحر پیدا
جلامت استخواں میرے، تجهے اے عشق کہتا هوں
هوا هے اس نیستاں بیچ دل سا شیر نر پیدا
قمر اس بت نے جب سے صندلی پوشاک پہنی هے (۱۷۷ب)
هوا هے ایک عالم کو تبهی سے درد سر پیدا

لکوایا موتیوں کے تئیں کوڑیوں کے مول
رحمت هے میرے دیدۂ گوهر نشان پر

---

(۱۵۶) آصف

نواب وزیرامیراان امیرآصف الدوله خلف رشید نواب شجاع الدوله، نبیرۂ نواب ابوالمنصور خاں صفدر جنگ ، جوانے ست قابل ، قدردان اهل هنر، بسیار خوس تلاش و خوش فکر، کان سعادت و شجاعت، معدن حلم و سخاوت، اوصاف حمیده و فضائل پسندیده او مشهور و خارج از دائرۂ توصیف الد ، حق تعالیٰ از ملک و مال محظوظ و بر اعداء مظفرو منصور دارد و توفیق ملک گیری و عدالت گستری و رعیت پروری دهد و توفیق حسنات بخشد ۔ از چندے به حسب جودت طبع و رسائی فهم متوجه فن شعر نیز می شود ، اکثر استادان ایں فن در سایۂ پرورش او جا یافته ، در بلدۂ لکهنئو کوس سخنوری و نکته سنجی می زند ، حق تعالیٰ آں بلده را از بلیات دوراں محفوظ دارد ۔ ایں چند ابیات (۱۷۸ الف) از فکر صائب آں عالی جناب وزارت مآب است :

باد بھی لگنے نہ پائی دل تو مرجھانے لگا
ہائے یہ غنچہ تو کچھ کھلتے ہی کمھلانے لگا

جو شمشیر اس کی علم دیکھتے ہیں
ووہیں سر کو اپنے قلم دیکھتے ہیں
تجھے غیر سے جب بہم دیکھتے ہیں
نہ دیکھے کوئی جو کہ ہم دیکھتے ہیں
تو جلدی سے آ، ورنہ میرے مسیحا
کوئی دم میں راہ عدم دیکھتے ہیں۔
بتوں کی گلی میں شب و روز آصف
تماشا خدائی کا ہم دیکھتے ہیں

---

(۱۵۷) نواب غازی‌الدین خاں

وزیر صائب تدبیر، سناسائے رموز مافی الضمیر، امیر ابن الامیر ابن الامیر نواب غازی الدین خاں، خلف رشید فیروز جنگ نبیرۂ نظام الملک آصف جاہ، حوائے ست خوب صورت، صاحب وجاهت، عالی فطرت، مجمع قابلیت، مخزن جوہر انسانیت، معدن شخصیت و اهلیت، صاحب شجاعت و مروت کان فنون و سخاوت، بہمہ علوم استعداد کامل دارد و در خورد سالگی کار هائے بزرگ ازو بوقوع آمده، اما تقدیر موافق تدبیر او نشده (۱۷۸ ب) و نمی شود، ذهن نقاد و رسا و فکر صائب و بجا دارد و در زبان فارسی و هندی و ترکی و عربی شعر موزون می نماید۔ بسیار خوش تلاش است، چند اشعار آں وزارت پناه امارت دست گاه که بگوش این فقیر بے دست گاه رسیده به تحریر می آید، ازوست ؛

زلف کا کھولنا بہالہ تھا
مدعا ہم سے منہ چھپانا تھا

ہمارے جامۂ کہنہ سے مے کی بو نہ گئی
سیاہی مو کی گئی ، دل کی آرزو نہ گئی

چہرے میں زلف کا چھپانا کیا
ہم سے یہ پیچ ، ہت تمہاری کی

نہیں عاسق کسی کا ، تو گرفتاری کو کیا جانے
ابھی تو آپ ہی لڑکا ہے ، سچ یاری کو کیا جانے

یار گھر جاتا ہے یارو کیا کروں
آہ گھر جاتا ہے یارو کیا کروں

---

(۱۵۸) فہم

مرزا فتح علی برادر خورد نواب وزیر آصف‌الدولہ موصوف است متخلص بہ فہم ، از شاگردان جرأت موصوف است ۔ احوالش معلوم من نیست ، طبع رسا و فہم بجا دارد و تلاش معنی تازہ و الفاظ رنگیں می نماید چند ابیات او (۲۷۹ الف) بسمع رسیدہ ، ازوست :

کیا کہوں کیوں کہ ستم گر نے ستایا مجھ کو
اپنے ہنسنے کے لیے خوب رلایا مجھ کو
بہہ گئے جان و جگر دیکھتے ہی دیکھتے اب
کیا کہوں جو مری آنکھوں نے دکھایا مجھ کو

تو تو کہتا ہے کہ گذری رات ساری جاؤں میں
دل یہ کہتا ہے نہ جانا تیرے واری جاؤں میں
او میاں بانکے، اکڑ کر ، سج بدل کر، بزم میں
کیوں یہ مجھ پر کھینچتے ہو تم کٹاری، جاؤں میں

یار کے دل میں جو یہ اغیار گھر کر رہ گئے
ہم اسی غیرت کے مارے آہ ، مر کر رہ گئے

---

(۱۵۹) ممتاز

عمدۃ الملک ممتاز تخلص از فرزندان سراج‌الدولہ محمد علی خان صوبہ‌دار آرکاٹ دکھن ، کہ از عمدۂ امرایان دکن است ، اصلش از گوپامئو است ۔ جوان قابل و دوستدار انسان کامل ، از شاگردان فضل علی ممتاز مسطور است ، یک فرد او بہم رسیدہ ۔ ازوست :

مت ہنر پر ہو تو نازاں مدد بخت ہے شرط
قابلیت تو اے ممتاز دھری رہتی ہے

---

(۱۶۰) قلندر

قلندر علی خان خسر نورۂ شاہ عالم بادشاہ ، متوطن دہلی ، یک فرد او بسمع رسیدہ ، (۱۷۹ ب) ازوست :

راز مخفی نہ ہو افشا اے مری چشم سیاہ
داغ دل اپنا قلندر نے چھپایا ہے بہت

---

(۱۶۱) گنا بیگم

پروردۂ ناز و نعم گنا بیگم ملقب بہ ”نوسیری“ ، دختر علی قلی خان شش انگشتی داغستانی ، والہ کہ شاعر غرا و مصنف

بذکرۂ فارسی بوده و از حرم محترم نواب غازی الدین خاں موصوف بوده ، زنے ست شکیله ، جمیله ، ذهینه ، بسیار عاقله و نهایت قابله، محبوبۂ زماں و اعجوبۂ دوران خود است یعنی :

محبوبۂ شہر دلفریباں
اعجوبه ملک ناشکیباں

عندلیب خوش آواز گلبن سخن‌دانی ، طوطی نغمه ساز گلزار معانی ، معشوقۂ عاشق خو ، سخن سنج ، نازک بند خیال رنگین و خوش‌گو ، شاعرۂ نازک دماغ و خوش گفتگو ، اگرچه کم‌گو است فاما خوش تلاش و سخن فهم و خوش گفتگو ۔ این حند اسعار دلآویز از سخنان شیرین گفتار آن طوطی خوس الحان و بلبل هزار داستان که بگوش این خسته جاں ، عاشق کلام سخنوراں رسیده ، به تحریر می آید ۔ ازوست :

(۱۸۰ الف) چمن میں کھل رهی نازک سی بوٹی
نگه کے بوجھ سے جاتی ہے ٹوٹی

ابھی مخمور هوں مجھ کو نه چھیڑو
نشے میں چور هوں، مجھ کو نه چھیڑو

آ کر ہماری خاک په کیا یار کرچلے
خواب عدم سے فتنے کو بیدار کرچلے
جاتے تو ہو بھرے هوئے گرد و غبار میں
تعمیر کس کے دل کی یه مسمار کرچلے
خواهی پیاله خواه سبو کیجیو کلال
هم تجھ کو اپنی خاک په مختار کرچلے

بلبلو تم کو وہ گلزار مبارک ہووے
مجھ کو وہ سایۂ دیوار مبارک ہووے
جس لیے روتی ہو دن رات نم ، اللہ رے
انکھڑیو تم کو وہ دیدار مبارک ہووے

اسک امڈا ہوا پھر ضبط سے کم رکتا ہے
ناصحا اٹھ مری بالیں سے کہ دم رکتا ہے

---

(۱۶۲) انشا

میر انشاء اللہ خان ابن میر ماشاء اللہ کہ از مشائخان عہد محمد شاہ بادشاہ بود ، متوطن دھلی از منصب داران بادشاہی ، و بسیار بہ کر و فر بسر می برد ، جوان قابل ، خوش عنوان ، خوش فکر ، و خوش تلاش است ، شعر فارسی و ہندی خوب می گوید ، چند اشعار او بزبانی بعضے یاران بسمع رسیدہ ، ازوست :

جگر کی آگ بجھے جس سے جلد وہ شے لا
لگا کے برف میں، ساقی صراحی مے لا
گرا جو ہاتھ سے فرہاد کے کہیں تیسہ
درون کوہ سے نکلی صدائے وا ویلا

گالی سہی ، ادا سہی ، چین جبیں سہی
یہ سب سہی پہ ایک نہیں کی نہیں سہی
گر نازنیں کے کہنے کا مانا ہو کچھ برا
میری طرف تو دیکھیو ، میں نازنیں سہی

اوروں سے سب سے 'ھاں' ھے، مگر ھم سے ھی نہیں
کیوں کر ، نہیں نہیں نہیں ، کیوں ایسے جی نہیں

یہ آنکھیں جادوے جمشید ، سحر سامری چتون
خط نورستہ شہر سبز ، غبغب چاہ بابل ھے

اکڑ کے بنجوں کے بل یہ چلنا نہ کشتہ ھوں کیوں کہ اس ادا کا
کسا کسایا ، سجا سجایا ، یہ دھج تو دیکھو غضب خدا کا
بروں ھے وھم و قیاس سے بھی بتاؤں سج دھج میں اس کی کیا اب
جوان رعنا ، یہ حسن و خوبی ، پری کا عالم غرض گدا کا
(کذا)

---

(۱۶۳) رنگین

سعادت یار خاں رنگین تخلص، پسر طہماس علی خاں، از رسالہ داران ذوالفقار الدولہ ، جوان دابـل ، خوش خلق و آدم بامزہ است ، دیگر بر احوالش اطلاعم نیست (۱۸۱ الف) چند اشعار متفرقات او بزبانی بعضے دوستداراں بسمع رسیدہ ، مذاق سخنش از اشعارش پیدا ، و طریق گفتگوے تازہ از سخنش ھویدا ، ازوست :

کیوں میں گھر کھوج مٹی تیرا کہا مان گئی
ذرا سنا تو سہی ، اے نرے قربان گئی
بس جی بس اب کی دھمک جاکے کلیجے کو لگی
نلی سب ٹل گئی اور ھل بھی بچہ دان گئی

---

(۱۶۴) ھوس

ھوش تخلص ، متوطن شاہ جہاں آباد ، دیگر بر حسب و نسب

او اطلاع ندارم ، یک مطلع دل چسپ او برائے یادگاری به تحریر می آید :

بادل گرجے ، بجلی چمکی ، ساون کی اندھیاری رات
سر کو پٹک پتھر سے کاٹی ، ماہ جبیں بن ،کاری رات

---

(۱۶۵) طپس

مرزا جان طپش مردے خوش طبع ، حریف و ظریف ، هشاس بشاش ، از مدے در شاہ جہان آباد سکونت داشت و از نوکران خاص مرزا جہاندار شاہ موصوف بودہ ، فکر رسا و فہم کامل داشت ، این فرد دال بر خوش تلاشی و طپش جانی اوست ، ازوست :

جی سے کہہ دو کہ آہ سرد کے ساتھ
(۱۸۱ ب) ٹھنڈی ٹھنڈی چلے تو چل نکلے

---

(۱۶۶) افسوس

میر شیرعلی خاں افسوس سید صحیح النسب ازعمدہ زادہ ہائے ہندوستان ، مردے شاعر خوش فکر است دو فرد او بنظر رسیدہ ، ازوست :

سب جو دم توڑنے میرا دل بیمار لگا
سر ہلانے وہیں عیسیٰ پس دیوار لگا

ہنستے ہیں شب وصل میں ہم اب تو ، پر اک دن
اس شب کو بہت روویں گے اور یاد کریں گے

---

(۱۶۷) مشتاق

مشتاق علی خاں متخلص به مشتاق ، متوطن شاہجہان آباد ، از

خواصان بادشاهی است ، جوان قابل ، طبع رسا وفکر بجا دارد ، زیادہ چہ نگارد ، ایں چند ابیات او بزبانی عزیز بسمع رسیدہ ، ازوست :

آہ لاحق عشق کی جب سے یہ بیاری ہوئی
بارہا نبضیں چھٹیں ، اکثر غشی طاری ہوئی
بے قراری ، بے کلی دونوں طپش رہنے لگی
آہ دل اپنے سے عائد یہ گنہگاری ہوئی
دل کھسک ، چل ، دزدیِ بوسہ سب دیگر پہ رکھ
یار چونکا ، داسبانوں میں خبرداری ہوئی
کیوں نہ بھٹکی تو پھرے اے خواہش دل میرے بعد (۱۸۲ الف)
بے نیازوں سے تری کب ناز برداری ہوئی
وہ نہ دیکھا اے طلسم چشم جو منظور تھا
باعث خواب پریشاں اپنی بیداری ہوئی
گھر سے گھر جلتے نظر آتے ہیں اے خانہ خراب
جلوہ فرما کس کی الفت کی یہ چنگاری ہوئی
تو نہ آیا دیر تک چھاتی پہ دم اٹکا رہا
جان عاشق کی رہا تن سے بہ دشواری ہوئی
اب تو آ ظالم جنازے پر بہ تقریب نماز
جانب گور غریباں اس کی تیاری ہوئی

خرد کو روؤں یا اس دل رئیس ناز پرور کو
کیا اک ترک نے غارت مرے لشکر کے لشکر کو
پس مردن یہ سنتے ہیں کہ تھے دست طلب باہر
کفن میں آہ کس خواہش نے گھیرا تھا سکندر کو

خدا گر سینکڑوں دل دے، تو بہ کہیے کہ اے حوداں
لیا کیجے نسا یک دل، ولے بہلو سے مت سرکو

کہوں کیا ہے ابرو، مژہ آہ کیا ہے
کمان و۔در ہے، خدنگ قضا ہے
ملاقات اکثر ہے یاں بے کسی سے
تو اے صبر مرحوم جب سے گیا ہے
مجھے ھچکیاں کیوں نہ لگ جائیں غم سے
ترے منہ سے قلیان ہر دم لگا ہے
ترا سن کے قصہ، ٹپکے ہیں آنسو
غزل کیا ہے مشتاق یہ مرثیا ہے

ناصحا فکر رفو کر، یا کہہ کچھ سینے کی سکل
چاک ہو بدتر ہوئی ہے اب مرے سینے کی سکل
قتل سے میرے وہ درگذرے سو یہ ممکن نہیں
چین ابرو سے نمایاں اس کے ہے کینے کی شکل
جلوہ گر کس سکل سے ہے آہ تیرا خط سبز
اس طلائی رنگ عارض پر ترے مینے کی شکل
بیٹھ بزم غیر میں مے نوشیاں کرتا ہے تو
کیا یہی ہے اے مرے قاتل لہو پینے کی شکل
غم میں تیرے روتے روتے لگ گئی ہیں ھچکیاں
کچھ نظر آتی نہیں مشتاق کے جینے کی شکل

یارب اٹھی جگر سے یہ اب کیسی ہوک ہے
جاں کاہ جس کی تابہ دل[۱] عرش کوک ہے
بوسے لوں سامنے ترے اس لب کے تو سہی
تو چپ رہے نہ بولے تواے غیر تھوک ہے

ساتھ ہرنالے کے اس کوچے میں غش آیا مجھے
آہ یاں تک ناتوانی تو نے پہنچایا مجھے
غیر کے خطرے سے مجلس میں نہ ملنا تھا اگر (۱۸۳ الف)
کیا سمجھ کر خفتیں دینے کو بلوایا مجھے

گلی میں تری جستجو تھی کسی کی
ملی خاک میں آرزو تھی کسی کی
ٹھہر جا ٹک اے دبک جا ہے چلا جی
انوٹھی یہ چلنے کی خو تھی کسی کی
خفا محتسب مجھ سے اور شیخ بھی ہے
مگر دختر رز بہو تھی کسی کی
کبھو چشم بھر آئی تو پی گئے ہم
کہ مد نظر آبرو تھی کسی کی
پس مرگ مشتاق وا چشم رہ گئی
تصور میں چشم نکو تھی کسی کی

وا دیکھ کر چمن میں بند قبا کو تیرے
جامے سے آج اپنے ہر گل نکل پڑا ہے

---

۱ - فی الاصل : ملک العرس

لکھنے سے خط کے پیہم منظور تھا جو دل کو
سو یک قلم وہ اپنی خاطر سے دھو گیا ہے
ہر حرف آرزو پر انگشت سک ہے اس کو
ہر سطر شوق پڑھ کر تیوری چڑھا رہا ہے
پردے میں دے چکا ہے وہ سب جواب مطلب
بس چپکے بیٹھ رہیے قسمت کا یہ لکھا ہے

---

(۱۶۸) مسافر

سید پاینده مسافر متوطن دهلی از خواصان بادشاهی بوده، از مدتے در بلدهٔ بریلی بوده فاما به سبب در همی ملک کٹیهر خانه بدوشی را خانهٔ خود، مقرر کنان در سیرجهان مسافر می ماند، مردے سب حریف وظریف اعجوبه روزگار، نهایت سخن فهم و بر محاورت فارسی (۱۸۳ ب) واقف کار ـ شعر فارسی هندی هر دو موزون می کند، این چند اشعار ازوست :

دنیا سے کھینچ ہاتھ کو ، کوتاه دست ہو
کر بیٹھے ہیں گے دیر سے ہم آستیں گره
یک بار جھڑ پڑیں گے دل خستہ بے شمار
کیوں کھولتا ہے زلف سے اے نازنیں گره

جو اٹھاوے چشم دل سے پردۂ پندار کو
بے تامل ہر مکاں میں دیکھ لے وہ یار کو
کفر اور اسلام سے گر یار کو رغبت نہ ہو
تو جلا تسبیح کو اور پھونک دے زنّار کو

دیر و کعبہ میں کہاں پائی محبت کی شراب
قبلۂ مستاں سنا ہے خانۂ خمّار کو

بھول کر راہ اپنی منزل کی
کیا مسافر نڈھال بیٹھے ہیں

عمر غفلت میں مفت کھوتے ہیں
دن کو پھرتے ہیں رات سوتے ہیں
دیکھ کر بے ثباتی عالم
گاہ ہنستے ہیں ، گاہ روتے ہیں
کیوں نہ دیں آبرو کو رونے پر
دادا آدم کے ہم بھی پوتے ہیں

رہ حق ساری راہوں سے جدی ہے
وہی سالک ہے جس کو بےخودی ہے
نہ پہنچے گا بہ منزل اے مسافر
اگر تجھ میں ذرہ بوے خودی ہے (۱۸۴ الف)

مجھے پیر جنوں سے ، آج یوں ارشاد ہوتا ہے
پھنسے جو سلسلے میں زلف کے ، آزاد ہوتا ہے
گلوں کو شاخ سے مت توڑ ، اے گلچیں خدا سے ڈر
کہ اس میں بلبلوں کا خانماں برباد ہوتا ہے

ستم اس شوخ کا گر یہ کڑا ہے (؟)
قدم کو گاڑ دے تو بھی وفا میں

مار دلبا کو لات بیٹھے ھیں
دھو کے عقبیٰ سے ھاتھ بیٹھے ھیں
حرف معنی کا نقش کر دل میں
دھو کے سب مہملات بیٹھے ھیں
اس بساط وجود میں ھو بند
شاہ ھیں ، لے کے مات بیٹھے ھیں

---

(۱۶۹) انور

محمد انورالدین قانع متوطن مئو محمد آباد و مولدش شاہ جہان آباد ، از خاندان بزرگ است ، والدش ، از منصب داران پادشاھی بودہ ۔ جوانے ست قابل ، حافظ قرآن ، خلق ، ازشاگردان میر سوز موصوف ۔ طبع موزون و مناسب دارد ، ایں چند ابیات از مسودہ‌اش بقلم آوردہ شد ۔ ازوست :

(۱۸۴ ب) نہیں ھم جانتے گل کس طرح کا ھے ، سمن کیسا
نہ دیکھیں یار کا منہ جس جگہ باغ و چمن کیسا
شہید تیغ ناز دلبراں ھم ھوگئے انور
کہاں کا غسل ، کا ھے کی لحد ، گور و کفن کیسا

مرا دست وفا ، دامان قاتل ایک دن ھوگا
ستم کا اس کے بدلہ ، ھاں مرے دل، ایک دن ھوگا
مجھے کہنے لگا وہ ، دیکھ رکھ سمشیر کو میری
اسے ڈرتا رھا کر ورنہ بسمل ایک دن ھوگا

دل میں ھے محفل خوباں میں مکاں کیجیے گا
پھر سر نو سے دل پیر جواں کیجیے گا

ھاتھ چھوڑوں گا نہیں آج تمھارا صاحب
ھاں جی ھنسیے گا نہیں ، دل کے نشاں کیجیے گا

چلو جاؤ ، مت جھوٹی باتیں بتاؤ
اگر ھم سے ملتے تو ڈر تھا کسی کا

پوچھتا کیا ھے کہ جاؤں یا نہ جاؤں یار پاس
مت ستا تو مجھ کو دل ، میری بلا سے جا نہ جا
گو ھمیں بوسہ نہ دے پر سامنے آنکھیں تو کر
جان یہ کیا طور ھے ، اتنا بھی تو شرما نہ جا

مصرع استاد توارد شدہ :

حال دل انور کا سن بے رحم ٹک انصاف کر
راست کہتا ھوں تو میری بات پر ھنستا نہ جا

اب تو کرتا ھے مرے دل کو تو حیران بھلا (۱۸۵ الف)
میں بھی سمجھوں گا بھلا رہ تو مری جان بھلا
کچھ تجھے رحم نہ آیا مری تنہائی پر
یوں مجھے چھوڑ گیا او دل نادان بھلا
اور تو تجھ سے کسی چیز کی امید نہیں
پر مرے پیارے اب اتنا تو کہا مان بھلا
آن کر مجھ سے کبھی پوچھ کہ کیا ھے تجھ کو
جی سے نکلے تری باتوں ھی کا ارمان بھلا

جگر سے اشک ، دل سے نالہ ، سینے سے فغاں نکلا
کدھر کا قصد کر ، ان گھر سوں کا کارواں نکلا

میاں سچ ہے ، تمھارا وعدۂ فردا قیامت ہے
گذر جاتی ہے جب شب اتنی کہنے میں کہ ہاں نکلا
سنی ہے خط نکلنے کی خبر . اچھا مبارک ہو
بھلا ٹک اس طرف پھیرو تو ، نہ دیکھوں کہاں نکلا
دیا تھا دل اسے بھولا سمجھ کر واہ وا قسمت
وہ ایسا فتنۂ جاں شوخ چشم و بدزباں نکلا
سفر کی سن کے انور کے خبر ، دولا شتابی سے
چلو اچھا ہوا میری گلی سے ناتواں نکلا

قطعہ

به بعد وفات میری یارو
نقش لوح مزار کرنا
خوبان جہاں کی دوستی کا
ہر گز مت اعتبار کرنا

(۱۸۵ ب) اگر ہے یہی جور حضرت سلامت
تو بس ہو چکے غور حضرت سلامت
رقیبوں سے خوش، ہم سے بیزار، سچ ہے
بھلے کا نہیں دور ، حضرت سلامت

یہ کیا قد و قامت ہے حضرت سلامت
کہ جی پر قیامت ہے حضرت سلامت
نہیں دیکھا تم نے ایسے سیخ صاحب
جو ہم پر ملامت ہے حضرت سلامت

کوئی دن نظر آ گیا تو کہیں گے
کہ صاحب سلامت ہے حضرت سلامت

کوئی گالی ہی او میاں بانکے
میں تمھاری زبان کے قرباں
جامہ زیبی میں کیا قیامت ہے
اس سمیلے کی شان کے قرباں

کیا مجھ کو اچنبھا ہے ، مجھ سار کے فدوی بن
کیوں کر تمھیں بھاتی ہیں اوروں سے ملاقاتیں
انور نے کہا یک شب آؤ تو ہمارے گھر
ہنس ہنس کے لگا کہنے : آنے دو بڑی راتیں

میاں سونے نہ دوں گا کیوں یہ ناحق مکر کرتے ہو
کہ میں نے آتے ہی تیری جھبکتی ہوئی پلک دیکھی

---

(۱۷۰) وحشت

حکیم صدرالدین خاں وحشت تخلص ، متوطن شاہ جہان آباد ، از خاندان بزرگ است ، آبا و اجداد او از قدیم‌الایام خدمت افتاے دارالخلافہ شاہ جہان‌آباد (۱۸۶ الف)دارند ، و از ہمیشہ صاحب علم و فضل و کمال ، و حشمت ظاہری داشتہ اند ۔ جوانے ست مرزا منش خوش تقریر ، خوش اخلاق، ہشاش و بشاش ، خوش‌گپ ، طالب‌علم مستعد ، خصوصاً در فن حکمت استعداد کامل دارد ، از مصاحبان و مخصوصان شاہزادہ عالی تبار مرزاجواں بخت بود ، از چندے بسبب گردش روزگار ناھنجار، کہ با کس نمی سازد و نخواھد ساخت، دربلدۂ رامپور

استقامت دارد واکثر باهم اتفاق صحبت مشاعره و طرح نمودن غزلیات تازه می افتد ، بسیار آدم بامزه و درد مند ، ذهن رسا و فکر بجا و طبع سلیم و فہم مستقیم دارد، شاعر مربوط و مضبوط فارسی‌گو و خوش‌گفتگو است ، گاهے شعر ریختہ هم به تقریبے بہم می رساند ، اکثر اشعار فارسی و هندی بزبانی آن خان عالی شان بگوش این فقیر خستہ جان رسیده ، این چند ابیات دال بر خوش تلاشی اوست - ازوست :

آنکھ خوباں سے گر اڑا نہ کرے
کوئی طرح دار پھر جفا نہ کرے
میں وفادار ہوں خدا کی قسم (۱۸۶ ب)
نہ کرے مجھ سے وہ وفا نہ کرے
مجھ سوا کوئی میرے مرزا کا
کشتۂ ناز ہو ، خدا نہ کرے
اس قدر نونہال جور نہ کر
دل جلا کوئی بد دعا نہ کرے
بیم فرقت سے کس طرح وحشت
اسی مطلع کو پھر پڑھا نہ کرے

مطلع

مجھ سے تجھ کو خدا خفا نہ کرے
تجھ سے میں ہوں خفا، خدا نہ کرے
شہر خوباں میں کیا برا ہے رواج
جو طرحدار ہو وفا نہ کرے
دوستاں تم کو یہ وصیت ہے
بعد میرے کوئی بکا نہ کرے

اور اس شوخ طفل سے میرا
کوئی دعواے خوں بہا نہ کرے
گر مسیحا بھی چرخ سے اترے
تیرے بیمار کی دوا نہ کرے

قطعہ

ہمدمو اس نے آج فرمایا
سب یہ کہتے ہیں پھر خدا نہ کرے
وقت بے وقت میرے کوچہ میں
کوئی وحشت زدہ پھرا نہ کرے

شیخ سے بنت العنب کی کد خدائی کیا ہوئی
شب جو وہ رندوں کے حصے میں نہ آئی، کیا ہوئی
نیند سے اٹھتے تھے جس تصویر کا منہ دیکھ کر
خواب میں بھی سو نہیں دیتی دکھائی کیا ہوئی
اب تلک وہ تو نہ آیا پر تجھے میں کیا کہوں (۱۸۷ الف)
اے اجل تو بھی ذرا مجھ تک نہ آئی ، کیا ہوئی
دو گھڑی دل جا کے بہلاتے تھے جس سے گاہ گاہ
اس میں اور ہم میں الٰہی یہ جدائی کیا ہوئی
مرغ دل کا پالنا کیا جانے وہ اے ہمنشیں
وہ بھی لڑکا ہے اسی کی عمر بھائی کیا ہوئی
ہم میں اور تم میں بھلا پوچھو تو کیسا ربط تھا
کیا ہوئی فرماؤ تو وہ آشنائی کیا ہوئی
کیوں جلاتا ہے ہمیں یا رب بتاں کے ہاتھ سے
غم کے دینے کو مرے ساری خدائی کیا ہوئی

ایک مطلع اور بھی ہم کو سنانا چاہیے
طبع کی وخشت تمھاری وہ رسائی کیا ہوئی

مطلع

آپ کی خدمت میں ہم سے نا رسائی کیا ہوئی
کیوں ہوئے نا آشنا ، وہ آشنائی کیا ہوئی
کیا کسی دلدار پر دل آپ کا شیدا ہوا
دل دہی ہونے لگی وہ دل ربائی کیا ہوئی
ہر گھڑی سج کا بدلنا کیا ہوا وہ آپ کا
اس بھبن کو کیا ہوا ، وہ خود نمائی کیا ہوئی
زعفرانی ہو گئے جو آتشیں رخسار تھے
وہ کدھر لالی گئی ، وہ کھر بائی کیا ہوئی
(۱۸۷ ب) ننگ آتا تھا تمھیں ہر ایک سے کہنا سخن
یا لگے سہنے جفا ، وہ کبریائی کیا ہوئی
لگ گئی شاید کسی وحشت زدہ کی بد دعا
او میاں ، او میرزا ، وہ میرزائی کیا ہوئی

اس کے کوچے سے کوئی گر نامہ بر آنے لگے
تو دل گم گشتہ کی شاید خبر آنے لگے
اس طرف صیاد کے آغاز خط ہونے لگا
اس طرف ہم کو قفس میں بال و پر آنے لگے
گوئی چوگاں کس فراست سے دل عالم کیا
تجھ کو اے لڑکے ابھی سے یہ ہنر آنے لگے
دیکھ کر وحشت ہماری ، اس پری رونے کہا
بعد مدت کے دوانے پھر نظر آنے لگے

عزیزو ہم سے تو ایسے نے دل ستانی کی
کہ ایک دن نہ محبت نہ مہربانی کی
چمن سے جاتی رہی ، کل آسے بلکتا چھوڑ
کسو نے داد نہ دی بلبل فغانی کی
کیا جو خانۂ زنجیر تم نے پھر آباد
عدم میں قیس نے سن من کے شادمانی کی
جلا چکے مرے دل کو بہت ، مجھے دیجے
اجی دھرے رہو ، بس تم نے دلستانی کی
جو سیفسہ ہوکوئی جگ میں چشم بےگوں کا
وہ جانے قدر مرے اشک ارغوانی کی
ہزار حیف نہیں ہے جہاں میں اے وحشت
خبر کسو کو کسی کے غم نہانی کی (۱۸۸ الف)

جو کہ اے یار تری زلف چلیپا دیکھے
ہوئے سرگشتہ ووہیں دامن صحرا دیکھے
لب پاں خوردہ ترے باغ میں اے رشک بہار
غرق خوں ہووے اگر لالۂ صحرا دیکھے
جینے جی ہووے ہے دنیا میں ترا حلقہ بہ گوس
جو کوئی تیرے بنا گوش کا سبزہ دیکھے
سیم تن جتنے ہیں پھیکے لگیں اس کو یارو
اس طرح‌دار کا جو رنگ سنہرا دیکھے
لے کے زنجیر اگر دشت میں آوے ناصح
پھیر وحشت کا ہماری بھی تماشا دیکھے

مقالہ سوم

در ذکر بعضی آمرائے افغانان ایں دیار وغیرہ افاغنۂ قرب و جوار

(۱۱ے)امیر

نواب محمد یار خاں امیر تخلص ، خلف رشید نواب علی محمد خاں، جوانے بود میرزا منش ، نازک طبع ، صاحب فطرت ، اہل مروت ، عالی حوصلہ و خوش سلیقہ ، حاتم زمانہ ، در سخاوت و جرأت یگانہ ، مجمع مکارم اخلاق و بفیض رسانی و قدردانی شہرۂ آفاق و در فن موسیقی کہ بحریست ذخار و محیطے ست ناپیدا کنار ، چناں دسترس تمام داشت کہ فیثاغورث باوجود اسادی (۱۸۸ ب) یکے از شاگردان ابجد خوان او ، و تان‌سین و نایکان دکھن از مدح سرایان او ۔ بسیار سخن فہم ، نکتہ سنج ، قدردان سخن استادان ایں فن ، در فرقۂ اہل دول شخصیے بود بے نظیر و بے بدل ۔ گاہے بہ حسب صفائے ذہن و جودت طبع برائے تفنن خاطر بفکر شعر ریختہ می پرداخت و داد سخن‌وری و خوش‌تلاشی می داد ۔ در اندک ایام مشق او برتبۂ عالی اسادان رسیدہ بود ، فاما اجلش مہلت نہ داد ۔ مشق سخن از محمد قائم موصوف می کرد ۔ یک بار ایں فقیر بخدمت آں امیر رفتہ ملاق شدہ ، تا دیرے کہ نشستم شفقت و عنایت بسیار بر حال ایں خاکسار نمودہ ، اکثر اشعار خود از غزلیات و قصائد و مثنویات خواندہ ، بسیار محظوط گردانیدہ ۔ قریب یک ماہ شد کہ ازیں جہان فانی رحلت نمودہ ، حق سبحانہ مغفرتش کند ، و شفاعت

محمد یار او باد ۔ حیف است کہ ہنرمنداں بمیرند و بے ہنراں جاے ایشاں گیرند ۔ ایں چند ابیات از کلام ملوکانہ و سخنان امیرانہ اوست:

نہ جانے شور ہے دریا میں کس تابندہ اختر کا
کہ محراب صدف میں محو سجدہ سر ہے گوہر کا (۱۸۹ الف)
حباب آسا نہ دیکھیں آنکھ اٹھا اسباب دنیا کو
لیا ہے کاسۂ سر سے جنھوں نے کام افسر کا

کوئی گذر ترے کو میں نہ کر گیا ہوگا
جو گذرا ہوگا تو جی سے گذر گیا ہوگا
بسان اشک ملا جا ہے خاک میں کچھ دل
کسی کی نظروں سے شاید اتر گیا ہوگا

دیکھی تھی میں سر نوشت اپنی
جز روز سیاہ کچھ نہ نکلا
کیا ہم کو دیا تھا تونے ساقی
شیشے میں تو واہ کچھ نہ نکلا
جس سر میں ہے جوں حباب دعویٰ
واں زیر کلاہ کچھ نہ نکلا

ترے یہ حسن کی دہشت ہے جس کے سامنے منہ کے
نہ مو آئے ، نہ خط آیا ، نہ زلف آئی ، نہ خال آیا

شکست و فتح میاں اتفاق ہے لیکن
مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا

یاد کرنا ھی مرا آپ کو منظور نہ تھا
گوکہ شب تھی پہ میں اتنا بھی توکجھ دور نہ تھا
شوخیاں اپنے لڑکپن کی نہ کچھ پوچھ میاں
کون سا دل تھا کہ ھاتھوں سے ترے چور نہ تھا
آئینے کی ھے یہ سب خانہ خرابی ورنہ
(۱۸۱ب) اس سے آگے تو وہ کجھ حسن پہ معرور نہ تھا

زلف کے بندوں کی ھے اس بت کو کتنی احتیاط
سر کے نیچے داب سوتا ھے سر اس زنجیر کا
شعر ملا درکی ھمی را زینت تازہ بخشیدہ است :
چون تواں جستن کہ زلفس گشتہ دامنگیر ما
پاسباں در زیر سر دار سر زنجیر ما

کجھ مرگ میں اور زیست میں اتنا تو نہیں فرق
دونوں میں تفاوت ھے تنک زیر و زبر کا

جامہ تو کل بھی زور رنگا تھا کسوم کا
چیرا پر آج کا ھے بڑی ھی سی دھوم کا
اٹکی ھے آج صبح سے در پر مری نگاہ
کیا جانے منتظر ھوں میں کس کے قدوم کا
کیا بوسہ جس کی شام سے ھے اتنی ٹال بال
لیجے نہ نام صبح کو تجھ سے تو شوم کا
عارض کی تو جھلک ھے نپٹ خوب دیکھیو
پر کان کا بھی کم نہیں جھمکے میں جھومکا

سایہ ترا میں چھوڑ کے جاؤں کہاں امیر
ہوتے ہما کے کون ہے مشتاق بوم کا

اے رشک مہر گھر سے نکل ، بس ہوئی تو صبح
مانند شمع راہ میں نکتا ہوں شام کا

کہاں تک جوں نگیں خواری پئے نام
ہو منہ کالا کہیں ایسی ہوس کا (۹۰ الف)
بچی آنکھ اور ترے گھر کو چلے ہم
خدا دیوے نہ کچھ بندے کو چسکا
کہاں کی عمر ، کس کی زیست ؛ یہ سب
حباب آسا ہے ، جھگڑا یک نفس کا

آئینہ ساں میں روکے ز بس گھر ڈبو دیا
دیکھا بہ‌غور جس نے مرا حال رو دیا

اپنی اور دل کی کہوں یا شمع و پروانے کی کچھ
بے طرح تجھ بزم میں کٹتی ہے ہم چاروں کی رات

ہر اک کے منہ کو جوں اہل گنہ حیران تکتا ہے
میں اس کی بزم میں دیکھی ہے آئینے کی یہ صورت
جو روٹھے فکر تو کرتا ہے مجھ کو قتل کی دل میں
صفائی میں اڑاوے صاف اور کینے کی یہ صورت

امیر اس شوخ سے کہیو یہی انصاف ہے پیارے
لیوں[1] پھر وے کرم اور یار پارینے[2] کی یہ صورت

کیوں سرو کس کی چال میں دیکھی ہے یہ پھبن
چلتا ہے کس ادا سے مرا خوش‌خرام آج
وعدہ کرو ہو کس سے یہ بوسے کا تم میاں
آیا نہیں نیا بھی تو کچھ یہ غلام آج

کس زیست پہ مانند حباب اتنی ہوس آج
ہونا ہے ہوا کل کو ، جو ہے تن میں نفس آج
(۰۹ ب) کیا جانے تامل ہے مرے قتل پہ پیارے
ہم سار کے موجود ہیں بندے تمھیں دس آج

مارے عجب طرح کی لڑی ہے کنوئیں میں پھاند
جب سے آگا ہے خط ترے چاہ ذقن کے بیچ

کرتا تو ہے تو مجھ پہ ستم لیک یہ ڈر ہے
یہ آہ مری کرتی ہے کم‌بخت اثر جلد
جس دل میں ہے کچھ داغ اسے چین ہے دشوار
ٹک دیکھ نہ ہے شمس سے رفتار قمر جلد

پستی طلب کر آپ کو چاہے ہے گر[3] بلند
جب تخم زیر خاک ہو تب ہو شجر بلند

---

۱ - نئے کی جمع باضافۂ واؤ نون
۲ - یار پارینہ = یار دیرینہ
۳ - اصل : سربلند

بن ٹھن کے وقت شام چمن میں نہ کر گذر
سو کام ھیں خدا کے پیارے ، نظر گذر

سر فرو لانے میں ھی راست کی جاتی ھے کجی
ھم پہ یہ حرف ھوا نقش نگیں سے ظاھر
ھم کو ظاھر جو کیا حق نے تو کیا احساں ھے
وہ بھی جو آج ھوا ھے تو ھمیں سے ظاھر

ڈوبیو اے دل نہ جان کی خاطر
مرد ھوتے ھیں آن کی خاطر
جی بھی دے ھے کوئی ، پہ ھم نے دیا
کیا کریں اس جوان کی خاطر
داغ دل لے چلے گلی سے تری
چاھیے کچھ نشان کی خاطر
کیا ھوا آگیا جو یاں بھی امیر
رہتے تھمتے ٹک آن کی خاطر
خانماں کوئی چھوڑتا ھے میاں (۱۹۱ الف)
ایسے بے خانمان کی خاطر

بیداد ھیں ھر چند جلانے میں سب آتش
آتش ھے غضب کی پہ ترے، کچھ غضب آتش
دانا ھو نمودار سیہ روزی میں ظالم
آتی ھے نظر دور سے ھنگام شب آتش

میں دردِ دل لکھا تھا اُسے ، پڑھ کے یوں کہا
املا ترا غلط ہے اور انشا ترا غلط
میں نے کہا : امید وفا ہے مری صحیح
بولا : بتاں سے شیوۂ مہر و وفا غلط

گیا ہے بزم سے اے شعلہ‌رو تو اٹھ کے کہاں
کھڑا میں آنکھوں[1] ہوں جوں شمع ہر چہارطرف

جو روٹھتے تھے تم آگے نہ تھا رقم موقوف
یہ اب کی کیا ہے کہ نامہ ہے یک قلم موقوف

پڑے مرہ سے مری اسک جھولتے ہیں مدام
یہ‌سچ ہے جائے نہ لڑکوں سے لڑکپن[2] کا خیال

جریدہ اٹھتے ہیں اس طرح یاں سے دیکھ امیر
نہ فکر گور ہے خطرے میں ، نے کفن کا خیال

شمع بھی دیکھ تجھے ہوگئی پانی پانی
آئینے کا ھی نہ آگے ترے اک آب ہے دل

دن کو ھی مثل مہر نہیں بے قرار ہم
شب کو بھی کاٹتے ہیں کھڑے شمع وار ہم (۱۹۱ ب)

---

۱ ۔ آنکھوں ہوں ، (مصدر = آنکھنا) دیکھوں ہوں ۔
۲ ۔ لڑکا پن کا مخفف ؛ بفتح کاف بڑھا جائے گا ۔

چھڑایا دام سے خط کے نه هم کو
بڑا تھا زلف کا تیری همیں بل
هے فردا کا یه وعده کیا قیامت
نہیں عاشق کو تیرے آج هی کل
ترے بند قبا کیوں کر کروں وا
عجب عقده یه پیش آیا هے لا حل

اک ره گئے هیں مجلس روشن دلاں سے هم
جوں شمع کیوں نه کانپیں هواے جهاں سے هم
کیوں سیل کچھ تجھے بھی خبر هے که مثل موج
جائیں گے کس طرف کو ، هیں آئے کہاں سے هم

ماهیت خاق خوب سمجھے
پر آپ سے بے خبر گئے هم
پایا تو عروج آسماں تک
پر صورت مہر ڈھل گئے هم
مت کھول کے بال خلق کو مار
اے زلفوں په تیری بل[1] گئے هم

سب خبر رکھ پر ایسی کر باتیں
جیسی کرتے هیں بے خبر باتیں
جی میں آتا هے زلف و رخ کی ترے
شام سے کیجے تا سحر باتیں

---

۱ - بل جانا = قربان هونا ۔

یہ غنیمت ہے دید ، پھر تو امیر
کس طرف آپ اور کدھر باتیں
کل تھی مجنوں کی آج یاں تیرے
عشق کی ہوں ہیں گھر بہ گھر باتیں

نہ پہنچوں گو ، پہ تیری جستجو میں یار اڑتا ہوں
بہ رنگ طائر پر بستہ سو سو بار اڑتا ہوں

(۹۲ الف) آپ کچھ غیروں کو چھپ چھپ کے رقم کرتے ہیں
یہ اگر جھوٹ ہو ، ہم ہاتھ قلم کرتے ہیں
صفحۂ دھر میں نام اُن کا رہے ہے باقی
طرح سے خامے کی جو سر کو قدم کرتے ہیں
آج کیوں دیتے ہو ، ہونٹھوں میں چھپا کر گالی
آپ نو روز یہ بندے پہ کرم کرتے ہیں

یہ مت سمجھو کہ میں زیر فلک مختار پھرتا ہوں
بہ رنگ سایۂ مرغ ہوا ، ناچار پھرتا ہوں
ایں مضمون را بعینہ در دیوان مرزا رفیع دافتہ ام و آں ایں ست :
سودا :

تم کو معلوم ہے یارو ، چمن قدرت میں
عمر گذری کہ ہے گردش سے سر و کار مجھے
پر میں حیران ہوں کہ جوں سایۂ مرغان ہوا
نہ کیا ایک قدم پھرنے پہ مختار مجھے

امیر :

گھر سے نکل کے پھرئیے عبث کیوں زمانے میں
جوں چشم دید اپنی ہے موجود خانے میں
کرتے نہیں کبھی جو قدم رنجہ اس طرف
آنا کچھ اتنا عیب ہے کیا بندہ خانے میں
جز عشق اور بھی ہے کوئی ذکر اے امیر
دیکھوں ہوں جب تجھے تو اسی ہی فسانے میں

تجھ سے تو کچھ اور اب کیا کہیں
روز ہی دل مانگے ہے لے کیا کہیں
کرنے کو اے شوخ مرے قتل کے (۱۹۲ ب)
پوچھ تو تو لوگ تجھے کیا کہیں
دور نہ جا پاس ہی بیٹھ اے امیر
دیکھ تو اس امر میں وے کیا کہیں

خوبوں سے اپنی تم کو بتاں آگہی نہیں
ہم نے خدا کی بات بھی ہرگز سہی نہیں
عریانی کا بھی جامہ ہے کتنا بدن نما
اس حسن کی ، تو اور کوئی یک تہی[۱] نہیں

کیا کہوں شوخیٔ نگاہ بتاں
دل کو نظروں میں گدگداتے ہیں

---

۱ - یک تہی — اکہری چادر

دیکھیو جولی چس نہ جائے کہیں
بے طرح آپ کسمساتے ہیں

مہر کی طرح سے اس ماہ کو آرام کہاں
جالیے صبح کہاں ہووے ہے اور شام کہاں
حسن چہرے کا ترے ، زلف سے ہوتا ہے دو چند
سچ ہے گر کفر نہ ہو رونق اسلام کہاں
اپنی ہستی پہ ہیں موقوف جہاں کے جھگڑے
مٹ گئے آپ ہی جس وقت تو پھر نام کہاں

لخت دل گھومے ہے یوں اس دیدۂ پر آب میں
جا پڑے ہے برگ گل جوں حلقۂ گرداب میں

کلاہ فقر ہو یا سر بہ سطانی کا افسر ہو
الٰہی ہووے حق میں میرے وہ جو کچھ کہ بہتر ہو
موئے پر خاک زاہد کو ہوئی عزت تو کیا حاصل
(۱۹۳ الف) کبھو پارے کو کیا لذت اگر اکسیر مر کر ہو
امیر، ان قافیوں میں اس سے بہتر اک غزل کہہ دو
بھلا دیکھیں تو یہ حضرت کہ تم کیسے سخن ور ہو

عریانی آن کے سر کی مقرر ہے فخر تاج
جو صورت حباب ہیں مشغول دم کے ساتھ
کس کے کھلے ہیں زلف کی دریا میں آج دل
جاتی ہے موج اینڈتی سو پیچ و خم کے ساتھ

مثل حباب گو کہ سبک سیر ہوں امیر
ہے حل و عقد دہر مرے دم قدم کے ساتھ

بندگی یا سلام کیا کہیے
جا ہے قاصد، پیام کیا کہیے
ایک دن ہو تو حال دل میں کہوں
تجھ ستی دکھ مدام کیا کہیے

آتش عشق سے اب دل تو لپٹ جلتا ہے
کیوں کہ کرتے ہو مدد دبدۂ تر دیکھیں تو
تاب کیا آئنے کی ہووے مقابل تیرے
سامنے ہو کے تجھے شمس و قمر دیکھیں تو
مانگے رخصت جو امیر اب کی، تو کہہ شوخ کہ جا
جیتے جی تو وہ کہاں جائے ہے پر دیکھیں تو

جو حالت درد دل کی دل پہ گذرے ہے سو دل جانے
یہ دل کی بات ہے دلبر کسی بے دل سے مت کہیو

ٹک جھک کر آج پشت بام پر آ جاؤ تو
جوں ہلال عید آنکھوں میں نظر آ جاؤ تو (۹۲ ب)
آج تو سونی گلی میں دیکھ پایا ہے تمہیں
کس طرف جاؤ گے پیارے ٹک ادھر آ جاؤ تو
نوح کے طوفان کی شدت کو عالم بھول جائے
لہر پر اپنی تنک اے چشم تر آ جاؤ تو

موتیوں کے ڈھیر کم دیکھے ہیں یاروں نے پڑے
گود میں آنکھوں سے ہے سلک گہر آ جاؤ تو
روشنی کے جھاڑ کے مانند جلوہ سے تنک
ہاں صف مژگاں پہ اے لخت جگر آ جاؤ تو
جی سوا کیا ہے کرے ایثار جو تجھ پر امیر
ایسے اک مفلس کے ہاں گر بھول کر آ جاؤ تو

سرخ چشم اتنی کہیں ہوتی ہیں بیداری سے
لہو اترا ہے تری چشم میں خوں خواری سے
وقت رخصت سے تری ، اے مرے جی کے دشمن
تھام تھام آج رکھا دل کو میں کس خواری سے
جی میں جو آوے سو کیجے یہ میں پوچھوں ہوں یہی
کچھ تجھے یاد بھی آتا ہے دل آزاری سے

کون کہتا ہے یہ تجھ سے کہ تو دے داد مجھے
ٹک تو دل کھول کے کرلینے دے فریاد مجھے
بھول کر بھی نہ کبھی عشق کا لوں گا پھر نام
(۱۹۴ الف) آج اگر جان سے چھوڑے ہے تری یاد مجھے

کن حسرتوں سے چھوڑ کے ہم یہ جہاں چلے
آئے تو حد سبک تھے پہ کتنے گراں چلے
گر وقت قتل نالہ کیا میں تو کیا ہوا
پیارے کسی کا ہاتھ ، کسی کی زباں چلے

جب سے دیکھی ہے ترے حسن کی تاب
منہ پہ سورج کے آفتابی ہے
عاشقوں کو گنے ہے تو مجھ پاس
کتنی یہ بات بے حسابی ہے

زلف و رخ تیرا کیا میں انتخاب
روز سے ، شب سے ، سحر سے ، شام سے
دیجو مت ایذا ہمیں اے شور حشر
خوش پڑے ہیں اپنے اک ایام سے

سوفتہ[۱] سینہ زنی سے جو ہمیں بار ملے
پھر گریبان کا کیا معنی جو اک تار ملے
عید تھی ، صبح گیا اس کے میں جوں توں نزدیک
ہنس کے بولا کہ بے چل تجھ سے تو بیزار ملے

کیا ایمان گم در پر ترے ، کوچے میں جان بھولے
پہ یہ معلوم نہیں ہم کو کہ دل تھا سو کہاں بھولے
وہ حق غیر میں ہوتا ہے دم میں کچھ ، گھڑی میں کچھ
یہ میرے قتل کی تدبیر ہے اس کو کہاں بھولے

ہائے رے اس نوجوان کو دیکھیو جوں شاخ گل (۴۹ ب)
کیا بچے گا باغ میں آتا ہے ظالم ناز سے

۱ــ سوفتہ بہ معنی فرصت ، دلی میں آج بھی بولا جاتا ہے ۔

پوچھا میں : مرا دل تو نہیں زلف میں تیری
بل کھا کے لگا کہنے : میاں لیتے ہو، ہاں ہے
جوں نقش قدم نام کو ہستی ہے ہماری
اک بوُ کے جھونکے میں نہ ہم ہیں نہ نشاں ہے

چھلے[1] ہے مجھ سے اک پیر کہن کو
ٹک دیکھو تو طور اس نوجواں کے
جلے ہے ہم سے کیوں[2] مکڑا کے اتنا
اے سنتا ہے او اکڑنت[3] بانکے

رو پوش تو ہو جاؤں میں اب اس کی جفا سے
پر حشر میں ہوں رو بہ رو کس طرح وفا سے
پوچھا میں : کبھی ہم سے بھی ملیے گا ؟ کہا خیر
بولا میں : جو مر جاؤں ، لگا کہنے : بلا سے !
سلطانی[4] دنیا پہ سکندر ہی ہو راضی
کونین تلک ہم کو تو جھگڑا ہے خدا سے
سچ کہیو امیر آج ملا کیا نہیں وہ شوخ
کچھ تو نظر آتے ہو ہمیں یار خفا سے

---

۱ - چھلے ہے (چھلنا-مصدر ، بفتح اول)حکمہ دینا ، بے وقوف بنانا ۔
۲ - مکڑانا - اکڑنا ، ناز سے چلنا ۔
۳ - اکڑنت' اکڑ سے اسم فاعل ، ہندی قاعدے سے ، جیسے دھن سے دھنونت ۔

کیوں نہ کاڑھے گا اب نئی چالیں
کہنے میں غیر کے وہ چلتا ہے
جاہ دنیا پہ اعتماد ہی کیا
سہر بعد از عروج ڈھلنا ہے

وہ با وفا نہیں گو ، یار بے وفا تو ہے
بلا سے قتل کیا مجھ کو ، من چلا تو ہے ۔
میں نامہ بر سے کہا، کچھ دیا ہے تجھ کو جواب (۱۹۵ الف)
کہا، میں بھولا ہوں،ہاں اُن نے کچھ کہا تو ہے

آگے اس بت کے ، سیخ تو کیا ہے
گر خدا آوے ، رام رام کرے
لے وہ مجرا سرا گر آج امیر
تو یہ بندہ تجھے سلام کرے

بہ از شعر کسے است کہ می گوید :
اگر وہ صبح کو مجرا کسی کا لینے کو
نکل کے گھر ستی آوے تو ہم سلام کریں

امیر :

دیکھ اس شعلہ رو کو منہ اپنا
شمع فانوس میں چھپاتی ہے
اس مرے شعلہ رو کو مجلس میں
شمع انگشت سی بتاتی ہے

بسان شمع کہے کیوں کہ راز دل کوئی
بغیر بات کے یاں تو زباں نکلتی ہے

نہ سجدے ہے خوشی ہوں ، ہے عبادت سے کبھی راضی
نئی اک طرح کی بہتر بتاں سے بھی خدائی ہے
کوئی میں تجھ سے ہرجائی سے کرتا ہوں کا یارانہ
کسو سے تجھ کو سائی ہے کسی سیتی بدھائی ہے

ٹھہریں نہ رو میں اشک کی سینے کے آبلے
کیا ناب ہے جو موج سے ٹکر حباب لے
میں عرض کی کہ قتل ہے میرا نپٹ ثواب
بولا کہ کون مار کے تجھ کو عذاب لے
اہل فنا کو سانس بھی لینا محال ہے (۱۹۵ ب)
رو بیٹھے زندگی سے جو ٹک دم حباب لے
دن کو جو مہر دیکھے تو صدقے ہو تجھ اپر
شب کو بلائیں منہ کی ترے ماہ ناب لے

تو بند جامہ کو گل رخ ہنسی سے کھولے ہے
یہ جی کسی کا نہ جوں بوے گل نکل جاوے
کیا میں عرض کہ جا ہے امیر گھر سے ترے
کہا : شتابی ہے کیا انی ، کہہ کہ کل جاوے

اس منہ پہ کھلے زلف تو از بہر قدم بوس
شام آوے ادھر سے تو آدھر سے سحر آوے

کرتا ہے تو کیوں قصہ رلانے کا مرے کیا
طوفان کی خواهش ہے کہ بار دگر آوے

منه ترا شب کو دوپٹے سے جو باهر ہووے
کس طرح چاند بھلا اس سے برابر هووے
دل میں تصویر بتاں رهتی ہے میرے دن رات
طرح اس گھر کی ، سراپا جو مصوّر هووے
سنبل آج اپنی نپٹ طیب پہ مکڑاتی ہے
کھول دے زلف کہ سب باغ معطر هووے

هائے رے سرخی ترے چہرے کی هنگام عتاب
جس قدر بگڑے ہے اتنا هی سنور جاتا ہے
رہ کے اے نور بصر کیا تو کرے گا مجھ پاس
آج کہتے هیں کہ وہ نور بصر جاتا ہے (۱۹۶ الف)
کیا بری وضع ترے دل نے نکالی ہے اسیر
وهیں پھنس جا ہے یہ کم بخت جدھر جاتا ہے

روز سیہ میں سایہ بھی اپنا نہیں رفیق
بس رکھیے اور کس سے توقع نباہ کی
این شعر بعینه ترجمه شعر همایون بادشاه است :

همایون :

به روز بد کسے جز سایهٔ من نیست یار من
ولے این هم ندارد طاقت شبهاے تار من

از مسدسات اوست

شادی ہوئی نصیب ترے گر دلا تو کیا
باغ جہاں میں مثل چمن تو کھلا تو کیا
جوں غنچہ ، لب ہنسی سے بھلا ٹک کھلا تو کیا
مانند گل کے ، خندہ تجھے گر ملا تو کیا
صبح شگفتگی ز شفق بے بقا تر است
خو کن بگریہ ، خندہ ز گل بے وفا تر است

چل باغباں تو دے ہے کسے مژدۂ بہار
جا عندلیب ، کرتی ہے کیوں نالہ بار بار
کس واسطے صبا تو کرے ہے وہاں گذار
بس الفت چمن نہ کھٹک دل میں مثل خار
مارا ہوائے گلشن و باغے نماندہ است
اے بوئے گل برو کہ دماغے نماندہ است

گل پھول میری خاک پر اے مایۂ غرور
(۹۶ ب) لایا ہے تو کیوں نہ مری جاں کو ہو سرور
لیکن یہ عرض حال ہے کرنا مجھے ضرور
ظالم لگے نہ ٹھیس کہ ہو جائے چور چور
نازک تر است شیشۂ دل در کنار من
آہستہ برگ گل بفشاں بر مزار من

اے ابر بار بار تو آیا نہ کر ادھر
کم مایہ جوں صدف نہ ہمیں جان اس قدر

احسان قطرہ اتنے لیے لیں کہ ہو گہر
تو کیا ہے جس سے کیجیے اپنے لبوں کو تر
تاتشنگی نہ دجلہ و جیحوں نمی دہم
یک العطش بہ صد روش خوں نمی دہم

جوں سہر تجھ بہ دن دو میں قرباں ہوا نہ کب
تجھ بزم بیچ کب نہ جلا مثل شمع شب
ن آئے مجھ سے کام جو کچھ کر چکا میں سب
اس پر بھی گر یو ہیں ہے ترا رات دن غضب
جز ترک عشق باتو ستم گار چارہ نیست
آخر دل است جان من ایں سنگ خارا نیست

چھوڑا میں اس سلوک سے سب کوے یار کو
سونپا قرار و صبر قد طرح دار کو
جی تھا سو وہ دیا دہن غنچہ وار کو
اور کی نماز جان خط مشک بار کو
(۹۷ الف) دل را بدام زلف چلیپا گذاشتیم
دیوانہ را بہ حال خودش وا گذاشتیم

حد سے زیادہ خوب نہیں بولنا مدام
بحر سخن کا گو کہ کھلا تجھ پہ در تمام
گو جوں در یتیم ترا ہے ہر اک کلام
لائق نہیں امیر ، اب آگے زباں کو تھام
کم کن سخن کہ خاطر دل دار نازک است
بار گہر نمی کشد ایں تار نازک است

محرم کبھی تھا تو کہ ہے مرنا ترا غضب
بارے یہ عقدہ دیر سے تجھ پر کھلا ، تو اب
تھا نزع میں حضور ترے میں جو وقت سب
دیکھا نہ تو نے کیوں کہ بہ‌صد خندہ و طرب

جانم ز سینہ بر زدہ داماں برآمدہ
گویا بہ عزم خدمت جاناں برآمدہ

تیری گلی میں آج جو گذرا میں ناگہاں
دیکھا بری طرح کا وہاں حال عاشقاں
کوئی مرے تھا ، کوئی تڑپتا تھا نیم جاں
کوئی زخمی تھا کسی کے تھے سب چور استخواں

اے ترک شوخ این ہمہ ناز و عتاب چیست
با دل شکستگاں ستم بے حساب چیست

اہل ہنر اس اپنے زمانے کے کینہ ور
رکھے ہیں رشک دل میں، مرے دیکھ کر ہنر
لیکن نہیں ہے حال سے میرے انھیں خبر
فضل و کمال آج میں رکھتا ہوں جس قدر

گردوں در آتش حسد از جوہر من است (۱۹۷ ب)
پرواز من بلند تر از اختر من است

رباعی

جب آنکھ لڑائی میں تو وہ بولا واہ
منہ دیکھو تو ان کا ، اور یہ ان کی چاہ
جب بوسے کو میں کہا ، تو اٹھ بولا یوں
خوب ہی خاطر کی ، واہ سبحان اللہ

قطعہ

شعر جس داب سے کہے ہے اسیر
رو بہ رو اس کے فارسی کیا ہے
دیکھو لو کیوں نہ لے کے اس کے سخن
ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے

مثنوی در شدت برسات

اب کی کیا برسات نے ڈالی ہے دھوم
ہر طرف بادل رہے ہیں جھوم جھوم
اس برس کیا ہے گرہ ماہی کا اوج
ہر گھڑی آتے ہیں بادل فوج فوج
اس طرح گرتا فلک سے آب ہے
چرخ نہیں پھرتا گویا دولاب ہے
ٹپکنا[۱] بادل کا نہیں ہوتا ہے کم
ہووے جوں نزلے کی ریزش دم بہ دم
مینہ کا جاری ہے اتنا سلسلہ
ڈورے کی باف ہے گویا خلا
آب کے رہنے کی اوپر جا کہاں
ہوگیا غربال آبی آسماں
کس طرح کی اب کی یہ برسات ہے
خلق کو سارا دن آدھی رات ہے
مینہ اس شدت سے برسے ہے مدام (۱۹۸ الف)
بھیگنے کے خوف سے ہر صبح و شام

---

۱ - ٹپکنا - بسکون دوم و فتح سوم ، یہ استعمال نادر ہے -

نہیں شفق ، جو لازم برسات ہے
چرخ پر بھی چادر بانات ہے
مینہ کی شدت سے ہر تالاب پر
سبز کاہی کا ہے پٹو آب پر
سر پہ رہ روکے ہے چادر اس طرح
چادر آبی پڑے ہے جس طرح
گھر میں ہی تنہا نہیں لگی ملی
ہے ہر اک کوچہ چکابو کی گلی
آ سمندر کے ، کھلے ہر گھر پہ راز
ہیں پلنگ پانی میں یوں جیسے جہاز
گھر میں جو باسن ہیں سیدھے سو عراب
اور جو الٹے ہیں سو مثل حباب
سیل نے ڈالیں بنائیں سب اکھاڑ
ڈھ کے بستی ہوگئی مٹیا پہاڑ
تھا جو کچا گھر ، گلاوہ[1] ہوگیا
اور جو پکا تھا پڑاوہ ہوگیا
بس کہ نت طوفان کی حالت رہے
خلق بسم اللہ مجریھا کہے
ہول سے بارس کی بادل رو گیا
پیٹ میں گردوں کے پانی ہوگیا
بس کہ ہر اک دشت و در پر آب ہے
اب بگولے کی جگہ گرداب ہے

---

۱ ۔ گلاوہ ۔ گل آبہ (گارا)

بے سبب تو نہیں امڈنا ، تال کا
پردہ شاید پھٹ گیا پاتال کا
لے زمیں سے آسماں تک سب ہے غرق
طور ماہی کے کبھی اچھلے ہے برق
موسم برسات یہ کیا قہر ہے (۱۹۸ ب)
آسماں پر کہکشاں کی نہر ہے
چرخ کی بھی نہیں ہے اگلی چال ڈھال
اس برس چلتا ہے بن‌چکی کی چال
جوف ، مثل طاس مالا مال ہے
مہر جس در نامۂ گھڑیال ہے (کذا)
اس قدر ہے ہر طرف طوفان آب
آسماں بھی حس میں ہے مثل حباب
شکل کیا بدلی ہے سب نے اس برس
چرخ یوں گھومے ، بھنور میں جیسے خس
ہے اس عالم کی خبر گر روح کو
خوف اس طوفاں کا ہوگا نوح کو
ہائے یہ برسات یارو یا ہے قہر
بھوک سے مرتے ہیں اہل دیہہ و شہر
آگ ملتی نہیں جو کوئی روٹی پکائے
گھول آٹا مثل ستو خلق کھائے
آگ سے کس طرح ہو ربط تنور
یاں تو خود طوفان کرتے ہیں ظہور
دیگداں سے دیگچے سب بہہ گئے
چولھے اپنے منہ کو کھولے رہ گئے

اس طرح پانی میں غائب ہوگیا
جانیے مچھلی تھی یا ماھی توا
آگ مستعمل ہے پانی کے محل
لوگ پھونکیں آگ اور کہتے ہیں جل
اور کھانے کا تو کیا امکان ہے
ہاں مگر چاہو تو آبی نان ہے
(۱۹۹ الف) بسکہ اب پہنچا ہے پانی تا سپہر
نت اُچھلتا ڈوبتا پھرتا ہے مہر
مینھ کی شدت سے یہ کانپے ہے آب
موج کے سر پر ہے چھتری ہر حباب
بھیگنے کی نہیں زبس طاقت رہی
کرتا ہے گرداب بھی پہلوتہی
یہ طراوت ہر جگہ میں عام ہے
خشک کا اس رت میں نرنم نام ہے
کیسی ہی رنڈی[1] کوئی خشکی[2] لگائے
طعن پنہائی[3] کا آس پر سے نہ جائے
آب کی کثرت تنک تو دیکھ تو
کاغذ تصویر میں بہتی ہے جو
تیر باراں ابر ہی ہے دم بہ دم
موج کی دریا رکھے منہ پر جہلم

---

۱ - رنڈی - عورت
۲ - خشکی - پلیتھن
۳ - بفتح اول بمعنی گیلا پن

ہووے ہے یوں طبقۂ ارضی سے پار
ہے گویا ہر بوند بوندی کا کٹار
تھے ثقہ جو بحر دنیا کے امیر
قول اب اُن کا ہے پانی کی لکیر
ہووے جب یہ آب سے حالت تباہ
کیوں نہ رووے پیٹ کر سر کو سپاہ
خانساماں سے کرے ہے جو سوال
ہے مری تن‌خواہ ، زر جلدی نکال
یہ کہے مذکور کیا اس بات کا
ہے خزانہ تو خزانہ آب کا
جوں زر محلول سب زر آب ہے
سیم تھا سو صورت سیماب ہے
جائے خشک عالم سے ہے اب ناپدید (۱۹۹ ب)
ہو رہے بازار و کوچے سب پلید
چپقلش کیچڑ کی ایسی ہو رہی
آرہا ہے ناک میں عالم کا جی
گر کوئی نکلے ہے گھر سے گاہ گاہ
ہو نہیں سکتا ہے جوتی کا نباہ
اس غضب میں ہائے سارا گاؤں ہے
جوتیاں واں آپ ننگے پاؤں ہے (کذا)
اس قدر کپڑوں پہ کیچڑ کی ہے دھوم
شہد پر جیسے مگس کا ہو ھجوم
کیا کہوں کس مرتبہ ہے خلق خوار
گھوڑے سے لے کر ہے خواری تا سوار

گر کوئی نقرہ[1] کبھی کیچڑ میں جائے
چھینٹوں کی افراط سے مگسی کہائے
پس جب اتنا ہوئے کیچڑ کا وفور
بچ کے کیچڑ سے کوئی کیوں کر ہو دور
کیچ سے خالی نہیں کوئی مکاں
آنکھ کے کوئے میں ہے کیچڑ نہاں
کیچ نے کھویا ہے داں تک نام و ننگ
اس قدر اب رت سے جی آیا ہے تنگ
نام بارس مت زباں سے کوئی لو
سال کو بھی برس[2] کہنا چھوڑ دو
بس امیر اتنا نہ کر منہ کو خراب
ہو ہے وہ شکوے سے تیرے آب آب
گر بڑھاوے گا تو یہ قصہ بوھیں
کاغذ ابری چھٹ اب کاغذ نہیں
(۲۰۰ الف) کب دلک سوچے گا یاں کا زشت و خوب
فکر کے دریا میں بس اتنا نہ ڈوب

مثنوی در کثرت مگس گفتہ

مکھیوں کا ہوا ہے اب کی دہ زور
ایک انساں تو مکھیاں ہیں کڑور
اس قدر کررہی ہیں یہ انبوہ
بھر گئے جن سے باغ ، دشت اور کوہ

---

۱ - گھوڑے کی قسم
۲ - برس = بسکون دوم -

میں تو دیکھا نہ تھا کہیں یہ ہجوم
ملک میں جو انھوں نے ڈالی ہے دھوم
جس طرف دیکھیے یہی ہے خلل
جیسے اڑتا پھرے ہے ٹیڑھی دل
بھنبھناتی ہیں اس قدر شب کو
نیند دوبھر پڑی ہے یاں سب کو
کچھ صدا گوش میں جو آتی ہے
کان میں مکھی بھنبھناتی ہے
شہ ، گدا ، مرد و زن ، امیر و وزیر
یک جہاں ہے اسی بلا میں اسیر
صاحب آبکاھی ، قے کرے ہے لفر
اس طرح زیست کیوں کہ ہووے بسر
ایسا ہی گر انھوں کا ہے گا ہجوم
کھانا کھانا تو خلق کو معلوم
خشکا کیسا ہی کوئی چھپ کے پکائے
سو طرح دیگچی کے منہ کو چھپائے
تس پہ بھی اس قدر گریں یہ تو
ایک چاول تو مکھیاں ہیں دو
منہ کو یاں دیگچی کے جو کھولے
پیٹ کر سر کو اپنے یہ بولے(۲۰۰ب)
یہ تو خشکا تھا یارو کریو نظر
ماش کی کھچڑی ہوگئی کیوں کر
دامنوں میں ہے مکھیوں کا ہجوم
جیسے فانوس بیچ کیڑوں کی دھوم

چولیوں کا تو کیا کہوں احوال
اس طرح بھر رہی ہیں جیسے محال
منہ کھلے گر کرے کوئی بھی خواب
اتنی مکھیں بھریں کہ ہو نہ حساب
دیکھے جو اس کو وہ کہے یہ سخن
ہے یہ کلھیا عسل کی یا کہ دھن
کوئی اس پر گماں کرے بل کا
کوئی بتاوے ہے آنب کا چھلکا
بیٹھے منہ پر تو پھر نہ جا مکھی
ہے گی بندوق کی گویا مکھی
جو سپاہی ہے یاں کہے ہے یہ بات
ہووے یا رب نہ اب کی موجودات[1]
ورنہ ہووے گا کس طرح کا غضب
سوخت ہووے گی ابتدا سے طلب
چہرے کیوں کر سہی ہوں آج کے روز
ہو گیا مگسی تھا جو گھوڑا یوز
مکھیاں گر نکلتی ہیں گھر سے
کون صرفہ کرے ہے یاں زر سے
پاس جو ہو سو دیں گے جز ناموس
یہ کہے ہے ہر ایک مکھی چوس
۲۰ الف) کب تلک یہ امیر ہم چو مگس
یہ بھی اے بے خبر کوئی ہے ہوس

---

۱ - موجودات = حاضری -

بس بہت بڑھ چکی ہے اب تو یہ بات
رکھ دے خامے کو اور ڈھپ دے دوات
کیوں یوھیں وقت کو کرے ہے صرف
تو لکھے گا ، وہ چاٹ جائیں گی حرف

دیگر قصائد آں امارت پناہ نہایت پر زور و رنگین ہستند خصوصاً قصیدہ نعت و قصیدہ سامان ہولی کہ در تتبع قصیدہ رزمیہ بہار مرزا رفیع گفتہ ، ہمہ انتخابی است تاکجا نوشتہ شود ۔

(۱۷۲) عاصی

نواب عبداللہ خاں عاصی پسر کلاں نواب علی محمد خاں مرحوم ، جوانے بود صاحب تہور و شجاعت ، معدن سخاوت ، جامع جمیع ھنر و نہایت دست کار و السنۂ ترکی و فارسی وغیرہ صاحب اقتدار ، بایں علائق دنیاوی قدر رتبۂ زر پیش ہمت خود ہم چو خس نمی پنداشت و در لباس دنیاداری طریقۂ تجرید و فقر را در دل چناں دوست می داشت کہ بہ سبب ہمت ذاتی وقت رحلت ازیں جہاں ، بعد از خانۂ آں عالی ہمت والا اقتدار یک گز پارچہ کفن بر نیامد تا بہ دیگرے چہ رسد ۔ در اکثر (۲۰۱ ب) فنون ، خصوصاً علم موسیقی و نقاشی و کشیدن تصویر ، دسترس کمال داشت ، فاما این فلک حساد ، سفلہ ایجاد ، رخصت وقت نداد ۔ چند سال شد کہ ازیں جہان نا پایدار از زہرمار سفر کرد ۔ حق تعالیٰ غریق رحمت کناد ۔ مشق شعر فارسی بسیار می کرد ، ذھن بجا و فکر رسا و حوصلہ عالی و وضع لاوبالی داشت ، یک فرد ھندی بہ نام او مشہور است :

نگہ کے نیشتر سے کیا رگ جاں صاف کھولی ہے
یہ نازک کام تھا پیارے ایسے فصّاد کیا جانے

(۱۶۳) نواب عنایت الله خاں

نواب عنایت الله خاں خلف رشید حافظ رحمت خاں ، جوانے بود عالی حوصله و خوش سلیقه ، حاتم زمانه در جرأت و شجاعت یگانه ، مجمع قابلیت و استعداد ۔ درعین عنفوان جوانی ازیں جهان فانی هزاران داغ و حسرت جاوداں هم راه خود برده ، آں حافظ حقیقی به فضل یزدانی و عنایت ربانیٔ خود غریق رحمت کند ۔ طبعش صائب و فکرش مناسب بود ، ایں مطلع ازوست :

کل مرے دیوانے دل کی قید کی تدبیر تھی
(۲۰۲ الف) زلف کا کھلنا نه تھا گویا وهی زنجیر تھی .

(۱۶۴) محبت

نواب محبت خاں برادر خورد نواب عنایت الله خاں ، جوانےست نازک طبع ، خوش قماش و خوب صورت مجمع استعداد و قابلیت ، معدن محبت ، مخزن مودت ، حافظ رحمت الٰهی ، مبدأ فیض نا متناهی مورد عنایت ربانی ، مصدر ارادت کامرانی، صاحب عظمت و حشمت ، عمرش بے پایاں و حرمتش جاوداں من کل الوجوه باد ، ذهنش رسا و سلیم وطبعش درست و مستقیم است ، اشعارش بسمع فقیر نرسیده مگر غزلے تازه مرثیه نما که دربیان مفارقت اقربا و آوارگی وطن و مهاجرت خویشاں و حالت پر ملالت خود مشتمل بر غم و الم و اندوه و بلا که برسرش کم از واقعهٔ کربلا نه بود ، وقتے که از پدرش حافظ رحمت خاں ، و افواج فرنگ اتفاق جنگ افتاده و خان موصوف از زخم گوله مورد رحمت الٰهی شد ، و شهید اکبر گشته و مردانه وار جان داده ، موزوں نموده ، چند بیت آں بسمع رسیده (۲۰۲ ب) ازوست :

پہنچ گئے سبھی تجھ تک کسی قرینے سے
پہ ہم ہی رہ گئے سر کو پٹکتے زینے سے
وطن کو چھوڑ کے جاتے ہیں اس طرح مجبور
چلے تھے اہل حرم جس طرح مدینے سے
کیا جو چاہے کوئی نام کے تئیں مشہور
تو رو سیاہی تنک سیکھ لے نگینے سے
پلک کے مارتے دم میں اٹھے وہیں طوفاں
جو اشک جاری ہو ٹک چشم کے سفینے سے
قضا و قدر محبت یہی تھا جو کہ ہوا
وگرنہ کچھ نہیں ہوتا کسی کے کینے سے

وہ کیا ہی وقت تھا پیارے ہزار حیف کہ تم
اکیلے ہوتے تھے کوچے میں اپنے سنگ اور شب
نہ قافلہ و نہ رہبر کوئی نہ رہ معلوم
نہ ہم کو آتی ہے کچھ بھی صدائے زنگ اور شب
گئے کدھر وہ مجھے چھوڑ ہمرہاں افسوس
کہ ہوں میں دشت میں اور خطرۂ پلنگ اور شب
غزل کہی یہ محبت نے یارو رو رو کر
کہ بیٹھا درد میں تھا وہ کنار گنگِ اور شب

یں چند غزلیات تازہ آں مخزن محبت کہ بعد اصلاح جرأت[1] بسمع
سیدہ بہ تحریر می آید ، ازوست :

هوتا ہے ابھی حاصل سب کام محبت کا (۲۰۳ الف)
دے اس کو خداوندا تو جام محبت کا

---

۱ - فی الاصل : حسرت -

ثابت قدم الفت میں رکھیو اسے مرتے تک
تو نام نہ ہو جاوے بدنام محب کا

اتنا تو سمجھ کیا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
کچھ تو مجھے کہنا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
تہمت مجھے کچھ کہنے کی مت دے کہ یہ میری
خاموشی ہی گویا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
وہ شوق سے بد کہتا ہے مجھ کو یہ محب[۱]
کیا جانوں سبب کیا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

خانۂ غیر میں کرتے ہو مری مہمانی
واہ وا زور یہ سیکھے ہو مدارات کا ڈھب

ترے بغیر نہی یہ دل کو بے قراری رات
کہ کل[۲] پڑی کسی کروٹ نہ مجھ کو ساری رات
شب فراق ہے یا آسمان غم ٹوٹا
الٰہی ہوگئی یہ مجھ پہ کیسی بھاری رات
شب وصال میں بھی مجھ پہ اک بلا ٹوٹی
محبت اس نے جو کاکل ذرا سنواری رات

دید زمانہ کرتے ہیں ہم چشم خانہ میں
اڑتا ہے اپنا مرغ نگہ آشیانہ میں

---

۱ - اصل : مجھ کو یہ محب -
۲ - اصل : وکل -

(۳۰۲ب) دل خشک ہے ، کہاں سے بہے اشک چشم سے
فوارہ تب چھٹے جو ہو پانی خزانے میں

جنوں ہے ، میں ہوں اور رونا ، اگرچہ جگ ہنسائی ہو
ہوا میں یک طرف ، گو یک طرف ساری خدائی ہو
بسان شمع گردن کاٹیے اے شعلہ خو ، ووہیں
زباں پر اپنے سوز دل کی گر یک بات آئی ہو
مرے دل کی غذا خون جگر تھا غم میں اے یارو
اب اس مفلس کے یاں شاید کسی دن سے صفائی ہو
خدا جانے کہ روز جنگ اس کا آہ کیا ہوگا
وہ دن ہے صلح کا ، جس دن مری اس کی لڑائی ہو
سنا میں نے ، رہا وہ باز اب قتل محبت سے
کسی دشمن ہی نے یا رب اوائی یہ اڑائی ہو

دلبر تو مرا کل سے نہیں پہلو میں میرے
آج اور تماشا ہے کہ دل بر میں نہیں ہے

دل جو جاتا ہے چلا جائے کہیں مجھ کو کیا
اس کی رسوائی کو کہتا ہوں ، نہیں مجھ کو کیا

اگر دیکھے ذرا آ کر ہماری چشم گریاں کو
کہے نوح الاماں اور بھول جاوے اپنے طوفاں کو
یہی ہے مدعا تیرا نہ دیکھوں میں سو ہے حاصل
بہ وقت ذبح تو مت باندھ میری چشم حیراں کو

(۴۰۲الف) مثل مجنون بہت آوارہ پھرایا مجھ کو
تیری وحشت نے جو سودا زدہ پایا مجھ کو
میں نے چاہا تھا ترے عشق میں غم کھاؤں گا
لیکن افسوس ترے غم ہی نے کھایا مجھ کو
بیٹھنے دیوے نہ وہ بزم میں اپنی جو مجھے
تو اٹھا لیجو اسی وقت خدایا مجھ کو
اے جفا کار تری الفت غارت گر کو
اس کا ویران ہو گھر جس نے بتایا مجھ کو

مرے رونے کو مت نیساں سے پوچھو
ذرا سا نوح کے طوفاں سے پوچھو
محبت کے سبھی اسرار یارو
اگر چاہو محبت خاں سے پوچھو

مری اس آہ سے دل اور جگر مرا ہی جلا
شکست فوج میں اپنی پڑے جوں بان پھرے

نہ میں دل کی خبر پائی کہاں ہے
نہ اس کو میری یاد آئی کہاں ہے
خط و کاکل میں ڈھونڈھوں دل کو کب تک
خدا جانے وہ سودائی کہاں ہے
پھروں ہوں جستجو میں جس کی ہر جا
مرا وہ یار ہر جائی کہاں ہے

گنوائی عشق میں سب عقل تونے
محبت تیری دانائی کہاں ہے

پیام آمد کا یہ کس کی صبا کے ساتھ آتا ہے
کہ گل آپ ہی کھلا جاتا ہے، غنچہ مسکراتا ہے (۲۰۴ ب)
کسی خوش چشم کی ہے پاسبانی یہ جو گلشن میں
گل نرگس کھڑا اودھر ہمیں آنکھیں دکھاتا ہے
بہار آئی ہے مجھ نالاں کو لے چل ساتھ اے گل رو
کہ ہر مرغ چمن پھر اب کی آوازیں سناتا ہے
بلند آواز سے کہتا ہوں مجنوں کی گئی نوبت
محبت آج ملک عشق میں ڈنکے بجاتا ہے

اس کی زلف و رخ کو جا دیکھا کیا کر رات دن
چاہتا ہے دل اگر تو سیر شام و روم کی
نامہ جو پھینکا مرا اس نے خدا جانے کہ آہ
ولولے میں شوق کے کیا بات میں مرقوم کی
ہوں محبت آج میں چودہ طبق کا بادشاہ
بس کہ ہے مجھ کو غلامی چار دہ معصوم کی

کبریائی سے وہ بت پاس مرے رات آیا
ایک مدت میں مجھے شیخ ، خدا ہات آیا
لایا پیغام ، کہ خط بار دگر مت لکھنا
قاصد آیا تو ادھر لے کے نئی بات آیا

دل مری جان کا و بال ھوا
آہ جینا مجھے محال ھوا
عاشقوں میں مجھے لکھا تو نے
آج چہرہ مرا بحال ھوا
غیر کو پشم ھم سمجھتے ھیں
گو تری ناک کا وہ بال ھوا
دل دھی کا جواب تھا کب سے
(۲۰۵ الف) آج جی کا نیا سوال ھوا
غیر کے گھر رکھا قدم تو نے
دل محبت کا پائمال ھوا

گو ھوئی ظاھر محبت اشک باری کے سبب
پر جو ھم رسوا ھوئے سو تیری یاری کے سبب
مت خفا ھو مجھ سے تو واللہ میرا ھاتھ یار
جا پڑا تیرے گلے بے اختیاری کے سبب

زندگی اپنی ھے اس عالم اسباب میں خواب
اس میں گر وصل ترا ھو تو یہ ھے خواب میں خواب

نکلا جو رشک مہر تو گھر سے قرین صبح
دیکھے سے تیرے ھو گئی روشن جبین صبح
خط شعاع دیدۂ خورشید تو نہ جان
ھے تیرے دیکھنے کے لیے دوربین صبح

آیا فراق لے کے اجل ، یک نشد دو شد
یہ آج ہوئی درست مثل ، یک نشد دو شد
بنیاد کھو کے چشم کی اب سیل اشک سے
پہنچا بناے دل بہ خلل یک نشد دو شد
مدت سے میرے دل کو محبت نہ تھا قرار
اب جی کو بھی ذرا نہیں کل یک نشد دو شد

گر ابر ہو یاں اور وہ ھیہات کہیں اور
تو ھووے خدا ایسی تو برسات کہیں اور
کیا خوب رقیبوں کی ضیافت مرے گھر پر (۲۰۵ ب)
جا ایسی کیا کیجے مدارات کہیں اور
میں تحفہ سمجھ دل کو کیا نذر پہ ھائے
بولا کہ یہ لے جائیے سوغات کہیں اور
میں چاھا جو بوسہ تو لگا کہنے غضب سے
سنتا ھے محبت یہ رھے بات کہیں اور

چشم پر لخت جگر سے آئی خواری بیشتر
بیٹھ جاتی ھے وہ کشتی ھو جو بھاری بیشتر

تھا ارادہ تو، نہ آتے اب کی ھم تیری طرف
کیا کریں بے اختیار اٹھ گئے قدم تیری طرف
رام کرنے کی نہیں صیاد اس کی احتیاج
یہ دل وحشی تو خود کرتا ھے رم تیری طرف
غور کیجو ٹک محبت کی نگہ کی حسرتیں
نزع میں بھی دیکھتا ھے دم بہ دم تیری طرف

ق

سنتا تھا شب وہ قصۂ عشاق شوق سے
لیکن ہے اپنا طالع خوابیدہ یاں نلک
اے آہ کیا کہوں میں ، آسے نیند آ گئی
پہنچا جو قصہ خواں مری داستاں تلک

میں کہا، اک دل تھا سو تو نے لیا میں کیا کروں
سن کے یوں بولا، مری جانے بلا، میں کیا کروں
(۶۰۲ الف) میں کہا ، مجھ پر جفا لازم نہیں ، کہنے لگا
بے وفا ہوتے ہیں سارے دلربا، میں کیا کروں
میں کہا، سینہ جلا ، دل بھی جلا جی بھی جلا
اس کی کچھ تو فکر تو مجھ کو بتا، میں کیا کروں
آہ ، میں یہ پوچھتا روتا رہا ، مانند شمع
اور وہ ہنس ہنس یہی کہتا رہا ، میں کیا کروں
میں کہا ، غم میں محبت مر گیا ، کہنے لگا ،
سن چکا ہوں ہاں‌موا وہ ، پھر بھلا میں کیا کروں

جیب پاؤ گے نہ ثابت نہ ہمارا دامن
گر تنک آپ نے جانے کو سنوارا دامن
سرخ سنجاف نہیں دورۂ دامن پہ میاں
خوں نے گھیرا ہے مرے آج تمھارا دامن
شورش[1] عشق و غم یار نے پایا جو مجھے
بولا وہ لیجو گریباں ، یہ پکارا ، دامن

---

۱ ۔ اصل : سوزش

ہر روز تری جنگ کا اک ڈھنگ نیا ہے
آج آنکھیں ہی لڑجائیں کہ یہ جنگ نیا ہے
سچ کہہ کہ ملا ہے کف پا خون میں کس کے
مہندی کا نہیں رنگ ، یہ کچھ رنگ نیا ہے
نت ساتھ بھی سونا رہے اور منہ بھی چھپانا
قربان ترے ننگ کے ، یہ ننگ نیا ہے
دو روز ابھی دل کو ، محبت کی ہوا تو
مت چھیڑ ، کہ یہ غنچۂ دل تنگ نیا ہے

اتنی دہشت[1] اسے کیا کہتے ہیں (۲۰۶ ب)
ہم سے وحشت، اسے کیا کہتے ہیں
ہم سے نت جنگ ہے اور غیروں سے
عیش و عشرت ، اسے کیا کہتے ہیں
زلف پر دست درازی اے دل
بے اجازت ، اسے کیا کہتے ہیں
اس قدر یار سے گرمی کرنا
کیوں محبت ، اسے کیا کہتے ہیں

مذکور جو محفل میں ہوا دوش کسی کا
سنتے ہی ٹھکانے نہ رہا ہوش کسی کا
ذکر اس کا تو کرتا ہوں پہ یہ خوف ہے مجھ کو
ایسا نہ ہو اس بات پہ ہو گوش کسی کا

---

۱ - اصل : وحشت

جوں جام محبت ہمیں حاصل ہو عجب لطف
اس لب سے لگے گر لب مے نوش کسی کا

آج پھر برہم ہے وہ کافر مزاج
اس کو شاید کچھ کوئی سکھلا گیا
دیکھ کر بار جفائے دلبراں
اس محبت سے بھی جی اکتا گیا

پاوے گا یہ شفا دل بیمار دیکھ جا
اے عیسئی زماں اسے اک بار دیکھ جا
مرتا ہے کوئی دن کو محبت کی گر تجھے
منظور زندگی ہے تو اے یار دیکھ جا

کیا کہے گا خاک جا کر واں مرے پیغام کو
(۲۰۷الف) تو تو واصد نام اس کا سن کے گھبرانے لگا
غم میں ہوتا ہے تسلی بخش دل کا، طفل اشک
یہ خدائی ہے کہ لڑکا ہم کو بہلانے لگا
کیوں محب ہم نہ کہتے تھے کہ آگے ہی سمجھ
دے چکا تو دل پھر اب کا ہے کو پچھتانے لگا

تری گلی سے دل افگار جو گیا سو گیا
عدم کو جیسے کہ اے یار جو گیا سو گیا
تو اس کے گھر کو تو ہنستا ہوا چلا اے دل
یہ وہ ہے قہقہہ دیوار جو گیا سو گیا

ناصحا میں کس طرح ہوں یار جانی سے خفا
کب کوئی ہوتا ہے اپنی زندگانی سے خفا
کس توقع پر لکھیں خط میں تجھے احوال ہم
یار، تو ہوتا ہے پیغام زبانی سے خفا

کوئی ڈھب بھی تجھے آتا ہے وفاداری کا
یا کہ سیکھا ہے یہی شیوہ ستمگاری کا
اس کے کاکل میں تو جاتا ہے دلا بے وسواس
ہر شب تار میں ہے کام خبرداری کا
قید ہوتے ہی ہوا، دونوں جہاں سے آزاد
میں تو بندہ ہوں محبت کی گرفتاری کا

جب سے ہوا ہے مجھ سے وہ نازک بدن جدا
رہتی ہے تن سے جان جدا، جاں سے تن جدا
وہ بت ہے میرے خانۂ دل ہی میں جلوہ گر (۲۰۷ ب)
ڈھونڈے ہے جس کو شیخ جدا، برھمن جدا
سودا مرا تو تھا ہی محبت بلائے جاں
اس دل کا مجھ کو مارے ہے دیوانہ پن جدا

میں سنا ہے اب ترا بھی عشق پر آیا مزاج
اے بلاگرداں میں تیرے، یہ کدھر آیا مزاج
جو کوئی عاشق ہو سو جانے ہے درد عاشقاں
شکر ہے بارے ترا بھی اب ادھر آیا مزاج

تم تو کہتے تھے کہ دل دیجے کسی کو دوست جان
وہ تو تم سا بھی نہیں پیارے ، مگر آیا مزاج

دشمن مرا صریح اسے جانیے ہیں آپ
اس پر سخن کو غیر کے اب مانتے ہیں آپ
ہم سر نہیں رقیب محبت میں ہم سے جان
یکساں ہی مجھ کو اور اسے گر جانتے ہیں آپ
تو تیغ کھینچ دونوں کے چہرے کو دیکھیے
آخر سپید و سرخ تو پہچانتے ہیں آپ

ستم ہے غنیمت ، کرم ہے غنیمت
جو کچھ تجھ سے دیکھوں صنم ہے غنیمت
سمجھتا نہیں گرچہ تو اس کو زاھد
وہ کافر خدا کی قسم ہے غنیمت

یہ مہ نہیں فلک پہ تجھے دیکھتا مدام
(۲۰۸ الف) پھرتا ہے آسماں لیے ہر ایک شب جراغ

جانے دو، پھٹ یہ بوسے کا انکار کب تلک
لو اب بناؤ ، ھووے گا اقرار کب تلک

تجھ زلف کے تو ھاتھ لگانے کا ڈھب نہیں
اور میں جو دیکھتا ہوں تو اک دم میں شب نہیں

جو تجھ سے اے ستمگر اب جفاکاری نہیں جاتی
تو اپنے سے بھی یہ خوسی وفاداری نہیں جاتی

هوا سر دار پر ہونے سے یوں منصور کے ظاہر
کہ بعد ازمرگ بھی عاشق کی سرداری نہیں جاتی

دل ترا ، چشم تری ، جان و جگر تیرا ہے
جس جگہ چاہے تو رہ آن کے ، گھر تیرا ہے
بل بے فرہاد ترے عشق کی گرمی اب تک
سنگ سے آگ جو نکلے ہے اثر ، تیرا ہے

جہان تیرے لیے گو ہرے محبت سے
یہ دخل کیا ہے کہ وہ تجھ سے ایک آن پھرے

، چند غزلیات تازۂ او کہ بہم رسیدہ بہ تحریر آمد ۔

---

۱۷) مست

مصطفیٰ خاں مست تخلص، برادرخورد نواب محبت خاں موصوف، مش بسیار مناسب و موزون است (۲۰۸ ب) چند ابیات او بسمع بدہ ، ازوست :

ذرا بھی حشر سے ڈرتے نہیں جو عاشق ہیں
یہ فرقہ یارو نرالا ہے چاروں مذہب سے

ق

یہ دل ربا سے کہا میں نے : تیرے گھر اب تو
رقیب بیٹھتے ہیں آ کے صبح تک شب سے
کر ان کو منع ، نہ آیا کریں وگرنہ میاں
ہمیں نہ آیا کریں گے ترے یہاں اب سے

لگا وہ کہنے: تجھے کیا جو کوئی آتا ہے
تجھے تو کام ہے اے مست اپنے مطلب سے

میں تجھ کو چاہتا ہوں تو مجھ کو بھی چاہ یار
میں تو نباہتا ہوں پہ تو بھی نباہ یار
بے دیکھے تیرے جاؤں گا ہرگز نہ میں کہیں
تو مار خواہ میرے نئیں، چھوڑ خواہ یار
جاوے گی یاں سے نعش مری تجھ کو دیکھ کر
چندر بدن ہے پیارے تو اور میں ہوں ماہ یار

بہت اس عاشقی سے تو خفا ہے
کہیں تو ہوئے عاشق تب مزا ہے
سبھوں کو کھا گیا تس پر نہیں سیر
عجب اس آسماں کی اشتہا ہے

سکھایا غیروں نے کچھ تجھ کو، میں تو جانا ہے
ذرا ذرا میں خفا ہونا یہ بہانا ہے
اگرچہ جامہ ہوا سرخ خون سے میرا
(۲۰۹ الف) تو تیغ اور لگا یہ تو میرا بانا ہے

نہ ہر دم گالیاں دے مست کو تو
زباں رکھتا ہے یہ بھی، کچھ کہے گا

دل لے کے ایسی بات کہی ہم سے راز کی
اس یار نے، کہ جان بھی ہم نے نیاز کی

ایسا ہے پاک جامہ سے آلوُد تیرا مست
سجادہ جان شیخ نے جس پر نماز کی

———

جنس دل مست اگر تجھ پہ بہت بھاری ہے
بیچ بازار بتاں میں کہ خریداری ہے
دیکھ کر نبض طبیب آج لگا یوں کہنے
کیا بچے گا کہ اسے سخت یہ بیماری ہے
لخت دل جائیں گے ہمراہ عزیزو افسوس
آج پھر قافلۂ اشک کی تیاری ہے
چھوڑ کر مال تو اے مست قلندر ہو جا
کوچ کے وقت بہت اس میں سبکباری ہے

———

وضو سے کیا تو اپنا جسم ظاہر پاک کرتا ہے
کدورت دل سے دھو جو مست باطن کی صفائی ہو

———

(۱۷٦) محو

نواب منو خاں محو تخلص، پسر بشارت خاں عمر خیل، جوانے ست خوبصورت ، عالی ہمت ، مرزا منش ، طبع موزوں و مناسب دارد و از شاگردان حافظ بدھا است ، (۹ . ۲ب) دیوان مختصر ترتیب دادہ ، چند اشعار او بنظر رسیدہ ، ازوست :

بھرے پھریں ہیں ان آنکھوں کے آب میں دریا
کہو تو ٹھہرے یہاں کس حساب میں دریا
ہماری دید کا محرم نہیں ہے تو زاہد
نظر پڑے ہے ہمیں ہر حباب میں دریا

پڑا ہے زلف مسلسل کا عکس یہ کس کی
کہ اس کی لہروں سے ہے پیچ و تاب میں دریا
عروج محو کی آنکھوں کا ، اپنے آ کر دیکھ
جلوس سیل ہے جس کی رکاب میں دریا

---

(۱۷۷) سلطان

نواب نصر اللہ خان متخلص بہ سلطان خلف نواب عبد اللہ خان موصوف ، جوانے ست وجیہ ، خوبصورت ، پاکیزہ سیرت ، خوش ہمت و باتمکنت ، کوہ تحمل و بردباری ، معدن مروت ، طبع سلیم و ذہن مناسب دارد ، از چند روز مشق سخن می کند ، بایں فقیر اکثر صحبت طرح نمودن غزل می افتد و بسیار شفقت می فرماید ، چند ابیات او بہ تحریر می آید ، ازوست :

اٹھے نہ وہ کبھی جوں نقش پا سوائے فنا
جو پاوے رہ میں تری بیٹھنے کو یار جگہ
نین کی کوٹھری ، پلکوں کی چک[1] ، تری خاطر
جو امر ہو تو میاں کیجیے تیار[2] جگہ (۲۱۰ الف)

مدت میں جو خوش ہو تو خفا دم میں ، الٰہی!
کس شخص سے صحبت یہ ہمیں آن بنی ہے
خنجر نہ ہو یوں پار کبھی دل سے کسی کے
جس لطف سے پیارے تری مژگاں کی انی ہے

---

۱ - چک - چق
۲ - تیار - بدون تشدید

اس لب سے کیا لعل کا جب رنگ برابر
دیکھا تو نہیں اس کے یہ پاسنگ برابر

جب تک اس زلف سے عاشق کو سروکار نہ تھا
اس بلا میں تو وہ بے چارہ گرفتار نہ تھا
باعث شہرہ ہوا عشق ہمارا پیارے
ورنہ خوباں میں تو اتنا تو نمودار نہ تھا
جو کیا جور و جفا تم نے بتاں سلطاں پر
اس قدر تو وہ ستم دیدہ گنہ‌گار نہ تھا

کیا ادب شیخ یہ تیرا ہے کرامات کی راہ
ہم جو کرتے ہیں سو سب ہے یہ مدارات کی راہ
راہ چلتے میں ، سر بام پہ دیکھوں ہوں تجھے
طرفہ تر ہم کو ملی ہے یہ ملاقات کی راہ
گر ڈر گوش کا ہوتا نہ وہ تارا سلطان
کیونکہ چلتا کوئی اس زلف کی ظلمات کی راہ

نہ پوچھو کیونکہ میری ان دنوں اوقات کٹتی ہے(۱۰۲ب)
کہ دن گر روتے گذرے ہے تو مر کر رات کٹتی ہے
ہیں عاشق اور بھی، لیکن جو تجھ بن مجھ پہ گذرے ہے
کسو کی زیست کاہے کو بایں اوقات کٹتی ہے
کچھ حاصل پوچھنے سے حال میرا ، آپ خوش رہیے
مری بھی ہر طرح سے قبلۂ حاجات کٹتی ہے
مرا احوال ، گر سلطاں وہ پوچھے تجھ سے ، یہ کہنا
کہ بارے اس کی بھی اے قبلۂ حاجات کٹتی ہے

امکاں ہے کیا کسی سے وہ نازنیں جو بولے
مرجا گر ایک عالم تو وہ دھن نہ کھولے
ہیں مستعد گریہ اے ابر آج ہم بھی
دل کھول کر کے لیکن جب خوب سا تو رولے

کاش پیتے نہ ہم یہ بادۂ عشق
جس کے اب تک خمار کی ٹھہری
ننگ خوباں تھا نام معشوق
سو وہ اب روزگار کی ٹھہری
گاہ گاہے جو دیوے تھا دشنام
سو وہ اب بار بار کی ٹھہری
خوش ہے سلطاں جو اس قدر ، شاید
آج کچھ وصل یار کی ٹھہری

عارض پر اس کے زلف کو دیکھے وہ یک نظر
دیکھی نہ ہوئے جن نے بہم شام اور سحر
(۲۱۱الف) کیا جانے جستجو میں نری کون مر گیا
جس کی پھرے ہے خاک لیے داؤ در بہ در

---

(۷۸) ہمدم

محمد معصوم ہمدم برادر صغیر محمد شرف عاصی موصوف ، جوانے ست صاحب حوصلہ و خوش سلیقہ ، اہل مروت ، معدن اہلیت و شخصیت ، قدر شناس جوہر انسانیت ، دوستدار علما و فقرا ، مخزن مودت و ولا ، بسیار بردبار و خوش اخلاق ، و در تواریخ دانی نہایت رسا و طاق ۔ اگرچہ با شعر شاعری سروکار ندارد، فاما چوں دید کہ گرمیٔ بازار ریختہ

بسیار است ، لہٰذا چند غزلیات متفرقات ایشاں ہم برائے خاطر بعضے احباب ، در بعض اوقات ، برائے فرحت طبع ہم رسالید ، طبع مناسب و فہم صائب دارد و از سکه بایں عاصی ربط قدیم است ، بسیار بر احوال ایں خاکسار توجه می فرماید ، حق تعالیٰ خوش و خرم داشته درکونین از مطالب دهلی بہره مند گردانیده ، شرف عزت بخشد ۔ ایں حند ابیات متفرقه که از دست خود نوشته داد (۲۱۱ب) دال بر جودت طبع اوست ۔ ازوست :

گرچه دل‌کش ہے سب بتاں کی ادا
لے گئی جی پر اس جواں کی ادا
ہم نه تھے کیا جو غیر کو مارا
تیں یه کیوں صرف رایگاں کی ادا
ایک عالم کیا ہے جن نے شہید
ہے وہ خوں‌خوار رنگ پاں کی ادا
دم به دم خشم ، جب نه تب دشنام
تم نے کاڑھی ہے یه کہاں کی ادا

سب کو آیا ہے نرے حسن کا یاں طور پسند
گرچه ہر یک کے ، زمانے میں ہے اک طور پسند
خوش کب آتی ہے اسے مہر و وفا خوباں کی
جس کو آیا ہے مری جان ترا جور پسند
درد سر سمجھے ہے وہ صندل سیاہے بتاں
جس کو پیشانی کا آتا ہے تری گھور پسند
یه غزل گرچه به ظاهر نہیں اتنی ہمدم
پر کریں گے اسے ذی فہم پس از غور پسند

---

(۱۷۹) ذوالفقار خان

ذوالفقارخاں پسرخورد فتح خاں‌خان ساماں ، جوانے صاحب تحمل و بردبار ، و نہایت قابل و ہوشیار ۔ بعد سالے و ماہے یک دو فرد ریختہ موزوں می کند ، ایں چند ابیات متفرقات ازو بسمع رسیدہ :

(۲۱۲الف)حناکی طرح آن قدموں سے ہم بھی سرخ رو ہوتے
اگرہ‌قسمت سے آن پاؤوں تک ہوتی دسترس مجھ کو

جو اہل دل ہیں دنیا میں سو ناالاں ہیں زمانے سے
کہے ہے گا زبان حال سے نت یہ جرس مجھ کو

خدا کرے کہیں وہ دن کہ میں ہوں ، تو اور شب
سرود و مطرب و مے ہو ، سبو سبو اور شب

کن نے کیا چمن میں صبا سچ تو کہہ گذار
لوٹے ہے گل زمیں پہ گریباں کو پھاڑ پھاڑ

---

(۱۸۰) عاصی

محمد شرف عاصی ولد اباذر ، پیر زادہ ، ساکن قصبہ آنولہ ، جوانے است وجیہہ ، باتمکین و وقار و ذہین ، خوش اطوار ، نہایت خوش خلق و بردبار ، مخزن حلم و مروت ، معدن حیا و اتقا و صفوت ، خلیق نہ بہ مرتبہ ایست کہ بہ تحریر نمی آید (کذا) و بر حال ایں خاکسار بسیار مہربانی می فرماید ۔ ہر چند مانند غنچہ ، لب بستگی را شعار خود ساختہ ، فاما در خموشی ہمچو گل ہزاراں سخن رنگیں مقال از زبان حال او بر آیند ، بہ موجب فرد کسے :

در محفل ما سکوت رونق دارد
چوں مجلس گل کہ بے سخن‌رنگین‌است

طبع مناسب (۲۱۲ ب) و ذہن درست دارد ، دیوان مختصر ترتیب داده ، اکثر مقطع[1] غزل او ، در مدح محبوب سبحانی حضرت عبدالقادر گیلانی می شود ، ایں چند ابیات که از دست خود نوشته داد ، به تحریر می آید ۔ ازوست :

کمھلاوے ھے گرمی سے انکھ کی وہ گل اندام
اللہ یہ کس لطف کی نازک بدنی ھے
ناقہ تجھے لیلیٰ کا ملا دشت میں مجنوں
او یار تری بن میں تو کیا خوب بنی ھے

کس لیا ھم کو کسوٹی پہ وفا کی سو بار
تس پہ ملتے نہیں اے سیم بدن کیا باعث
اپنے مطلب کو نہیں پہنچتا عاصی یا غوث
اس قدر دیر جو ھے حضرت من کیا باعث

پایا نشاں تو دل ھی میں اس بے نشان کا
اک عمر دیر و کعبہ میں کی یوھیں جستجو
ناصح خیال زلف تو سر سے نہ جائے گا
الفت اب اس سے ھو گئی ھے مجھ کو مو بہ مو
رو ے سیہ غبار ندامت سے ھو سفید
جوں ابر آب اشک سے کرتا ھے شست و شو
اظہار اپنا حال کریں اس سے کس طرح
ظالم ھے ، کینہ ور ھے ، نہایت ھے تند خو

---

۱ ۔ فی الاصل : مطلع ۔

(۲۱۳الف) عاصی ہوں ، رو سیاہ ہوں ، مجرم ہوں ، شرمسار
پھر میں تو غوث پاک کے کیوں کہ ہوں رو بہ‌رو

یہ خوں ریزی ہوئی ہے کس قدر خوگیر صاحب کی
کہ ڈوبی نت رہے ہے خون میں شمشیر صاحب کی
ہمیشہ غیر پر کرنا کرم اور مجھ پہ جھنجھلانا
نہیں معلوم مجھ سے ہوئی ہے کیا تقصیر صاحب کی
سیہ سنجاف جامے کی نہیں بے ہیچ[1] یہ ظالم
ہوئی ہے آہ مظلوماں کی ، دامن‌گیر صاحب کی
فراموش ہوگئی عاصی محبت غیر کی دل سے
رہے ہے جی میں اب نت یاد اپنے پیر صاحب کی

افعی کی کہاں تاب جو ہو زلف سے ہم سر
یہ آڑ کے ڈسے کافر بے پیر ہوا پر

کب ڈھنگ کی باتوں سے وہ بے ڈھنگ تلے ہو
سر شیخ کا جب تک نہ سرجنگ تلے ہو
اس ابروے خم دار سے دل کا ہے عجب حال
جیسے دم شمشیر کے چورنگ تلے ہو
کیوں سنگ سے میں سر کو نہ ماروں کہ ترا ہاتھ
ہر رات سر غیر کے ، بے ننگ تلے ہو

زور ہی ادا چمن میں تم اے دار کر چلے
نرگس کو مل کے نظروں میں بیمار کر چلے

---

۱ - اصل : بے چیز -

تیغ نگاہ ڈوب رہی ہے لہو میں آج (۲۱۳ ب)
کس خانماں خراب کو تم مار کر چلے
عاصی کو آج بحر گناہوں سے غوث پاک
لطف و کرم سے ہاتھ پکڑ، پار کر چلے

مجھ دل کو بے سبب نہیں زلف دوتا کا خوف
اس راہ مار پیچ میں ہے اژدہا کا خوف
زلف سیہ کے بیچ میں جانا ہے خود بہ خود
اس دل کو ہائے کچھ نہیں کالی بلا کا خوف
ہے تجھ پہ روز و شب، مدد غوث پاک اب
عاصی نہ رکھیو دل میں تو روز جزا کا خوف

---

(۱۸۱) اُمید

فیض اللہ خاں امید خلف نواب عبداللہ خاں، نبیرۂ نواب بہادر خاں شاہ جہاں پوری، جوانے است صاحب مروت، معدن حلم و شجاعت، مہذب صورت، پاکیزہ سیرت، معزز و مکرم سراپا خلق مجسم، رونق افزائے انجمن، قدردان اہل سخن، طبع سلیم و مناسب دارد، رسالہ در رسم خط قرآنی ترتیب دادہ، این مؤلف ہم بآں امارت پناہ ملاقی شدہ، انچہ صفت اوصافش در افواہ عوام است صد چند ازاں زیادہ یافتم، از شاگردان (۲۱۴ الف) ملا منو نثار، تربیت یافتہ مرزا مظہر موصوف، است، این چند ابیات کہ از دستخط خاص نوشتہ دادہ بود بہ تحریر می آید، ازوست :

سر کو ٹھکرائے کے سر درد کو پوچھا میرے
آج ایسی ملی ہے لذت بیداد کہ بس

صبا کس زعفرانی پوش کے کوچے سے آئی ہے
کہ بس کرتے نہیں ہنسنے سے گل، غنچے تبسم سے

کچھ تو کر رحم آنسوؤں پر یار
لوٹتے ہیں زمیں پہ یہ بالک

دیکھا ہے جب سے میرے گل اندام کا دھن
غنچے نے رخت اپنی زباں کا کیا ہے تہ

تو دل کو چاہتا ہے کہ بانوں میں لیوے مول
سودا نہ ہوگا، زلف کی اپنی گرہ تو کھول

احوال فراق اے قلم لکھ
گر بیش نہ لکھ سکے تو کم لکھ
پاؤں میں پڑوں ترے مصور
میرا سرو یار کا قدم لکھ

کوتاہ نہ کر تو مجھ پہ شب عشرت اے سجن
مت دے خدا کے واسطے تو زلف میں گرہ

بنا ابرو کے گوشہ تل کمر باندھ (کذا)
چلا ہے کس پہ یہ تیغ و سپر باندھ

(۳۰۲ ب) پڑیں دیوانہ پن ایسے پہ پتھر
جو فصل گل میں ہوتا ہوں میں زنجیر

مخمس اوست

میں جو کہتا تھا کہ سن یہ بات دل
عشق مت کر ، اس میں ہیں آفات دل
تو لگا نا قاتلوں کے ہات دل
خوں ہوا ، جا گل رخاں کے ساتھ دل
ہائے دل ، افسوس دل ، ہیہات دل

(۱۸۲) مضطرب

مرتضی خاں مضطرب قوم افغان ، متوطن شاہ جہاں پور ، از شاگردان منشی مشو نثار است ، طبع موزوں دارد ، این چند ابیات انتخاب دیوان اوست ، ازوست :

ناصح ! خیال زلف مٹایا نہ جائے گا
کالی بلا کا سخت ہے سایہ ، نہ جائے گا
اس زلف تابدار کی کوئی تاب لاسکے
یہ ناگ اژدہا ہے کھلایا نہ جائے گا
منہ پر نقاب ڈال کے جا ہے کدھر کو تو
یہ چودھویں کا چاند چھپایا نہ جائے گا
اے مرتضی نہ بزم میں سنگیں دلوں کی جا
شیشہ سا ایک دل ہے بچایا نہ جائے گا

ابرو ترے جو دیکھے سو اے یار گر پڑے
رستم بھی ہو تو ہاتھ سے تلوار گر پڑے

دل دوانا ہے جو کرتا ہے بتوں سے اخلاص
کون ایسا ہے کرے سنگ دلوں سے اخلاص

---

(۱۸۳) افغان

محتشم خان افغان (۲۱۵ الف) از قوم افاغنہ است ، چند بیت او بسمع رسیدہ :

یار میرے کی یہ رفتار و ادا اور ہی ہے
عشوہ و غمزدہ و گفتار و ادا اور ہی ہے
یہ وہ ہاتھ ہیں کہ ہوا جن سیتی قتل عالم
رنگ مہندی کا نہ سمجھو یہ حنا اور ہی ہے
بندگی بندوں کی رکھتے نہیں ہرگز منظور
ان بتوں کا، جومیں دیکھا ، توخدا اور ہی ہے
اے میاں ظلم سے تیرے نہ ٹلے گا افغان
یہ غلام ایسا نہیں ، اس میں وفا اور ہی ہے

---

(۱۸۴) غلامی

غلام محمد خان غلامی قوم افغان ، شاگرد شاہ نورن رامپوری ، جوانے بود یار باش ، از بس کہ با یاران ہمدم و محبوبان ثابت قدم نسبت بندگی داشت ہمیں سبب غلامی تخلص می کرد ، چند بند مخمس او کہ ریختۂ فغاں را تضمین نمودہ ، در افواہ عوام شہرت دارد ، ازوست :

مینا کو ٹک اک ہاتھ سے رکھ یار ، ادھر دیکھ
مرتا ہے ترے غم میں یہ بیمار ، ادھر دیکھ
کیا کوفتہ خاطر ہیں نمک دار ، ادھر دیکھ
مت ڈھونڈھ گزک کو مرے مے خوار ، ادھر دیکھ
(۲۱۵ب) یہ لے تری خاطر مرا لخت جگر آیا

لکھ خون سے خوش خط کو ، میں بھیجا تھا سو تیرے
آخر نہ ملا یار سے ، نے خط دیا ، دیرے
پاؤں میں ، تو کاغذ کے سے پرزے کروں تیرے
گم کر دیا اس نامۂ جاں سوز کو میرے
قاصد کا برا ہوجیو کیا کام کر آیا

---

(۱۸۵) احسن خان

قوم افغان ، ساکن شاہ جہان آباد ، جوانے است قابل ، فاضل ، صاحب استعداد کامل ، گاہے برائے فرحت طبع یک دو فرد ریختہ به طور آبرو موزون می کند ، چند اشعار بزبانی او بسمع رسیدہ ازوست :

بتاں کی سرد مہری کی بیاں کیا کیجیے صورت
ہمارے اشک بھی افسردہ کیسے مثل ژالہ ہیں
سپاہ درد کے جہرے ہیں داخل دفتر دل میں
نظر کر ، عشق کی دولت سے کیا صاحب رسالہ ہیں

---

(۱۸۶) احمد خاں :

احمد خاں پسر ملا شفیع ، موطن بریلی ، جوانے بود قابل و خوش خلق و خوش تقریر ، خادم علماء و دوستدار اهل دل ، از مقربان حافظ رحمت خاں بوده ، چند سال شد که برائے بعضے جواب و سوال دنیاوی به طرف بلدۂ لکھنئو رفته بود (۲۱۶ الف) ہماں جا جان بمالک حقیقی سپرده ، تفضل ایزدی و شفاعت احمدی نصیب او باد ۔ طبع مناسب و ذهن صائب داشت ، و بر حال این مولف بسیار مہربانگی می فرمود ، اکثر اشعار بزبانی او بسمع رسیده ، یک فرد او یاد دارم ، ازوست :

دین و دل لیے چکے مدت ہوئی خوباں ہم سے
آہ کس چیز کے ہیں پھیر یہ خواہاں ہم سے

---

(۱۸۷) احمد

مولوی احمد خاں شاہ جہاں پوری ، از مدتے به سبب رفاقت حافظ رحمت خاں در قصبۂ پیلی بھیت وطن اقامت گرفته بود ، مدتے شد که ازیں جہاں رحلت نمود عالم متبحر و تحریر و صاحب سخن و خوش تقریر بود ، او سبحانه از لطف ابدی شفاعت احمدی نصیب او گرداند ۔ قصائد عربی و دیوان فارسی ترتیب داده بود ، واما مسوده اش برباد رفت ، گاهے یک دو غزل هندی بتقریبے بهم می رساند ، یک غزل او بسمع رسیده ، ازوست :

کیوں نه هووے دل مرا نخچیر زلف
عاشقاں کی قید ہے زنجیر زلف
(۲۱۶ب) مصحف خوبی کا کرتی ہے بیاں
جس مفسر نے لکھی تفسیر زلف
ہے بیاں شرح شکل حسن کا
صفحۂ رخسار پر تحریر زلف
کیا پریشانی میں ڈالا دل کو آج
میں نه جانوں کن نے کی تقریر زلف
دشت مجنوں کا مجھے احمد ہے شوق
دل پہ میرے ہے مگر تاثیر زلف

---

(۱۸۸) هنر

کلو خاں هنر تخلص ، پسر فدائی خاں ، قوم افغان ، متوطن آنوله ، جوانے است سعادت مند ، مجنوں منش ، از شاگردان فدوی

سطور ، اکثر غزلیات قطعه بند او به طور ندوی بسمع رسیده ، وست :

لاکھ صورت سے اگر چین به جبیں کیجیے گا
باز آنے کا نہیں دل یه ، یقیں کیجیے گا
خواب راحت ستی چونکیں گے عدم کے سوتے
نالہ ایسا هی اگر زیر زمیں کیجیے گا

هم ایسی بد گھڑی آ کر پھنسے تھے دام میں تیرے
نه دیکھی هائے هم نے پھر کبھی گلزار کی صورت

دعویٰ نه کیجیو دهن تنگ یار سے
یه بات رکھیو غنچه تو اپنے دهاں کے بیچ

دل تو رو رو کے ڈوب جاوے گا
یار سنتے هیں پار جاتا هے
۲۱۰ الف) کیا هنر یار نے کیا هے طلب
تو جو بے اختیار جاتا هے

جب که دل کو تری زلفوں سے سروکار نه تھا
اس قدر دام بلا میں یه گرفتار نه تھا

خدا کے واسطے مت جائیو ادهر کوئی
لٹے هے شوخ کے کوچے میں قافله دل کا

سیکڑوں مرگئے اور ہم بھی ہیں دم کے مہماں
باز آ جان مری اتنی ستم گاری سے

ابرو ترے نے مجھ پہ کیا وار بے طرح
دل میں مرے لگی ہے یہ تلوار بے طرح

ق

بہ ریختہ پڑھے تھا میں شب کوے یار میں
اتنے میں آ گیا وہ ستم گار بے طرح
کہنے لگا وہ کیا تو یہاں آ کے بار بار
پڑھتا ہے میرے کوچے میں اشعار بے طرح
آیا تو جی میں یہ کہ تجھے خوب سمجھیے
لیکن جو دیکھا ، تو ہے گرفتار بے طرح
چل دور ہو کہ اس میں تری خیر ہوگئی
ورنہ میں مارتا ترے تلوار بے طرح

---

(۱۸۹) رند

مہربان خان رند از ملازمان نواب احمد خان بنگش فرخ آبادی ، جوانے است سخی و قابل ، قدردان اہل دل ، دوستدار انسان کامل ، طبعش (۲۱۷ ب) بہ طرف علم موسیقی زیادہ از حد مائل و اکثر ٹپہ و خیال از تصنیف او برزبان افواہ عوام متداول ۔ از شاگردان مرزا رفیع سودا و میر سوز ، طبع موزون و مناسب دارد ، دایون ضخیم سیخابیتی (کذا) جمع نموده است ، ایں چند ابیات رندانہ ، ازاں مہربان بسمع رسیده ، ازوست :

آہ ، دیکھیں تیرے کنٹاپے کو ، کیا کرتی ہے تو
کچھ اثر دیکھا نہ ہم نے نالۂ شب گیر کا

رات کو امید ہے کچھ ، دن کو ہوجاتا ہے کچھ
کیا کروں شکوہ الٰہی گردش افلاک کا

بہایا خون عاشق تیغ جڑ کر
یہی پیارے ہمارا خوں بہا ہے

بے وطن ، بے رفیق ، بے اسباب
کون ایسا غریب ہووے گا

نہ چھیڑو مہرباں کو ، بے خبر سوتا ہے ، سونے دو
بھلا جی ، مست لایعقل کو پھر ہشیار کیا کرنا

چھپی شمشیر رکھ کاندھے پہ وہ دامن کشاں نکلا
ہر اک ذرے سے خاک کشتگاں کی الاماں نکلا
غریب و ناتواں دل کو سمجھ کر میں نے پالا تھا
سو یہ خندہ بھی میرے حق میں رستم داستاں نکلا (کذا)

(۲۱۸ الف) ترستے ہی چلے دنیا سے ہم او بے وفا ظالم
نہ دیکھا مرتے مرتے آخری دیدار یا قسمت

کبھی جو روبہ‌رو جاتا ہوں تو کہتا ہے جھنجھلا کر
پرے ہو سامنے سے ، سن لے او فریاد کی صورت

جوں شمع پھر گاڑ کے جاتا ہوں میں کدھر
در پیش آگیا ہے کہاں کا سفر مجھے

بات کہتا ہوں ، ٹک کھڑا تو رہ
واہ ، دامن کو کیوں جھٹکتا ہے
کیوں نہ پیارے تو اپنے قابو پر
دل کو کیسا ہی لے سٹکتا ہے
کیا کہوں تجھ سے بات میں ، اچھا
اب تو ہر بات پر مٹکتا ہے

غنیمت ہے جس ڈھب کٹے زندگانی
کہاں دل ، کہاں غم ، کہاں یار جانی

یہ شاہد مہرباں ہے ، دیکھ تو شوخ
کسی کی لاش کوئیں میں پڑی ہے
ابے یہ کیا کیا ، اللہ اکبر
بھلا یہ کون سی آدم گری ہے
کہ اس عاشق کو تو نے مار ڈالا
میں جانا تھا کہ جنگ زر گری ہے

مجھے کہتا ہے میں نے کب لیا دل ، واہ واہ پیارے
ترے اس جھوٹ کے قرباں ، تری تقریر کے صدقے

نتھ کے موتی پکارتے ہیں پڑے
(۲۱۸ ب) میرے عاشق کا ناک میں دم ہے

جان کیوں عاشق صادق سے خفا ہوتا ہے
سچ ہے یہ نام تو ایسا ہی برا ہوتا ہے

نہ ملنا ، نے کبھی صاحب سلامت ، اور کچھ تو کیا
تس اوپر مہرباں کے سر پہ ایسی دھوم ہوتی ہے

اکثر اشعار در دیوان او یافتہ شد کہ آن را میر سوز نسبت بطرف خود می کند ، و بعضے گویند کہ از مرزا رفیع است و العلم عنداللہ ۔ وآں اینست :

کسی نے روم لی ، قسمت میں کوئی شام لے آیا
ہمیں کچھ لے نہ آیا ، ایک تیرا نام لے آیا

بوسے کی طلب سے تو رہے گا یہی اے دل
جب گالیاں دو چار وہ تن خواہ کرے گا

مبارکباد دو ہم کو کہ پیغام بہار آیا
جنوں نے پھر منایایا تو اب مرنے کو خار آیا

پکڑ گردن لہو پی جائیں گے اک گھونٹ میں سارا
نہیں چلتا ہے کچھ مے خواروں سے مقدور شیشے کا

بھاگ ان بردہ فروشوں سے ، کہاں کے بھائی
بیچ کھاتے ہیں جو یوسف سا برادر ہووے
داغ ہوتا ہوں میں اس غم سے کہ یہ پھیکا چاند
میرے محبوب کے مکھڑے کے برابر ہووے

اے دل گم شدہ پیدا ہو ، نا
چھوڑ کر زلف کو، میرا ہو، نا
حیرت آلودہ نہ رہ مثل حباب (۱۱۹ الف)
موند لے آنکھ کو ، دریا ہو ، نا
طلب ساغر مے کب تک یار
جوش کھا ، آپ ہی صہبا ہو ، نا
وصل میں پھر وہی فرقت کا غم
بسمل تیغ تمنا ہو ، نا
آپ کو دیکھ لے آپ ہی میں رند
مثل آئینہ ، مصفّا ہو ، نا

ایک دن اک شخص نے اس سے کہا
تو نے یہ ذکر سنا ہووے گا
یعنی کہ عاشق ہے ترا دل سے رند
ہو متبسم یہ کہا : ہووے گا

ناز کا اس کے ہوں کشتہ جو کہے ذبح کے وقت
داغ سے خوں کے مرا دیکھ بچا رہے دامن

غیر کے سامنے گو سچے ہو
جھوٹے صاحب تمھیں ہم جانتے ہیں

گھر جنوں کا بیٹھ ہی یارو گیا تھا بعد قیس
میں اگر برپا نہ کرتا خانۂ زنجیر کو

کٹ پس کے پاے یار سے کیا اگ چلی حنا
صد آفریں یہ کام جو یوں دست بستہ ہو

عشق بازی پہ کمر تم نہ کسو جانے دو
راہ اس کی ہے کٹھن بوالہوسو جانے دو
تیری زلفوں سے یہ کہتا ہوں کہ اے ناگنیو
دل مرا بھی ہے بسیلا ، نہ ڈسو جانے دو

کس لیے تلوار خریدی میاں
باندھنے کو بھی تو کمر چاہیے (۲۱۹ ب)

میرے سینے کا داغ روشن ہے
تیرے گھر کا چراغ روشن ہے

اب تو بیٹھا ہوں ، بوسہ یا گالی
کچھ نہ کچھ اس گھڑی دیے ہی بنے

جہاں میں تجھ سوا ہے کون ، جس سے میں کروں الفت
مجھے تیری ہی الفت کی قسم ، تیری ہی الفت ہے
کہاں مجنوں ، کہاں لیلیٰ ، یہ افسانہ ہے اے یاراں
جہاں میں ان دنوں تو رند ، یا وہ بے مروت ہے

سبھی ہیں دل کے لے جانے کی باتیں
سمجھتا ہوں یہ پھسلانے کی باتیں
کہا میں نے یہ اس سے ، تیری خاطر
سہوں ہوں ، اپنے بیگانے کی باتیں

لگا کہنے کہ مت کر چوانچلا رلد
یہ سب ہیں گالیاں کھانے کی باتیں

علیٰ ہذا القیاس اکثر غزلیات مربوط و مضبوط کہ داخل دیوان اوست ، آں را بہ مرزا رفیع و میر سوز وغیرہ نسبت می کنند ، خدا داند کہ در واقع از کیست ۔

---

(۱۹۰) عباس

عباس خاں متخلص بہ عباس ، برادر خورد اخونزادہ ارادت خاں کہ از مصاحبان نواب عنایت اللہ خاں بود ، جوانے ست عالی حوصلہ ، خوب صورت ، پاکیزہ (۲۲۰ الف) سیرت ، با تمکنت و وقار بسیار وجیہ و بردبار و حسین ، و نہایت خوش تلاش و خوش فکر و ذہین است ۔ اگرچہ نو مشق است فاما ذہن رسا و فکر بجا دارد ، از شاگردان محمد قائم موصوف است ، ایں چند ابیات از مسودات او بقلم آوردہ شد ۔ ازوست :

جز عشق و سوز دیر و نہ کعبہ سے کام ہے
اس کو تو رام رام اور اس کو سلام ہے
رخ دام زلف دام ہے ، کاکل بھی دام دل
ہے راست یہ کہ اس کا ہر اندام دام ہے
بازار و شہر و مسجد و میخانہ ، باغ و راغ
دیکھا تو تیرے عشق ہی کی دھوم دھام ہے

ترے بن اب جو دم ہے ، یا کہ اک لحظہ ہے ساعت ہے
بلائے جاں ہے ، آفت ہے ، اذیت ہے ، مصیبت ہے

مرا یہ حال ابتر دیکھ وہ بے رحم خنداں ہو
کبھا منہ پھیر زیر لب کہ اس پر جائے رقت ہے
تصور میں ترے ہر دم ہم آغوشی میسر ہے
بہ ظاہر گو کہ جلوت ہے ولے باطن میں خلوت ہے
نہ جانے کیا ہوا اے دل تجھے پھر ان دنوں ہے ہے
کہ ہر نالے میں تیرے حشر ہے ، سور قیامت ہے

مقالۂ چہارم

در ذکر بعضی عزیزان ویاران هم دم و دوستداران ثابت قدم

(۱۹۱) بے جان

عزیز خاں بے جان ساکن قصبۂ بسولی ، جوان سعادت مند ، خوش عنوان ، سپاهی بے جان بردبار و هر دل عزیز ، اهل حیا و مروت و باتمیز ، صاحب فطرت ، خلاصۂ خاندان فتوت و بردباری ، زبدۂ دود مان سطوت و آشنا پروری ، مصدر اوصاف حمیده ، بسیار خوش فکر و خوش سلیقه ، طبع رسا و ذهن مناسب و فکر صائب دارد، دیوان مختصر ترتیب داده ، بایں عاصی اتحاد دلی وربط کاملی است فاما از چند گاه بحسب اتفاق قسمت ، پردۂ معارفت و مهاجرت چناں فیمابین افتاده که چشم و گوش از دیدن دیدار و شنیدن اخبار او محروم مانده :

فلک را غیر ازیں جز نیست کارے
کہ یارے را جدا سازد زیارے

شرح اشتیاق او دریں مختصر نوشتن ، زبان قلم فرسودن است ، لهذا عنان اشتیاق را منعطف ساخته به تحریر اشعار دل پذیر او اشتغال می نماید ، اوسبحانه جل شانه (۲۲۱ الف) به برکت کلام مجید و فرقان حمید در حفظ و حمایت خود نگاه داشته بمراتب اعلیٰ دینی و دنیاوی فائز گرداند و در کونین عزیز و محترم دارد این چند ابیات از نتائج فکر صائب اوست :

کیا بھید کھلے ہم سے ترے راز نہاں کا
نے وہم میں طاقت ہے نہ مقدور گماں کا
کوئی دن ہے اگر شور یہی حسن کا تیرے
برہم نظر آتا ہے سب اسباب جہاں کا
ساقی رہے جوبن پہ تری نت مئے گلگوں
مت بھولیو احوال کہیں دُرد کشاں کا

جب سرنامہ سخن حمد سے مشمل کیا
نام عزیز کو ترے مطلع ہر غزل کیا
جاتی ہے کیا کمر لچک ہائے رے تیرا یہ خرام
اے تری چال نے مرا کام ہی چل بچل کیا

ہم فقیرانہ جہاں بیٹھ گئے گھاس بچھا
اس جگہ پشم ہے پھر فرش بھی پشمینے کا
اس کی بےجاں تو نہ کر خانہ و مکتب میں تلاس
دن یہ شنبے کا نہیں روز ہے آ دینے کا

جو آگے آ گیا اُسے دیکھیں ہیں یک نظر
آئینہ ساں لحاظ نہیں خوب و زشت کا (۲۲۱ ب)
ہر کام نا تمام ہی رہتا ہے ، غالباً
کوئی حرف مٹ گیا ہے مری سر نوشت کا

وفا ہے جس کے پاس خاطر نازک میں جی کھویا
غبار راہ ہو کر بار ہوتا اُس کے دامن کا

ہم عمر سبھی ہوئے ہنر مند
میں اپنے وطن میں کچھ نہ نکلا
جز حسرت دل بجائے بے جاں
دیکھا تو کفن میں کچھ نہ نکلا

دل ہی نہیں مرا کسی مطلب سے آشنا
حرف دعا ہو کیوں کہ مرے لب سے آشنا
اس دشمن وفا سے جو بے جاں میں کل کہا
بیگانہ کیوں ہے مجھ سے تو اور سب سے آشنا
کہنے لگا وہ میری طرف دیکھ کر کہ ہاں
ہوویں ہیں یک دگر سبھی یک ڈھب سے آشنا
پر تم جو مجھ کو بھیجو ہو پیغام ہر گھڑی
اتنے ہوئے ہیں آپ مرے کب سے آشنا

دوستی میں اس کی ہو گئے غیر ، کیا کیا آشنا
کاش اُس بیگانہ خو سے میں نہ ہوتا آشنا

اور سے تو کیا کرے گا اے مرے پیارے سلوک
کر دیا تو نے خفا ، وقتیکہ مجھ سا آشنا

(۲۲۲الف) وہ چشم نم ہے مری ابر ، کیا کہوں تجھ سے
کہ جس کو دیکھ ، گیا ڈوب آب میں دریا

کچھ آج سے نہیں یہ تری خوں فشانیاں
طفلی میں بھی اڑاوے تھا ظالم پتنگ سرخ

کانپتا دبتا ہوا نکلے ہے مہر
ہر سحر تیرا تجمل دیکھ کر
اس گلی میں جاہے گر بے جاں تو جا
لیک با فکر و تامل ، دیکھ کر

گدگدانا سیکھ شاید باغ میں آئی صبا
منہ ہر اک غنچے کا بے جاں رہ گیا ہے کھل کے کھل

ھنسی آتی ہے گل کو حال پر کس کے خدا جانے
ادھر ہے نالہ کش بلبل اُدھر ہے چشم تر شبنم

جب کہ مستی میں مغاں اپنی میں آ جاتا ہوں
جام سے زھر بھی ہووے تو چڑھا جاتا ہوں
مضطرب حال ، چراغ سحری ھوں میں نسیم
کوئی دم بیچ خموش آپ ھوا جاتا ھوں
رحم کر مجھ پہ ٹک اک رحم کہ جوں مور ضعیف
سوج میں تیری من اے اشک بہا جاتا ھوں

• ایں غزل طرحی مرزا رفیع ، ایں مؤلف و آں عزیز در یک محفل گفتہ ۔

غیر کے هاتھ میں دیکھا ترے داماں کے تئیں
چاک کیوں کر نہ کروں اپنے گریباں کے تئیں
(۲۲۲ب) کانپتا بید صفت ، گور سے نکلے مجنوں
گر سنے ٹک وہ مرے حال پریشاں کے تئیں

لکھوں کیا میں وصف دهان و کمر
مجھے غیب کی تو خبر کچھ نہیں

سایۂ نخل حنا میں مجھے کیجو مدفوں
تا وہ جانے یہ موا حسرت پابوسی میں
شرم آتی ہے کہیں سرکو نواتے بے جاں
اشک ساں محو ہیں هم اپنی قدم بوسی میں

نہ دنداں کی صفائی سے جگر ہے آب گوهر کا
ترے لب دیکھ کر جی جل گیا یاقوت احمر کا
حدیث عشق یا مہرو وفا کی بات سن هم سے
دماغ قصہ یاں کس کو ہے دارا و سکندر کا

ق

بہ وقت وعظ اس واعظ پسر کے دیکھ کر کاکل
میں تب مضطر هو بولا نام لے خلاق اکبر کا
چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی
الٰہی تو هی بس والی ہے اب دین پیمبر کا

مقدور بشر ہو نہ جہاں جنبش لب کا
ایماے سخن کس سے ہو بوسے کی طلب کا
دشنام کا گو مجھ سے پڑا نہیں تجھے لپکا
انداز سمجھتا ہوں پر اس جنبش لب کا
(۲۲۳الف) کیفیت اشک آج ہے مژگاں پہ جو میری
اس حسن سے کس شاخ پہ خوشہ ہے عنب کا
ہو جا نہ کسی غرفے سے سرگرم نظارہ
بیٹھا ہوں میں مشتاق ترے کوچے میں کب کا
برچھی جو کوئی آہ کی چل جاوے تو ہے سانگ
مت تیغ و سپر باندھ کے ہر دم مجھے دبکا
کس طور سے اب یار کو خوش کیجیے بے جاں
اس کو تو مزا آکے پڑا اور ہی ڈھب کا

کل ہی کی دھج سے قتل بری اک جہاں ہوا
بن ٹھن کے پھر تو آج کدھر کو رواں ہوا
سوجھے ہے ، اس کی چال سے عالم ہو پائمال
یہ طفل نو خرام اگر ٹک جواں ہوا
بے جاں جناب شوق کی صحبت کے فیض سے
ہر فن میں محترم اور عزیز جہاں ہوا

ہے جو شیریں لبوں کے لب میں مزا
کب ہے وہ دانۂ عنب میں مزا
دن کا ملنا تو خوب ہے لیکن
ہے ملاقات کا تو شب میں مزا

بات میں جو نہ چوکے گالی سے
اس سے بوسے کی ہے طلب میں مزا

جذبۂ عشق بد بلا ہے کہ جو
تجھ سے کافر کو میرے گھر لایا
اس برہمن پسر نے ساری رات
ایک بوسے کو ہم کو ترسایا

کس کے قدم سے کبک ترے آگے جل سکے
بھولے وہ اپنی چال یہ رفتار دیکھ کر

شکل عیش اب تو ٹک اے گردش ایام بدل
خون دل کب تئیں پیویں ، مئے گلفام بدل[1]
نام پر بوسے کے دشنام ہزاروں ، ہیں ملے
ایک ، بوسہ میں نہ پایا ، کبھی دشنام بدل
کوئی کہتا ہے دوانا کوئی مجنوں مجھ کو
عشق میں تیرے ہمارا تو گیا نام بدل
مہر و مہ کے آسے پردے میں سمجھنا بے جاں
نکلے ہے روپ جو اپنا سحر و شام بدل

ہو نہ گل پر اس بہار حسن سے سنبل کی دھوم
ہے ترے مکھڑے پہ پیارے آج جو کاکل کی دھوم

---

۱ - یعنی : مئے گلفام کے بدلے -

یہ طرب کے دن بھلا ملتے ہیں پھر ساقی کہاں
آج تو ظالم مچادے خندۂ قلقل کی دھوم

کر سدرۂ حضور کا یارب ہمیں امیں (کذا)
اپنی تو بود و باش کے قابل نہیں زمیں
کس جا میں رہیے ، سبزۂ خط گارخاں کا چھوڑ
کب خوش سواد ملتی ہے ایسی کہیں زمیں
سب کے قدم کو تونے سر عجز پر لیا
(۴۲۴ الف) اس تیری خاکساری کو صد آفریں زمیں
ہرجا میں سوت جاری ہیں، جوں چشم عاشقاں
کیا جانے کس کے غم سے ہے اندوھگیں زمیں

ہمیشہ جس کے در پر اتنی مشق جبہ سائی ہو
بھلا کیوں کر نہ اس کافر کو ، کبر و خود نمائی ہو
مری بیماریٔ دل کا سبب ٹک وہ ہی سمجھے گا
کہ جس نے آنکھ تجھ سے بے مروت سے لڑائی ہو
سنا ہے یوں کہ وہ سننے لگا تھا قصۂ مجنوں
کہ وہ صحبت ہی بگڑی اس کی ، آپس میں لڑائی ہو
سو ڈرتا ہوں، زباں سے واں کسی کی، سہو سے یارو
بہ تقریب حکایت کچھ نہ میری بات آئی ہو

کیوں نہ شور دل کو سن کر یہ کرے آہنگ، راہ
بس ہے تحریک مسافر کو صدائے زنگ راہ

یہ تغافل ہے خرام ناز میں اس شوخ کے
دل کو ٹھکرا کر چلا جاتا ہے مثل سنگ راہ
کیا ہی جھگڑا تھا بہم کل اس طرف آنے پہ بہار
کیوں کہ تاراج متاع دل نہ ہو اے مردماں
(۲۲۴ب) ترک چشم یار ہو بیٹھے ہیں اب سرہنگ راہ
ہر بد و نیک جہاں کا ہو ہے بے جاں رہ نما
خاک میں جو جادہ ساں مل کر ہوا ہم رنگ راہ

نے دل میں غم کفر نہ ایماں کا خطرہ
ہے کس کے تئیں گبر و مسلماں کا خطرہ
کچھ ابروے خمدار سے خاطر میں نہیں خوف
جنتا ہے ترے خنجر مژگاں کا خطرہ

ق

وہ تیغ و سپر باندھ کے نکلا تو کہا میں
کیا تجھ کو نہیں خون غریباں کا خطرہ
بولا کہ بے ٹل جا مرے آگے سے تو اس وقت
کیا تجھ کو نہیں اپنی مگر جان کا خطرہ
پھر ایسی کبھی بات تو زنہار نہ کہنا
کچھ سود نہیں اس میں ، ہے نقصان کا خطرہ

ق

بے جاں اسد اللہ کے کوچے کا ہے بندہ
کچھ اس کو نہیں جنگ کے سامان کا خطرہ
گر ہو گئی مٹھ بھیڑ کبھی اس سے تو واللہ
ہووے گا تمھیں اپنی ہی کچھ شان کا خطرہ

بلور جو نہیں ہے تو یہ میدان ہے پیارے
رہ جائے نہ دل میں کسی ارمان کا خطرہ

میں اس آئینہ رو کے وصف کی تکرار ایسی کی
(۲۲۵الف) کہ طوطی رہ گئی حیرت میں یہ گفتار ایسی کی
خریدی سے خوبوں کی اٹھایا ہاتھ عالم نے
تری فریاد ہم نے بر سر بازار ایسی کی
ہر اک بے خود ہو تڑپے ہے کسی میں سدھ نہیں باقی
یہ مجلس اس نگاہ مست نے سرشار ایسی کی
کسی سے ہوسکا بے جاں نہ ضبط گریہ محفل میں
حکایت درد دل کی ہم نے شب اظہار ایسی کی

کہتے ہیں کل رقیب سے اور اس سے چل گئی
کیا میری منہ سے بات کچھ اس کے نکل گئی

ق

اس اپنی بے کسی پہ کسی کا نہ جی جلا
شمع مزار تک مری بالیں سے ٹل گئی
خارا شکن نگاہ ، فرنگی پسر کی آج
سنگین کی طرح مری چھاتی پہ سل[1] گئی
مفلس ہو اک جہان ، تلنگوں[2] میں مل گیا
اس دور میں نجیبوں کی صورت بدل گئی

---

۱ - سل گئی—پیوست ہوگئی (سلنا - مصدر) بفتح اول و سکون دوم
۲ - تلنگا—معمولی سپاہی ، پیادہ -

کہیں گا ہے نہ اتنا مل کے ہم تم یک زماں بیٹھے
کہ کہتے آہ درد دل کی باہم داستاں بیٹھے
اگرچہ گردش دوراں ہو گرد اپنے پہ تجھ در سے
نہیں اٹھیں گے جب ہم نقطۂ پرکار ساں بیٹھے
نہ میں کہتا تھا ہر دم اس سے شکوہ خوب نہیں اے دل
غبار آپس میں ان باتوں سے آخر درمیاں بیٹھے

جب تو کمر دلوں پر پھر قتال باندھے
تیر نگہ نشانی چوکے ، نہ بال باندھے
خورشید دیکھتے ہی تھا غرق خوں شفق سے
نکلا جو سر پہ اپنے وہ سرخ شال باندھے
منظور قتل عالم یارو نہیں جو اس کو
پھرتا ہے چرخ کس پر تیغ ہلال باندھے
ہم نے طلاق دے کر دنیا پہ تف کیا ہے
جس سے نکاح چاہے اب یہ چھنال باندھے
رنگینیٔ سخن سے بے جاں تلاش کر کر
تو بے ہر اک غزل میں تازہ خیال باندھے
لیکن میں یہ ڈروں ہوں ، ایسا نہ ہو کہ ناداں
اس فن سے کچھ تو دل میں زعم کمال باندھے

ملک عدم سے ساقی کس بادہ کش کی خاطر
آتے ہیں گل چمن میں سر پر ایاغ باندھے
آتش تمام بے جاں دیواں میں لگ اٹھے گی
ہر شعر میں تو دل کا مت سوز داغ باندھے

بھیک مانگیں ہیں کھول کر دامن
دیکھ گلشن میں تجھ کو اہل چمن

خوب الفت کا کیا تم نے نباہ
واہ وا اے آفریں صد آفریں
(۲۲۶ الف) زندگی جب ہوئے گی، کر لیں کے یار
ان دنوں تو موت بھی ہم کو نہیں

انتظاری میں تری ، حال دل بیتاب دیکھ
ہر طرف پھرتے ہیں مثل چشم اصطرلاب چشم
رو بہ رواس کے، ادب سے رو نہیں سکتا ہوں لیک
ضبط جوش اشک سے گھومے ہے جوں گرداب چشم
ہوگیا ہے نقش دل پر شام سے کس کا خیال
دیدۂ تصویر کے مانند ہیں بے خواب چشم
آہ درد آلود بے جاں سن کے تیرے دل کی آہ
ڈبڈبا آتی ہیں جوں پیمانۂ دو لاب چشم

زلف کو دیکھا کسی کی ان نے آیا خواب میں
کچھ خیال آتا نہیں دل کیوں ہے پیچ و تاب میں
یوں تو روز حشر ہے ہر رات لیکن کیا کہوں
جو کہ دن دیکھوں ہوں میں تجھ بن شب مہتاب میں
گریۂ بے جاں کو تو مت جان ہرگز بے اثر
گوہر یکتا نظر آیا ہے اکثر آب میں

پرورش گو زیر داماں فنا ہو ، ایک بار
کون پھر زستن یاں مثل گل خنداں نہیں

میں کشتۂ ابروے بتاں ہوں
انگشت نماے یک جہاں ہوں
تو پھول ہنسی میں لٹپٹا ہے (۲۲۶ ب)
میں طرز سخن میں گل فشاں ہوں

کثرت میں ہے عین دید وحدت
گر دل میں نہ اپنے ما و من ہو
غربت کے مزے کو کون جانے
تا میری طرح نہ بے وطن ہو

تو بھی تو چلے ہے وہی رفتار ہمیشہ
جس چال پہ یاں چلتی ہے تلوار ہمیسہ
ہوں گردشیں عالم کی، یہ دل تیری گلی سے
ٹلتا نہیں جوں نقطۂ پرکار ہمیشہ

مرنے کا میرے کون سے عالم کو غم نہیں
ہے داغ داغ خنجر فولاد دیکھیے

ارے گل ، تجھے ہنستے دیکھوں میں پھر ہنس
اسی طرح ہنسنے کی خو تھی کسی کی
سراغ دل گم شدہ لیجو یارو
گلی میں پھر آواز ہو تھی کسی کی

تغافل کے مارے سنا شب نہ تونے
حکایت ترے رو بہ رو تھی کسی کی
مرے دل کی اللہ یہ پاس خاطر
گرہ زلف میں مو بہ مو تھی کسی کی
سکندر، سلیماں پہ کیا ہے، یہ دنیا
کبھو تھی کسی کی، کبھو تھی کسی کی
وہ کیا دن تھے، اللہ اللہ، بے جاں
نہ پروا دل زار کو تھی کسی کی

چھاتی ابھی حاسدوں کی پھٹ جائے
سینے سے مرے جو تو لپٹ جائے (۲۲۷ الف)
بے جاں تو ملا کر اس سے کم کم
شاید کچھ یوں ھی ڈول پٹ جائے

---

(۲۹۱) بیدم

مجموعۂ خوبی ھاے انسانی مولوی غلام جیلانی بیدم تخلص، حالا رفعت اختیار نموده متوطن بلدۂ پیلی بھیت، نبیسۂ مولوی احمد خاں شاه جہان پوری، قوم افغان، جوان خوش عنوان، فاضل مستعد، مجمع قابلیت و حلم، معدن مروت، مخزن صفا و فتوت، اختر برج محبت، گوهر درج صداقت - طبعش رسا و نکته چیں، متلاشیٔ مضامین نو و رنگین، اگرچه نو مشق است فاما مذاق گفتگویش پہلو به رتبۂ سخن استاداں می زند- بایں عاصی اتحاد دلی و ربط کلّی دارد ؛ حق تعالیٰ خوش و خرم و زنده اش دارد و در کونین بہره مند داشته سمند فکرش برتبۂ بلند رساند، ایں غزلیات چند از فکر بلند اوست :

خیال ما و منی جن نے دل سے دور کیا
خدا کے نور نے اُس دل میں آ ظہور کیا
سلوکِ سنگ دلاں کا، نہ پوچھ اے ہمدم
مرا یہ شیشۂ دل لے کے چور چور کیا
جفا و جور اس افغاں پسر کے کیا کہیے
وفا کے کام میں ان نے بہت قصور کیا

اس دل کو نہ دینا تھا اس کو ، افسوس یہ میں کیا کام کیا
اب اے کے جو اس کافر نے یہاں ناحق مجھ کو بدنام کیا
اس افغاں کی کاکل ہمدم سب سر پہ میرے یہ [1] بلا لائی
میں نالہ و افغاں صبح سے لے غم میں [2] جس کے تا شام کیا

جس ادا سے ہے اس جواں کی ادا
کون رکھتا ہے ایسی بانکی ادا
پند ناصح نہ کر کہ اب پتھر
دل ہوا ، دیکھ ان بتاں کی ادا

کہیے کیا اپنے بے ادب کی ادا
گرد ہے جس کی آہ سب کی ادا
کج نگاہی سے دیکھنا اس کا
ہائے رے سوخ پر غضب کی ادا
زخم کرتی ہے دل میں جوں شمشیر
مسکرانے میں اس کے لب کی ادا

---

۱ - فی الاصل : نہ
۲ - اصل : ہم نے جس کی

ق

سب پریشان ہو کے کہنے لگے
زلف اس کی ہے رات جب کی ادا
آوے گی دن کو کیا بلا بیدم
مار سب کو گئی یہ سب کی ادا
اور بھی کہیے مطلع تازہ
خوش لگی ہم کو اپنی اب کی ادا

(۲۲۸ الف) آج کیا اُن نے ہم نشیں کی ادا
ہائے اس شوخ خشمگیں کی ادا
دھنس گیا خنجر مژہ دل میں
مار گئی چشم سرمگیں کی ادا

وہ شوخ سرکش جو (مہر[۱]) مانگے گا عشق کی مجھ سے اس لیے میں
کیا ہے صفحے میں سینے کے اب یہ داغ مہر قبالہ پیدا

خفا ہوئے جو تم آنے سے اے میاں میرے
تو یہ غلام چلا لیجیے بندگی صاحب
میں اب تو ثانیٔ سودا ہوں شعر میں بیدم
ہو کیوں نہ فخر سخن اپنی شاعری صاحب
ہیں اپنی قدرت فکر بلند کے ناصر
مثال شوق ولی، یعنی مولوی صاحب

---

۱ - فی الاصل : عبارت موسین ندارد -

شب تھی نالے کی ترے کوچے میں آواز کئی
غم فرو کرنے کو آئے تھے یہ دمساز کئی
خوبرویوں سیتی میں ہو سکوں کیوں کر روکش
آہ ، دل ایک ہے اور خانہ برانداز کئی
غمزہ و عشوہ و انداز و نگاہ و شوخی
مرغ دل لینے کو بیٹھے ہیں یہ شہباز کئی
نالۂ نیم شبی ، آہ و فغان سحری
عشق میں جب سے ہوئے میرے یہ ہمراز کئی
ہوگیا راز مرا فاش ، بہ قول ممتاز
کیوں کہ وہ بات چھپے ، جس کے ہوں غماز کئی (۲۲۸ب)
کس کو طاقت ہے جو سرسبز کرے پھر یہ زمیں
طرز میں حضرت بیدم کی ہیں انداز کئی

میں جانتا ہوں قاصد ، آنے کا وہ نہیں ہے
کیا دخل ہے گماں کا ، مجھ کو تو یہ یقیں ہے
غیروں پہ مہربانی حد سے زیادہ کرنا
اور ہم پہ یہ جفائیں ، اے واہ آفریں ہے
وہ کون سا ہے شاعر ، اس کو غلط کہے گا
اس بیت میں ہماری گو قافیہ نہیں ہے

موج زن چشم سے یاں تک مری سیلاب بہے
جس میں کتنوں کے پڑے پھرتے ہیں اسباب بہے
قدر اے اشک نہ جانی میں در اشک کی کچھ
ہائے یوں پھرتے ہیں یہ گوہر نایاب بہے

خاک سے جوں نقش پا ہو کیوں نہ مانوسی مجھے
خوش لگے ہے خوبرویوں کی قدم بوسی مجھے
ہے یقین گو غیر کے گھر میں تو وہ جاتا نہیں
لیک کرنا ہے ضرور اب، اس کی جاسوسی مجھے

جس سنگ‌دل پہ اپنی یاں ان دنوں نظر ہے
تصویر اس کی دل پر اب نقش کالحجر ہے
کب منفعت کسی کو خوش‌قامتوں سے پہنچے
گلشن میں سرو کیسا دیکھو تو بے ثمر ہے (۲۲۹ الف)

وفا ہوتی ہے اول خوبرویوں سے جفا پیچھے
کہ پہلے شاد کرتے ہیں یہ ہر دل کو خفا پیچھے
یہ زلف یار درپے جاں کی ہے، اُس کا خدا حافظ
کہ جس کے آ لگی ہو اس طرح کالی بلا پیچھے

باندھ کے عالم سے آہ، رخت کو جب ہم گئے
اور تو یاں کچھ نہ تھا، لے کے مگر غم گئے
جور بتاں سے کوئی رہ نہیں سکتا ہے یاں
جانے خدا کس طرف حضرت بیدم گئے

گلستاں ترک کر اے باغباں ہم بن میں جا بیٹھے
تمھارا جس پہ جی چاہے کرو جور و جفا بیٹھے
خدا سے ڈر کے مت جایا کر اس کے پاس اے بیدم
مبادا وہ بہت کج رو کہیں سیدھی سنا بیٹھے

کیوں چاک جگر نہ جوں کتاں ہوں
میں عاشق زار مہرشاں ہوں
ظالم مری بات کا جواب آہ
کچھ اور نہیں ، سوائے ہاں ہوں

خود بہ خود چاک گریباں ہے کہ جوں پنجۂ گل
نظر آتی ہی نہیں ہاتھ میں طاقت مجھ کو
(۲۲۹ ب) شوق کے شوق سے ہوتی ہے غزل اے بیدم
ورنہ کب شعر کے کہنے کی تھی قدرت مجھ کو

ارادہ ہے کہ اب کی چاک کر اپنے گریباں کو
بہ طرز حضرت مجنوں چلا جاؤں بیاباں کو
نہ چھوٹے بعد مرنے کے بھی ہم اس چرخ کے ہاتھوں
کیا ہے خاک پر میری مسلط تیرے داماں کو
برس مت ابر اتنا تو ، کہ دیکھا دیکھی تیری اب
کہیں آوے مبادا جوش اپنی چشم گریاں کو

گو اب ہزار شیخ نے ہم سے بنائی بات
پر رو بہ رو بتاں کے نہ ہرگز بن آئی بات
سمجھے جو کوئی محرم اسرار غیب ہو
تیرے دہان تنگ کی میں نے نہ پائی بات
عام نے دیکھ سوز دل اور چشم تر مری
سو سو طرح کی اس سے لگائی بجھائی بات
سنگ گراں کسی نے اٹھایا تو کیا ہوا
زور آور اس کا نام ہے جن نے اٹھائی بات

غیر از جواب منہ سے سخن مت نکالیو
رفعت یہ کوہسار نے ہم کو سنائی بات

نہیں بے وجہ جو خاکی ہے فقیرانہ لباس
سبز پاتا ہے سر خاک سے ہر دانہ لباس
عیب معشوق چھپاتا ہے ہجوم عشاق (۲۳۰ الف)
شمع کے تن پہ ہے(کیا)[1] خوش پر پروانہ لباس
خاکساری کو مری چشم حقارت سے نہ دیکھ
پہنے ہے گرد یتیمی سے گہروانہ ، لباس
مانع اے شیخ نہ ہو چاک گریباں سے مجھے
دیکھ سکتا نہیں تن پر کوئی دیوانہ لباس
جب کہ اسباب کی ہوتی تھی ازل میں وسعت
اپنے دیوانۂ عریاں کو خوش آیا نہ لباس
سر رفعت کو کرے عرش معلیٰ سے بلند
گذرے ایدھر سے پہن کر جو تو شاہانہ لباس

یہ طفل سرشک اپنا ، استاد ہے
محیط اس کو یارو رواں یاد ہے

گر نہیں تاثیر ، اب جوں نشتر نالہ بلبل رکھتا ہے
دامن رنگین خون جگر سے باغ میں کیوں گل رکھتا ہے
لاکھ تجاھل نازواداد میں[2] کرنے پڑے مہ رویوں کو،پر
بندہ بھی تو دوچند انھوں سے ایک تغافل رکھتا ہے

---

۱ - اصل : عبارت بین‌القوسین ندارد
۲ - اصل : کرتی پھری مہرویوں کی پر

کیوں کہ لہ پیچ میں یاں آجاوے دیکھ کے دل اب افلاطوں کا
زلف میں اپنی تو تو ظالم دور و تسلسل رکھتا ہے
اس شہ خوباں کے مانند اب کون جہان خوبی میں
شان و شوکت ، دبدبہ ، حشمت ، فرّ و تجمل رکھتا ہے (۲۳۰ ب)

اشک سے یوں نظر آتا ہے جگر پانی میں
جس طرح ہووے فرنگی کا گذر پانی میں
لخت دل اشک میں یوں شاخ مژہ سے ٹپکا
جوں گرے نخل لب جو سے ثمر پانی میں
نہیں پاتا ہے سبک روح مخالف سے ضرر
آگ کے عکس کو سردی ہے کدھر پانی میں
دیکھ کر اس کی دو رنگی کو ، مرے دیدۂ تر
شام گر خوں میں ہیں غلطاں ، سحر پانی میں

خون بہتا ہے ، نہیں نام کو نم چشموں میں
سرخ رو مجھ کو کیا عشق نے ہم چشموں میں

ہر دم آتا ہے میاں مجھ پہ کمر باندھ کے تو
گر نہ ہوں میں تو چلے تیغ کدھر باندھ کے تو
قید اس دل کو کیا ہے کمر نازک نے
ہے بجا مجھ (کو) رکھے مو سے اگر باندھ کے تو

اے دنی ، کھول کے کیسے کو اڑا گل کی طرح
مت رکھے غنچہ نمط ، گانٹھ میں زر باندھ کے تو

مہر کی آنکھ تجھے دیکھ کے جلتی ہے میاں
صبح دم نکلے ہے جب تیغ و سپر باندھ کے تو

گر چڑھے ناز کے توسن پہ کمر باندھ کے تو
۲۳۱ الف) لاوے فتراک سے اک خلق کا سر باندھ کے تو
دل میں رہ جائے نہ تا حسرت دیدار کہیں
قتل مت کیجو مرے دیدۂ تر باندھ کے تو
کب کھلے تیرے تصنّع کا فسوں‌گر عقدہ
دے ہے عالم کو فریب اب تو نظر باندھ کے تو
آبرو سے ہے دلا قیمت و قدر عالم
یہ سخن گانٹھ میں رکھ مثل گہر باندھ کے تو
شعر تر نکلیں ہیں کچھ تیری زباں سے بیدم
حالت گریہ کو لاتا ہے مگر باندھ کے تو

وہ سر بلند ہے جس سر میں ہے کسی کی ہوا
مدد سے باد کی جیسے سر حباب اٹھے
جو بیٹھے رہ میں تری مثل گرد سو آخر
طرح بگولے کی سرگشتہ و خراب اٹھے

یہ حاجت اپنی میاں ، تونے کی روا ، نہ کبھی
کہ اس طرف نہ ہوا آہ تو روانہ کبھی
قرار آنے کا کیوں جھوٹ مجھ سے کرتے ہو
جو آپ آئیں ادھر یہ کرے خدا نہ کبھی

گلی میں یار کی کیا کیا بہار ہے بیدم
تو حیف ساتھ مرے اس طرف گیا نہ کبھی

بسکہ دل میرا وصال یار سے مایوس ہے
جو سخن ہے لب پہ یاں سو حسرت وافسوس ہے[1]
ھائے کیا کیجیے کہ مائل ہے یہ دل تیری طرف
اور خاطر آپ کی اغیار سے مانوس ہے
بزم عالم میں بہ رنگ شمع تو ہے جلوہ گر (۲۳۱ ب)
زیر و بالا چرخ گرداں صورت فانوس ہے
گرچہ اب سو رنگ سے مثل حنا خوں کیجیے
کس کو دنیا میں میسر یاں ترا پابوس ہے
بزم میں اس شمع رو کی یار بیدم کب ملے
سر پہ اپنے سایہ افگن طالع منحوس ہے

خیال زلف و رخ میں نت مری اوقات کٹتی ہے
اسی میں دن گذرتا ہے ، اسی میں رات کٹتی ہے
تری یہ شعلہ خوئی دیکھ کر اب شمع مجلس میں
جلے ہے رشک سے ہر شب اور اس کے ساتھ کٹتی

جفا تو نے وفاداروں پہ یہ یک بار ایسی کی
کہ نے اب تک سنی ہے نے کسی نے یار ایسی کی
جفا کر کر وفا کیا چاھتا ہے بے نیازوں سے
جو تو نے ہم سے ویسی کی تو ہم نے یار ایسی کی

---

۱ - یہ غزل ورق ۲۳۶ پر مکرر درج ہوئی ہے ، نقل میں ہم نے وہاں سے حذف کردیا ہے - دوسرا شعر وہاں نہیں تھا وہ یہاں اضافہ کر دیا ہے -

کیا تھا عہد شب کیا جھوٹ آنے اور بلانے کا
یہ کیسی کی ، جو ویسی کی نہ اے دلدار ایسی کی
حقیقت پوچھتا کیا ہے مری بیدم کہ ہجراں نے
جو کچھ تو دیکھتا ہے اے مرے غم خوار ایسی کی

خط ترا غارت ناموس نظر آتا ہے
مالک زنگ و شہ روس نظر آتا ہے
(۲۳۲ الف) بسکہ ہے پیش نظر مجھ کو تری نیرنگی
ہر طرف جلوۂ طاؤس نظر آتا ہے
قلب صافی میں نہیں عزت اہل دنیا
عکس شخص آب میں معکوس نظر آتا ہے

ہوا ہے جانے سے اس گل کے یوں چمن خالی
کہ جیسے شمع سے ہو شب کو انجمن خالی
نہیں قرار مجھے گور میں بھی ، جوں دریا
حباب وار پڑا ہے مرا کفن خالی[1]

گھوڑا ترا جب کہ دوڑتا ہے
پھر یہ گیا ، وہ گیا ، ہوا ہے
اب دیکھ ترے عقیق لب کو
انگاروں پہ لعل لوٹتا ہے
قاتل سے نہ چاہو خوں بہا تم
اُن نے مرا خوں بہا دیا ہے

---

۱ - یہ شعر بھی ورق ۲۳۷ ب پر مکرر درج ہوا ہے ۔

گیا ہے گھوڑے کو خیز کرتا ، ادھر سے وہ شہسوار میرا
ہو کیوں نہ آنکھوں میں قدسیوں کی بہ‌رنگ سرمہ غبار میرا
تھی شہر سے سخت مجھ کو الفت ، رہا نہ مجنوں صفت میں بن میں
پھپھولے پڑتے پاؤں کھینچے تھا گرچہ داماں خار میرا
مجھے جلاتا ہے غیر سے ہوکے وہ ہم آغوش آہ یارو
نہیں ہے اس شعلہ رو کی آنکھوں میں خس برابر وقار میرا
ٹلوں کا ہرگز نہ تیرے در سے اگرچہ اے سنگدل تو ٹالے (۲۳۲ب)
کہ ہوگا یہ سنگ آستانے کا تیرے سنگ مزار میرا
میں خاک غربت میں رل گیا ہوں بہ رنگ اشک رواں بیدم
کسی کی آنکھوں کے شوق میں آہ جب سے چھوٹا دیار میرا

دشت میں ہم نے زندگی کی ہے بسر برہنہ پا
پھرے ہیں سیل کی طرح خاک بسر برہنہ پا
پڑگئے پا میں آبلے ہلے ہی گام جب کیا
قاصد اشک کی طرح ، عزم سفر برہنہ پا
ہوں سبھی خار سرخ رو ، یاروں کے پائے بوس سے
قیس کی طرح جائیے بن میں اگر برہنہ پا
کس کو تو جستجو میں آہ، پھرتا ہے بیدم ابرساں
نعرہ زناں و گریہ ناک ، خاک بسر ، برہنہ پا

دوڑتے ہیں سرشک چشم اتنے غضب برہنہ پا
کرتے ہیں طفل کی طرح لہو و لعب برہنہ پا
پڑگئے مثل بحر کے پشت قدم پر آبلے
یوں کف پائے گھس گئی چلنے سے اب برہنہ پا

اس چشم سرمہ سا نے جی سے جہان مارا
ہندوستاں سے لے کر تا اصفہان مارا
دریا میں جیسے تختہ طوفاں زدہ ہو کوئی
(۲۳۳ الف) یوں اشک نے ہمارے برہم جہان مارا
کس سے میں نام تیرا پوچھوں، کدھر کو جاؤں
مثل نسیم سارا عالم تو چھان مارا

نہیں آہ شام سے مطلقاً مری ہمدمو اثر آشنا
لب پر فغاں سے کبھیے کوئی نالۂ سحر آشنا
ہے کسی سے پھیر امید کچھ جو کرے وہ آن کے غم خوری
کہ الم میں چھوڑ چلا گیا مجھے دل سا معتبر آشنا
رہے کیوں کہ بزم بتاں میں شب کہ بقول حضرت بیدل است
چو چراغ کلبۂ مفلسم سر شام با سحر آشنا

غربت مجھے وطن میں ، ہے کس قدر سراپا
یک جا ہوں شمع آسا ، لیکن سفر سراپا

دشت میں دبدبۂ بادشہاں ہے میرا
تختۂ ریگ رواں ، تخت رواں ہے میرا
گلشن عشق میں ہے اور ہی صورت کی بہار
باغباں جس کا دل نعرہ زناں ہے میرا
داغ سینے کا ہے گل آبلۂ دل شبنم
آہ تو سرو ہے اب اسک رواں ہے میرا

نہ ملی منزل معشوق سیہ بختی سے
گو کیا سر کو قدم ہم نے قلم کی صورت

رہتے ہیں شور کناں ، نالہ و افغاں باہم
جوں سبق پڑھتے ہیں اطفال دبستاں باہم (۲۳۲ب)
جوں صبا کس سے ہم آغوش ہوا باغ میں تو
کہ ہیں کچھ غنچہ و گل مشت و گریباں باہم
اشک کیوں کر نہ چلیں زلف و رخ یار کو دیکھ
کھیلتے ہیں شب مہتاب میں طفلاں باہم
شعر ہندی کا ترے شور ہے جب سے بیدم
رشک لے جاتے ہیں سب اہل صفاہاں باہم

کب اس کے دیکھنے کی مری لاوے تاب چشم
جھپکے ہے ، دیکھ جس کی طرف آفتاب ، چشم
ہستی سے آنکھ موند کے جاتے ہیں جو کوئی
بحر عدم میں کھولیں ہیں مثل حباب ، چشم
کس سادہ رو کی دیکھ کے اب مثل آئینہ
حیرت سے ہوگئی ہے یہ سب آب آب چشم

بہتی ہے شور و زور سے اپنی مدام چشم
اک بحر ہے عظیم کہ جس کا ہے نام چشم
اس ماہ رو کی دید کی ہے اتنی آرزو
جوں سپہر ہوگیا جسد اپنا تمام چشم

بیدم کہو اب ایسی غزل جس کو سن کے یار
شاید کرے ادھر کو وہ عالی مقام چشم

آیا جو سرمہ سا کیے ، وہ کج نگاہ ، چشم
کہتا ہوں راست ، مارگئی مجھ کو آہ چشم
۲۳الف) تو تو سفید ہوگئی روتے ہی روتے آہ
لیکن بحال خود رہے بخت سیاہ ، چشم
سیدھا جو تو کسی سے نہیں بولتا ہے دل
شاید دکھا گیا تجھے کوئی کج کلاہ ، چشم

کس گل کی اس چمن میں تیں دیکھی بہار چشم
جوں شبنم اب جو روتی ہے تو زار زار چشم
خوباں ہیں بھی آن کے دیکھا کرو کبھو
پر آب ہم بھی رکھتے ہیں آئینہ وار چشم
بیدم میں آج ہند میں ہوں فخر شاعراں
طاقت ہے کس کی ہووے جو اب مجھ سے چار چشم

ہیں ظالم اتنی ، اس کافر بت بے پیر کی ، آنکھیں
کہ جس کو دیکھ پتھرا گئیں جوان و پیر کی آنکھیں
میں وہ دیوانۂ کاھیدہ اعضا ہوں کہ اب مجھ سے
حجاب آلودہ ہوکر پھرگئیں زنجیر کی آنکھیں
یکایک کردیا گرمی نے ان کی سرد عالم کو
غضب ہیں ، کیا بلا ہیں ، اس بت کشمیر کی آنکھیں

نہ مجھ کو بادشاہی ہو نہ شان کبریائی ہو
غرض اپنے نصیبوں میں ترے در کی گدائی ہو
عبث رو رو کے تیں آنسو سے اپنا گھر ڈباتی ہے
نہ کر اے چشم تر وہ کام جس میں جگ ہنسائی ہو
سوا تلوار کے کوئی نہیں چلتا ہے واں قاتل (۲۳۳ب)
ترے کوچے میں وہ جائے کہ جس کی موت آئی ہو

یہ سخن کہتی ہے اے غافل زبان ریگ راہ
دور ہے منزل ، نہ رہ غفلت میں کر آہنگ راہ
مستعد پرخاش پر بیٹھا ہے رستے میں رقیب
پہنچوں تب مقصود کو ہو فتح جب یہ جنگ راہ
مسند پشمینہ اور یاں بالش مخمل ہے پشم
فرش خاکستر ہی اپنا زیر سر ہے سنگ راہ
آہ یوں پھرنا ہے عالم اس کی چھاتی پر چڑھا
ہوگیا ہے چاک سینہ دیکھ کر یہ رنگ راہ
منزل دنیا میں بیدم سرگذشت اپنی نہ پوچھ
پائمالی سے فلک کی ہوگئے ہم رنگ راہ

شاعر کی تاب کیا ہے جو اس کی چال باندھے
ہو فکر بند اس کی جب یہ خیال باندھے
تیرا بلند پایہ اے ماہ ! کیا بتاؤں
ناخن ترا پھرے ہے سر پر ہلال باندھے
کیا وصف کیجے بیدم اس کی کمر کا میاں اب
معدوم شے کا کوئی کیوں کر خیال باندھے

جلتا ہے اپنے سر پر آتش کو داغ باندھے
(۲۳۵الف) برجا ہے اس کو شاعر شمع و چراغ باندھے
اس گلبدن نے بیدم جس وقت منہ کو کھولا
مضمون اپنے دل نے ہو باغ باغ باندھے

ہے جب سے خاک مری تیرے آستاں کے تلے
نہیں سما ہے دماغ اپنا آسماں کے تلے
جہاں میں عمر چلی جا ہے رایگاں اپنی
مثال ریگ جو ہو دجلۂ رواں کے تلے
سمجھیو مجھ کو نہ خاموش تم کہ مثل قلم
ہزاروں نکتہ فروبستہ ہیں زباں کے تلے
نشاں کچھ اور نہ پایا چمن میں بلبل کا
پڑے تھے مشت پر اک جا میں آشیاں کے تلے
ہوں شاہ کشور دیوانگی کہ ہے اپنی
ہزار فوج غم اس آہ کے نشاں کے تلے
چبھوں ہوں خلق کی نظروں میں جب کرے ہے وہ مہر
میں مثل خار ہوں یاں گل کے سائباں کے تلے
بلند مرتبۂ عرشیاں ملا ہے انھیں
مکاں ہے حضرت بیدم کا لامکاں کے تلے

کیا کیجیے جو عشق سے اپنا بدن جلے
کیوں کر کوئی بجھاوے کہ جس وقت بن جلے
گر ٹک زباں دراز ہوں، کہنے میں سوز کے
مانند شمع من کے تمام انجمن جلے

جب آیا کھینچ کے مجھ پر وہ تیغ ابرواں اپنی
گئے صبر و قرار آگے چلی پیچھے سے جاں اپنی (۲۳۵ ب)
دبستاں میں وہ آج اپنے ، قلم کر کر سر عالم
رقم کرتا تھا خون عاشقاں سے شوخیاں اپنی

ٹالتا ہے وصل کے وعدوں پہ وہ برسوں مجھے
روز بتلاتا ہے ظالم ، آج ، کل ، پرسوں مجھے

کیا ہے رتبہ خط نے ، صفحۂ روے مصفّا کو
کہے گر تو اٹھا لوں لب سے میں اس حرف بے جا کو

رکھیں کب داغ سے اپنا دل پر درد ہم خالی
جہاں سمجھے ہے کھوٹا ہو جو سکے سے درم خالی
سیہ بختی سخن سنجوں کو لازم ہے ، سمجھ دیکھو
نہیں جلتا ہے جب ہووے سیاھی سے قلم خالی
بغیر از شبشۂ ساعت نہ دیکھے ہم نے اے گردوں
ترے بہت جفا سے ہوویں گر دو دل بہم خالی
بہت ہم کو رلاوے گا یہ خط اس کا خدا حافظ
کہ ہالہ ماہ کا پڑتا ہے یاں باراں سے کم خالی
ہلال آسا نہ دیکھا ایک دن ابروے مہ رو کو
ہوئے ہیں آپ سے جوں بدر لاکھوں بار ہم خالی
نہ پوچھ اے ہم نفس باعث تو ہمدم کے نہ ملنے کا
نہیں رہتا ہے وہ آہ و فغاں سے ایک دم خالی

قطعہ

منہ پر ہو یار پشت پر ہو خدا
۲۳۰ الف) نہیں رہتی ہے پھر سیہ بختی
پیش و پس گر رکھو کسی کے دو شمع
پھر نہ دیکھو گے شکل سائے کی

تری ابرو کو گر میں دیکھ کر روؤں عجب مت کر
کہ اکثر دیکھتی ہے خلق ماہ نو کو پانی میں

سنے جو در ترے دانتوں کی آب دریا میں
ہو قالب اس کا تہی جوں حباب دریا میں
ہماری چشم میں کیا دوڑتے ہیں طفل سرشک
اگرچہ چل سکے کوئی شتاب دریا میں
۲۳۶ب) سواد چشم ہوا یوں بیاض رونے سے
سپید ہوتی ہے جیسے کتاب دریا میں
ہے آئینے میں ترا عکس یوں نمایاں یار
کہ جیسے روشنی آفتاب دریا میں
یہ کس کے لشکر سیلاب اشک کی خاطر
خیم[1] حباب ہیں موجیں طناب دریا میں
بہت ہے گردش چرخ اپنی چشم گریاں پر
کہ اکثر آئی نظر آسیاب[2] دریا میں

---

۱ - خیم = بروزن پسر ، خیمہ کی جمع -
۲ - آسیاب = پن چکی -

ہے رشحِ خامۂ بیدم غزل کی بحر میں یوں
کہ جیسے برسے آتر کر سحاب دریا میں

آسے اے شعلہ خو یک شب ترا ملنا میسر ہو
بہ رنگ شمع تیری بزم میں جو خاک آکر ہو
نہیں ثانی ترا اے سادہ‌رو جز عکسِ آئینہ
سو منہ تو دیکھو اس کا بھی جو وہ تیرے برابر ہو

ایک شب بخت سے پائی تھی ملاقات کی راہ
پھر کسی دن ملے اللہ آسی رات کی راہ
دیدۂ تر سے نکل کر تو دلا ڈوب گیا
میں نہ کہتا تھا کہ چلتے ہیں برسات کی راہ
شیخ کل واں سے تو بیدم کو تو لایا تھا اٹھا
آج اس رند نے پھر لی ہے خرابات کی راہ

یار کو ہم جس کے دل میں جلوہ گر دیکھا کیے
آئینہ سارے اس کو ہر دم چشم تر دیکھا کیے (۲۳۷ الف)
ہے وبالِ سر کمال اپنا کہ ہم اس باغ میں
زیرِ جورِ سنگ نخل پرثمر دیکھا کیے
کب نظر میں ان کی آوے جلوۂ گل عندلیب
جو مدام آنکھوں سے یاں لختِ جگر دیکھا کیے
کچھ نہ ہم سے سادہ لوحوں سے ہوا جوں آئینہ
غیر کے بیدم مگر عیب و ہنر دیکھا کیے

کوچے کی راہ تیری اے شوخ کم چلے ہے
شمشیر ہی وہاں پر اک دم بہ دم چلے ہے
جس کی طرف سے گرمی دل میں بتاں نہ رکھیں
پھر جوں شرر وہ دم میں سوے عدم چلے ہے
سبمیں تنوں کی شہرت ہے نام عشق سے یاں
بے سکہ بھی جہاں میں کوئی درم چلے ہے
بیمار چشم کو تو آ دیکھ اپنے ورنہ
مثل حباب اس کا چھاتی میں دم چلے ہے
رہنا ہے یوں مسلسل گو سینہ چاک بیدم
راہ سخن‌وری میں مثل قلم چلے ہے

مانند خامہ بیدم ہوں کیا سیاہ بخت آہ
زنجیر پا میں میرے اپنا ہنر ہوا ہے

اشک میں رکھتا ہے ڈوبا چرخ دولابی مجھے
مردمک آسا کیا ہے مردم آبی مجھے (۲۳۷ب)
گرم دیکھا ہے سمند ناز کو کس شوخ کے
برق کے مانند رہتی ہے جو بے تابی مجھے
جب سے اس یوسف کو دیکھا جوں زلیخا خواب میں
چشم میں اپنی نظر آتی ہے بے خوابی مجھے
ہوں مریض عشق دیجو اے طبیب حسن تو
جاے شربت بوسۂ لب ہاے عنّابی مجھے
کچھ لیا میں نے نہ بیدم گو فلک دیتا رہا
احتشام شاہی و اقبال نوّابی مجھے

دل چرا لینے میں گو زلف سیہ پر زور ہے
پر ترا خال عذار اے یار کالا چور ہے

دیگر قصائد و غزلیات پرزور بسیار دارد ، تا کجا در حیز تحریر آرد ، دریں مختصر نوشتن گنجایش ندارد ۔

---

(۱۹۳) ذوق

الف خاں ذوق ابن خان رفعت و عوالی نشان دلیر خاں کہ بخشی اعظم نواب سعید اللہ خاں بود ، جوانے است اہل مروت ، آشنا پرست ، صاحب حوصلہ و خوش سلیقہ ، معدن صفا ، مخزن ولا ، مجمع فرہنگ و دانش ، دوستدار اہل علم و بینش ، قدردان اہل ہنر (۲۳۸ الف) بسیار خوش تلاش و خوش فکر اگرچہ نو مشق است فاما ذہن رسا و فکر بجا دارد و بر حال این بے حال کہ حالا طاقت مقال نہ دارد اکثر شفقت می فرماید ، ابقاہ اللہ الف سنۃ ۔ و آں واہب العطیات در کونین معزز و مکرم و دلیر داشتہ نصرت عالم غیب یار او گرداناد و برتبۂ اعظم رساناد ، این چند ابیات کہ از مسودہ اش بقلم آوردہ شد ، دال بر رسائی طبع اوست ۔ ازوست :

ہوا ہے پر غضب دل آج کس دلگیر پر تیرا
پڑے ہے ہاتھ ہر دم قبضۂ شمشیر پر تیرا
لگے ہے آخرش جاکر یہ ظالم تیرے قدموں سے
چلا قابو نہ کچھ اس خاک دامن گیر پر تیرا
اگر میری طرح سیماب دل مارے تو میں جانوں
مہوّس ناز بے جا ہے اب اس اکسیر پر تیرا

اٹھایا ہاتھ اک عالم نے اب نام محبت سے
ستم یوں دیکھ ظالم مجھ سے بے تقصیر پر تیرا

جس سے ایجاد طریقہ ہے ستم گاری کا
تھا مگر شوق اسے اپنی نموداری کا
(۲۳۸ ب) جب سے ان ماہوشوں سے یہ مری آنکھ لگی
شیوہ پکڑا ہے سدا چشم نے بیداری کا

بن ٹھن جب اپنے گھر سے وہ کج کلاہ نکلا
رکھ سر پہ تاج شاہی جیسے کہ شاہ نکلا
جانے سے اس کے ہمدم گو دل گیا پر اب تو
لیجو خبر کہ جا ہے یہ جی بھی آہ نکلا
مت ہو بہ قول قدرت مجھ سے خفا تو اتنا
جاتا ہوں بد مروت میں اپنی راہ نکلا

جب سے اس زلف کا خیال ہوا
دشمن جان بال بال ہوا
ایک بوسہ جو دے بغیر طلب
تب میں جانوں کہ پھر بحال ہوا
وہ خوش ابرو پڑا نظر سر بام
خلق کو شبۂ ہلال ہوا

زلف کی کو میں شب کیا، میں جو گذر برہنہ پا
شانہ صفت تھے واں کئی چاک جگر، برہنہ پا

گھر سے نکل کے آنسوؤ ، گرم ہو تم ، چلے تو ہو
اڑکے ہو پر ، نہ کیجیو عزم سفر ، برهنه پا
کس کی ہوا میں ذوق تو کرتا ہوا یہ ہای و ہو
آج پھرے ہے کو بہ کو خاک بہ سر ، برهنه پا

تو تو کہتا تھا کروں گا اس کے دل میں راہ میں
دیکھ لی بس تیری شیخی نالۂ جاں‌کاہ ، میں
پھنس گیا ہوں بے طرح سے ، ان بتوں کے دام میں (۲۳۹الف)
بن نہیں آتی ہے کچھ اب کیا کروں ، اللہ میں

قطعہ

کل وہ گلگشت چمن کو گھر سے نکلا تھا کہیں
دیکھ کر میں نے کہا پیارے چلوں ہمراہ میں
ہو وہیں بدظن ، چڑھا تیوری ، لگا کہنے مجھے
کون ہے تو ، نام سے تیرے نہیں آگاہ میں

بتا کس ناتواں سے تونے توڑا رشتۂ الفت
پریشاں ان دنوں زلفوں کے تیری تار رہتے ہیں

ہوا ہے کس سے ہم آغوش آب دریا میں
جو آج تک ہے اسے پیچ و تاب دریا میں
مٹا نشان مرا تیغ عشق سے اس طرح
کہ جیسے موج سے ٹوٹے حباب دریا میں

کرے ہے قتل ہر دم شہرخ جو شمشیر سے مجھ کو
گنے ہے ایک اپنے واجب التعزیر سے مجھ کو

نہ مانی بات اپنے پیر کی ، میری سفارش میں ،
پڑا ہے کام یارب ہائے کس بے پیر سے مجھ کو

ہمرہ اشک چلے جاتے ہیں یہ لخت جگر
لوگ کیوں کہتے ہیں چلتے نہیں برسات کی راہ

جا کر کہو یہ اس بت نا مہرباں تلک
یہ ظلم و یہ ستم یہ تعدی کہاں تلک (۲۲۹ ب)
جوں شمع تیرے غم سے جلا، پر نہ ایک بار
لایا میں حرف شکوہ اس اپنی زباں تلک
کہتے ہیں آہ کا ہے مری لا مکاں پہ سر
پر ایک دن نہ پہنچی یہ اس کے مکاں تلک

تمام عمر ترے پیچھے جاں فشانی کی
پر ایک دن نہ کبھی تونے مہربانی کی
خدا ہی جانے کہ طفلی میں کیا بلا ہوگا
مجھے تو مار گئی یہ ادا جوانی کی

نظر پڑی تھی مجھے خواب مین وہ لف سیاہ
ہے سرپہ میرے چڑھی کچھ بلاے سی تب سے

بہ رنگ مہر و شبنم نت مری اوقات کٹتی ہے
جو سرگرداں پھروں دن کو ، تو روتے رات کٹتی ہے
کنار و بوس ہے محفل میں سب سے دختر رز کو
ولے اک منہ لگانے سے مرے بد ذات کٹتی ہے

ھوا معلوم باعث ذوق کے خاموش رھنے کا
تری محفل میں ان روزوں اب اس کی بات کٹتی ھے

محبوس کوئی چھٹا ھے اس دام سیتی شاید
بیٹھا ھوا جو پھر وہ کاکل کو تاب دے ھے
مکتب میں وہ ستم گر کس قاعدے سے ھے ھے
پیش معلم اپنی جا رکھ کتاب دے ھے (۲۳۰الف)

اھل چمن کو کس کی گلشن میں جستجو ھے
ھر سرو جو کھڑا واں جھانکے ھر ایک سو ھے
اے یار تجھ سوا اب ، خطرہ نہیں مجھے کچھ
نام خدا زباں پر اور دل میں میرے تو ھے

نالۂ نیم شبی میں جو نہیں ذوق اثر
بخت‌بد میرے کہیں آہ مگر سوتے ھیں

قطعہ

ھم نشیں بہر خدا ، حال مرا اس کو سنا
رمز و ایما و کنایات و حکایات کی راہ
شاید اس قصۂ جاں سوز کو سن کر میرے
رحم کھا کر وہ نت آجائے ملاقات کی راہ

تجھ میں دیکھی نہ کبھی ھم نے کرم کی صورت
ھوگیا غم میں ترے ہُائے میں غم کی صورت

کچھ ستم سا جو ستم ہو تو میں تقریر کروں
تا بہ کے کیجیے میاں تیرے ستم کی صورت
منہ تو آئینے کا دیکھو جو مقابل ہو ترے
دم میں بہہ جائے خجالت سے وہ نم کی صورت

اغیار کے کہے سے، عاشق بجان مارا
افسوس تونے کس کو اے بد گمان مارا
مارا گیا ہوں میں ہی تنہا نہ دیکھ اس کو
اس چشم خوں فشاں نے سارا جہان مارا
یوں تو گذر گئے ہیں بے خاناں سب عاشق
(۲۴۰ب) پر عشق گھر بسے نے مجھ کو ندان مارا
رہ میں موا پڑا ہے اک ذوق نام عاشق
شاید کہ تیرے غم نے وہ نوجوان مارا

بلبل رکھے خزاں میں نہ کیوں دل پہ داغ گل
ملتا نہیں غریب کو ہرگز سراغ گل
پہنچا ہے حب سے گوشۂ دستار پر ترے
ہے کچھ بلند عرش بریں سے دماغ گل

ہائے شب پوچھے تھا وہ مجھ سے کس انداز سے راز (کذا)
کہہ سکا لیک نہ میں خطرۂ غماز سے راز
حیف صد حیف کہ یوں غیر سے سرگوشی ہو
اور پوشیدہ رکھو ذوق سے ہمراز سے راز

میں کوزہ پشت ھوا ، پیر آسماں کی طرح
که بھا گئی ھے مرے دل کو اس جواں کی طرح
ادا و ناز تو سب دلبروں میں ھوتے ھیں
ولے تری سی نه دیکھی کسی میں بانکی طرح
سرے ھی قتل په رھتا ھے نت کمر باندھے
عجب ھی طرح کی دیکھی ھے اس میاں کی طرح
خبر شتاب لے ظالم تو اپنے بسمل کی
که اب بری ھے نپٹ ذوق نیم جاں کی طرح

لخت دل اشک سے اب رھتے ھیں تر پانی میں (۱۳۲ الف
گرچه آتش نہیں آئی ھے نظر پانی میں
سرد مہری سے فنا ھوتے ھیں یوں سوخته دل
جوں چلے سوے عدم گر کے شرر پانی میں
عکس ابرو کا تری دیکھ کے مثل شمشیر
موج دریا کی ھوئی زیر و زبر پانی میں
روز و شب شام و سحر روتے ھی روتے اے ذوق
بہه گیا آہ مرا نور بصر پانی میں

ھوگئی دل سے فراموش گلستاں کی ھوا
خوش لگے جب سے ترے غم میں بیاباں کی ھوا
ھو نه تا زیست آسے طاقت پرواز اگر
طائرشوق کو لگ جا ترے پیکاں کی ھوا
خوبرویوں کی ھوا میں جو ھوئی یوں برباد
خاک میری کو لگی کس کے یه داماں کی ھوا

مت ستاوے تو عبث اے بت ترسا مجھ کو
آج آتا ہے نظر حال بتر سا مجھ کو
کیوں نہ رو بیٹھوں میں اس دل کے تئیں اے ہم دم
ہم نشیں جب کہ ملے دیدۂ تر سا مجھ کو
جڑ دے اک تیغ کہ قصہ ہی تمام اب ہووے
مار ظالم ، نہ تو اس درد میں ترسا مجھ کو

---

(۱۹۳) ممنون

فتح چند ممنون تخلص ، قوم کا یتھ ، متوطن شاہ جہان آباد ، (۲۳۰ ب) مردے است خوش اخلاق ، خوش گپ ، در فنون قابلیت طاق ، و در علم موسیقی و کبت و دوھرہ استعداد کامل دارد ، شعر فارسی و ھندی ھر دو موزوں می کند ، این چند اشعار از مسودہ اش بقلم آوردہ شد ۔ ازوست :

برابری کا تری گل نے جب خیال کیا
صبا نے مار طپانچہ منہ اس کا لال کیا[۱]

اتنا تو کیوں ہے زیست سے بیزار کیا ہوا
سوکھا سا لگ گیا تجھے آزار کیا ہوا

جاویں نہ تیرے گھر تو ہم اے یار کریں کیا
بیمار ہیں تجھ چشم کے ، ناچار کریں کیا
نے چشم نہ ابرو کی ، نہ تقصیر کسی کی
دل آپ ہی ھوا جا کے گرفتار ، کریں کیا

---

۱ ۔ یہ شعر ممنون کا نہیں ہے ۔ تذکروں میں سودا کے نام سے درج ہوا ہے ۔

دیکھیں تو ہوں بے ہوش نہ دیکھیں تو ہوں بے خود
تازہ ہوا یہ چشم کو آزار ، کریں کیا

جس گھر میں نہ وہ ہم کو جانانہ نظر آیا
وہ گھر مری نظروں میں غم خانہ نظر آیا
سچ کہہ تو بھلا پیارے ، ہے تجھ کو قسم میری
مجھ سا بھی کوئی تجھ کو دیوانہ نظر آیا
اس زلف پریشاں سے الجھا جو کوئی جاکر
صد چاک جگر اس کا جوں شانہ نظر آیا (۳۴۲الف)
دن رات جو پھرتا ہے وہ جانب سے خانہ
ممنوں بھی کوئی مجھ کو مستانہ نظر آیا

بدل تیوری ، پکڑ خنجر جو وہ ابرو کماں نکلا
جگر سے خوں ، سرشک آنکھوں سے ، سینے سے فغاں نکلا

لوٹ ، مے خانے میں جا ، اور بادۂ گلگون کھینچ
گوشۂ مسجد میں کیا بیٹھا ہے زاهد سوں کھینچ
شعر سب ممنوں ترا ' استاد کرتے ہیں پسند
ہر غزل میں جب تو لاتا ہے نئے مضمون کھینچ

جھڑکی کے ساتھ گالی دی کل ، یک نشد دو شد
لے دل ، رہا ہے جی پہ محل ، یک نشد دو شد
مژگاں کا مور چال تو قائم ہی تھا پر اب
خط کا سمٹ کے آیا ہے دل ، یک نشد دو شد

ایک ہی ادا میں جی کو تو پامال کرچکے
اب ہے بنائے دل پہ خلل یک لشد دو شد
تھا ہی دل اک تو لٹ پٹی پگڑی کے پیچ میں
اور اس پہ زلف کھاتی ہے بل یک نشد دو شد

میں دین و دل کیا تجھ سبز رنگ کی خاطر
تو بیٹھتا ہے بھنگیروں میں بھنگ کی خاطر

(۲۳۳ب) جوں برق وہ رہتا ہے ہر اوقات کہیں اور
یک دم جو یہاں ٹھہرے تو دن رات کہیں اور
چھل باز خدائی میں نہیں ہوتے ہیں تجھ سے
بیٹھا ہے تو یاں لگ رہی ہے گھات کہیں اور

اس کے عارض سے مقابل ہونے کا کرتا ہے عزم
کچھ پریشانی کے آئے ہیں مگر ایام گل

جی لے گئی عاشق کا تری آن تغافل
تس پر نہیں گھٹتی ہے تری شان تغافل
اوروں کو کیا عید کو قربان، مری بار
منہ پھیر لیا، اے ترے قربان تغافل
ہر بات میں اغماض، ہر اک بات میں تعطیل
معلوم ہوا تم ہو مگر کان تغافل

آئے تھے کتنی دور سے تجھ پاس چل کے ہم
اب دل کو دے کے بیٹھ رہے ہاتھ مل کے ہم

اندوہ و درد و رنج و مشقت کے کچھ سوا
پایا کسی نے عاشقی میں اور پھل ، کہ ہم
پھر خدا ٹک آج تو کر اس طرف نگاہ
مارے تری نگہ کے ، سسکتے ہیں کل کے ہم
آخر ہے وقت آؤ تو ہو عاقبت بخیر
مہمان اور ہیں تری اک آدھ پل کے ہم
مضمون خوب باندھے ہے ممنوں ، صد آفریں
مشتاق ہوگئے ہیں تری اس غزل کے ہم

کبھی جو دیکھ پائے ہیں چمن میں ناک کی چھائیں (۳۴۲ الف)
تو پھر وہی شور وہی مستی وہی نالہ وہی آہیں
کسی سے دن کو خلوت ہے کسی سے رات کا وعدہ
ہمیں بتلاوتے ہو عالم بالا پہ تنخواہیں
ہماری آہ و زاری دیکھ وہ ممنوں لگا کہنے
سدھاریں اب یہاں سے آپ اگر اپنا بھلا چاہیں

کیا تو قتل ، لیکن رحم کھا میری غریبی پر
پر آب اب تک ہیں اے ظالم تری شمشیر کی آنکھیں

اک عالم دیکھتا ہے ، کیوں مجھی کو قتل کرتے ہو
غضب کیا آگیا میں نے ہی جو دو چار کی نظریں
رکھائی صاف بتلاتا ہے جب ملتا ہوں میں اس سے
پھری سی دیکھتا ہوں آج کل کچھ یار کی نظریں

اٹھانے کی اشارت تم نے کی چھکے سے میں کھسکا
میاں پہنچانتے ہیں تم سے ہم عیار کی نظریں[1]

اب تو آئے سلام کرتے جائیں
یک دو اس سے کلام کرتے جائیں
وہ نہ بولے تو جی ہی دے گذریں
اس کے آگے یہ نام کرتے جائیں
تیرے دروازے آگے اے پیارے
راہ چلتے یہ کام کرتے جائیں (۲۴۳ ب)
نالے پر نالے ، آہ اور زاری
صبح سے تا بہ شام کرتے جائیں

تمھیں ہمیشہ رہا ننگ میرے نام سے آہ
ہمیں جو دیکھو تو ہم نام و ننگ سے چھوٹے

ضرورت کیا ، علم کر تیغ تم بدنام ہو پیارے
کٹا مرتا ہے آپس ہی میں عالم خانہ جنگی سے

کیوں پھر کھڑے ہو ، جاؤ میاں اپنی راہ سے
ناحق الجھ پڑوگے کسی بے گناہ سے
ہوویں صف مژہ میں جہاں اتنے نیزہ بار
دل ہوسکے کب عہدہ برآ اس سپاہ سے

---

۱ - فی الاصل : نطریں

چلے همسایگاں کر اس کے هاتھوں سے مکاں خالی
رها تو بھی نه دل آہ و فغاں سے یک زماں خالی
هارے قتل پر کیوں اتنی ظالم اضطرابی هے
مرے مرنے سے هوگا کون سا کهیے جهاں خالی

---

(۱۹۵) مائل

میر حسن مائل متوطن دهلی ، جوانے است خوش اخلاق ، آشنا پرست ، مجنوں منش ، از چندے به سبب افراط و تفریط روزگار ناهنجار ، در قصبۂ دارالسرور رامپور ، وطن اقامت گرفته ـ ذهن رسا و فکر بجا دارد و بعد سالے و ماهے غزلے و فردے به تقریبے موزوں می کند (۳۴۴ الف) از یاران عزیز خاں موصوف است و با این عاصی دوستی دلی دارد ، حق تعالیٰ خوش و خرم داشته عزیز جهاں گرداناد ـ این چند ابیات ازوست :

خاک کو میری کردیا برباد
کیا بگولے نے سر اٹھایا هے

کیوں نه عارض سے تیرے لپٹے زلف
منه لگائی هے ، سر چڑھائی هے

عجب هی وضع هے اس دل کی یارو
رکھے هے دوست خونخواروں کو اپنے
بری هے اپنی کچھ قسمت هی مائل
کهوں کیا نیک و بد یاروں کو اپنے

نے مسجد جم سے ہے نہ کچھ جام سے مطلب (کذا)
ہے ہم کو سدا اپنے دل آرام سے مطلب
اب حق نے مجھے شاہ کیا ملک جنوں کا
کیا کام ہمیں روم سے، کیا شام سے مطلب
دشنام سے کچھ ننگ نہیں، بوسہ میں لوں گا
کچھ ہووے میاں، اپنے ہمیں کام سے مطلب
دشمن نہ ہو مائل تو اپنے کسی عنوان
ہے دوست اگر اپنے تجھے کام سے مطلب

دل بے کس مقابل تو ہوا مژگان جنگی سے
بچے پر دیکھیے کیوں کر یہ اس فوج فرنگی سے
(۲۴۴-ب) سحر کہتے ہو جو کچھ، شب نہیں کرتے عمل اس پر
رہیں گے دیکھیے کیوں کر کے اس قول[1] فرنگی سے
تمہاری خاطر نازک کا دل کو پاس ہے ورنہ
نہیں ڈرتے ہیں کچھ اغیار کی ہم غولہ دنگی سے
نہ بڑھ کر بات کہہ، بس دیکھ لی شیخی تری مائل
کہی پنج بیتی اک تو نے غزل سو بھی کڈھنگی سے

مائل اگر وہ غیر سے ملتا ہے روز و شب
اس امر میں نہ بولیو زنہار دیکھنا
تو نے مگر یہ مصرع سودا نہیں سنا
جو کچھ خدا دکھاوے سو ناچار دیکھنا

---

۱ - فی الاصل : فوج

۱۹۰) غلام مرتضیٰ

از قاضی زاده هاے قصبه سیس پور ، جوان اعجوبه عنوان ،
ق درویشی دارد و به سبب توحش خاطر اکثر اوقات مصرعه
زون و ناموزون بر زبان او درمی آیند ، یک فرد از فیض سخن
به تحریر می آید ، ازوست :

زخم دل پر هزارها دیکھے
جور خوبان کے بارها دیکھے

---

۱۹۱) همت

آخونزاده همت خان ، متوطن موضع پنهره متخلص به همت ،
واے است صاحب مروت ، خوش همت ، خلیق ، آشنا پرست
یاران (۲۳۵ الف) قدوة السالکین صاحب کمال حافظ محمد جمال ،
بع موزون و ذهنش بسیار مناسب حال - از بسکه مزاج آزاداله
مشرب رندانه و همت عالی دارد ، تا حال سر التجا پیش ارباب
نیا فرو نیا ورده ، شب و روز باکتساب کمال طریقه محمدی ،
یدوار جمال احمدی می ماند ، حق تعالیٰ در کونین خوش و خرم
اشته شفاعت احمدی یار او گرداند و رتبهٔ سخنش باوج بلند رساند ،
ں چند ابیات از مسوده‌اش بقلم آورده شد ، ازوست :

جب شانه صفت دل کو میں صدچاک کروں گا
کوچے میں گذر زلف کے بے باک کروں گا
محفل میں ، میں گر غیر سے گرمی تری دیکھی
جوں شمع جلا تن کو وهیں خاک کروں گا
آئینه صفت هووے گا عالم سبھی غرقاب
جس وقت کبھی چشم کو نمناک کروں گا

کالپے کا جگر عرش کا دهشت ستی همت
جس وقت میں اک آہ غضب ناک کروں گا

کیوں نہ هر اک سے کرے دار مدار
(۲۴۵ ب) شوق هے اس کو نموداری کا
دهشت غیر نہیں کچھ دل میں
خوف هے تیری طرف داری کا
همت اک ڈهب ستی ملیو اس سے
شیوہ رکھتا هے ستمگاری کا

کہتے هیں یار تو کل جاوے گا
پر یہ جی آج هی نکل جاوے گا
هر گھڑی گھر سے نکل مت ظالم
کوئی چھلاوہ تجھے چھل جاوے گا
هائے پھر دل یہ غضب کا مارا
اس کی باتوں پہ بہل جاوے گا
دیکھیں کیا داد دلاویں نواب
لے کے همت یہ غزل جاوے گا

کاهے زمیں پہ اُن نے نہ هم کو دیا قرار
آفت هماری جان کو یہ کچھ آسماں هوا
خدمت میں اس کی جاکے جو کل یہ غزل پڑھی
بولا کہ چل بے یاں سے، بڑا شعر خواں هوا

طفلی میں جن نے مجھ کو یہ همت کھلائے کھیل
اب تو خدا کے فضل سے وہ نوجواں ہوا

پہنچے گا کب کوئی مرے رتبے کو ہر برہنہ پا
کی ہے میں کوے یار میں عمر بسر برہنہ پا
ہووے نہ آہ کا مری کیوں کہ بلند مرتبہ
جاتا ہے آگے دوڑتا جس کے اثر برہنہ پا
کون سے گل کی اب ہوا تجھ کو لگی ہے اے صبا
پھرتی ہے تو جو جا بہ جا ، خاک بہ سر برہنہ پا (۲۳۶ الف)
میرا یہ حال زار دیکھ پوچھے تھا خلق سے وہ یوں
پھرتا ہے همت آج کیوں برہنہ سر برہنہ پا

گو ہوں حال تباہ میں ڈوبا
پر ہوں اک عز و جاہ میں ڈوبا
تیرے چاہ ذقن کی چاہ میں دل
باؤلا ہو کے چاہ میں ڈوبا

لگتی ہے یہ نگاہ نری تیر کی طرح
مارے ہے مرغ دل کو وہ نخچیر کی طرح
چھوٹوں اب اس کی زلف سے میں کس طرح بھلا
پاؤں میں پڑ گئی مرے زنجیر کی طرح

آوے کیوں کر نہ یاس مجھ کو
کرتا ہے تو یوں اداس مجھ کو

مارا مجھے دے فریب جن نے
لے جا کوئی اس کے پاس مجھ کو
اس دشمن جاں سے اپنے یارو
کرنا ہے کچھ التماس مجھ کو

دو قدم اٹھ جو ترے در سے چلے بیٹھ گئے
پاؤں جتنے کہ ہلائے نہ ہلے، بیٹھ گئے
مثل خور، صدر نشیں دیکھ تجھے سب مہ رو
ماہ کی طرح سے نادم ہو، تلے بیٹھ گئے
سوز دل کو جو بقا ہے تو سنے گا ہمت
گھر کے گھر اس میں ہزاروں کے جلے، بیٹھ گئے

لے گئے ہیں یاں سے سب شاہ و گدا
اپنے اپنے دل پہ داغ زندگی (۲۳۶ ب)
بلبلا سا آپ کا جاتا ہے بیٹھ
بھر چکے ہے جب ایاغ زندگی

دل میں تمھارے ہو جدھر جائیے
پر نہ اک اغیار کے گھر جائیے
آج ہے ہنگامۂ اغیار گرم
باندھ کے شمشیر و سپر جائیے

نہیں ہے لطف کی امید کچھ ہمیں تیرے
مجھے تو سوجھے ہے تیرا وہ پھر غضب اک دن

هزاروں فن میں کیے تو بھی مجھ سے اے همت
بنا نہ آہ اس عیار سیتی ڈھب اک دن

کوچے سے تیرے جب ہم انجان نکلتے ہیں
جی تو وہیں رہتا ہے ، بے جان نکلتے ہیں
همت میں نے اک عالم دیکھا پہ کوئی حضرت
تم سار کے دنیا میں انسان نکلتے ہیں

پاؤں ہی سے تنہا نہ بگولا سا دواں ہوں
جوں اشک تری راہ میں آنکھوں سے رواں ہوں
مشکل بنی آ دونوں طرح مجھ کو کہ اس کی
آنکھوں میں سبک ہو گیا اور دل پہ گراں ہوں
بیٹھا ہوں ترے پاس پہ اے ہم نشیں اس دم
جوں فکر سخن سنج نہ جانے میں کہاں ہوں

اگر سر بھی نہ تیغ عشق سے تیری کٹاؤں میں
تو پھر کس منہ سے شہر حسن میں عاشق کہاؤں میں (۲۴۷ الف)
علم شمشیر کو کرکے لگا کہنے مجھے قاتل
کہ اس تلوار کے اپنی تجھے جوہر دکھاؤں میں ؟
تو لے لے مول همت کو ، بہا ہے اک نگہ اس کی
غلام بے وفا نکلے تو اس کا من مناؤں میں

کشور دل کو نہ عشاق کے تاراج کرو
بے خلش بیٹھے اس اقلیم میں تا ، راج کرو

کام امروز کا فردا پہ نہ رکھو ہمت
کل جو کرنا تمھیں منظور ہے سو آج کرو

اڑا ہے دھجیاں ہو کر گریباں جس کے ہاتھوں سے
میں کب چھوڑوں گا دست آرزو سے اس کے داماں کو
ابھی تو نیزہ چڑھ جاتا ہے پانی بے تکلف یاں
اجازت دوں برسنے کی اگر میں ابر مژگاں کو
پڑا ہے کام اب کی سخت کافر سے مسلمانو
خدا رکھے سلامت اس سے اپنے دین و ایماں کو
ہزاروں کے دل اس چاہ ذقن کی چاہ میں ڈوبے
ٹھگوں کی باؤلی کہیے تو کہیے اس زنخداں کو
پراگندہ دل اپنا جمع ہو کیوں کر کے اے ہمت
پڑا دیکھا ہے میں اس منہ پہ شب زلف پریشاں کو

(۴۲۲ب) گھر سے نکلا ہے جو شمشیر و سپر باندھ کے تو
مستعد قتل کا کس کے ہے ، کمر باندھ کے تو
خون یک خلق کا سر تیرے چڑھے گا ظالم
سرخ چیرے کو چلا ہائے کدھر باندھ کے تو
تھا نہ خورشید جہاں تاب کے منہ پر لوہو
ڈھال تلوار جو نکلا تھا سحر باندھ کے تو
خوبرو لالچی ہوتے ہیں جہاں کے سارے
گر ملے ان سے تو مل گانٹھ میں زر باندھ کے تو

عجب گردش میں اپنی ان دنوں اوقات کٹتی ہے
بہ رنگ مہر و مہ پھرتے ہی دن اور رات کٹتی ہے

بھلا میں کس کے منہ پیغام کہہ بھیجوں کہ واں اب تو
زباں نامہ بر کہتے ہوئے اک بات کٹتی ہے
نہ کہتے تھے تجھے مت پھر لیے یوں نقد دل ھمت
کہ یاں ان گٹھ کٹوں میں گانٹھ باتوں بات کٹتی ہے

میں کہا ، مجھ پہ کیا کر تو نگاھے گاھے
ھنس کے کہنے لگا : ھر روز کہ گاھے گاھے
کیا کہوں دل میں مرے آتی ھیں کیا کیا باتیں
جب وہ مل جا ہے اکیلا سر راھے گاھے

ھنس ھنس کے وہ غیروں کو جب ھاتھ لگاتا ہے
یہ دیدۂ تر رو رو برسات لگاتا ہے
بے وجہ مرے دل کا جانا نہیں زلفوں میں (۲۴۸الف)
چھپ کرکے وہ بوسے کی واں گھات لگاتا ہے
یہ وجہ نہیں ھوتی معلوم ھمیں ھمت
سرمہ وہ جو آنکھوں میں دن رات لگاتا ہے

زلف کافر کیا تری بے پیر ہے
جس کا بندھوا[1] ھر جوان و پیر ہے

حال کہنا اس سے کچھ منظور ہے
پر زباں پر لاسکیں مقدور ہے

---

۱ - بندھوا = اسیر ، قیدی -

لپ[1] گیا ہے آبلوں ہی سے تمام
دل بسان خوشۂ انگور ہے

عالم کے مرقع میں ، یوں شکلیں ہیں بہتیری
پر ہم کو تری صورت تصویر نظر آئی

چاند سے منہ سے جو برقع کو اٹھا دیتا ہے
اوج خوبی سے مہ و خور کو گرا دیتا ہے
بد زباں ایسا تو کاہے کو تھا آگے دلبر
کوئی مشفق ہی مگر اس کو سکھا دیتا ہے
کہ جو ناحق میں بھی ، دو چار اب الٹی سیدھی
جب نہ تب مجھ کو جو دیکھے ہے ، سنا دیتا ہے

کلاہ فقر کیوں بہتر نہ ہو شاہوں کے افسر سے
کہ جس کا غم اترنے کا نہیں ہوتا ہے سر پر سے
کسو زلف پریشاں میں مگر دل کو وہ کھو بیٹھے
(۲۴۸ ب) کھڑے تھے آج ہمت، گھر کے دروازے پہ ششدر سے

جو تری دشنام سے واقف نہیں
لذت انعام سے واقف ہیں
ہوں دوانا زلف و رخ کا اس کے میں
کچھ سحر اور شام سے واقف نہیں

صریحاً لے کے دل خوباں ہمارا پھر مکرتے ہیں
کوئی پوچھو نہ ہم ایسی ہی باتوں پر تو مرتے ہیں

---

۱ - لپ گیا (لپنا بروزن پٹنا مصدر) = بھر گیا ہے ۔

برا مالو ، بھلا مالو ، خوشی ہو یا کہ آزردہ
جو بن آتی ہے اس کے رو بہ رو سو کہہ گذرتے ہیں
تنک ظرفوں کی حالت کیا بتاؤں بحر دنیا میں
وہ اک دم کے لیے ہمت ، حباب آسا ابھرتے ہیں

اس کے جوروں سے تھک رہے ہیں ہم
اس سے کوئی دن سرک رہے ہیں ہم
کوئی چھیڑو نہ آہ جانے دو
طرح پھوڑے کی پک رہے ہیں ہم
مثل آئینہ نت جو چشم ہے وا
راہ کس کی یہ تک رہے ہیں ہم
سوکھ کانٹا ہوئے ہیں تس پر بھی
دل میں سب کے کھٹک رہے ہیں ہم
چشم مخمور کس کی دیکھی ہیں
کہ جو ہمت بہک رہے ہیں ہم

کہیے کیا گل سے بلبل حال اپنا
اڑا دے ہے وہ اس کی بات ہنس کر

لایا تھا سوز دل سے جو ہمت زبان پر (۹۳۲الف)
جوں شمع جل کے رہ گیا اپنے مکان پر
کس طرح اس کی سمع تلک پہنچے اپنا حال
کہتا ہوں جس سے ہاتھ وہ رکھتا ہے کان پر

. عاشق کے نقد دل کو لگا کہنے قلب[1] ہے
صراف کا وہ طفل جو بیٹھا دکان پر
کرتے تھے جس کے عشق سے ہمت کو روز منع
مارا گیا نہ آخر اسی نوجوان پر

رکھے ہے کیا قفس کا مجھ پہ در بند
مجھے کر رشتۂ الفت سے پر بند
یہ ضعف آکر ہوا ہے اب تو طاری
کہ آنکھیں رہتی ہیں دو دو پہر بند

ٹال کر مجھ کو وہ طناز سر شام سے رات
سو رہا غیر کے گھر جا کے کس آرام سے رات
چودھویں رات کا جوں چاند نکل آتا ہے
یوں نظر آ گیا مجھ کو وہ لب بام سے رات

---

(۱۹۸) ناصر خاں

ناصر خاں متوطن بلدۂ بریلی ، جوانے است وجیہ ، با تمکین ، بسیار ذہین و خوش مقال آدم بے مثل، قوم افغان بے زوال، از شاگردان رشید غلام جیلانی بیدم مسطور است ، ذہنش صائب و فکرش بسیار مناسب ۔ از بسکہ حوصلہ بلند دارد (۲۴۹ ب) فن شعر ریختہ را از جوہر ذاتی خود نمی شمارد ، فاما گاہ گاہے ، بعد سال و ماہے ، برائے خاطر داشت بعضے ہمدماں ، غزلے و بیتے می آرد ۔ آں حافظ حقیقی نصرت خود شامل حال او داشتہ ، در ہر آن حافظ و ناصر

---

۱ ۔ قلب = اصطلاحاً کھوٹا سکہ ۔

او باد ۔ آمین یارب العباد ۔ اکثر مسودات او کہ از نظر ایں مولف گذشتہ ، ازاں انتخاب نمودہ شد ، ایں چند ابیات متفرقات کہ برسائی طبع و ذکا و ذہن او دال است ۔ بہ تحریر می آرد ، ازوست :

جب غنچہ نمط خوش دل غم ناک کروں گا
داماں و گریباں کے تئیں چاک کروں گا
چشم اپنی کو اے یاس جو نم ناک کروں گا
اس آب سے یہ دامن تر پاک کروں گا
بیٹھا ہے مرے دل پہ غبار غم ہجراں
فرقت میں تری کیا میں خوشی خاک کروں گا
گر مے نہیں دیتا ہے ، تو جا باغ میں ، ساقی
آرام میں زیر شجر تاک کروں گا

کیوں اس قدر اب دل کے تئیں تنگ کروں گا
گر مے نہ ملے گی تو پیا بنگ کروں گا

اب فیض قدم اپنے سے اے قیس ترے بعد (۲۵۰ الف)
میں خانۂ زنجیر کو معمور کروں گا

وہ سرو قد خرام کرے گر چمن تلک
تعظیم سرو قد کریں سرو و سمن تلک
محفل ہے تیری ، اس دل سوزاں کی زندگی
جیسے بقائے شمع ، کہ ہو انجمن تلک
حسرت سے جس کی خوں کیا اپنا عقیق نے
پہنچی ہے کس کے لعل کی شہرت یمن تلک

ہو جائیں خاک جل کے زمیں آسماں تلک
آوے جو دل سے آہ ہماری زباں تلک
سوز پتنگ سے تو ذرا شمع شرم کر
اس دل جلے پہ اتنی تعدّی کہاں تلک
فرہاد وار سر سے میں گذرا ، کوئی خبر
پہنچاوے میرے خسرو شیریں لباں تلک
مثل جرس ہوئی ہے گرہ در گلو زباں
پہنچا نہ تو بھی نالہ مرا کارواں تلک
ہے کیا عجب ہو رتبہ مرا عرش سے بلند
پہنچے جو میری خاک ترے آستاں تلک
مطلع یہ پاس خاطر قدرت کہوں ہوں پھر
ہوں دنگ جس کو دیکھ کے سب شاعراں تلک

تیر نگاہ یار سے بھاگوں کہاں تلک
بچتا نہیں ہوں گر میں اڑوں آسماں تلک (۲۵۰ ب)
کرتے ہیں تیرے قد کی سب اہل چمن ثنا
یعنی زبان حال سے سرو رواں تلک
جلوے سے تیرے اہل چمن کا یہ حال ہو
گر تو تنک خرام کرے گلستاں تلک
ہو جائیں نیلے پیلے سبھی گل چمن کے بیچ
سوسن سے لے کے اور گل زعفراں تلک
غنچہ ہو دست بستہ، کرے جیب چاک گل
اور آئے شادی مرگ وہیں بلبلاں تلک

جو مثل حنا سرزنش سنگ تلے ہو
وہ اس کے قدم کے کف گلرنگ تلے ہو
ہرگز نہ کروں خواب جو ہو بالش مخمل
سرکے تری دہلیز کا گرسنگ تلے ہو
یوں پنجۂ مژگاں نے لیا داب ترا دل
جوں مرغ کہ شہباز کے سرچنگ تلے ہو
جوں ماہ شب چاردھم تو نظر آوے
جس وقت تری ران کے شب رنگ تلے ہو
ہے چشم نظر اپنی میں وہ بھی جو کسی کے
پانوں کے اگر مسند ہوسنگ تلے ہو
یوں گھیر لیا زلف سیہ نے ترے رخ کو
جوں روم کہ وہ دست شہ زنگ تلے

چھوڑ دیں عشق بتاں کا، نہیں مقدور ہمیں
رکھیو اے شیخ تو ان باتوں سے معذور ہمیں
رونق افزا ہیں تری بزم کے ہم شمع نمط
اپنے نزدیک سے اے یار نہ کر دور ہمیں
کون سمجھے تھا ترے کوچے میں آتا ہے کوئی
کردیا نالۂ جاں کاہ نے مشہور ہمیں
نہ رہی طاقت برہم زدن مژگاں بھی (۲۵۱ الف)
کردیا عشق نے اس طرح سے رنجور ہمیں
جز گدائی ترے کوچے کی اب اے قیصر وقت
نہ کریں، دے جو کوئی شاہی فغفور ہمیں

کن نے دیکھی ہے جہاں میں آ ، وفاے زندگی
ہے فنا دم میں حباب آسا ، بقاے زندگی

جان مت مار اے سہوس در پئے ماء الحیات
کشتن سیماب دل ہے کیمیاے زندگی

ہے کدھر اعجاز عیسیٰ اور کہاں آب حیات
بوسۂ لب ہے ترا اپنی دواے زندگی

چشم وا کرنے کی فرصت نہیں کہ یاں مثل حباب
اس طرف آئی ، گئی ایدھر ہواے زندگی

گرچہ سو پتھر پڑیں سر پر ولے مثل حنا
جا لگوں گا پانوں تک گر ہے وفاے زندگی

زیست سے ہوتا ہے حاصل مطلب دنیا و دیں
کیا ہے بہتر اور دنیا میں سواے زندگی

اتنی فرصت نہیں کہ کوئی مثل گل خندہ کرے
گو عجب جا ہے یہ باغ خوش فضاے زندگی

جن نے یہ سنگ گراں سر پر لیا ، سو مر گیا
عشق ان کافر بتوں کا ہے بلاے زندگی

دم میں دیتا ہے بہا[1] اے چرخ آب زندگی (۱۵۲ب)
چرخ کو نیں کیوں کہ دی ہوگی شراب زندگی

کیا میں دم اس بحر میں اب لوں کہ کھاتا ہے شکست
صدمۂ باد مخالف سے حباب زندگی

میں ہوں یا اس ماہرو کی ہے تلاش اب کو بہ کو
گر رہے تاباں ہمیشہ آفتاب زندگی

---

۱ - فی الاصل : بہا

مثل خس آیا ہوں تنہا اس میں میں پر دیکھیے
کس طرف دیوے بہا موج سراب زندگی
آپ ہی ہیں ہم نقاب چہرۂ مقصود یاں
کیا تماشا ہو جو اٹھ جاوے حجاب زندگی

گرچہ رکھتا ہے بہار اے خضر باغ زندگی
لیک ہے تیری طرح کس کو دماغ زندگی
گو بجھا باد حوادث سے چراغ زندگی
آہ لیکن سمع ساں باقی ہے داغ زندگی
ساقیا اک جام دے لے وقت فرصت اب نہیں
بھر چکا ہے اب ہمارا بھی ایاغ زندگی
شمع رویوں کی ہوا میں رات پروانے کی طرح
ہو گیا دم میں خموش اپنا چراغ زندگی
مت دے تکلیف چمن بلبل کہ ہوتا ہے کہاں
قیدیِ دام محبت کو فراغ زندگی

گر نہیں پیک صبا جانے کو تو ہی جان جا
ہجر کے دا وہ غم و درد و الم کو جان جا (۲۵۲الف

ان بتوں کی میں چاہ میں ڈوبا
یعنی اپنی تباہ میں ڈوبا
دیکھ کر اس عزیز دلہا کو
یوسف مصر چاہ میں ڈوبا
کیوں کہ پہنچے گا تا بہ قلزم عشق
تو تو جاتا ہے راہ میں ڈوبا

سوے سیب ذقن مرو اے دل
جو گیا واں سو چاہ میں ڈوبا

مجھ ستی اس شوخ کو نت جنگ ہے
جس کے دیکھے سے اک عالم دنگ ہے
جس میں ڈوبے خانہاے مردماں
چشم ہے میری کہ بحر گنگ ہے
عشق میں تیرے، مرے اے سبز پوس
چشم سرخ و زرد رو کا رنگ ہے

کل لخت دل آئے جو امڈ میرے جگر سے
آنسو کی جگہ آنکھوں سے ژالے مری برسے
قاتل ہے، بڑا شوخ ہے عیار وہ بانکا
ٹک جائیو قاصد تو وہاں خوف و خطر سے
گرجان ہی لینا ہے تجھے، جان کی سوگند
لے جان مری جان کہ گزرا ہوں میں سر سے

خالی منہ پر نہیں، متاع چمن
لوٹنے کو یہ چور آیا ہے

بلبل نے باغباں سے شاید فراغ پایا
کل شاخ گل پہ اس کو میں باغ باغ پایا
ہوتی ہے جب کہ قسمت روزازل میں میں نے (۲۵۲ ب)
یہ دل ستم رسیدہ، تیں وہ دماغ پایا

اس گلشن جہاں میں آنکھوں کے کھولتے ہی
جوں غنچہ کل میں اپنے دل کا چراغ پایا
سینے پر اپنے بلبل کھاتی تھی گل ہزاروں
غنچے کے دل کو میں نے دیکھا دو داغ پایا

نہیں ہے یہ شمع ترا اپنے تئیں طور پسند
ہے جو پروانۂ دل سوز پہ تو جور پسند
وائے قسمت کہ وہ بیگانہ ھی آتا ہے نکل
آسناؤں میں کروں جس کو بہ صد غور پسند
عصر یوسف کا جسے ہوگا آسے خوس ہوگا
مجھ کو ہے اے شہ خوباں یہ ترا دور پسند

اس عشق میں مت بوجھ دل تنگ کی صورت
نے شکل ہے کچھ نام کی نے ننگ کی صورت
عاشق کی شب وصل سے لے وام سیاھی
کھینچے جو مصور ترے سب رنگ کی صورت
کرلیجیو تو سنگ قدم اپنا کہ یہ دل
افتادہ ہے کوچے میں ترے سنگ کی صورت
آ جاوے ووھیں نسہ مری آنکھوں میں اے یار
گھٹواوے جو تو خط کے تئیں بنگ کی صورت

انگشت نما مجھ کو کرے کیوں کہ نہ عالم
ہوں پشت دوتا مثل مہ نو ترے غم سے (۲۵۳ الف)
سینے پہ کف پا کو تو آہستہ رکھ اے یار
ہے چور مرا شیشۂ دل سنگ ستم سے

سبزہ نہ اُگے خاک سے جز طوطیٔ گویا
قطرہ جو سیاھی کا گرے اپنے قلم سے

---

(۱۹۹) سید

سید کرم علی ولد میر محمد غوث ، از اولاد نواب صدر جہاں، متوطن قصبہ پہانی ، از چندے در بلدۂ رام‌پور اقامت دارد ۔ جوان قابل خوش عنوان ، حافظ قرآن ، خوش طلعت ، خوش صورت ، پاکیزہ سیرت ، معدن مروت و بردباری مخزن فتوت و دوستداری خوش خو و خوش اخلاق و در آشنا پرستی یکۂ آفاق ۔ نہایت خوش‌گو و بسیارخوش‌گفتگو۔ اگرچہ نو مشق است فاما بسیار ذہین ، دقت پسند ، متلاشی مضامین بلند ۔ ذہن رسا و فکر بجا دارد و در عین سادہ‌گوئی پرکاری ھاے او نمودار و نہ داری اشعار او آشکار ۔ بایں فقیر ھیچمدان ارتباط کلی و اخلاص دلی دارد ، آں خلاق معانی بفضل عمیم خویش و بکرم علی و توجہ غوث از ملامات دوراں و چشم زخم حاسداں (۲۵۳ب) در حفظ و حمایت خود داشتہ روز بروز قدرت کاملہ نصیب او ساختہ برتبہ اعلیٰ رساناد ۔ آمین یا رب‌العباد ۔ ایں چند اشعار از نتائجِ فکر صائب و طبع مناسب اوست :

میں اکثر باندھتا ھوں دل میں اس سے جنگ کا نقشہ
ولے سب بھول جاھے دیکھ اس بے ڈھنگ کا نقشہ
اب آ بیٹھے ھیں تیرے در پہ جو چاھے سو کر ظالم
اٹھا کر اپنے دل سے نام کا اور ننگ کا نقشہ
کرے ھر چند دشمن صاف دل اپنا کدورت سے
ولے اٹھتا نہیں جوں تیغ اس سے زنگ کا نقشہ
برھمن ، بت کو چھوڑ ، آ بندگی میرے صنم کی کر
اسے پوجے ھے کیا ، پتھر وہ ھے اک سنگ کا نقشہ

آٹھے دل میں نہ کیوں کر ہول یاروں کے اسے سن کر
بٹھا لا تو نے اے سید زمین تنگ کا نقشہ

بھولتا ھی نہیں بیٹھ کرکے وہ اڑنا تیرا
لے کے دل جی کے لیے پھیر جھگڑنا دیرا
مو بہ مو خوار و دریشاں ھوئی بس دراے زلف
اب بھی جاتا نہیں ھر آک سے آ ڈڑنا تیرا
کیا ھوا زاف جو اب سر پہ چڑھی تو اس کے
مجھے ھے یاد[1] - - - - - - - - - - - -

(۲۵۴ الف) - - - - - - - - - وہ دیکھ بولا
برھمن یہ آیا ھے شاید گیا سے
میاں تیری دیوار کا ھم کو سایہ
ھے خوش چتر شاھی سے، ظل ھما سے
مشابہ تری زلف مشک ختن سے
کرے جو کوئی ھو وہ اھل خطا سے
ترے غم میں دن رات مرتا ھے سید
لگا کہنے، مرنے دو، میری بلا سے

---

(۲۰۰) تسلیم

محمد کبیر خان تسلیم ابن الامیر نبیرۂ رفعت و عوالی نشان بڈو خان، جوان وجیہ سعادت نشان و بردبار و خوش اخلاق و در نظم و نثر و انشا پردازی و شعر فہمی طاق ـ مجمع قابلیت و اھلیت،

---

۱ ـ ورق ۲۵۳ ب کے بعد ایک ورق ندارد ھے جس میں سیدکرم علی کے کلام کا استحاب تھا ـ

منبع حلم و مروت و فتوت ، ذهن صائب و رسا و فکر مناسب و بجا دارد ۔ اگرچہ گردش فلک شعبدہ باز ، سفلہ نواز با او مساعد نیست ، تاہم باوجود تفکرات دنیاوی بہ حسب جودت ذہن و حدت فہم گاھے ، بعد سالے و ماھے بتکلیف یاران و بہ تجویز دوستدارن غزلے مضبوط و مربوط بہم می رساند ۔ این چند ابیات از فکر مناسب اوست ازوست :

کب بھلا ان بے دموں کے دم میں دم باقی رھے
اے مرے دم باز کر یہ تیرے دم باقی رھے
منہ نہ موڑوں گا تری تلوار سے گر ھوں اصیل
جب تلک اے جان میرے دم میں دم باقی رھے
آبرو عشاق کی رونا ھے اے تسلیم ، رو
جب تلک آنکھوں میں تیری نام نم باقی رھے

حال اپنا کیا کہوں ھمدم کہ اس کے ھجر میں
خون دل پیتے رھے اور درد و غم کھاتے رھے
مل گیا تھا رات تو خلوت میں وہ تنہا پر آہ
کچھ تو شرمایا وہ اورکچھ ھم بھی شرماتے رھے
دیکھ کر زلفوں میں اس کی رات شانے کے تئیں
ھائے ھم کیا سانپ کے سے بیٹھے بل کھاتے رھے

اگر مدعا ھے مرا خون بہانا
تو یہ کس لیے ڈھونڈھتے ھو بہانا
ھوا سب کا تسلیم دشمن نہ تونے
کبھو دوست جانی نہ جانا نہ جانا

کچھ تو اس شوخ نے دل میں لیا ہے جان مجھے
اس قدر جان کے جو ہوتا ہے انجان مجھے

اگر وہ وحشیٔ رم خوردہ میرا رام ہوجاوے
تو پھر کیا ، اس دل بے تاب کو آرام ہو جاوے[1]

(۲۵۵الف)بھلا یہ کس نبی کا معجزہ تھا منصفو دیکھو
کہ دروازے پہ جس کے ہوں کھڑے پیغامبر لاکھوں
ہمیں کیا واعظ اندیشے سے محشر کے ڈراتا ہے
گلی میں اس کی ہو رہتے ہیں ایسے شور و شر لاکھوں

آپ کی دولت سے ہم اے آنسوؤ
اب تو آنکھوں سے بھی بیٹھے ہاتھ دھو
ہے بڑا نٹ کھٹ دلا ، طرب کا طفل
اس کی بدقولی سے تو ایمن نہ ہو
ہم نشیں مت تنگ کر ہم کو عبث
بات ہے کچھ اس دہاں کی گومگو
اب تو اپنی جان سے تسلیم ہم
دل اٹھا بیٹھے ہیں ، ہونا ہو سو ہو

کہوں بیداد کیا اس طفل کی ، جائے سبق ہر دم
فراموشی ہی میری ہر گھڑی وہ یاد کرتا ہے

---

۱ - اصل متن سے ورق ۲۵۴ ب کے بعد ایک ورق غائب ہے جس میں محمد کبیر خاں تسلیم کا انتخاب کلام تھا -

خوب اٹھایا تھا سر اس میرے دل بے باک نے
مونڈ ڈالا اس کو پر آج اک بت دلاک نے
وہ جو قصوں میں سنا کرتے تھے ہم طوفان نوح
سو (ہے) اک پل میں دکھایا دیدۂ نمناک نے

کی فزوں بے تابیٔ دل اور خط یار نے
۲۵۵ ب) زخم پھر تازہ کیا اس مرہم زنگار نے

واں اس نے کچھ ادا کی ، یہاں ہم ہوئے تمام
سچ ہے کہ مرد مرتے ہیں تسلیم آن پر

تاب و توان و صبر دل زار چل بسے
تھے اس جہان میں اپنے جو غم‌خوار چل بسے
لخت جگر جو پلکوں پہ رہتے تھے ہر گھڑی
ان پلٹنوں کے آہ وہ سالار چل بسے

---

۲۰۱) محمد اکرم

متوطن موضع موی[۱] ، جوان سعادت مند ، در نظم و نثر دخلے ارد ۔ اکثر جنگ نامہ تصنیف می کند ۔ ازوست :

اسد وصل میں ہی گئی عمر یا نصیب
ارمان دل میں رہ گیا بوس و کنار کا

جب کبھی بن کے وہ با ناز و ادا آتا ہے
دیکھ اس بت کو مجھے یاد خدا آتا ہے

---

۱ ۔ موضع موی بروزن قوی (ضلع بدایوں میں واقع ہے) ۔

قاصدا ، سچ کہہ ، تجھے اپنے خدا کی سوگند
اس کی محفل میں کبھی ذکر مرا آتا ہے
کہنے لاگا کہ میں کچھ اور تو واقف نہیں لیک
غیر دشنام نہ واں نام ترا آتا ہے

قصۂ هزیمت افاغنه را بطریق جنگ نامه بسته ، یک بیت او مقولۂ افاغنه که وقت گریز به تغیر زبان خود ، برائے اخفاے (۲۵۶ الف) در جواب سائل ، از خوف مرهٹه می گفتند ، است :

چه هم هیں گے هندوستانی پٹهان
روهـلا همیں خو کرو مت گمان

مقالۂ پنجم

ر ذکر بعضے برادران و خویشان و دوست داران و یاران دل ریشان و بعضی نو مشقان که چندان مایۂ شاعری ندارند و به سبب موزونی طبیعت خود را از خود زیاده پنداشته دز جرگۂ شعرا می شمارند

۲۰) شیخ محمد واصل

شیخ محمد واصل متوطن بلدۂ بدایوں، جوان قابل ، هشاش و بشاش ، یف و ظریف، خوش خلق و خوش خو و خوشگو۔ صاحب طبع ناظم و

ناثر ، شاعر پر زور فارسی‌گو ، دیوان مختصر ترتیب داده ، قطع نظر از قرابت قریبه ، بر حال این هیچمداں بسیار شفقت می فرماید گاهے یک دو فرد ریختہ بہ تقریبے موزوں می کند ، ازوست :

رہا ہے زلف کے تاروں سے شانہ نیم جاں ہوکر
یہ ہے ہے کیا غضب کرتے ہو کیوں دو ہو، اسے جھٹکا
چھپے سے کچھ چرانا ، کام ہے یہ خام چوروں کا
(۲۵۶ ب) بجاے ڈھول میرا دل لیسے جا ہے پسر لٹ کا

رات اندھیاری میں چوروں کی بن آئی خوب گھات
چھپ رہا دل زلف میں دلبر کی یہ عیار چور

عالم عشق میں جھڑکی بھی سہی جاتی ہے
غیرت اس کوچے میں پانی سی بہی جاتی ہے
کام کیا کیا نہ مجھے جان سے لینے تھے ابھی
لیجیو ، تھانبیو یارو ، کہ بہی جاتی ہے

کب تلک مفت میں تیرے یہ سہیں جور میاں
ڈھونڈھ لیتے ہیں طرح‌دار کوئی اور میاں
گدگداتے ہو مجھے ، ایسا نہ ہو ہوؤ خفا
نوچ لوں میں بھی اگر تم کو کسی ٹھورا میاں
ٹھوکریں کھا ہیں ترے کوچے میں یہ طفل سرشک
آپ کرتے ہیں یتیموں کے بھی کچھ غور میاں

---

۱ - ٹھور = جگہ

جب سے یہ زلف ترے مکھڑے پہ دیوانی ہے
بال بال اس کے نصیبوں میں پریشانی ہے
نقش برآب ہے گریہ سے توقع رکھنا
ہاں مگر گھر کے ڈوبانے کو یہ طوفانی ہے
نیند بھر سونا ہوا خلق کو اب خواب و خیال
ہجر کے فیض سے نالوں کی فراوانی ہے
اب تلک نقش دورنگی سے نہیں خالی شیخ
رات دن ہاتھ میں تسبیح (سلیمانی ہے)[1]

تھرتھراتی تھی زباں، دست و قدم لرزاں تھے (۲۵۷الف)
ایسے نامرد سے ہوتا ہے سنا کام کہیں

کروں میں کیوں کہ نظر بند اشک ابتر کو
ڈبائے بیٹھا ہے یہ گھر گیا کہیں گھر کو

چند بند مخمس در ہجو سرداران افاغنہ کٹیہر گفتہ ، یک بند ازاں نوشتہ می شود ، ازوست :

ہے مرہٹے کا شور ، پڑی ہے گی مار دھاڑ
گنگا انہیں ہوئی ہے نصیبوں سے ایک آڑ
سب کی بہادری کو میں دیکھا ہے خوب یار
آتا ہے وقت پھر انہیں سوجھے ہے تب پہاڑ
لاچار سر کو مارتے ہیں کوہسار سے

تمام مخمس او کہ در احوال سرداران کٹیہر گفتہ ، دریں دیار مشہور است :

---

۱ ۔ عبارت قوسین اصل میں نداردورق ۲۵۶ ب کے بعد ایک ورق غائب ہے جس میں شیخ محمد واصل کا انتخاب کلام تھا ۔

(۲۰۳) عزیز

اعزالدین عزیز عثمانی بداؤنی، جوان سعادت مند، طالب علم مستعد، طبع مناسب و موزون و در بهم رسانیدن تاریخ دسترس تمام دارد، چنان چه تاریخ این تذکرهٔ فقیر "حقیقت شعرا"، خوب گفته حق تعالیٰ خوش و خرم دارد - این چند ابیات ازوست :

(۲۵۷ب) یه پسینه تیرے رخسارے کا ہے اے گلعذار
درد کو سینے کے میرے روغن گل کی طرح

قطعه

صبح ہوتے ہی لے کے آئینه
منه لگا دیکھنے وه کافر کیش
میں جو اس دم کیا یه اس سے سوال
میں بھی دیدار پاؤں کچھ کم و بیش
کہنے لاگا سنی نہیں یه مثل
اولاً خویش بعده درویش

مجھ کو پہنچی ہے خبر، سب کی تو لیتا ہے خبر
پس مرے حال سے کیوں بے خبری رہتی ہے

---

(۲۰۴) اسعد

اسعد شخصے است ساکن قصبه جھنجھانه ، یک غزل او بنظر رسید :

جب دیدۂ گریاں مرا تجھ کو نظر آوے
چھاتی تری اے ابر بھلا کیا نه بھر آوے

بوسے میں مزا ہووے گا کیا اس کے الٰہی
دشنام میں جس لب کے مذاقِ شکر آوے
اسعد میں کسی چشم کی فرقت میں موا ہوں
نرگس لیے آوے جو مری گور پر آوے

---

(۲۰۵) معظم

محمد معظم عباسی متوطن بریلی ، جوان قابل ، بردبار ، کم‌سخن بیگانه شعار، در گفتن تاریخ و چیستان و سجع وغیره صناعات مهارتے دارد، چنان‌چه تاریخ وفات (۲۵۸ الف) رفعت و عوالی‌نشان ، معدن سخاوت و شجاعت ، مخزن جود و شهامت ، فتح خان خان ساماں که بعد مرگ هم آثار نیکنامی او بر صفحه دوران باقی گذاشته در بیت سعدی شیرازی بتغیر حرفے خوب یافته :

نمرد آنکه ماند پس از وے بناے
پل و مسجد و چاه و مهمان سراے

و تاریخ تالاب او که در فناء[۱] شهر آنوله واقع است :

آئینهٔ رو نمائی چرخ

و تاریخ دروازهٔ مسجد خان موصوف که در شهر آنوله است در مصرع سعدی نیز تلاش نموده :

فطوبیٰ لباب کبیت العتیق

و تاریخ وفات نواب سعیدالله خاں خلف نواب علی محمد خاں ، که نظیر خود در سخاوت و مروت و جمیع خوبی ها در اهل دول نداشت خوب بهم رسانیده :

---

۱ - فناء بکسر اول = صحن

این همه بے سر و بے پا ز وفاتش گشتند
کرم و بخشش و جود و علم و تیغ و قلم[1]

و هم چنیں صنائع دیگر دارد ، ذهنش بسیار مناسب و سلیم است فاما در استغراق امور دنیاوی (۲۵۸ب) متوجه بایں فن نمی شود - ازوست :

چشم سه کے دور میں شام و سحر هوں بے قرار
مجھ کو کہاں کو چاهیے لیل و نہار هو نه هو

اگر جلنے په پروانے کے ، دل‌سوزی نہیں کرتا
تو کیوں سر کاٹتا هے شمع کا گلگیر کیا باعث
معظم تو کہے تھا دل نه دوں،پھر کیوں‌دیا تونے
عبث ناحق کرے تھا مفت میں تقریر کیا باعث

---

(۲۰۶) حافظ عزت الله عباسی

حافظ عزت الله عباسی سوطن بریلی ، جوانے است نازک طبع، خوش نویس ، ناظم و ناثر ، عاشق شاهد سخن ، مجمع جوهرانسانیت ، متحلّی به زیور قابلیت ، اگرچه موزونیت شعر را نزد خود ننگ می داند فاما بعد سال و ماهے یک دو مصرع فارسی و هندی به تقریبے می رساند - ازوست :

تیری هی کچھ پڑی نہیں یه زلف پیش پا
اهل زمیں پر اتری هے بالا سے یه بلا

---

۱ - فی الاصل = حلم

رباعی

اس گل میں جو ہم نے میرزائی دیکھی
کچھ اور ہی طرح کی دلربائی دیکھی
ہم نامی سے جس کی مصر میں خوبی کے
کرتے یوسف کو بادشائی دیکھی

---

(۲۰۷) جلیس

محمد جلیس متخاص به جلیس ، از سرفاے بلدۂ بداؤں ، جوان اعجوبه عنوان ، در عین عنفوان (۲۵۹ الف) جوانی قدم در میدان تجرد نہادہ و طریقۂ انزوا اختیار نمودہ ، از بسکه ذهن مناسب و حدت طبع دارد ، گاه‌گاه غزلیات ریخته بهم می رساند و اکثر رباعیات مائل به تصوف موزوں می نماید ، فاما به سبب عدم اصلاح استادان و سخن‌وراں و خود پسندی طبعش ، سخن او برتبه نرسیده ، از مدتے باشعرا هم جلیس (کذا) و مدعیِ فقر نیز ۔ این چند ابیات از فیض سخن اوست :

واہ وا جاتے ہو یوں تیوری مرے یار بدل
پیچ دو ہم کو و غیروں سے ہو دستا ر بدل

باؤ بندی کے سوا کچھ نہیں اور کار جہاں
خاک ہو اڑ گیا وہ تخت سلیماں دیکھا

ایک دم ہے زندگی بحر جہاں میں جوں حباب
نقش بر آب ہیں جلیس یا خانۂ برباد ہم (کذا)

رباعی

غیروں سے لڑا کے یہ رنگیلی آنکھیں
کیوں کرتے ہوں ہم پہ لیلی پیلی آنکھیں
جیدھر یہ پھریں کریں ہیں قتل مردم
آفت ہیں غضب تری کٹیلی آنکھیں

---

(۲۰۸) حافظ محمد معتصم عباسی

حافظ محمد معتصم عباسی متوطن بریلی ، جوان حافظ قرآن ، خوش خلق ، طبع موزوں دارد (۲۵۹ب) گاھے یک دو فرد بعد سالے و ماھے می رساند ، یک مطلع ازو یاداست :

کوچے میں جو اس کے کل گئے ہم
کیا پانوں دبے نکل گئے ہم

---

(۲۰۹) عشق

دوست علی عشق از قاضی زاده (کذا) قصبه جلیسر[1] بود ، بسیار جوان قابل ، خوش طبع ناظم و ناثر ، دیوان فارسی ترتیب داده، فاما معنی اشعارش دور از فهم ما ناقصاں است چند سال شد که در مدح بادشاه عالم شاه (کذا) قصیده جشن بادشاهانه گفته ، بطرف دهلی رفته بود که ناگاه دراں جا مارگزید : چوں اجلش نزدیک رسیده بود ، جان بحق تسلیم نمود ، حق سبحانه مغفرتش کند به تحریک ایں راقم الحروف چند غزلیات متفرقه ریخته نیز گفته ـ روزے در قصبه بسولی هم محفل بودیم که ذکر مطلع خواجه میر درد بمیاں آمد :

---

۱ - جلیسر = بروزن منکیتر

گذری شب و آفتاب نکلا
توگھر سے بھلا شتاب نکلا

شاعر مسطور مطلع ہم رسانیده :

مکتب سے جو لے کتاب نکلا
جوں مصرع انتخاب نکلا

در رسانیدن اشعار فی البدیهه ، قدرت تمام داشت ـ حاضر جواب بود و با این جانب (۲۶۰ الف) دوستی دلی داشت این چند ابیات از فیض سخن اوست :

دل ، تاب و نواں ، طاقت و دیں ، صبر و سکونت
سب لوٹ کی ظالم نے یہ بنگاہ کسی کی

قرباں ہے اس کی بانکی نگاہوں پہ جی مرا
پر دل ترے بھی سامنے آنے کو عشق ہے

مانند نشے کے چڑھ کے آخر
نظروں سے تری اُتر گئے ہم

---

(۲۱۰) امام بخش

امام بخش عطار بچه بود در شاه جهان پور ، بسیار جوان وجیه و نهایت حسین ، و معشوق عاشق مزاج اشعار متفرقات او اکثر نزبانی بعضے آشنا بسمع رسیده ، یک فرد ازو یاد دارم :

جوں غنچه اب اُس چمن میں آ کر
کچھ اپنی گره کا کھو گئے ہم

---

(۲۱۱) مفتوں

مفتوں تخلص ، متوطن بلدهٔ لکھنئو ، احوالش معلوم من نیست

یک مطلع او از نظر گذشته ، ازوست :

صبح پر وصل یار کی ٹھہری
آہ پھر انتظار کی ٹھہری

در تتبع ایں ، مطلع بے جان نہایت خوشتر است :

روز گالی و مار کی ٹھہری
واہ کیا رسم پیار کی ٹھہری

---

(۲۱۲) سید غالب علی

سید غالب علی متوطن قصبہ کندرکی[۱] ، مردے بود سپاہی وضع ، (۲۶۰ ب) فاما لباس درویشی بر تن خود اختیار نمودہ ، شوق شکار طائران صید افگن ہم چو باز و جرہ و شکرہ و باشہ برطبعش بدرجہ تمام غالب بود و در فن موسیقی دسترس و قدرت کمال داشت و طبعش بسیار مناسب و درست بود یک فرد او کہ بوقت رقص پری وشے بھکت باز ، در حالت رقاصی گفتہ ، بنظر رسیدہ ، ازوست :

پھنس گیا دل جا کے اس ابروئے بسمہ دار میں
رکھ دیا شیشہ یہ کس طاق طلائی کار میں

---

(۲۱۳) سید محمد زماں

سید محمد زماں ساکن بلدہ امروہہ ، ساعرے است فارسی گو، بسیار خوش فکر و خوش گفتگو ، گاہے بہ تقریبے یک دو فرد ریختہ ازو صادر می شود ، بزبانی اختر برج مروت و اخلاص ، گوہردرج صداقت و اختصاص محب خفی و جلی میاں فیض علی کہ برادر زادۂ اوست

---

۱ ۔ کندرکی بروزن گدرکی ۔

بند اشعار متفرقه بسمع رسیده یک مطلع ازو به تحریر می آید ۔
زوست :

دل تجھ سے جدا ھو کر زلفوں کے پڑا بس ہیں
اب کیوں نہ پریشاں ھو ، ھر ملکے و ھر رسمے

گرچه دریں مطلع در قافیه نقصان صریح است (۲۶۱ الف) فاما چون
مزه درست بسته ازیں سبب معاف داشته باشد ۔ والعلم عندالله ۔

---

(۲۱۴) حیات‌الله

حیات الله ساکن قصبۂ بدایوں ، جوان قابل ، خوش گپ ،
یار باش ، صاحب استعداد عربی و فارسی ۔ گاھے یک دو شعر هندی
طور میر سوز موزوں می کند و با ایں راقم الحروف از قدیم الایام
ربط تام و کمال است ، حق تعالیٰ خوش و خرم دارد ، ازوست :

کچھ تو ایدھر بھی پھینکنا پیارے
کوئی عشوہ ھی ، ابرواں کی خیر
یا کوئی بوسہ فی سبیل الله
بھیجنا دوست اپنی جاں کی خیر

---

(۲۱۵) عشرت

عشرت مردے است عجیب و غریب ، از ملازمان سرکار
نواب محمد یار خاں ، طبع موزوں دارد ، فاما معنی اشعارش دور
از خیال عاقلاں ، معهذا غرهٔ شاعری در دلش به سبب حمق ذاتی
چناں ، که هم چو خود کسے را نه پندارد و از سامعاں منتظر تحسین
می باشد ، و اگر از راه استهزاء از زبان کسے تحسین بر می آید ،
به‌سبب عدم امتیاز تعریف و تمسخر در پیرهن نمی‌گنجد ۔ تحفه معجونے

که قابل مضحکه(۲۶۱ب) امرا و خلف رشید انگرلیس می توان گفت، از مضحکات او یک فرد یاد آمد :

عشرت کا سخن سرو چمن سے بھی ہے بلند
انصاف کرو یارو نہیں تاڑ میں تڑ بینگ

خدا داندکه چه معنی اراده نموده است ، این چنین شخص مہمل گو تا حال بنظر نیامده ، قابل زیارت است ۔

---

(۲۱۶) گوهری

گوهری قوم کایتھ ساکن بلدۂ بدایون ، طبع موزون و مناسب داشت و بطرز ولی دکھنی می‌گفت ، در اوائل مشق و ابتدا ے جوانی کار او بآخر رسید ، اگرچه بظاهر مشرف اسلام نشده بود فاما کلمۂ توحید و دیگر عقائد اسلام اکثر اوقات بر زبان او می آمد و در جناب محبوب سبحانی ، قطب ربانی ، حضرت غوث الاعظم گیلانی رسوخیت و اعتقاد تمام داشت ، شاید که از یمن توجہش ناجی شده باشد دیوان ضخیم پر از رطب و یابس دارد ، این چند ابیات او که بنظر رسیده ، قلمی می گردد ، ازوست :

باغباں تجھ کو بھی گر چھوڑوں پشیماں تو سہی
لا خزاں کی فوج لٹواؤں گلستاں تو سہی

(۲۶۲الف) آہ سے گردوں کا سینہ چاک کردوں تو سہی
اخگر خورشید کو بھی خاک کردوں تو سہی
اس زمین کے تئیں که جس میں دفن کرتے ہو مجھے
آہ کے دے کر ستوں ، افلاک کردوں تو سہی

روبہ‌رو پلکاں لگے مت جا ، بس کے بالوں کو نہ چھیڑ
آفت آوے گی تو ان زنبور خانوں کو نہ چھیڑ
آخر اس کے ہاتھ سے اے گوھری مارا پڑا
میں نہ کہتا تھا کہ ان بانکے پٹھانوں کو نہ چھیڑ

میں کہا : اے غنچہ لب آفت ہے تجھ مسکان میں
ان کہا ، سچ کہہ ، خدا کی سوں ، دھن یا پان میں
میں کہا : تیری گلی میں ہے گذر میرا مدام
ان کہا ، بلبل کو لازم ہے گذر بستان میں
میں کہا : مارے اگر تجھ کو تو کے ھتھیار لے
ان کہا ، اے گوھری ، اک غمزۂ فتان میں

در مدح غوث الاعظم گفتہ

ہے مرے جی میں ، جگر میں، دل میں ، تن میں، روح میں
اس مبارک قبلہ و پاکیزہ داماں[1] کی ثنا
کہہ نہیں سکتا ہے اے مرشد تصور عقل سے
گوھری تیرے مریدوں کے غلاماں کی ثنا

---

(۲۱۷) نیازی

نیازی تخلص ، بطرف ضلع پورب (۲۶۲ب) شنیدہ می شود ، خداداند کہ از کجاست ، چند ابیات او بنظر رسیدہ ، ازوست :

زلف کو عارض دلبر پہ پریشاں دیکھا
روز اور شب کو بہم دست و گریباں دیکھا

---

۱ - فی‌الاصل : دینا

اٹھ گیا سر کو پٹکتا مرے بالیں سے طبیب
کیا کرے ایک بھی جینے کا نہ ساماں دیکھا

(۲۱۸) مولوی مظہر علی

مولوی مظہر علی متوطن جوار گوپامئو ، مرد فاضل ، از مدتے به سبب رسیدن زخم شمشیر بر پیشانی ، بصارت او رفته است مطلع او بسمع رسیده ، ازوست :

سر په بوندی وار چیره سج ، مجھے مفتوں کیا
ھائے اس کافر بندیلے نے مرا دل خوں کیا

(۲۱۹) غلام حسن

غلام حسن جوانے به خلق پیراسته ، از احفاد سید شاه حسین ترمذی سرهندی ، طبع مناسب و موزوں دارد چند اسعار بزبانی او بسمع رسیده ، ازوست :

اس ترے تیر نگه نے جسے مارا ظالم
پھر کبھی اس کے تئیں میں نه سنبھلتا دیکھا

اے جان ، مری جان ، تری جان کے صدقے
جس دھج سے تو آتا ھے میں اس آن کے صدقے
(۲۶۳ الف) کیا جان کے گالی مجھے دیتا ھے تو ظالم
شاباش ھے تجھ کو ، تری پہچان کے صدقے
لیلیٰ نے کہیں توڑا تھا لے کاسۂ مجنوں
کہنے لگا وہ اپنے قدردان[1] کے صدقے

۱ - قدردان ، بفتح دوم نظم هوا ھے۔

(۲۲۰) گوپال ناتھ

گوپال ناتھ پسر راجا رام ناتھ بقال اگروال ، کہ از دیوان
الصۂ بادشاہی است ، جوان خوبصورت خوش خلق و خوش سیرت
لبع موزوں دارد ، یک مطلع او کہ در تتبع غزل مرزا رفیع السودا
گفتہ ، بہم رسیدہ ہر دونگاشتہ می شود ، ازوست :

تری تقصیر ہم نے کون سی اے یار ایسی کی
کہ یوں دل لے کے تو نے دشمنی یک بار ایسی

ز مرزا رفیع است :

تری آنکھوں نے نرگس سے چمن میں یار ایسی کی
کہ بچتی ہی نظر آتی نہین ، بیمار ایسی کی
وفا کا اگلی شاکر ہوں ، جفا کا اب کی شکوہ کا
بہت روزوں جو ویسی کی تو دن دو چار ایسی کی

---

(۲۲۱) حسرت

احمد علی حسرت برادر صغیر حکیم محمد کبیر موصوف ،
بوان خوش خلق ، در علم حکمت دسترس دارد ، دیوان ریختہ
رتیب دادہ ، طبعش موزوں است ، این چند ابیات انتخاب دیوان
یست :

شاید وہ شوخ آج پھر اغیار پاس ہے (۲۶۳ب)
جو دل پر اضطراب ہے اور جی اداس ہے
مدت سے ڈھونڈتا ہوا پھرتا ہوں دل کو میں
ھنستا جو تو پھرے ہے ، مگر تیرے پاس ہے

تمھاری قدر[۱] لوگ کم جانتے ھیں
جو تم ھو پیارے سو ھم جانتے ھیں

یہ چیز تو نہیں ھے پھینٹے کا سرخ سجنا
کس کا یہ خون قاتل سر پر ترے چڑھا ھے

---

(۲۲۲) دل

محمد عابد متخلص بہ دل ، مردے است قابل و فاضل متوطن عظیم آباد ، دیگر بر احوالش اطلاعم نیست این چند ابیات ازوست :

بوسہ طلب کیا تھا میں با وفا سمجھ کر
تم نے جو گالیاں دیں ناحق، سو کیا سمجھ کر

اس کو بھی شوق ، مجھ کو بھی یاں اشتیاق ھے
پر اب تلک ملے نہیں یہ اتفاق ھے

اغیار چھوڑنے کے نہیں بد شعاریاں
جب تک کہ ایک دن نہ چلیں گی کٹاریاں

تو جو کہتا ھے عشق سے آ باز
کون عاشق ھے اے غریب نواز

غلطاں ھیں مرے دیدۂ گریاں کے موتی
لیتی ھے اٹھا خلق جیسے جان کے موتی

---

۱ - قدر بروزن نظر ، نظم ھوا ھے ۔

مشہور ترا حسن انہیں اور بھی کرتا (۲۶۴ الف)
گر شمس و قمر ہوتے ترے کان کے موتی

اس دل کے پار کس کی نگہ کا خدنگ ہے
آنسو جو دیکھتا ہوں تو لوہو کے رنگ ہے

جو داربان[1] نے ترے ، میری آستیں پکڑی
بہ‌رنگ نقش قدم میں نے بھی زمیں پکڑی

---

(۲۲۳) جوشش

محمد روشن جوشش برادر خورد دل است ، این چند ابیات دال‌بر جوشش دلئی اوست :

مرنا تو بہتر ہے کہ مر جائیے
دل سے کسی کے نہ اتر جائیے

دن میں سو سو بار تیرے کوچے میں آنا مجھے
اس میں سودائی کہے یا کوئی دیوانہ مجھے

ہزار پیار کرے گا ہزار چاہے گا
مری طرح نہ کوئی تجھ کو یار چاہے گا

ہجوم عاشقاں دیکھوں ہوں اپنے یار کے در پر
مجھے چلتی نظر آتی ہے اب تلوار آپس میں

---

۱ - داربان ، باضافۂ الف (دربان)

اٹکلا[1] سنگ آستانۂ یار
اپنی لوح مزار کی خاطر
بے مروت، مجھے عزیز ہوئی
تیری خاطر، مزار کی خاطر ہے

ہم گئے کبھی نہ کعبہ، نہ لی راہ دیر کی
جس وقت وحشت آ گئی، صحرا کی سیر کی

گو ہاتھ نہ آویں مرے نیسان کے موتی
ہیں اشک ہی مجھ بے سرو سامان کے موتی (۲۶۴ب)

مرے جب تک کہ دم میں دم رہے گا
یہی رونا، یہی ماتم رہے گا
کہاں تک یہ غرور حسن ظالم
ہمیشہ کیا یہی عالم رہے گا

کیا بہار حسن پر موقوف میرا عشق ہے
جب تلک جیتا ہوں، میں ہوں اور تیرا عشق ہے

ایک بوسہ جو لب سے دو گے تم
اے مری جان مول لو گے تم

---

(۲۲۴) رند

رند تخلص جوانے است صاحب جمال، باکمال، متوطن

---

۱ - اٹکلا = نکلا

شاہ جہان آباد ، یک فرد او بسمع رسیدہ : ازوست

بے پر و بال ہی رہنے کا خیال اپنا ہے
مور کی طرح پر و بال وبال اپنا ہے

---

(۲۲۵) شورش

میر بھینا شورش متوطن عظیم آباد ، مردے است حریف و ظریف ، چند ابیات او بنظر رسیدہ ، ازوست :

پڑا بدمست سوتا ہے ، اٹھائے جس کا جی چاہے
ادب مانع ہے ، جا اس کو جگائے جس کا جی چاہے

قافلہ جاتا رہا ، تو رہ گیا
اٹھ کھڑا ہو بے خبر سوتا ہے کیا

---

(۲۲۶) سلیم

میر سلیم اللہ شاہ جہان آبادی طبعش سلیم و ذہنش مستقیم ، یک فرد او بسمع رسیدہ :

(۲۶۵ الف) سلیم تو نے جو قاتل کو دی مبارک باد
ہلال عید مگر تیغ کو خیال کیا

---

(۲۷) خواجہ امین الدین

خواجہ امین الدین شاعر زبردست فارسی گو ، متوطن کشمیر از چندے در عظیم آباد استقامت دارد این چند ابیات ازوست :

پردے سے جو وہ شہرۂ ایام نکلتا
تب دیکھتے خورشید کا یہ نام نکلتا

صبح اور شام سب جاتا ہے
آئیے آئیے جو آتا ہے

چشم گریاں کی دیکھنا خوبی
ساتھ اپنے مجھے بھی لے ڈوبی

آئی بہار ہوگئے ہر خار راہ سبز
لیکن ہوا نہ آہ یہ بخت سیاہ سبز

---

(۲۲۸) بجے سنگھ

بجے سنگھ کھتری، ساکن شاہ جہان آباد، جوان قابل، خوش‌نویس، از رفقاے اکبر علی خاں خسر پورۂ بادشاہ، یک فرد او بسمع رسیدہ:

ایک دن دیکھی تھی وہ نرگس شہلا ہم نے
اب تلک شوق میں اس کیفی کے مدہ ماتے ہیں

---

(۲۲۹) شائق

نذیر الدین شائق سرھندی، ابن غلام‌محی‌الدین اویسی موصوف، جوان سعادت مند، طبع موزوں دارد، ازوست:

ھجراں میں تری، لاکھ ہوئے جان کے ٹکڑے
دیدار دکھا اب تو، مری جان کے ٹکڑے
(۲۶۵ب) گلشن میں اگر ناز سے ہووے وہ خراماں
غنچے بھی کریں اپنے گریباں کے ٹکڑے

یہ دل ہے بے سروسامان تجھ بن
پہنچ او لٹ پٹی دستار والے
نہ ہو اس حسن پر مغرور اے گل
یہ سن لے : ہر کمالے را زوالے
لگے بے طرح دل پر داغ ہجراں
پڑے ہیں مجھ کو اب جینے کے لالے
کبھی تو وصل کا وعدہ وفا ہو
کہاں تک دو گے جاناں ٹالے بالے
اگر شائق تو چاہے لذت عشق
بتوں سے بھاگ اور راہ خدا لے

باری مرے طالع کی تو اب دیکھ نجومی
کس چاند میں مہ رو سے ملوں گا تو بتا رے
آرے بھی چلے غم کے ترے عشق میں سر پر
جاں آئی بہ لب اب تو مرے پاس تو آ رے

---

(۲۳۰) شہید :

سیدی سندی سید محمد شہید متوطن شاہ جہان آباد ، از فرزندان سید محمد قنوجی ، این چند ابیات انتخب دیوان او کہ دال بر موزونیت و رسائی طبع اوست :

کیا ہے خوبرویوں پر بحل دل نے مرے خوں کو
شہید آ گو مرے مت نام لے ایسے اسادی کا

آتا ہے مجھ پہ درد کو بے اختیار درد (۲۶۹ الف)
روتا ہے دیکھ حال مرا زار زار درد

چھاتی امڈ چلی ہے ترے ماجرے کو دیکھ
میرا بھی گوش دل سے سن اے آبشار درد

بار سے پھولوں کے اپنا سر فرو لاتی نہیں
دیکھ کر اس ساعد گلگوں کو شرماتی ہے شاخ
شوق میں تیری ہم آغوشی کے اے نازک نہال
ہر گھڑی خمیازہ لے کر ہاتھ پھیلاتی ہے شاخ

تیرے قامت پہ در افشاں ہوں کہاں تک آنکھیں
مایہ درکار ہے اس مصرف بالائی کو

تسبیح لے کے شیخ بتاں کی طرف نہ تک
سر رشتہ اپنے ہاتھ میں رکھ بے حیا ، نگاہ
دیتا ہوں انتظار میں وعدے کے کیوں کہ جی
اس وقت تو ٹک آ کے کر اے بے وفا نگاہ

خوش کہاں اس طور آتی تھی یہ رسوائی مجھے
کردیا لیک اس دل وحشی نے سودائی مجھے
میں نہ دیتا بلبلوں کے آشیاں ہونے خراب
کچھ بھی ہوتی باغباں سے گر شناسائی مجھے

---

(۲۳۱) شیفتہ

حافظ بدھا شیفتہ تخلص ، از نجباء و روساء قصبہ تھانہ ، مردے است مہذب صورت ، پاکیزہ سیرت ، بہ تہذیب اخلاق آراستہ و بحلیۂ جواہر قابلیت پیراستہ ، در نظم و نثر و فن (۲۶۶ب)

تیراندازی و بانک و پٹه ، مهارتے تمام دارد و در غزل ریخته تلاش معانی تازه می نماید ذهنش بسیار رسا و فکرش نهایت بجا ، اکثر برحال این عاصی شفقت می فرماید ۔ پیشتر اکثر مسودات او برباد رفته ، دریں ایام چند غزلیات که به تحریک بعضے یاران خصوصاً این هیچمداں به تحریر آورده، پارهٔ اشعار ازاں انتخاب نموده نوشته می شود ، این چند اشعار دال بر جودت طبع رسائے اوست ۔ ازوست :

دل سے سب دور کیا فکر ، غم و شادی کا
چشم بد دور ، میں مرهون هوں آزادی کا
جادهٔ راه عدم اگلے ترے کوچے سے
رتبه پهنچا هے کہاں تک تری جلادی کا

اس شوخ سے مری جو کسی نے چلائی بات
کہنے لگا که اپنی کہو یا پرائی بات
منصور سے بهی هو نه سکا ضبط سرّ حق
سر دے چکا ولے نه تهمی منه په آئی بات
باتوں میں جانیں جاتی هیں عافل که کوه کن
سنتے هی مر گیا وه کسی کی بنائی بات
ایسے تو هم بگڑتے نه تهے بات بات پر (۲۶۷ الف)
سچ کہیو آج کس نے تمهیں یه سکھائی بات
تشهیر خلق تجھ سا بهی هے شیفته کوئی
شرم و حیا کی دل سے تو نیں سب اڑائی بات

گر دل اس آه رسا کو آسماں فرسا کرے
عالم ملکوت[1] میں کیا کیا ته و بالا کرے

---

۱ ۔ ملکوت بسکون دوم نظم هوا هے ۔

جیب چھٹ اپنے، نہ پہنچا یار کے داماں تلک
ایسے دست نارسا کو ہائے کوئی کیا کرے
ماہ نو سے خوش نما تر ہے ہر اک کی آنکھ میں
جو کوئی ناخن کہ عقدے مشکلوں کے وا کرے

سر کو جھکایا ہم نے سو بار تا بہ گردن
لیکن تری نہ پہنچی تلوار تا بہ گردن
ہے کس کے آج ظالم پھر قتل کا ارادہ
ہر دم جو تولتا ہے تلوار تا بہ گردن
اودھر تو زلف و کاکل دل کو لپیٹتے ہیں
ایدھر یہ لٹ پٹی ہے دستار تا بہ گردن
گر تجھ کو امتحاں ہی منظور ہے تو ظالم
کس دن کیا ہے ہم نے انکار تا بہ گردن
ساقی یہ آرزو ہے اس شیفتہ کو مے سے
مینا کی طرح کر دے سرشار تا بہ گردن

۲۶ب) شاہیِ حسن مسلم ہے بتاں، راج کرو
پر یہ دل ملک تمھارا ہے نہ تاراج کرو
خواہش تخت رکھو، یا طلب تاج کرو
دوستو ہیچ ہے سب، فکر شب داج کرو
دختر رز کو بھری، بیٹھے ہو محفل میں لیے
مے کشو ناک کی حرمت کی تو کچھ لاج کرو
شیفتہ، جانو ہو درپیش سفر ہے کل کو
زاد کی فکر جو کچھ کرتے ہو سو آج کرو

دم بہ دم گھر سے نکل آنے میں وہ بے باک ہے
ڈر ہے چشم زخم کا ، عالم کی اس پر تاک ہے

رخ سے جس وقت وہ برقع کو اٹھا دیتا ہے
رنگ کچھ اور ہی عالم کا دکھا دیتا ہے
بعد گریے کے مناسب ہے اگر آہ کروں
جنس بھیگی کو ہر اک شخص ہوا دیتا ہے
شب کہاں تھے، کہ جو ہیں چشم خمار آلودہ
کسمساٹ آپ کا کچھ اور پتا دیتا ہے
شمع رو ، گرمیِ صحبت یہ نری غیروں سے
ایک شعلہ ہے کہ بس دل کو جلا دیتا ہے

قطعہ

ضعف خلقت پہ یہ انساں کا تحمل[1] یارو
سن کے سو بات ، ووہیں دل سے بھلا دیتا ہے
دیکھیو اتنی جسامت پہ تنک ظرفیٔ کوہ
جو کہ تم اس کو کہو ، ووہیں سنا دیتا ہے

ہیں گراں اپنے جو اب یار کی ہم چشموں میں (۲۹۸ الف)
کیا سبک پاتے ہیں ہم آپ کو ہم چشموں میں
کیا بلا سحر تھا اس چشم میں ، کرتے ہی نگاہ
دل ادھر تڑپے ہے اور اشک ادھر چشموں میں
ایک تجھ کو ہی نہیں قدر ہماری بے قدر
ورنہ جا پاتے ہیں سب اہل ہنر چشموں میں

---

۱ - فی الاصل : تجمل -

ھو کے عالم سے جدا ، تجھ سے ھوں یک رنگ ولے
ھے دورلگی ھی تری سام و سحر چشموں میں

ھے خون کسی سوختہ دل کا ترے لب پر
سودا ھے جو کہیے کہ یہ مسّی کی دھڑی ھے
ھر عضو جو گل دستہ سا آتا ھے نظر میں
یارو یہ کوئی قد ھے کہ پھولوں کی چھڑی ھے

---

(۲۳۲) عزیز

واحد علی عزیز شاہجہان پوری، جوانے است قابل و در علم رمل نہایت کامل - شعر فارسی و ھندی ھر دو می گوید و در علم طبابت نیز دخلے دارد فاما از اخلاق نصیبے ندارد ، این چند ابیات او بنظر رسیدہ ازوست :

نگار سے جو ھمارا سلام کہتا تھا
سو اپنی چاہ کا پہلے پیام کہتا تھا

(۲۶۸ب) جو ھوس ھے دل حیراں کی سو سب کرتے ھو
پر غضب ھے یہی ناحق جو غضب کرتے ھو
بے گنہ مجھ پہ رقیبوں کے بھڑانے سے عزیز
نہ کیا جو کہ کبھی تم نے سو اب کرتے ھو

---

(۲۳۳) اعلیٰ علی

اعلیٰ علی ، خلف رشید میر ولایت اللہ خاں کہ برادر کلاں محتشم علی خاں حشمت مسطور بود ، جوانے است قابل ، طبع مناسب دارد و اکثر ریختہ شعرا در مخمس تضمین می نماید و غزل ھدایت مسطور را در مخمس تضمین نمودہ ، یک بند آن یاد است :

کبھی جو کلبۂ احزاں میں میرے آتے ہو
عجب طرح سیتی آنکھیں ہمیں دکھاتے ہو
یہ تیغ ابرو سے اپنی کسے ڈراتے ہو
گھڑی گھڑی ہمیں کیوں اتنا آزماتے ہو
میاں یہی نہ کہ مر جائیں گے ، سو کیا ہوگا

نہ چھوڑا میں جھنجھلا کے تار گریباں
رہے تا نہ گردن پہ بار گریباں

---

(۲۳۴) مرزا فدوی بیگ :

مرزا فدوی بیگ[1] ، در بلدۂ عظیم آباد عرف پٹنہ ، شنیدہ می شود کہ طبع عالی و فکر رسا دارد یک فرد او بزبانی بعضے یاراز بسمع رسیدہ ، ازوست :

ساتھ پھرتے ہیں بہت مائل لگے
دیکھتا کیا ہے، مرے قاتل ، لگے

---

(۲۳۵) نثار

ملا منو نثار ، تخلص ، (۲۶۹الف) از متوطنان شاہجہان پور طبع موزوں داشت ، مدتے سد کہ ازیں جہان فانی در گذشتہ ، بزبانی برادر کلاں او کہ شاہ عبدالرحمان است یک فرد بسمع رسید، ازوست :

آنسوؤں کے در نکلتے ہیں نثار
چشم ہے میری کہ موتی جھیل ہے

---

۱ - فی الاصل : مرزا فدوی لٹ ۔

(۲۳۶) ولی الله

ولی‌الله ، ساکن قصبهٔ مندیله ، جوانے است مجنون وضع ، طبع شور انگیز دارد و سخن او خالی از درد نیست ، روزے باهم اتفاق صحبت سیر افتاده بود که ناگاه از راه دو برادر پری طلعت بلباس فاخره ، دو چار شدند ، فی البدیهه بیتے رساند ، ازوست :

جاتے هیں جس طرف کو ، لوگ ان کو گھورتیں هیں
دیکھو یه دونوں بھائی کیا خوبصورتیں هیں

---

(۲۳۷) شاه ظهور الله

شاه ظهور الله ، ساکن مندیله ، مردے است رند مشرب ، لامذهب ، باکسے کار ندارد ، اکثر سخنان موحدانه بزبان او صادر می شوند ، گاهے در جوش جنون یک دو مصرعه موزون ، غیرموزون می رساند ، از واردات طبع اوست :

جز دوست دل کے بیچ مرے ماسوا نہیں
صد شکر مجھ میں غیر کی هرگز هوا نہیں (۲۶۹ب)
دیکھا تجھی کو دوست، میں‌آنکھوں کوکھول‌موند
تیرے سوا درون و برون دوسرا نہیں

---

(۲۳۸) حسینی

محمد ماه حسینی ساکن مارهره ، جوانے است خوبصورت ، درویش سیرت ، بسیار جهاندیده ، از قید مذهب و مشرب رمیده ، همیشه در وادی غربت سرگرداں و خانه بدوشی را خانهٔ خود مقرر کناں ، در سیر تماشاے جهاں می ماند ، اگرچه مرید شاه برکت‌الله[۱] بلگرامی است

---

۱ - فی الاصل : برکات الله ـ

فاما اکثر اوقات سخنان موحدانه از زبانش بر می آیند که درفهمید ما مردمان نا فہم نمی آیند ـ خوب است مارا باینہا چه کار ـ طبع موزون دارد و دیوان ضخیم ترتیب داده ، فاما از صحت الفاظ خبر ندارد ـ ازوست :

جب سے دیکھی ہے تری بالی بلا کان کے بیچ
تب سے اے جان مری جان نہیں جان کے بیچ

ـــــــ

ہوا سر سبز ہے گھٹا چھائی
جام ساقی پلا ، بہار آئی

ـــــــ

کبھی آنکھوں سے دور نم نہ ہوا
اشک خونیں جگر سے کم نہ ہوا
ایسی کیا زندگی کریں گے یاد
ٹک بھی آرام ایک دم نہ ہوا
سرو قمری کو سر پہ بٹھلا کر (۲۰۷الف)
کچھ بلندی سے اپنی کم نہ ہوا
تیرے پانوں تلک بھی اے ظالم
سر حسینی کا ہائے خم نہ ہوا

ـــــــ

(۲۳۹) واقف

واقف تخلص ، از احوالش خوبتر واقف نیستم که از کجا بوده ، چند ابیات او بسمع رسیده ـ ازوست :

دیکھ قاصد کو جو وہ شاد ہوا ہووے گا
پہلے دشنام ہی ارشاد ہوا ہووے گا

ہم اسیروں سے کوئی جور تو معلوم مگر
بیشتر نالہ و فریاد ہوا ہووے گا
اول مشق ادا ، باندھے نہے رستے قاصد
اب توکیا بات ہے، اسناد ہوا ہووے گا
جب نہ تب حق میں مرے لطف و کرم کے بدلے
کوئی سم تازہ ہی ایجاد ہوا ہووے گا
کہتے ہیں، مر گیا بے یار، کوئی واقف نام
دوستاں ، غم سیتی آزاد ہوا ہووے گا

---

(۲۴۰) پاک باز

پاک باز تخلص سخصے است حسن پرست ، پاک از ، معلوم نیست که از کجاست ، دو فرد او بسمع رسیده ، ازوست :

تلوار و ڈھال کیوں کہ کریں ایک دم جدا
اس عاشقی میں رکھتے ہیں بہتوں سے لاگ ہم

(۲۷۰ ب) چھوڑ دے گھر سے نکلنا ورنہ اے کافر ادا
آج کل تلوار چلتی ہے تری رفتار پر

---

(۲۴۱) والی

شرف الدین رام پوری والی تخلص ، ساعر فارسی گو ، گاہے ریختہ نیز بہ تقریبے بہ طریق ابرو می گوید ۔ دو فرد ہندی او بہم رسیدہ ۔ ازوست :

اس زلف حلقہ وار کو چھوٹا نہ چاہیے[1]
بے طرح کاٹتا ہے بچا سنگ چوڑ کا (کذا)

---

۱ ۔ اصل : چاھیے۔

مت دے بوسہ گو ، پھرا جا ہے رقیب
کیا ہوا ، پھر آ رہے گا چوم کر

---

(۲۴۲) فرزند پیر دستگیر محمد نصیر

فرزند پیر دستگیر محمد نصیر جوان خوش عنوان ، خوش‌رو و خوش گفتگو ، اهل درد ، ظاهرش به‌کمال تهذیب آراسته ، متوطن قصبهٔ جلیسر ؛ اکثر اشعار باواز حزین و درد ناک می خواند و در خواندن بے اختیار اشک جاری می ساخت ـ با این راقم الحروف نیز آشنا ست ، بسیار مهربانی و شفقت بر حال این خاکسار می فرماید بعد سالے و ماهے فردے می رساند ـ از فیض سخن او یک مطلع یاد دارم :

یہ اشک مسلسل ہی رہے تار نہ ٹوٹے
اے چشم مری ، موتیوں کا ہار نہ ٹوٹے

و بعضے گویند که این مطلع از کسے شاعر (۲۷۱ الف) دیگر متوطن پورب است ـ

---

(۲۴۳) محمد صلاح

محمد صلاح (نبیرهٔ محمد افضل اله آبادی)[۱] جوانے بود ، صالح ، فاضل ، مستعد ، متوکل بهره وافی از درویشی داشت و در عملیات و تسخیر بے بدل بود ـ اکثر مردمان و مرداران شهر به خدمت او می آمدند فاما جز یاد الٰهی با کسے کار نداشت و در فرخ‌آباد وطن اقامت گرفته بود ، همان جا در گذشت حق تعالیٰ غریق رحمت کند ـ شعر ریخته بطرزے که می گفت به تحریر می آید :

---

۱ ـ عبارت بین القوسین اضافه بر حاشیه ـ

کیا صلاح وقت ہے جا میرزا مظہر سے پوچھ
ہم نے کی ہے توبہ اور دھومیں مچاتی ہے بہار

جنگ کا قصد نہ کر ہم سے ، نہ ٹھہرے گا رقیب
آہ کے سانگ کی جس وقت لگیں گی ہولیں
وحشی عشق کی کیا پوچھتے ہو خیر و صلاح
ڈالتے ہوں گے کسی دشت میں سر پر دھولیں

مرے اس درد دل کہنے کے صدقے
ترے سن سن کے چپ رہنے کے صدقے
بڑے بے درد کے پالے پڑا ہے
ارے دل تیرے دکھ سہنے کے صدقے

---

(۲۴۴) جولاں

جولاں در سرکار دیوان کانهه مل برائے تعلیم پسر او نوکر بود، احوالش مفصل (۱۷۲ب) معلوم من نیست ، این بیت دال بر جولانئی طبع اوست :

کیا مصیبت زدوں کا جینا ہے
سیکڑوں داغ ایک سینا ہے

---

(۲۴۵) دیدار

دیدار بخش دیدار مردے است حریف و ظریف ، لطیفه گو ، یار باش ، مرثیه خوان ، ماهر فن موسیقی طبع موزوں دارد ، از فیض سخن او یک فرد بگوش خورده :

۷ ہوا ہے دل مرا گم مانگ میں ڈھونڈ ہوں کدھر[1]
اب آدھی رات ایدھر ہے اور آدھی رات ہے اودھر (کذا)

---

(۲۴۶) مہاراجہ

راجا بلاس رائے پسر دیوان مان رائے مہاراجہ تخلص ، شخصے است صاحب اقتدار عالی ہمت ، از شاگردان حسن علی شوق مسطور است ، طبع موزون و مناسب دارد ، از چند روز مشق سخن می کند ۔ چند بت او بسمع رسیدہ ازوست :

اس واسطے کسی کی نہ تجھ کو نظر لگے
انجم بنے سپند و بنا مجمر آفتاب
سن کر ترے جمال کو اب ڈھونڈھتا پھرا
لے کر سحر سے شام تلک گھر گھر آفتاب
یاں تک ہے تیرے چہرے کا اب دل میں اس کے رشک
. . . . . . آتش میں جل کر آفتاب (کذا ۲)

---

(۲۴۷) رنگین

لالہ ہلاس رائے (۲۴۷ الف) برادر خرد مہاراجا موصوف ، ساکن چکلہ بریلی ، جوان خوب صورت ، خوش سیرت ، صاحب

---

۱ ۔ یہ آوارہ گرد اسعار میں سے ہے اور کم و بیش ایک درجن شاعروں سے منسوب ہوا ہے ، یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ دیدار کا زائیدۂ فکر ہے ۔ اس کی صحیح سکل یہ ہے :

ہوا ہے دل مرا گم مانگ میں اب ڈھونڈھوں کدھر
کہ آدھی رات ادھر ہے اور آدھی رات ادھر

۲ ۔ اصل کے علاوہ ن ۲ و ن ۳ میں بھی اسی طرح

اقتدار اما بموجب ایں مثل ، اونچی دکان پھیکا پکوان ، بسیار بے فیض و نا قدردان ۔ دیوان ریختہ ترتیب دادہ فاما اشعارش خالی از لطف معانی و شاعری است ، ایں چند ابیات انتخاب دیوان اوست :

اس اندھیرے میں جو تو گھر سے نکالے ہے مجھے
یہ تو بتلا کہ میں اب جاؤں کدھر آخر شب

چھب مرے یار کی جس وقت تو دیکھی زاھد
ووھیں بھولے گا وظیفہ شب آدینہ کا
طاق ابرو میں ترا شیشۂ دل ھے رنگین
نقش اورنگ میں بھی کام چلا مینہ کا

ٹک اس سپاھی زادے کی تصویر دیکھنا
کھینچے ھے کس ادا سے وہ شمشیر دیکھنا
رنگین اب تو گالیاں کھاتی تھیں سہہ چکا
آگے جو کچھ دکھاوے گی تقدیر دیکھنا

غیروں کے پاس جانا ھم سے کبھی نہ ملنا
(۲۷۲ ب) افسوس ھے تو یہ ھے ارمان ھے تو یہ ھے

میں تیرے ظلم کو دیکھے ھوئے کہتا ھوں اے ظالم
جو بر تقدیر تو میرا خدا ھوتا تو کیا ھوتا

پہچان لیجو مشہد رنگین کو اے صبا
اٹھتا ھے اس کی خاک سے اب تک غبار سرخ

---

(۲۳۸) قلندر

قلندر فقیرے است سیاح ، اکثر در نواحی فرخ آباد اقامت دارد

دیوان ریختہ ترتیب دادہ ، این چند ابیات از فیض سخن اوست ،

قلندر عاشقی میں اعتبار البتہ لازم ہے
پریشانی ہماری دیکھ اس ظالم کو عار آئی

اس قدر نادان نہیں ہیں ہم کو دل باتوں میں دیںھ
عمر گذری ہے میاں تم ہی سے عیاروں کے بیچ

قلندر وقت مرنے کے جو یار آیا تو کیا حاصل
جو ساری عمر یوں گذری تو یہ بھی دن گذر جاتا

قلندر اب کے فقیروں سے خوبرو بہتر
نگاہ گرم کریں جس اوپر وہیں حق ہو

---

(۹۴۹) بشیر احمد سرهندی

بشیر احمد سرهندی از احفاد شیخ احمد سرهندی نوراللہ مرقدہ مردے است مہذب صورت ، پاکیزہ سیرت ظاهرش بکمال آراستہ ، در اکثر فنون فارسی و عروض (۲۷۳الف) و رمل و نجوم و موسیقی مہارت پیدا کردہ ، بسبار سخت فہم دقت پسند ، گاہے یک دو ریختہ نیز بہ تحریک یاران موزون می کرد ، این چند ابیات ازوست :

رونق ہے غم کی ہم سے کہ گلشن میں دهر کے
جوں سرو سر بلند میں آہ کشیدہ ہوں

موج آب زندگی ہے جوهر تیغ نگاہ
دے کے سر لے لیجیے یہ آب حیوان پھر کہاں
جب تلک ہے تو کمند زلف مشکیں کا اسیر
خواب راحت کر لے یہ شام غریبان پھر کہاں

عاقلوں کی مت نصیحت مان اے شوریدہ سر
سلطنت اپنی لہ کھو یہ لوح طفلاں پھر کہاں

---

(۲۵۰) احمدی

شیخ احمد ساکن غازی پور زمانیہ ، از شاگردان مرزا رفیع السودا ، متخلص به احمدی ـ این چند اشعار از وارادات طبع مناسب اوست :

اس باغ سے اب جاتے ہیں با دیدۂ تر ہم
شبنم کی طرح پھر نہیں آنے کے نظر ہم
سچ کہیے تو سب گھر میں تھے کس کے کہ سحر تک
مایوس ہی باہر رہے جوں حلقۂ در ہم
کہتا ہے لکھوں یہ بہ سر تربت مجنوں
(۲۷۲ب) تو مر گیا صحرا میں رہے خاک بسر ہم
محفل میں تری جمع تھے عشاق کے حلقے
لہرائی ادھر زلف آدھر ہوگئے برہم

اے عشق یاں تلک مجھے لے جا تو ہوش سے
گر جائے تا یہ بار خودی اپنے دوش سے
تار نگاہ خون میں تر ہوگئے تمام
شاید لڑی ہے آنکھ کسی سرخ پوش سے

مر دم ترے جمال پہ جب چشم وا کریں
آنکھیں اٹھا کے پنجۂ مردم دعا کریں

مرا ہوش و طاقت سبھی لے چلے
اجی تم چلے کیا کہ جی لے چلے

تنہا نہ خال دل کا صیاد ہو رہا ہے
اس فن میں خط بھی کافر استاد ہو رہا ہے

پونچھنا ہے چشم کا ہر دم ہی کار آستیں
ساحل دریا ہے یارب یا کنار آستیں

کیا خودی سے مرے دل کو تونے خالی عشق
تفضّلات ترا اے جناب عالی عشق

(۲۵۱) ہر چرن داس

ہر چرن داس قوم کھتری ، متوطن دہلی ، یک فرد او بسمع رسیدہ :

دل گیا ، دین گیا ، صبر گیا ، ہوش گیا
آہ کیا کیا نہ گنا ہم سے تری یاری میں

(۲۵۲) صادق

ہیبت[۱]رام قانونگوی صادق ، متوطن بریلی ، طبع (۳۷۲الف) موزوں دارد ، ابی چند ابیات او بنظر رسیدہ ، ازوست :

ہے زلف و رخ کا اس کی ہر دم مجھے تصور
کس طرح خوش نہ گذرے لیل و نہار میرا

۱ - ف الاصل : بھیت رام

میرے دل حزیں کو تم افگار کر چلے
اے واہ وا میاں یہ بھلا پیار کر چلے
دل کے تئیں تو کہتے ہیں سب خانۂ خدا
تم خانۂ خدا کو بھی مسمار کر چلے

---

(۲۵۳) موزوں

موزوں تخلص درشاہ جہان آباد شنیدہ می شود ، از حسب و نسب او اطلاع ندارم ، ایں مطلع دال برموزونیت طبع اوست :

تم دیکھتے ہی رنگ عاشق کا مضمون دو دیدہ تم سمجھے (کذا)
تصریح میاں بے فائدہ ہے کچھ تم سمجھے کچھ ہم سمجھے

---

(۲۵۴) محمد خلیل

محمد خلیل بدایونی طبع شور انگیزے دارد ، یک فرد او بسمع رسیدہ :

وقت میرے قتل کے ، دامن کو اپنے باندھیو
تیغ فولادی ہے ، مت بکھریں شرر چاروں طرف

---

(۲۵۵) رضا

مرزا محمد رضا متوطن بلدۂ لکھنئو ، از شاگردان مرزا رفیع السودا ، یک غزل او بنظر رسیدہ ، ازوست :

لائی ہے بہار اب کی برس اس قدر آتش
ہے جائے شگوفے کے ہر اک شاخ پر آتش
(۳۷ ب) یہ سوز نہانی ہے مرے سینے میں کس کا
جلتا ہے جگر پر نہیں آتی نظر آتش

وہ سوختہ جاں ہوں کہ تب آہ سے جس کے
سلگانے کو لیتا ہے ہمیشہ سقر آتش
مینا کے پڑے سینے میں کیوں کر نہ پھپھولا
ہے بادۂ گلگوں کی نپٹ تیز تر آتش
دوزخ کا بھی کچھ خوف رضا مجھ کو نہیں ہے
کرتی ہے دم سرد سے میرے حذر آتش

---

(۲۵۶) خاکسار

محمد بلاق خاکسار متوطن بلدۂ مرادآباد ، جوانے است سپاہی وضع ، عاشق مزاج ، گاہے شعر فارسی می گوید۔ بہ تجویز ایں مؤلف یک دو غزل ریختہ نیز موزوں کردہ ، چند بیت ازاں بہ تحریر می آید۔ ازوست :

مرے دیدۂ تر بہا کر چلے
دوآبے میں یہ گھر ڈبا کر چلے
کیا تیغ ابرو سے مجھ کو شہید
یہ کیا خوب جوہر دکھا کر چلے
دکھا ساق سیمیں تم اب شمع کو
رلا کر ، گلا کر ، جلا کر چلے
دل و جان سے حضرت شوق کو
امام اپنا اور پیشوا کر چلے

---

(۲۵۷) موجد

وہاب الدین موجد تخلص ، متوطن بلدۂ بدایوں ، جوانے است سعادت مند ، خوش فکر ، از شاگردان اکرام اللہ محشر ، ایں چند (۲۷۵ الف) ابیات بزبانی او بسمع رسیدہ ، ار وست :

درد سے شمع کے جو شخص خبر رکھتے ہیں
داغ دل ، سوز دروں ، دیدۂ تر رکھتے ہیں
آج سے عشق ستی ہاتھ اٹھایا ہم نے
آپ ملنے کی رقیبوں سے اگر رکھتے ہیں
راہ چلتے ہوئے ہر ایک کو دے ہے گالی
موجد اس شوخ کی بے باکی سے ڈر رکھتے ہیں

مجھے تاثیر الفت نے عوض دل کا دلا چھوڑا
کہ شب کو وصل کی حالت میں لب سے لب ملا چھوڑا
گلوں کی سرخیِ لب سے ہمیں معلوم ہوتا ہے
اثر نے نالۂ بلبل کے خون دل ہلا چھوڑا

---

(۲۵۸) حجام

کلو حجام تخلص ، متوطن ساہ جہان آباد ، از مدتے در بلدۂ فرخ آباد اقامت دارد ۔ از شاگردان مرزا رفیع السودا است ۔ طبع سلیم و صفا دارد ، یک غزل که مصرع اول و مطلع او از سودا است ، بنظر رسیده ؛ ازوست :

آنکھوں کو اس کی سودا ، جس دم غزال باندھے
پھر ایسے وحشیوں کو ، کس کی مجال ، باندھے
ہر مو سے تیرے ظالم وابستہ دل ہے اپنا
ایسا نہ ہو تو کس کر زلفوں کے بال باندھے
(۲۵۷ب) اپنا تو کام پھینٹا سادہ ہی کر چکا ہے
خواہی وہ زرد چیرا خواہی وہ لال باندھے

حجام کیا ہے پیارے چپی کرے نہ شب کو
کچھ اور اس کے دل میں تو مت خیال باندھے (ک

اس شوخ کے کوچے میں نہ جایا کرو حجام
اک دن کہیں چھن جائیں گے ہتھیار تمہارے

---

(۲۵۹) خواجہ محمد سعید

خواجہ محمد سعید اشعار فارسی خوب می گوید ، این
ابیات ہندی ازو کہ بتقریبے گفتہ[1] بسمع رسیدہ ـ ازوست :

گڑ گیا یار خجالت سے زمیں میں شمشاد
اس ادا سے جو تجھے باغ میں چلتا دیکھا
داغ حسرت نہیں مہتاب ہی جلوے سے ترے
رشک کی آگ میں سورج کو بھی جلتا دیکھا
عشق آشوب جہاں ، آفت جاں ہے یارو
یہ بلا جس کو لگی پھر نہ سنبھلتا دیکھا

---

(۲۶۰) چندا

خلیفہ چندا ساکن بلدۂ امروهه ، مردے است درویش میرد
مسکین صورت ، خوش اخلاق ، شعر فارسی و ہندی بہ طور صوف
می گوید ، چند ابیات بہ زبانی او بسمع رسیدہ ، ازوست :

عارض تو گل کے صاف ہیں لیکن چمک نہیں
نرگس کی چشم ہے پہ کٹیلی پلک نہیں (۲۷۶

---

۱ ـ اصل : گونہ ـ

نسبت نہ دو گہر کو مرے آنسوؤں کے ساتھ
ہر چند آبدار ہے ، ایسی ڈھلک نہیں

بسیار آدم بُمزہ و درد مند بود ، حق تعالیٰ مغفرتش کند۔

(۲۶۱) گمان

گمان تخلص ساکن شاہ جہان آباد ، دیوان مختصر پر از اشعار رطب و یابس دارد این چند اسعار او کہ بسمع رسیدہ ، می نگارد :

یاد سے جاتی نہیں صورت کبھی تیری مجھے
دیکھنے سے بھی نہیں ممکن کہ ہو سیری مجھے
ذبح تو کرتا ہے پر قاتل خدا کے واسطے
ٹک گلے پہلے لگا لے اپنے اک پھیری مجھے
جانتا ہے اے گمان مجھ کو وہ اپنا خاکسار
تب کیا ان نے جلا کر راکھ کی ڈھیری مجھے

---

(۲۶۲) راضی

سلیم‌اللہ راضی ساکن بدایوں ، چند اشعار او بزبانی بعضے اعزہ بسمع رسیدہ ، ازوست :

تمھارے لعل کو یاقوت کے دانے سے کیا نسبت
تری اس رس بھری آنکھوں کو پیمانے سے کیا نسبت
یقیں کے ریختے کی ہمسری کیوں کر کرے راضی
تکلف بر طرف بلبل کو پروانے سے کیا نسبت

---

(۲۶۳) جرأت

پیر محمد مراد آبادی جرأت تخلص ، (۲۷۶ب) از یاران مراد علی حیرت[1] مسطور است ، اشعارش بسمع نہ رسیدہ مگر مثنوی مرغ نامہ

---

۱ - اصل : جرأب -

او کہ اختتام آں از حیرت[1] ، است ، مشہور و معروف است
چند ابیات او یاد دارم ازوست :

ان دنوں رهتا ہے دل پر کچھ ملال
چھٹ گیا ہے شعر کہنے کا خیال
شعر کے سامع ہوئے ہیں مرغ باز
کیجیے مضمون کا کچھ ان سے ساز

در تعریف شائقان مرغ می‌گوید :

مرغ کا پر بر سر و بر چشم ہے
گر پر عنقا ہے تو بھی پشم ہے

ویک فرد او نیز یاد دارم :

بس اے قاصد تری معلوم ہوئی لسانی
رو بہ‌رو اس کے زباں کو بھی ہلایا نہ گیا

---

(۲۶۴) صوفی

صوفی محمد اعظم متوطن بلدۂ لکھنئو از چندے در مراد آبا اقامت دارد ، مردے صوفی مشرب ، از اقربائے نواب عظمت اللہ خاں ، پیش ازیں عمدہ روزگار بود ، حالا ترک جاہ نمودہ عزلت نشینی اختیار نمود ، فکر صائب دارد ، یک فرد او بسمع رسید ازوست :

حال حاصل ہے جسے قال ہوا یا نہ ہوا
رخ نیکو پہ خط و خال ہوا یا نہ ہوا (۲۷۷ الف

---

۱ - اصل = جرأت

(۲٦۵) حافظ

حافظ کریم‌الدین صدیقی نبیرۂ شاہ محمد اعظم قدس سرہ ، متوطن پھراؤں ، جوان حافظ قرآن ، از یاران محمد قائم موصوف ، طبع مناسب دارد ، بطرز استاد است ، این چند ابیات بزبانی او بسمع رسیده ازوست :

مثال آئینہ ہم سادہ کیسے ہیں غافل
سما رہا ہے نہیں ہم میں وہ تو جاں کی طرح
ہے سر برز کی...جس سر میں صبط وہ حافظ . (کذا)
ہمیشہ چرخ میں رہتا ہے آسماں کی طرح

تیرا ہی جلوہ کعبے میں ہے اور کنشت میں
ہے روح ایک صورت زیبا و زشت میں

نابود ہوں ٹک آن میں جوں عکس آئینہ
نظروں سے تیری ہم جو تنک بھی پرے ہوئے

دل لے کے قناعت نہ کی اب قصد ہے جاں کا
لیجے نہ میاں یہ بھی مبارک ہو نذر ہے
ہے صحبت ناکس سے زیاں اہل صفا کو
سوئی کا سدا رستے کا سوراخ جگر ہے
کیا پوچھو ہو احوال کو حافظ کے ، کہ یارو
اس کا تو کچھ احوال ہر اک لحظہ بتر ہے

---

(۲٦٦) گمانی مل کھتری

گمانی مل کھتری متوطن دھلی (۲۷۷ ب) جوانے ست قابل ،

نوکری پیشه ، شعر فارسی خوب می گوید و در انشاپردازی بے نظیر است ، گاهے یک دو بیت ریختہ نیز موزوں می کنند ، یک رباعی او بسمع رسیده ازوست :

جو کوئی کسی کو یار کلپاوے گا
یہ یاد رہے وہ بھی نہ کل پاوے گا
اس دیر مکافات میں ، سن اے غافل
جو کوئی کرے گا آج ، کل پاوے گا

(۲۶۷) فیض الله

فیض الله[1] متوطن مکن پور شخصے خوب صورت ، خوش طبع از یاران عبدالجلیل سائل موصوف بود درعین عنفوان جوانی ازیں جہان فانی بعالم جاودانی رفت ۔ یک مطلع ازو یاد دارم ازوست :

جاتے ہیں لوگ قافلے کے پیش و پس چلے
دنیا عجب سرا ہے جہاں آکے بس چلے

گویند فرمائش نامی ایں غزل از محمد ملوک احقر نموده بود ، شاعر مسطور ایں دو بیت بہم رسانیده بود که او هم درگذشت ، لهذا برائے یادگاری نوشته شد ۔ احقر :

مت چھیڑ باغباں ، کہ جو کوئی آئی ہوا
ہم آپ ہی سے جائیں گے جوں خار و خس چلے
وقت روا روی ہے اٹھے قافلے کے لوگ (۲۷۸الف)
ساقی چلے پیالہ جہاں تک کہ بس چلے

---

۱ ۔ اصل میں فیض الله سے پہلے همت سنگھ بھی لکھا ہوا ہے ، یعنی ''همت سنگھ فیض الله مکن پوری'' لیکن در اصل یہ تذکرہ فیض الله ہی کا ہے ۔ همت سنگھ کا ذکر آگے آیا ہے ۔

وبعد فوت هر دو این غزل را سائل تمام کرده است وچه خوب گفته ۔

(۲۶۸) مرزا بھولن بیگ

مرزا بھولن بیگ از ملازمان سرکار وزیرالمالک آصف الدوله است دیگر بر احوالش مطلع نیستم یک فرد اوبسمع رسیده ازوست :

چمن ہے ، جام ہے ، مینا ہے ، مے ہے
پر اک تو ہی نہیں ، افسوس ہے ہے

---

(۲۶۹) نکہت

شیخ عبداللہ متخلص به نکہت متوطن شہر کہنه بانس بریلی جوانے است قابل ، یار باش گرم جوش ، شگفته رو ، تازه گو ، اگرچه نومشق است فاما فکر رسا و فہم بجا دارد ۔ از شاگردان معین الدین عباسی است ۔ این چند اسعار بزبانی اوستادش بسمع رسیده ازوست :

دل لے کے پھر ستانا ، ہے طرز دلربائی
اے شوخ کن نے تجھ کو یہ رسم بد سکھائی
ہے زیست عاشقوں کی خوباں کے ہاتھ یارو
معشوق ہی جہاں میں کرتے ہیں سب خدائی
(۲۷۸ب) رفتار میں قیامت ، گفتار میں یہ شوخی
ہے ختم تجھ پہ پیارے انداز خوش ادائی
ہمدم نہ پوچھ مجھ سے احوال دل کہ کیا ہے
جو بات منہ سے نکلی ہوتی ہے اب پرائی
رنگیں کیا ہے کس کے خوں جگر میں تم نے
پنجہ جو ہو رہا ہے صاحب کا اب حنائی

نکہت سا تم کو خادم ملنا بہت ہے مشکل
ؔ ہوں چھوڑ مہر و الفت کرتے ہو بے وفائی

---

۲۷۰) والہ

مرحمت خاں والہ تخلص ، پسر میمنت خاں کشمیری ، کہ پیشکار خانساماں بادشاہی بودہ ،طبع رسا و فکر بجا دارد دیگر بر حسب و نسب او اطلاع ندارم ، ایں فرد دال برخوش تلاشی وست ، ازوست :

اور تو سب آڑ گئے جو واسطے تھے یار کے
اے جدائی بیچ میں پڑے کو تو باقی رہی

---

۲۷۱) عبرت

احمدالدین خان عبرت تخلص ، خلف رستم ہند ، تہور و شجاعت شان ، قطب الدین خاں نبیرۂ نواب عظمت اللہ خاں مراد آبادی جوانے است صاحب حوصلہ و اہل مروت و در شجاعت کم از پدر خود نیست ، فاما گردش فلکی با او مساعد نیست ، بسیار قابل ، ز بسکہ طبع سلیم و ذہن مستقیم (۲۷۹ الف) دارد گاہ گاہے متوجہ ن شعر ریختہ ہم می شود ، دیوان ضخیم دارد ۔ ایں چند ابیات و کہ بنظر رسیدہ بہ تحریر می آید ۔ ازوست :

فقط دل ھی نہ دلبر کا مکاں ہے
جہاں دیکھو وہ ہر جائی وہاں ہے

محبت یار کی جی میں بسی ہے
جفا سہنے میں ناصح بے بسی ہے

همیں کیا کام آئینے سے لیکن
مجھے ملنے میں اس کے عار سی ہے

گو ہم کو ترے بن نہیں آرام ، نہ ہووے
پر پاس یہی ہے کہ تو بدنام نہ ہووے
چاہوں ہوں بلا لاوے کوئی اس کو مرے پاس
اس طور سے لیکن کہ مرا نام نہ ہووے
کہہ دو کہ نہ جا بزم میں اغیار کی زنہار
پر میری طرف سے اسے پیغام نہ ہووے۔

نہ مجھ کو آہ کی طاقت نہ اس کو مہربانی ہے
کٹے ہیں اس طرح دن بھی ، کوئی یہ زندگانی ہے
تسلی کس طرح سے ہجر میں ہو اس جفاکش کے
نہ نامہ ہے ، نہ قاصد ہے ، نہ پیغام زبانی ہے

باعث خواری تری یاری ہوئی
ورنہ کیا ہم سے گنہ گاری ہوئی
(٧٩ ب) عشق کا غم دل سے جاتا ہی نہیں
کون سی ساعت یہ بیماری ہوئی

بلا ہے ، فتنہ ہے ، آفت ہے یا یہ تیرا قامت ہے
کہ جس کے ہاتھ سے سرو گلستاں پر قیامت ہے
خدا ہرگز نہ دکھلاوے کسی آزردہ خاطر کو
شب ہجراں جسے کہتے ہیں سو روز قیامت ہے

درد کے اظہار سے چپ نہ رہا چاہیے
وہ نہ سنے یا سنے کچھ تو کہا چاہیے

خستہ جاں،اشک فشاں،خاک بسر آتا ہے
نامہ بر شہر سے دلبر کے مگر آتا ہے

کیا ہوا دل نے اگر درد کو پایا میرے
لیک کچھ کام وہ بےدرد نہ آیا میرے

---

(۲۷۲) شوریدہ

محمد شجاع الدین خاں شوریدہ خلف وجیہ الدین خاں ، نبیرۂ نواب عظمت اللہ خاں موصوف ، جوان قابل ، خوش اخلاق و در جمیع اوصاف حمیدہ طاق ۔ طبع مناسب و ذہن صائب دارد ایں چند ابیات متفرقات او سمع رسیدہ ، ازوست :

بسکہ پر خون دل ہمارا درد سے لبریز ہے
ہر فغاں ہے غم فزا ہر نالہ وحشت خیز ہے
عشق کے کوچے میں یکساں ہے فقیرو بادشاہ (۲۸۰الف)
کون سمجھے واں کہ یہ فرہاد وہ پرویز ہے
کچھ ادب مانع ہے کچھ تیرا شکوہ حسن و ناز
ورنہ دل شکووں سے تیرے بے وفا لبریز ہے
عشق آتش باز نے پھونکی ہے از بس تن میں آگ
استخواں ہر عضو کا میرے گویا گلریز ہے

گو نہ ہو کوئی یہاں غم خور و ہم‌دم اپنا
غم‌گسار اپنا ہے بس ہم کو یہی غم اپنا

آبلے پڑتے ھیں دم لیتے زباں پر اپنی
کب بیاں کرسکے یہ سوز دروں ھم اپنا
بے کسی میں نہیں یاری کی کسی سے امید
دل سلامت رھے اور دیدۂ پرنم اپنا
صبح تک شمع جلی ، دیکھ مرا سوز و گداز
داغ فرقت سے ھوا رات وہ عالم اپنا

---

(۲۷۳) راجا بہادر سنگھ

راجا بہادر سنگھ کشمیری ، از شاگردان میر انشاء اللہ موصوف جوان قابل ، حریف و طریف بسیار خوش تلاش و خوش فکر است و تلاش معانی تازہ می کند ۔ ایں چند ابیات دال بر فکر صائب اوست ، ازوست :

اے مشفق من ہم ہیں فقط بوسوں کے نوکر
(۲۸۰ب) تم چاہو کہ تن خواہ کرو بندے کی سب سوخت
سو دور رکھو دل سے ، ابھی لیں گے بٹھا کر
نوکر وہ نہیں ہم کہ کریں اپنی طلب سوخت
جب جاتا ہوں آئینہ ہی دیکھے ہے وہ خود بیں
اس طرف نہ دیکھے ہے مجھے ہے یہ عجب سوخت
یہ عرض مری سن لے تو اے بار خدایا
یک بار سنوں میں کہ ہوا شہر حلب سوخت

---

(۲۷۴) حسرت

ذوق رام حسرت قوم بقال ، متوطن شاہ جہان آباد ، از مدت بسبب افراط و تفریط روزگار در بلدۂ مرادآباد سکونت دارد ۔ جوان قابل ،

قابل ، درد مند ، و خوش سلیقه است ۔ ناما گردش فلکی با او مساعد نیست ۔ اکثر اشعار فارسی خوب می گوید ، از چندے به سبب تحریک بعضے صاحبان در شعر ریختہ هم چند غزل موزوں نموده ، ذهن رسا و فکر بجا دارد ۔ این چند ابیات دال بر تلاش سخن و خوش گفتگوئی اوست ۔ ازوست :

گرا کوئی لیتا ہے میرا نام اس کے رو به رو
دے ہے مجھ کو سیکڑوں دشنام اس کے رو بہ‌رو
کون کون اس دلربا کا یاں نہیں ہے عشقباز
ایک میں هی هو گیا بدنام اس کے رو به رو (۲۸۱الف)
کیا بیاں مستی کروں اس نرگس مخمور کی
پانی پانی شرم سے ہے جام اس کے رو بہ‌رو
روز و شب چلتا رہے ہے یاں تو حسرت دور جام
یاد کب ہے گردش ایام اس کے رو بہ‌رو

محبت کے نشه والوں کو مے خانے سے کیا نسبت
پئیں جو خون دل هی ان کو پیمانے سے کیا نسبت
مری خانه خرابی وه دکھاتا ہے رقیبوں کو
نہیں تو اس کو یارو میرے گھر آنے سے کیا نسبت
رقیب سنگ دل کی سر گرانی نہیں اٹھا سکتا
نہیں تو مجھ کو تیرے در کے اٹھ جانے سے کیا نسبت

---

۱ ۔ اصل نسخے میں ورق ۲۸۰ ب کے بعد ذوق کے انتخاب کا کچھ حصه غائب ہے ، شعر ۳ : کیا بیاں مستی کروں الخ سے "کیا کسی کو نه اپنا نه هم کسی کے ہوئے" یه انتخاب سنٹرل ریکارڈس کے نسخے سے یہاں اضافه ہوا ہے ۔ آخر کے چار شعر سنٹرل رنکارڈس کے نسخے میں بھی نہیں هیں ۔

نہ حسرت کی نصیحت میں کرو اوقات کو ضائع
تمھیں اے عاقلو ہے ایسے دیوانے سے کیا نسبت

عیب معشوق کا کب اہل وفا کہتے ہیں
خوب نہیں کرتے جو خوبوں کو برا کہتے ہیں
وقت پا کر کبھی تجھ سے کہیں اپنا احوال
تو سنے یا نہ سنے ہم تجھے کیا کہتے ہیں
کبھی تو نکہت گل میرے قفس تک پہنچا
بات رہ جائے گی ہم تجھ سے صبا کہتے ہیں
رونا آتا ہے مجھے جب کبھی میرے آگے
دل فلانے نے فلانے کو دیا کہتے ہیں

نصیب ایسے تو ناکارہ کم کسی کے ہوئے
کیا کسی کو نہ اپنا نہ ہم کسی کے ہوئے

(۲۸۱ الف) قبا پہنے اگر وہ سیمبر سبز
نہ ہو سرو و سمن زنہار سر سبز
ترا رخ خط سے دونا خوش نما ہے
کھلے ہے خوب رنگ سرخ پر سبز

خوبرو پاس ہوں جن کے انھیں ہے خوب بہار
ہے خزاں اپنے تئیں بے رخ محبوب ، بہار

سر اٹھا سکتی نہیں شاخ گلوں کی مطلق
بسکہ ہے حسن سے اس شوخ کے محجوب بہار

---

(۲۷۵) همت سنگھ

همت سنگھ ، کایتھ ، ساکن شیخوپورہ ، معمولۂ بدایوان ، طبع موزون دارد - دو بیت ازو بنظر رسیده ، ازوست :

دل ساتھ لے چلو ھو ، خبردار دیکھنا
ھرگز نہ کیجیو اسے بیزار دیکھنا
زاھد گلی میں رندوں کی آتا تو ھے ولے
رسوا نہ ھو یہ جبہ و دستار دیکھنا

---

(۲۷۶) ظهوراللہ

ظهور اللہ ، متوطن نگینہ ، جوانے است سعادت مند ، خوش‌رو و طبع موزون دارد ، ازوست :

چمن میں دل کے میرے اے فلک کیا تخم بویا تھا
اگا جو اس زمیں سے آہ و نالہ کا گل و بوٹا

الٰہی کیا گنہ صادر ھوا ھے میرے ھاتھوں سے (۲۸۱ب)
کہ ھر کانٹا سرو‌کا مری آنکھوں میں کھٹکے ھے

---

(۲۷۷) گستاخ

مرزا اشرف علی گستاخ پسر عطا علی خاں کہ از وکلاے صاحبان فرنگ در بلدۂ رامپور است ، جوانی است وجیہ ، طبع رسا و فکر بجا دارد ، و از شاگردان حکیم صدرالدین خاں موصوف - یک فرد او بنظر رسیده ، ازوست :

دل سے کہہ دو کہ بزم خوباں میں
سانس ٹھنڈی کبھی لیا نہ کرے

---

(۲۷۸) برکت علی

برکت علی ، جوانے بود ، اوباش وضع ، از شاگردان فیض‌الله بیگ ندوی مسطور ، دو فرد او بسمع رسیده ، ازوست :

شور دریا میں کیا قیامت ہے
سر برهنه حباب آتا ہے
جن نے یہ مےکدہ اجاڑا تھا
پھر وہ خانہ خراب آتا ہے
ہاتھ میں جام ، شیشہ زیر بغل
یار مست شراب آتا ہے

کر تو نیزے کا وار ، دیکھیں تو
ہووے سینے کے پار ، دیکھیں تو

---

(۲۷۹) گنج سنگھ

منشی گنج سنگھ ، قوم کھتری ، متوطن دهلی ، شخصے بود مجمع قابلیت و هنر ، خوش خلق و خوش خوی ، و خوش تقریر ۔ شعر فارسی خوب می گفت و در نظم و نثر مهارتے داشت ،
(۲۸۲ الف) یک فرد او که به تقریبے گفته ، یاد دارم :

کیا مجنوں و فرہاد سے ہم کم ہیں ، طلب میں
آغاز کسی کا ہوا ، انجام کسی کا

---

(۲۸۰) محمد صدر عباسی

محمد صدر عباسی ، متوطن بدایوں ، جواں سعادت مند ، طبع موزوں دارد ، ازوست ؛

آہ اس درد کی کوئی بھی دوا جانے ہے
جس سے پوچھوں ہوں سو کہتا ہے ، خدا جانے ہے

ق

یار سے میں نے کہا کل جو پکڑ کر دامن
ایک بوسہ دے ، یہ رہ جائے گا احساں باقی
تب وہ کہنے لگا ، پھر میں ملوں گا تجھ سے
یار باقی ہے میاں صحبت یاراں باقی

(۲۸۱) نورن

شاہ نورن رامپوری ، مردے بود صاحب درد ، درویش سیرت عاشق مزاج ، طبع موزوں و جنوں ساختہ داشت ۔ دیوان ضخیم ترتیب دادہ بود فاما ، بسبب عدم علم از صحت الفاظ و ربط کلام خبرنداشت ۔ گاہے اشعار دلچسپ و مربوط او بسمع نہ رسیدہ ۔ در وقت احمد شاہ ازیں جہاں درگذشت ۔ قبرش در رامپور مشہور است زبانش بطرز ولی دکھنی است ۔ چند ابیات او برائے یادگار بہ تحریر می آید (۲۸۲ ب) ازوست :

کر لے نورن شادمانی ، وقت فرصت پھر نہیں
موسم گل ، مُل ، صدا بربط کی ، یاراں[1] پھر کہاں
آج کرنا ہے تو کرلے مل کے باہم چہچہے
دم غنیمت بوجھ اے دل ، بزم یاراں پھر کہاں

(۲۸۲) غم

غلام رسول غم، متوطن قصبہ نگینہ، طبع موزوں دارد ۔ ازوست :

۱ ۔ اصل : یاران

یہ وصیت یاد رکھ صیاد ، بعد از مرگ من
پھینک دیجو باغ میں یہ بال و پر چاروں طرف

---

(۲۸۳) عشرت

غلام علی عشرت ، متوطن بلدۂ بریلی ، جوانے است سعادت‌مند مالند قابل (کذا) ، طبع رسا و فہم بجا دارد ، این چند ابیات بزبانی او بسمع رسیده ، ازوست :

کرے تھا صید ماھی اس طرح خوں ریز پانی میں
کہ جوں لڑنے کو آیا ہو کوئی انگریز پانی میں
سنے گر ماجرا اس چشم گریاں کا مری یارو
نہ ہووے ابر نیساں پھر کبھی در ریز پانی میں

تیرے کوچے سے ہر اک آوے ہے یوں من‌مارے
جوں مسافر کو کوئی راہ میں رہزن مارے
تیغ کاندھے پہ لیے آئے ہے ، دامن مارے
(۲۱۳ الف) آج کس کس کے تئیں دیکھیے گردن مارے
جنبش ابروے خم دار ھی ہے قتل کو بس
ٹک دکھادے تو آسے جس‌کو تو گردن مارے

بخت نے یوں کیا مجھ کو ترے در سے باھر
جیسے کرتے ھیں گنہ گار کو گھر سے باھر
در نایاب تھا ، ہر چند کہ ڈھونڈھا نہ ملا
اشک جو میرے گرا دیدۂ تر سے باھر

---

(۲۸۴) مرزا قاسم بیگ

مرزا قاسم بیگ متوطن شاہجہان آباد، جوانے است سپاہی وضع، صاحب طبع ، اگرچہ نو مشق است فاما فکر سلیم و فہم مستقیم داود ۔ از شاگردان حکیم صدرالدین موصوف است ۔ این چند ابیات غزلیات از مسودات او بقلم آوردہ شد ، ازوست :

کیا عہد ہم نے یہ اب دلربا سے
جو تجھ سے پھرے تو پھرے وہ خدا سے
عجب موجزن حسن ہوتا ہے تیرا
جو پڑتی ہے چین جبیں سنگ پا سے
تب ہی ہم تو کہتے نہے تم فتنہ ہوگے
نظر ہم کو پڑتے تھے جب تم ذرا سے

———

کیا قتل ہم کو جو تیغ جفا سے
تجھے خوف ہے کچھ بھی کافر ، خدا سے
دلا ، حلقۂ زلف میں گر پھنسا تو
نہ نکلے گا پھر جیتے جی اس بلا سے
وہ بیمار ہوں میں ارے ہم نشیمو (۲۸۳ب)
مسیحا بھی عاجز ہے جس کی دوا سے

———

بسر اوقات کی ہم نے جہاں میں آہ و افغاں سے
نہ پایا ایک دن آرام اس گردون گرداں سے
ترے کوچے میں میں دیوانہ ساں جس وقت آتا ہوں
تو اک مینہ سا برس جاتا ہے مجھ پر سنگ طفلاں سے

جدا ہو ہاتھ مشاطہ کا یا رب اب تو شانے سے
چھڑایا دل کو میرے ان نے اس زلف پریشاں سے

ہیں مثل حباب گرچہ فانی
مشکل ہے ہماری تھاہ پانی
ٹک آنکھ اٹھا کے دیکھ لینا
او جان ، ہماری جان ، جانی
صورت تری دیکھ او بت چین
مانی نے بھی اب تو ہار مانی

فرمایا طبیبوں نے جینے کا نہیں ہرگز
بیمار یہ جاتا ہے آثار سے پہچانا
کچھ عیب و ہنر ہرگز رہتے نہیں پوشیدہ
انسان تو جاتا ہے گفتار سے پہچانا
آنکھیں مندی جاتی ہیں ، انگڑائیاں لیتے ہو
شب آپ رہے ہیں گے بیدار سے ، پہچانا
بانکے ہو ، بہادر ہو ، راوت ، سپاہی ہو
اس آپ کے شملے سے ، دستار سے پہچانا

---

(۲۸۵) سرور

میر ملھو متخلص بہ سرور متوطن شاہ جہان آباد ، از چندے در بلدۂ رامپور استقامت دارد ، از شاگردان مولوی (۲۸۴ الف) غلام جیلانی رفعت مسطور است ، جوانے است مجنون وضع ، خوش فکر و صاحب طبع ، ذہن رسا و فکر بجا دارد ، اگرچہ نوشق است فلہذا گاہ گاہے بعد سال و ماہے ، برائے خاطر یاران غزلے بہم رساند ، ایں چند ابیات از مسودات او بقلم آوردہ شد۔ ازوست :

ستم‌گر تجھے کچھ بھی ڈر ہے خدا سے
ستاتا ہی ہم کو رہا تو سدا سے
نہیں عشق میں آہ ، اک دم بھی فرصت
الم سے، مصیبت سے، غم سے ، بلا سے ،
عبث رنج اٹھاتے ہو نا حق طبیبو
نہ ہوں ایسے بیمار چنگے دوا سے
کیا زلف نے اس کی ، برباد عالم
بچے کیا کوئی ایسی کالی بلا سے
غرض ہم کو دنیا سے ، نے دیں سے مطلب
ہمیں کام ہے اپنے اس آشنا سے
نہ دیکھا کوئی ایسا بے رحم اب تک
جیے یا مرے کوئی اس کی بلا سے

یاد اس بت کی جو کوئی ہم کو دلا دیتا ہے
غم و اندوہ جہاں دل سے بھلا دیتا ہے
سرخرو محفل عشاق میں ہوتا ہے وہی
شمع ساں عشق میں جو سر کو کٹا دیتا ہے
زلف و عارض وہ بلا ، چشم و مژہ وہ آفت (۲۸۴ب)
کن بلاؤں سے یہ دل ہم کو بھڑا دیتا ہے
محفل یار میں یہ کچھ تو ہے اپنا رتبہ
بیٹھنے بھی نہیں پاتے کہ اٹھا دیتا ہے
کیا ہی رکھتا ہے وہ اللہ رے دماغ نازک
بوئے گل سے بھی تو وہ ناک چڑھا دیتا ہے
شدت زلزلہ گو دے ہے زمیں کو جنبش
اپنا یہ نالۂ دل عرش ہلا دیتا ہے

آگ ہو جاتا ہے ہر دم مری صورت سے جو وہ
شاید اس سے کوئی کچھ[۱] جا کے لگا دیتا ہے
یاد میں اس کے لب لعل مصفا کی سرور
رنگ کیا دیدۂ خوں بار دکھا دیتا ہے

گریں آنکھوں سے اب لخت جگر یوں ہو تو بہتر ہے
بنے گلریز ساں مژگان تر یوں ہو تو بہتر ہے
سبو ہو ، بادہ ہو ، ساقی ہو ، ساغر ہو، لب جو ہو
اگر اوقات کچھ اپنی بسر یوں ہو تو بہتر ہے
دل بریاں ہو ، چشم خوں فشاں ہو ، آہ سوزاں ہو
اگر عاشق کی عالم میں گذر یوں ہو تو بہتر ہے
نشے میں چور ہو اور ہاتھ میں مینائے پر مے ہو
ہمارے گھر میں گر وہ جلوہ گر یوں ہو تو بہتر ہے
سرور اپنے تن بے جاں میں وہیں جان پڑ جائے
بھڑاوے لب سے لب وہ سیم بر یوں ہو تو بہتر ہے

(۲۸۵ الف)

تری اس اچپلی صورت کو کھینچے کس طرح مانی
ترا نقشہ کسی دل پر نہ ٹھہرا ہے نہ ٹھہرے گا
مرے نالے سے اڑ جاوے اگر زاہد عجب کیا ہے
ہوائے تیز میں مچھر نہ ٹھہرا ہے نہ ٹھہرے گا
بھلا ہو کس طرح ذرہ مقابل مہر تاباں کے
ترے منہ پر شہ خاور نہ ٹھہرا ہے نہ ٹھہرے گا

---

۱ - اصل : اول سے کوئی -

اب ایسی ہی گر تیغ تری ہم پہ علم ہے
گر ہم بھی نہ سر دیں تو میاں ہم کو قسم ہے
بے رحم مرا ، نزع کی حالت میں مجھے دیکھ
کس ناز سے بولا کہ ابھی اس میں تو دم ہے
استاد تھا گو قیس فن عشق میں یارو
پر ہم سا بھی دیوانہ جہاں میں کوئی کم ہے
چھٹ اس کے رخ و زلف کے کچھ یاد نہیں ہے
ہر روز یہی فکر ہے ، ہر شب یہی غم ہے
کیا خاک سرور اس دل محزوں کو مرے ہو
جس کے تئیں ہر روز نیا درد و الم ہے

---

(۲۸۶) آشنا

محمد اکرم آشنا متوطن شاہ جہان آباد ، اکنون در بلدۂ رامپور استقامت دارد - جوانے است وجیہ ، مرزا منش خوش صورت (۲۸۵ ب) و خوش سیرت و با تمکنت و وقار ، نہایت خوش خلق و خوش خو و مخزن اہلیت بردبار طبع رسا و فہم بجا دارد. اگرچہ مشق سخن از چند روز می کند فاما تلاش معنی تازہ و الفاظ رنگین می نماید و داد سخن می دھد - این چند ابیات از مسودہ اش بقلم آوردہ شد - ازوست :

کب میں کہتا ہوں کہ تم مجھ پہ نہ بیداد کرو
بلکہ ہر روز نیا اک ستم ایجاد کرو
آؤ ، مت جاؤ ، شب تار ہے ، مانو کہنا
بندہ خانہ ہی بھلا آج تو آباد کرو

بوسے کے لینے کو منہ چاہیے ، سچ کہتے ہو
مجھ کو گالی بھی غنیمت ہے جو امداد کرو
کل کہا اس سے کہ کیوں مجھ سے خفا ہوتے ہو
میں نے تقصیر جو کچھ کی ہو تو ارشاد کرو

سن کے جھنجھلا کے کہا ، منہ نہ کھلاؤ میرا
مجھ سے کل کہیے نہ نھیے تم ، مجھے آزاد کرو
مجھ کو یہ بات نہ بھولے گی چلے جاؤ ادھر
آشنا اپنا کوئی اور پری زاد کرو

رہے آنکھوں میں وہ نور بصر یوں ہو تو بہتر ہے
یہ باقی عمر اب اپنی بسر یوں ہو تو بہتر ہے
گلے لگ لگ کے سونا مجھ کو تیرے ساتھ کا بھاوے[1]
خدا ایسا کرے اے سیم بر یوں ہو تو بہتر ہے

٭ سرکو ادھر کو، یوں کہا مجھ کو ، آگ لگے اس سونے کو (۱۷۸۱ء)
سونے میں میرے بالوں سے سر کے الجھی جو اس کی بالی رات
زلف کو اس کی ہاتھ لگا کر ، بیٹھے بٹھائے رنجش کی
سر پھر ہم نے اپنے یارو ، ناحق کی یہ ملالی رات
بن تیرے کٹتی ہے جو شب ، رہتا ہے مجھے یہ کام ہی اب
ہر دم ہر پل پوچھوں ہوں جا جا کتنی ہے گھڑ دالی رات
پھیر بدل کر قافیہ کہہ تو ، آشنا کوئی اور غزل
کٹتی نہیں ہے اور طرح سے ہجر کی یہ منہ کالی رات

---

۱ ۔ اس مصرع کے بعد سے انتخاب کلام نسخہ سنٹرل رکارڈس سے اضافہ کیا گیا ہے ۔

روتے روتے ہچکی بندھی اور دکھنے لگ گئی چھاتی رات
یاد جو آئی مجھ کو کسی کی صورت وہ مدماتی رات
ہوے سیہ اس مہر جبیں کے کھل جاتے گر مجلس میں
ہو کے خجل کر نیچی آنکھیں پانو دبے اٹھ جاتی رات
بعد از مدت مل بیٹھے تھے دکھ سکھ اپنا کہنے کو
اک پل بھی تو اور نہ ٹھہری تونے کی بد ذاتی رات
فرقت کا اس ماہ جبیں کی تجھ کو نہ ہوتا گر کچھ غم
کالے کپڑے سارے اپنے کاہے کو تو رنگاتی رات
زلف تمہاری پابوسی پر اتنی تو آمادہ تھی
ٹک بھی اگر تم چھوڑتے اس کو پانوں سے منہ وہ لگاتی رات
یاد نہ ہوتی اس کو جو میری آشنا تو اتنا تو سمجھ
نام اسی کا لیتے اپنی ہچکی کیوں تھم جاتی رات[1]

مہ تاباں ترے منہ پر نہ ٹھہرا ہے نہ ٹھہرے گا
مقابل شمس کے اختر نہ ٹھہرا ہے نہ ٹھہرے گا
یہ طفل اشک آنکھوں سے نکلتے وقت کہتا ہے
صدف میں نت کوئی گوہر نہ ٹھہرا ہے نہ ٹھہرے گا
دم آخر سحر کو شمع رو رو کر یہ کہتی ہے
کسی سر پر یہ تاج زر نہ ٹھہرا ہے نہ ٹھہرے گا
اگر ٹھہرے تو کوئی آشنا ٹھہرے غلامی میں
میاں نوکر تو اس خو پر نہ ٹھہرا ہے نہ ٹھہرے گا

---

۱ - یہ دو غزلہ نسخہ سنٹرل ریکارڈس میں نہیں ہے ، ہمارے متن
مبنی علیہ میں موجود ہے ۔

جس شخص کی تربت پہ ترا نقش قدم ہے
الحق کہ اسے سلطنتِ ملک قِدَم ہے
ہر دم اسے مت ہاتھ سے دے اے دل نالاں
یہ آہ مری ، لشکر ماتم کا علم ہے
آنکھوں کو تری کیوں کہ خمر ساتھ دوں نسبت
اپنا یہ مقولہ ہے وہ اس کیف سے کم ہے

ق

گر جاوے وہ بت کعبہ میں تو بولے برھمن
ھردوار ہے یہ ، اور کہے شیخ حرم ہے
اس وقت اگر مجھ سے وے پوچھیں تو کہوں میں
مومن کا یہ ایمان ہے ، ھندو کا دھرم ہے

مت جانے کو پوچھ ہم سے جانی
کس کو بھاتی ہے جان جانی
جز داغ جگر نہ دے گئے کچھ
جانی ، اپنی مجھے نشانی
ہے آئینہ بد نظر پری رو
خوب اس سے نہیں نظر ملانی
رخ دیکھ ترا یہ صاف دیدہ
بھر بھر لاتا ہے منہ میں پانی
کوئی نہیں آشنا کسی کا
بہتر ہے خدا سے لو لگانی

غرض کچھ نہیں ہم کو شاہ و گدا سے
ھمیں کام ہے اپنے اس میرزا سے

ترے هجر میں هم نے اے دشمن جاں
رکھا جی کو دے دے کے کیا کیا دلاسے
هنسا کھکھلا کس ادا سے وہ گلرو
هوئی گدگدی جب آسے سنگ پاسے
میں حیرت سے جب دیکھ رهتاهوں اس کو
وہ نظریں چرانے لگے هے حیا سے
غرض زندگی هے غنیمت کوئی دم
جو ملنا هے مل لو کسی آشنا سے

نہ کچھ سرگشتگی هے هم کو اس گردوں‌گرداں سے
پریشانی هماری هے تری زلف پریشاں سے

ابھی بیٹھے نہیں هو تم کہ پھر دامن سنبھالا هے
تمھاری جاؤں جاؤں نے تو میرا دم نکالا هے
تمھیں سب دیکھ کر کہتے هیں یوسف هوگا ایسا هی
یہ ڈوبا نام اس کا تم نے مدت میں اچھالا هے
نہ هو مجھ سے جدا اس وقت دونوں وقت ملتے هیں
مرے اس خانۂ تاریک کا تو هی اجالا هے

---

(۲۸۷) شوق

محمد قدرت‌الله صدیقی شوق متوطن موضع موی عمله قصبۂ کابر توابع سرکار سنبھل ، ایں چند ابیات واهیات از نتائج فکر ناقص ایں مولف است ، اگرچه قابل نوشتن و درج نمودن کتاب نبود فاما محض برائے خاطر داشت بعضے یاراں و داخل شدن در زمرۂ پنج‌سواراں نوشته شد ، امید که به نظر هر صاحب سخنے که درآید از

نظر شفقت بکشاید و بدعاے خیر یاد نماید - ازوست : (۲۸۷ الف

موسیٰ کے طور ہو تو مقید نہ طور کا
جلوہ ہر ایک جا ہے خدا کے ظہور کا
کچھ دور مرتبہ ہے وہ فہمید عقل کے
پہنچے جہاں نہ وہم نہ قاصد شعور کا
ہاں اتنا جانتا ہوں نہ ہوتی یہ خلق خلق
عاشق جو وہ نہ ہوتا محمد کے نور کا
کر لے ثنا و مدح تو اس حوروش کی شوق
دل لے گیا ترا جو وہ افغان قصور کا

کوچۂ زلف سوا دل کہیں آیا نہ گیا
اس بچارے کا تو پر کھوج بھی پایا نہ گیا
دین و دل صبر و قرار و خرد و تاب وتواں
گھر کا گھر لٹ گیا پر ہم سے بچایا نہ گیا
کیا کریں کرتے نوکر بیٹھے یہ ہم اس سے بگاڑ
ایسا روٹھا وہ کہ پھر ہم سے منایا نہ گیا
سو جتن، لاکھ فسوں، سحر ہزاروں میں کیے
اس پری‌رو کا یہ سر سے مرے سایا نہ گیا
اپنے بیگانے تری یاد میں سب بھول گئے
پر تری یاد کو ٹک دل سے بھلایا نہ گیا
کل خبر اس کے سفر کی میں سنی تھی اے شوق
چل کے دیکھیں تو بھلا آج گیا یا نہ گیا

(۲۸۷ب) کون کاکل کو تری دیکھ کے مارا نہ گیا
لاکھ افسوں پڑھے پر زہر اتارا نہ گیا

پیاری پیاری تری بالوں کے تئیں سن پیارے
کون سا شخص ہے جس کے تئیں پیار، آ نہ گیا

، جب کھیلنے پٹہ کل وہ رشک ماہ نکلا
سورج چھڑی[1] و گتکا لے صبح گاہ نکلا
دنیا وہ جا ہے یارو ،آ جس میں ایک منزل
آرام سے نہ کوئی طے کرکے راہ نکلا
واماندگاں پہ دیکھیں کیا گزرے پیچھے حالت
عمر اپنی ہر طرح سے قدرت نباہ نکلا

گھر سے کر قصد وہ قاتل یہ کدھر کا نکلا
کھینچ کر میان سے خنجر جو کمر کا نکلا
مہر کی طرح سدا پھرنے سے ہے کام اُسے
شام تک گھر میں نہ بیٹھا وہ سحر کا نکلا
جان و دل سن کے ہوئے راہ فنا کے راہی
قصد جب گھر سے کر اپنے وہ سفر کا نکلا
در بہ در خاک بسر پھرتے ہی دیکھا شب و روز
مثل خورشید جو طالب کوئی زر کا نکلا
دین تو کھویا ہی، دنیا بھی نہ کی کچھ حاصل
شوق ناکارہ ادھر کا نہ اُدھر کا نکلا

جائیے میری طرح سے دشت میں نت یہ گردباد (۲۸۸ الف)
کس کو پھرے ہے ڈھونڈھتا خاک بسر برہنہ پا

---

۱ - پھری اصل ؛

جز راہ عدم اور نہ پڑتا ہے نظر کچھ
کرتا ہوں تصور میں اگر اس کے دہاں کے
اس ضعف کو پہنچا ہے ترے ہجر میں قدرت
نے نالہ و نے آہ ونہ فریاد و فغاں کا

مثل خس کشاکش میں ہوں اک مدت سے میں اب تو
بہا یہ قلزم غم میرے تئیں دیکھیں کدھر لے جا

رکھا مجھے تربت میں بھی آن نے تہ و بالا
کیا دل ہے مرا سلمہ اللہ تعالیٰ
خط آتے ہی یوں اڑ گئی مکھڑے کی وہ خوبی
جیسے کہ نکل جائے سہاجن کا دوالا

منہ سے ذرا اٹھا لے تو آنچل نقاب کا
بازار بہت گرم ہے کچھ آفتاب کا
حیراں ہے کس کو دیکھ کہ نہیں مارتا یہ دم
ابھرا پھرے ہے تسپہ لپٹ دل حباب کا

کچھ پوچھ نہ ظالم مرا احوال کہ دل بھر
دن رات ترا ذکر ہے اور نام خدا کا
کیا عشق ہی ہوتا تھا الٰہی مرض الموت
جس رنج کو سنتے ہیں نہ دارو نہ دوا کا

گر اسی طور لت ستائیے گا
کس توقع پہ دل لگائیے گا (۲۸۸پ)

بسکہ دل تنگ ہوں میں عالم سے
اب جہاں سیتی دل اٹھائیے گا
وسعت دل یہ چاہتی ہے مری
لامکاں پر مکاں بنائیے گا

جب تک مری بالیں پہ دلا رام نہ آیا
اس کشتۂ الفت کو تو آرام نہ آیا
گر شب کو ملوں اس سے تو ٹالے ہے سحر پر
ہو صبح تو کہتا ہے سر شام نہ آیا

ہر کہیں جان تو نہ جا بے جا
رکھ لحاظ اپنے دل میں جا بے جا
میں جو رخصت طلب ہوا اس سے
بولا جھنجھلا کے وہ کہ جا بے جا
شوق تیرا جدا ہی ناصر ہے
اب کی تو یار جا پھنسا بے جا

دل زنخداں کی چاہ میں ڈوبا
کیسے بحر اتھاہ میں ڈوبا
ماہ نو رشک سے کس ابرو کے
اچھلے ہے ایک ماہ میں ڈوبا
اس طرح خط میں چھپ گیا مکھڑا
ماہ گویا یہ راہ میں ڈوبا

جس کی جالب سے ٹک بھی چاہ نہیں
شوق عبث اس کی چاہ میں ڈوبا

یہ دل اسیر غم مدعا نہیں ہوتا
غرض کسی سے غرض آشنا نہیں آتا
پہنچتی ہو جیسے بن نامہ برھی ہو سے لگار
رہین منت باد صبا نہیں ہوتا

یاروں نے گو اناالحق اس منہ سے بول دیکھا
ہیں سرّ حق سے غافل سب کو ٹٹول دیکھا
یوسف کا مول ہوا تھا بازار مصر میں جا
پر یہ عزیز اپنا ہم نے امول دیکھا
آنکھیں تھیں وا یہ میری حسرت میں کس کی واں تک
یاروں نے وقت ندفیں چہرے کو کھول دیکھا
جب دل پھنسے ہے جا کر چھٹنا ہے اس کا مشکل
یاں جی تلک تو یارو رکھ کر میں اول دیکھا
آہو بھی ووہیں اپنی سب چوکڑی کو بھولے
جب من ہرن کا گھوڑا کرتے الول دیکھا
کن چہچہوں میں تھا وہ معلوم کچھ نہیں آہ
قدرت کو آج پھر کچھ کرتے کلول دیکھا

(۲۸۹ الف) نہیں مسجد کی اب تاب عبادت
تری ابرو ہے محراب عبادت

وضو کرتا ہوں آنسو سے میں دن رات
مرا یہ اشک ہے آب عبادت

ہے یہ اس کج کلاہ کی حشمت
جیسے ہو بادشاہ کی حشمت
مہر جھپکے ہے آنکھ جس کے حضور[1]
دیکھو اس رشک ماہ کی حشمت
مغفرت ہاتھ باندھ کر آئی
دیکھ میرے گناہ کی حشمت
ہو گئی شوق عرش کے بھی پرے
کیا کہوں اپنی آہ کی حشمت

ہنسی آتی ہے اس کی بات پر مجھ کو کہ کہتا ہے
فلانا روتا رہتا ہے (ذرا) پوچھو ہے کیا باعث

کیا ہے بعد مدت میں سوال آج
نہ کر بوسے سے پیارے ٹال بال آج
کیا زخمی مجھے تیر نگہ سے
صریحاً جان بوجھ اور دیکھ بھال آج
چلے ہو کس کو جانی پیچ دینے
یہ کنڈے دار چیرہ سج کے لال آج

سن آہ و فغاں میری کو کہا کر وہ جواں درد
پوچھے تھا مجھے آن کے ہوتا ہے کہاں درد

---

۱ ۔ اصل : ظہور

(۲۸۹ب) حافظ ہے خدا اس کا کہ ہوں جس پہ یہ آفات
غم ، جور و الم ، ظلم و ستم ، آہ و فغاں ، درد
اے شوق ترے شعر کی کیا کچھ ہے یہ تاثیر
روتے تھے ترے بیتوں کو سن مرد فغاں درد

پھرا ہے تجھ گلی سے کوئی اپنا کام کم لے کر
مگر اک مرگ کا آتا ہے نت پیغام غم لے کر
میں اک مدت سے مثل غنچہ محو بوسۂ لب ہوں
بھڑا دے آج تو منہ سے مرے گلفام خم لے کر
ہوا ہوں بسمل تیغ نگہ مت کھول زلفوں کو
خدا کے واسطے ٹک ڈالیو تو دام دم لے کر
مجھے دونوں جہاں ہیں منکشف پیمانۂ دل میں
رکھے کیسہ میں اپنے جاکے اب یہ جام جم لے کر

خط نے اس منہ پہ کی دوچند بہار
کیوں نہ اس کو کہیں خط گلزار

شب بیٹھ مرے سامنے زلفوں کو دے کے بل
کرتا تھا کیسے پیچ میں وہ مہربان ناز
دل ایک اور آفتیں درپیش سیکڑوں
غمزہ ، ادا ، نگاہ ، تبسم اور آن ، ناز
آغاز خط تو چہرے پر اس کے ہوا نمود
اب تک کرے ہے شوق سے وہ نوجوان ناز

آیا جو میرے سر پہ وہ گل کھینچ کے شمشیر (۹۰۲الف)
رو کر میں کہا ماریے ، ھنس کر یہ کہا بس

آتا ہے جب پہن کے وہ گل پیرھن لباس
پھاڑیں ھیں اپنا رشک سے اھل چمن لباس
آنکھیں تو کھول ، دیکھ کہ ہے کون جلوہ گر
معلوم ھو ہے مجھ کو یہ سب ما و من لباس
پہنوں گا اب میں جامۂ عریانی جوں حباب
دل پر مرے ھمیشہ ہے قید کٹھن لباس

آتی ہے جو ظالم تجھے یہ جور و جفا خوش
میں خوس مرا دل خوش ہے مرے یار خدا خوش
مارا مجھے دے کر کے فریب ان نے یہ صد حیف
اس بات سے ھوتے ھیں یہ میرے رفقا خوش

شمع مزار کچھ نہیں درکار ہے مجھے
جلتے ھیں دل غریبوں کے مجھ پر بجائے شمع
شبنم کی طرح ھستیٔ موھوم گل پہ رو
یک شب کی زندگی پہ یہ سر مت اٹھائے شمع
دونوں ھی اپنے فن میں یہ کا کل بتا توسوق (کذا)
پروانے ھی پہ جلیے کہ رووے برائے شمع

جو سر اٹھاوے ، ھو ہے تہ تیغ آسماں
کٹتی ہے ، جب کہ کرتی ہے گردن دراز شمع

(۲۹۰ب) اپنے ہی داغ دل سے جلی سر سے پالوں تک
لیکن سر غرور سے آئی نہ باز شمع

ہے تجھ گلی میں شور و فغاں جان ہم تلک
یہ دھومیں دیکھتے ہو مرے دم قدم تلک
جوں شمع ہم بھی جیتے ہیں جب تک ہے سوزدل
ہے رشتۂ حیات ہمارا یہ غم تلک

ق

اس کو نہیں ہے قول کا میرے ٹک اعتبار
پہنچے ہے بات بات پہ نوبت قسم تلک
ہے تسپہ یہ غضب کہ نہیں مانتا وہ شوخ
لے جاؤں کاش ہاتھ بھی اس کے قدم تلک
اے شوق تیرے شعر کی اب تو پڑی ہے دھوم
سودا و میر و دائم و درد و الم تلک

اشک کو کر دیدۂ پرنم تمام
آج ہی کرنا ہے کیا سب غم تمام
آ تو آ ورنہ تری رہ دیکھ دیکھ
جی ہوا جاتا ہے آخر دم تمام
ایک دن پہنچی نہ اس دامن تلک
در ہوس برباد شد خاکم تمام

ہے اس کے دھن کا بھی یوھیں ذکر زباں پر
جوں رکھتی ہے افواہ میں عالم کے کمر نام

جی سکھ کبھی دل سکھ کبھی تن سکھ کبھی من سکھ
جپتا ہوں پڑا دل سے پیارے ترا ہر نام
گر شوق سے قدرت ہو اب اس کوچے کی جا سیر (۱۹۱ الف)
جب دل ہی دیا جان ، کہاں ننگ ، کدھر نام

لیتی ہے انگڑائیاں نت سایۂ ابرو میں بیٹھ
کس سے سکھی ہے بھلا بتلاؤ یہ آداب چشم
ایک دن کھینچے گی آخر ، دیکھیو اس کا خمار
کرتی ہے کیا مستیاں تو بر در محراب چشم

سب سے الفت اسے کیا کہتے ہیں
ہم سے نفرت، اسے کیا کہتے ہیں
میرے ملنے سیتی اتنا پرھیز
بل بے غیرت ، اسے کیا کہتے ہیں
دن میں لاتا ہے وہ قامت مجھ پر
سو قیامت ، اسے کیا کہتے ہیں
چھوڑ کر مجھ کو تو اوروں سے ملے
بے مروت ، اسے کیا کہتے ہیں
اب تو دل قید نعین سے نکل
اتنی غفلت ، اسے کیا کہتے ہیں

کرے ہے اک عالم کا خوں ہر گھڑی
بہت منہ لگایا ہے تیں پان کو
فلک رات دن رہتا ہے چرخ میں
نظر کر ترے دور داماں کو

کیا شوق اپنا تیں خانہ خراب
نہ دینا تھا یہ دل اس افغان کو

(۲۹۱ب) دل نے لیا ہے زلف سا مکان علیحدہ
مسکن ہے اس کا اب تو جہان علیحدہ
جنبش میں ابرواں کی کرے ہے نگاہ کام
اس تیر کی ہے جگ سے کمان علیحدہ
دیکھا تو جی اٹھے جو نہ دیکھا تو مر گئے
اس عشق کا ہے سود و زیان علیحدہ
دل ہے سو داغ داغ جگر ہے سو چھید چھید
ہم لے چلے ہیں یاں سے نشان علیحدہ
اے شوق ترے شوق کا انداز کیا کہوں
عالم سے تو رکھے ہے زبان علیحدہ

آہ اک دم نہ رہی صحبت یاراں باقی
رہ گئے دل میں مرے داغ ہزاراں باقی
بعد مرگ اب بھی نہیں چرخ کے ہاتھوں سے نجات
خاک میری کو ہے وہ گردش داماں باقی
کارواں لد گیا ، قدرت کا خدا حافظ ہے
یوہیں جاتا ہے رہا بے سرو ساماں باقی

چاہیے روم ہی جاگیر نہ یاں شام مجھے
منصب عشق میں زلف اس کی ہے لکھ دام مجھے
زلف کوتہ نے ڈسا یوں کہ نہ آئی یک لہر
مار بے دم ہوئی یہ زلف سیہ فام مجھے

آب شمشیر کا لے اس کی کروں پاشویہ (۲۹۲الف)
گرمئی عشق سے ہے یارو یہ سرسام مجھے

جھڑکی ہے ہر اک بات پہ اور دل شکنی ہے
ایسا بھی یہ کیا لائق گردن زدنی ہے (کذا)
آنے سے مجھے کوچے میں اپنے نہ ہو مانع
رہ کیوں کہ سکوں یاں سے کہ حب الوطنی ہے
پھر اشک مرا سخت ہوا ہے کچھ ابتر
طوفانی ہے یہ طفل بڑا ناسدنی ہے

آہ سحر کی سانگ اگر کوئی چل گئی
سن لیجیو جگر سے فلک کے نکل گئی
گو زلف موبہ‌مو تری رکھتی ہے لاکھ بل
پر کھاکے پیچ و تاب ترے منہ‌پہ‌بل گئی

کس کی مشتاق شب و روز صبا پھرتی ہے
گل جدا ، رنگ جدا ، بوے جدا پھرتی ہے
کج نگاہی سے نہیں دیکھتی وہ چشم سیاہ
باز گشتی کا لیے تیر گویا پھرتی ہے
آج کل ہاتھ میں کر اپنے دل اس قاتل کا
خون پینے کو مرا دزد حنا پھرتی ہے
کس کا من ڈسنے کو یوں جھالکتی وہ زلف سیاہ
دونوں جانب سیتی اب رو بہ قفا پھرتی ہے
دیکھیے کیا ہو ، ہر اک سو وہ نگاہ کافر
بر سر ظلم و ستم جور و جفا پھرتی ہے (۲۹۲ب)

زلف اس کی کھلی ہے ناگہانی
اتری یہ بلاے ناگہانی
دل گم ہوا دیکھ اس دھن کو
لے ڈوبی مجھے یہ نکتہ دانی

غافل مجھے گھڑیال یہ کرتا ہے منادی
گردوں نے گھڑی عمر کی اک اور گھٹادی

کس سہی قد کی پھر آمد ہے گلستاں کی طرف
سرو جھانکے ہے کھڑا باغ کی دیواروں سے
مل کے غیروں سے یہ کیا چال نکالی جسے دیکھ
آپ سے جا ہیں چلے ہم تری رفتاروں سے

لکھوں زلف کو مار یا مشک تاتار
جو خو تھی کسی کی تو بو تھی کسی کی

شیشے میں مئے ناب کی پیارے یہ دمک ہے
عارض پہ ترے یا کوئی جوبن کی جھلک ہے
دل اچھلے ہے بے طرح، جگر ہوتا ہے دھک دھک
لیجو تو خبر کس کے یہ پانوں کی دھمک ہے
یہ قاعدہ تم کس سے پڑھے ہو مرے پیارے
گالی کے سوا اور بھی کچھ تم کو سبق ہے (کذا)

اسی ہوس میں مہ نو تلک خمیدہ ہے
رکاب اس کی اس عالم میں کن نہیں پکڑی

نہیں ہے چرخ پہ یہ مہر، دیکھنے کو ترے (۲۹۳ الف)
فلک نے هاتھ میں اسے ماہ دوربیں پکڑی

زمین و آسماں ، سب دشت اور کہسار لے ڈوبی
اک عالم اشک کے طوفاں میں چشم زار لے ڈوبی

ہے چشم مری یا کوئی ساون کی جھڑی ہے
عالم کے ڈبانے کے مگر پیچھے پڑی ہے
سیل اس کے میں بہہ گئے در و دیوار یہ سب آج
کل دیکھیو آ کر کہ نہ تختہ نہ کڑی ہے
اس کالی گھٹا بیچ نہیں بگلوں کی یہ ڈار
اندر کی دری موتی کی دے مانگ کھڑی ہے
اب اشک حنائی سے گتھی رهتی ہے دن رات
مژگاں ہے مری یا کوئی پھولوں کی چھڑی ہے
شب تنگ و درپیش ہے افسانۂ کاکل
کیوں کر کروں کوتاہ حکایت یہ بڑی ہے
سودا و یقیں ، درد و حزیں سن کے ہوئے دنگ
قدرت ترے اشعار کی کیا دھوم پڑی ہے

دل تری دید کو تڑپے ہے سحر سے باهر
کیا تغافل ہے ذرا نکلو تو گھر سے باهر

رباعی

بن بن میں پھروں هوں اس کے پیچھے ڈولا
اک دن بھی خوشی سے وہ نہ وحشی بولا

(۲۹۳ب) جوں گل نہ سلا کشادہ پیشانی ہو
نے غنچہ صفت لب آن نے ہنس کر کھولا

نہ جانے کس ارادے پر وہ لے تیر و کماں نکلا
پھر اب بن ٹھن کے گھر سے فتنۂ آخر زماں نکلا
مرا دل ہاتھ میں کر شوخ اب پانوں سے ملتا ہے
یہ جنس بے بہا میری کا کیا ہی قدرداں نکلا
دل و دیں ، تاب و طاقت ، صبر و آرام و شکیبائی
دیا میں اس کو اور اپنا جلا کر خانماں نکلا

مرے نالے کو سن ، ہو پرغضب گھر سے نکل آیا
لگا کہنے : اے کیا نیند میں کرنے خلل آیا
اکڑتی ہیں سدا مجھ یہ ۱۱ ایں پریشانی (کذا)
تری زلفوں میں کیا جانے کہاں سے اتنا بل آیا
کرے ہے آج کل مدت سے وہ وعدہ خلاف اب تک
کٹی عمر انتظاری میں ، نہ آج آیا نہ کل آیا

کب سہوں میں تری جفا بیٹھا۱
کیا کروں اب تو دل لگا بیٹھا
اس قدر زخم ناتوانی ہے
مجھ سے جاتا نہیں اٹھا بیٹھا
کیا کہوں شوخ کج روش کی بات
کل وہ سیدھی مجھے سنا بیٹھا

---

۱ ۔ اس غزل کا مطلع اور سعر ۲ کا مصرع ۱ ، ن ۲ سے اضافہ ہ

خاتمه

بدان که ریخته برچند اقسام است ـ اول آن که یک مصرعه اش
ِسی و یک هندی ـ دوم آن که نیم مصرع فارسی و نیم هندی ـ
قسم ثالث که مناسبت تمام با کلمۀ ریخته دارد آن که کلمهٔ فارسی و
مۀ عربی و کلمۀ هندی بود ، فاما الفاظ مستعمل باید آورد و
مۀ عجیب و غریب نیارد ، چنان‌چه روزمرۀ هندوستان که عبارت
ت از شاه جهان آباد و محاوره عوام و خواص آنجاست ـ و
میں قسم ثالث در استعمال شعرائے ایں زماں مستحسن و معتبر است ـ
ا شاعر ایں فن را ایں قدر امتیاز لابدی است که از آوردن حروف
ردۀ فارسی بدون متعلق آں ، در ریخته اجتناب نماید ، چنان‌چه
ظ در یا یا بر یا از وغیره ذلک ـ و تراکیبے که موجب ثقل تلفظ
انی باشد باز ماندن ازاں هم ضرور ، بل واجب است ، اگرچه مرکب
کلمات فصیح باشد و رعایت عیوبات شعر (۳۹۲ الف) و اوزان و قوافی
ردیف وغیره که مفصل در رسالۀ عروض مذکور است ، البته
عر ازاں خبردار خواهد شد ـ پس دریں مختصر نوشتن فضولی است ـ
لله اعلم بالصواب ـ

چوں ایں نسخۀ ''طبقات‌الشعرا'' باعانت ایزدی و برهنمونئی
وق که راه بر جمیع مقاصد است به حسب‌فرمایش بعضے اعزّه که
، شعر ریخته را باوجود بےجانی عزیز از جان می داشتند با تمام
ید و صورت اختتام یافت ـ تمت تمام شد ـ

ترقیمه

بعون الملک الوهاب نسخه ''طبقات الشعرا'' بموجب فرمایش خان مهربان دوست محمد خان خلف الصدق خان صاحب نصرت خان حاکم -

بخط بندۂ احقر العباد فیض علی بتاریخ نہم شہر رجب بروز پنجشنبه وقت سه پہر ۱۲۰۱ ھ

ضميمهٔ طبقات الشعراء

استدراک

ہم نے مقدمے میں لکھا ہے کہ طبقات الشعراء کا ایک قلمی نسخہ نڈت برج موہن دتا تریہ کیفی کے ذخیرۂ کتب میں تھا ، اور یہ ب لاہور پہنچ چکا ہے (رک مقدمہ ۴۷ : ۳) ، اور ہم نے اسی مقدمے یں یہ بھی کہا ہے کہ "اس تذکرے کے وجودِ خارجی کا علم غالباً ب سے پہلے پنڈت برج موہن دتا تریہ کیفی کو ہوا اور انہوں نے ہیں باخبر کیا'' (رک ۴۱ : ۱۱) - لیکن یہ دونوں بیانات اصلاح کے محتاج ہیں - اصل میں طبقات الشعراء کا خطی نسخہ لالہ سری رام ہلوی مؤلف خمخانۂ جاوید کے کتب خانے میں تھا اور انہوں نے خمخانۂ جاوید کی جلد اول (سال انطباع ۱۹۰۸ع) میں اس کے حوالے یے ہیں - اُن کے انتقال کے بعد یہ کتب خانہ پنڈت کیفی کی تحویل یں رہا - پھر اس کا کچھ حصہ بنارس ہندو یونیورسٹی کو دے دیا گیا ، کچھ ضائع ہو گیا - ہم نے مقدمے میں (۴۱ : ۱۳) جو عبارت نقل ی ہے وہ خمخانۂ جاوید جلد پنجم سے مقتبس ہے ، جس کا بیشتر واد لالہ سری رام کا فراہم کردہ ہے - آسے پنڈت کیفی نے مرتب کر کے (۱۹۴۰ع میں) چھاپا تھا - ایسی صورت میں اس عبارت کا پنڈت کیفی سے انتساب درست نہیں اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ پنڈت کیفی نے تذکرے کے وجود سے پہلی بار ہمیں باخبر کیا - قطع نظر اس سے کہ خمخانۂ جاوید کی جلد اول میں اس کے حوالے موجود ہیں ، جلد پنجم کی طباعت سے پہلے اردو والے اس سے واقف ہو چکے تھے (ملاحظہ ہو خطبات گارساں دتاسی : ۱۰۵ - دستورالفصاحت : ۱۷-

مقالات شبلی جلد دوم ۔ رسالۂ ہندوستانی الہ آباد ، جنوری ۱۹۳۶ع)

اسا معلوم ہوتا ہے کہ لالہ سری رام کے کتب خانے کا یہ نسخہ طبقات الشعراء کی روایت ثانی ہے اور اس میں بعض شعراء کے ایسے تراجم موجود ہیں جو دوسرے نسخوں میں نہیں ہیں ۔ چوں کہ کوشش کے باوجود اس تذکرے سے استفادہ ممکن نہیں ہو سکا ، اس لیے خمخانۂ جاوید سے وہ تراجم یہاں پیش کیے جاتے ہیں جو تذکرۂ شوق کے حوالے سے آئے ہیں اور دستیاب خطی نسخوں سے غیر حاضر ہیں (مرتب) :

(۱) آشفتہ :

ساعر با کمال عنبرشاہ خان[1] باسندۂ رام پور شاگرد قائم چاند پوری جوان وجیہ تھے ۔ سگفتگی طبع ، خوش روئی ، لطیفہ گوئی ، بذلہ سنجی میں مشہور تھے ۔ ۶۷ برس کی عمر پائی ۔ فن انشا پردازی سے بہ خوبی واقف و ماہر اور نظم و نثر دونوں میں دستگاہ کامل حاصل تھی ۔ اردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے ۔ فارسی میں قدرت اللہ شوق سے اصلاح لیتے تھے ۔ ۱۲۳۷ھ تک زندہ تھے ۔ مزاج میں ظرافت حد سے زیادہ تھی ۔ قدرت اللہ شوق اپنے تذکرے میں انھیں حافظ بڈھا کا شاگرد لکھتے ہیں ۔ فارسی کا زیادہ شوق تھا ، ریختہ کی طرف کم توجہ تھی ۔ کبھی کبھی مشاعروں میں دوستوں

---

۱ ۔ مراجع : شیفتہ ۱۳ ، ہندی ۲۸ ، خندۂ گل ۱۴ ، شمیم ۸۹ ۔
عنبر شاہ خاں آشفتہ ، قائم چاند پوری کے شاگرد تھے ۔ بعض نے قدرت اللہ شوق کا شاگرد ہونا بھی بیان کیا ہے ۔ اُن کی تصانیف ریاض عنبر ، تشریق الخیال اور تدقیق الخیال کے نسخے رام پور میں موجود ہیں ۔ ۱۲۳۹ھ مطابق ۱۸۲۳ع میں انتقال کیا ۔ گھیر سید خاں (مراد آباد) میں دفن ہیں ۔

کے اصرار سے غزل پڑھ دیا کرتے تھے ۔ ان کا اکثر کلام نظر سے گذرا ۔ محاورات کہنہ اور زبان قدیم کا بہت استعمال کیا ہے ۔ کبھی کبھی صاحبقراں کے رنگ میں ریختی بھی کہہ لیا کرتے تھے۔ رنگین عبارت لکھنے میں فرد تھے ۔ بہت سی کتابیں انھوں نے تالیف و تصنیف کیں : منشآت میں گلشن محض ، جوش ہوش ، گلزار عنبر ، اشراق الخیال ، سویدائے عنبر ؛ اور فارسی قواعد میں جوہر عنبر ، اذان الاوزان ، نوادرالمصادر ؛ اور مصطلحات میں مرآۃالاصطلاحات ؛ اور ذکر شعرائے ہندوعجم میں ایک بیاض ریاض عنبر اور دو دیوان ان کی یادگار ہیں ۔ اردو دیوان کا نام تدفق الخیال اور فارسی دیوان کا نام نشر تق الخیال ہے ۔ فارسی میں اپنا تخلص عنبر رکھتے تھے ۔ مراد آباد میں انتقال کیا اور وہیں سید خاں کے گھر میں دفن ہوئے ۔ کلام کا انتخاب درج ذیل ہے : (مجمخانہ ۱/ ٦٧ - ٦٩)

زندہ مانندِ شمع پھر نہ آٹھا
اس کی محفل میں جا کے جو بیٹھا
نہ ٹھہرا سرمۂ نارسائی سے
خط مرا نامہ‌بر کو کھو بیٹھا

کس لیے کرتے ہو تم نہ نظرِ ہوش ربا
بس ہے عشاق کو اس کا اثرِ ہوش ربا
قتل عشاق کی خاطر نہ نکالو خنجر
ہم کو کافی ہے تمھاری نظرِ ہوش ربا
دل ہے وا ماندہ اور اس زلف کی ہے راہ دراز
سخت پیش آتا ہے اس کو سفرِ ہوش ربا

زباں سے اس نے نگاہ بتاں کا کام لیا
حضور قلب سے جس نے خدا کا نام لیا
سبک رواں نہیں منت پذیر اہل کرم
تہی حباب نے دریا سے اپنا جام لیا
رہائی دل کی ہے مشکل کہ قیدکو اس کی
مژہ نے اُس کی قفس ، گیسوؤں نے دام لیا
کبھی نہ بات بھی ہنگام دل‌ستانی کی
دیا دل اس کو اور اس نے بھی لاکلام لیا
رہائی اس کے رخ و زلف سے ہے بس دشوار
دل اپنا یار نے آسفتہ صبح و شام لیا

نکال منہ سے نہ آسفتہ نامِ قامت یار
جہاں میں سورِ قیامت کو ٹو نہ کر برپا

ہر باغ میں ہے شورش آواز عندلیب
فصل بہار پھر ہوئی دم‌ساز عندلیب
خوباں بغیر کون ہے عاشق کا راز داں
گل کے سوا نہیں کوئی ہم راز عندلیب

ہے ہجوم داغ سوزاں اور دل مایوس ایک
ہرطرف جلوہ چراغاں کا ہےاورفانوس ایک
دل جگرتاب‌وتواں فرقت‌میں اُس کی چل بسے
رہ گئی زنداں‌تن میں جان غم مانوس ایک
وصل کی شب خوف سے اس کے رقیب اس سے جدا
روز ہجراں دل‌میں ہے اپنے یہی افسوس ایک

عشق گل رویاں میں بلبل اور ہم یک رنگ ہیں
جس کو ہم سر پر چڑھاویں وہ گلے کا ہار ہو
آفتاب حشر تارک پر ترے روشن ہوا
اب تو اے آشفتہ مستی سے ذرا ہشیار ہو

مثل حباب بحر جہاں میں الم کے ساتھ
وابستہ اپنی زندگی ہے ایک دم کے ساتھ
تو کف پہ آبلہ ہے صدف ساں پہ مثل بحر
اہل سخا کو کام ہے ہر دم کرم کے ساتھ
پاس نفس سے راہ رواں جوں حباب و بحر
اک دم میں آشنا ہے وجود و عدم کے ساتھ

آشفتہ نام عشق نہ لے پھر تمام عمر
دیکھے جو کوئی میرے دلِ زار کی شبیہ

قاصد مرے نامے میں عبارت نہیں رنگیں
ملفوف ہیں اس میں دلِ مہجور کے ٹکڑے

اپنا دلِ ملول ہے وہ غنچہ اے نسیم
گلشن میں جو کھلا نہ ہو باد بہار سے

کشور عشق میں ہے اپنا مکاں برسرراہ
جو غم و درد ہے سو آ کے یہاں رہتا ہے

بہ رنگ نقش پا دائم ہو افتادہ کہ آشفتہ
بگولے کی طرح نت سر کشوں کے خاک برسر ہے
بھبھوت اُس حسن منیاسی پسر کا زیب پرور ہے
رخِ آئینہ خاکستر ہے لیوسنہ منور ہے
حذر تردامنوں سے صاف دل کے حق میں بہتر ہے
کہ چشمِ آئینہ نانی کی صحبت سے مکدر ہے

آیا نہ کچھ نظر ہمیں بیداری میں مگر
شب خواب میں تھی اُس کی کمر دست کے تلے

---

(۲) احقر :

منشی محمد ملوک[1] ـ عبدالجلیل سائل اور منشی فیض اللہ مکس پوری کے دوستوں میں تھے ـ تذکرۂ سوف کی نیاری سے قبل انتقال کر چکے تھے ـ یہ دو شعر ان کے نتائجِ افکار سے ہیں :

[خمخانہ ۱/ ۱۸۰]

مت چھیڑ باغباں ، جو کوئی آ گئی ہوا
ہم آپ ہی سے جائیں گے جوں خار و خس چلے
وقتِ رواروی ہے ، اٹھے قافلے کے لوگ
ساقی چلے پیالہ ، جہاں تک کہ بس چلے

---

(۳) احمدی :

خواجہ احمد علی[2] مرحوم دہلوی ـ آخر عمر میں لکھنؤ جا رہے

---

۱ و ۲ ـ ان کا ترجمہ متداول تذکروں میں نہیں ملتا ـ

تھے اور جرأت کے شاگردوں میں ممتاز تھے ۔ قدرت اور شوق کے تذکرے میں ان کا کلام نظر سے گزرا ، اس میں سے چند شعر انتخاب ہو کر درج کیے جاتے ہیں ۔ کلام سے موزونیِ فکر اور خوش اسلوبیِ بیان آشکارا ہے : [خمخانہ ۱/۱۹۵]

محکوم عشق ہو کے میں آرام سے گیا
سونپا مجھے وہ کام کہ سب کام سے گیا
ساقی تری نگاہ نے ایسا جھکا دیا
غم دو جہاں کا بس ترے اک جام سے گیا
حیراں کھڑے ہیں پست و دیوار سیکڑوں
مکھڑا دکھا کے کوئی لب بام سے گیا

ایسے عاشق کے پاس جانے کی
روز فرصت نہ ہو تو گاہے جا
مجھ کو جو وہ برا کہے تو کہے
در دلا ! اس کو تو سراہے جا

تری چشم نے پہلے بیمار ڈالا
پھر اس زلف کافر نے بس مار ڈالا

آپ کے کوچے میں ہم گزریں گے دن میں لاکھ بار
کچھ اجارہ یاں نہیں ، رستہ ہے یہ بازار کا

اگرچہ دل میں باتیں بات کرکہا کیا میں آتا ہوں
پر اس کی دیکھتے ہی شکل سب کچھ بھول جاتا ہوں

مجھے گلشن میں آتا دیکھ کر وہ غنچہ لب بولا
ذرا آنے دو اس کو چٹکیوں میں کیا اڑاتا ہوں
اُسے پروا نہیں کچھ ، سر اگر لاکھوں کے کٹ جائیں
جو پوچھو تو کہے ہے وہ کہ میں تیغ آزماتا ہوں
جو اس در سے چلوں ہوں احمدی ! ہوتی ہے یہ حالت
بہانہ ضعف کا کر ہر قدم پر بیٹھ جاتا ہوں

جاتے ہی بزم میں اس نے یہ دکھائیں آنکھیں
جب تلک بیٹھے ہم ، اوپر نہ اٹھائیں آنکھیں
دیکھے دیکھے سے پری روؤں کے کیا کیا طوفاں
تس پہ بھی دیکھنے سے باز نہ آئیں آنکھیں

بس گیا گل‌عذار آنکھوں میں
کیا ہی پھولی بہار آنکھوں میں

ان مخفی باتوں کو پیارے کب کوئی نامحرم سمجھے
جو رمزیں ہو گئیں نظروں میں کچھ تم سمجھے کچھ ہم سمجھے
مت جھوٹی جھوٹی باتوں سے بہلا ہم کو لے راہ اپنی
تو لا دے گا اس کو ہمدم ہم خوب نہ تیرا دم سمجھے

جو وہ یہاں آ کے ز راہِ کرم ذرا پھر جائے
تو مجھ مریض کی آئی ہوئی قضا پھر جائے
ہے اس سے گرمیِ صحبت نہ کھینچ تو دمِ سرد
مجھے یہ ڈر ہے مبادا کہیں ہوا پھر جائے

گھر اپنے آئے وہاں سے خدا خدا کر کر
گلی میں اس بت مائل کی کوئی کیا پھر جائے

---

(۴) ارمان :

ساہ علی[1] ارمان ، بقول نساخ جعفر علی حسرت کے علاتی بھائی او
جرأت کے شاگرد تھے اور بہ قول جناب شیفتہ حسرت کے بیٹے تھے۔ تذکرۂ قدرت اللہ سوق میں کچھ کلام نظر سے گزرا ۔ زبان اگرچہ پرانی ہے مگر مضامین کی موزونیت کے اعتبار سے کلام دلکس اور پرلطف ہے ۔ افسوس ہے کہ ان کے حالات زندگی معلوم نہیں ہوئے ۔ مختلف تذکروں سے ان کے اسعار کا انتخاب کیا جاتا ہے :

[خمخانہ ۱ ۲۸۱-۲۸۲

کیوں کہتا ہے اجی ہم سے نہ گھر جاؤ ہم
پر کوئی بات تسلی کی تو کر جاؤ ہم

دل لے کے دیوں نہ ظاہر اس کی رکھائیاں ہوں
ظاہر ہے بےوفا سے دھر بےوفائیاں ہوں
گر وصل میں نہ آوے وہ راہ پر غضب ہے
جس نے کہ ہم دو برسوں راہیں دکھائیاں ہوں
قاصد نے جھوٹ سچ تو کچھ کچھ کہا یہ ڈر ہے
ایسا نہ ہو کہ دل سے باتیں بنائیاں ہوں

---

۱ ۔ مجموعۂ نغز ۱/۵۸ ، سرور ۵۱ ، شیفتہ ۲۲ ، اشپرنگر ۲۲ ، شمیم ۸۷۔
''مرزا ساہ علی برادر دیہات (کذا) میاں حسرت مرحوم و مغفور ، ارمان تخلص ، شاگرد مرزا قلندر بخش جرأت صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نوشق است مگر طبیعت بسیار رسا دارد ۔''
[مجمع الانتخاب (قلمی) ورق ۷۲ ب]

پابوس اس کا ہووے کیوں کر ہمیں میسر
نقشِ قدم پہ جس کے نت جبہہ سائیاں ہوں
کیوں آج کل نہ بے کل میں ہوں کہ مجھ کو یارو
کل آئے جب نظر وے آئیں کہ لائیاں ہوں

چرچا ہوا ہے گھر گھر اب دیکھیے کہ کیا ہو
دو دن نہ چھپ سکی تو، چاہت ترا برا ہو

تا سر بالیں آسے آنا قیامت ساق ہے
یہ دلِ بیمار جس کا نزع میں مشتاق ہے

دلا تو بسترِ غم پر جو یوں کراہے ہے
بتا تو چاہے ہے وہ بھی جسے تو چاہے ہے؟

---

(۵) انتظار:

حکیم عطاء اللہ قریشی[۱] شاگرد قدرت اللہ بلیغ[۲]۔ ان کے والد حکیم غلام رسول حکمت[۳] (بعد میں غمیں تخلص رکھ لیا تھا) بڑے جید عالم اور ایک خوش تقریر بزرگ کشمیری الاصل تھے اور نواب غازی الدین خاں[۴] فیروز جنگ کی مصاحبت کی بدولت بڑے کروفر

۱۔ ان کا ترجمہ متداول تذکروں میں نہیں ملتا۔
۲۔ رک: ۱۴۰ کے حواشی ۳۶۹ : ۱۷
۳۔ رک: تذکرۂ کاملان رام پور۔ وقائع عبدالقادر خانی۔
۴۔ رک: ۱۵۷ کے حواشی ۴۰۲ : ۱۴

سے زندگی بسر کرتے تھے ۔ کچھ دنوں نواب فیض اللہ خان[1] والیِ رام پور کے یہاں بھی ملازمت کی ۔ انجام کار دہلی میں انتقال کیا ۔ ان کے مورث محمد حسن فانی (کذا) کشمیر کے شعرائے مشاہیر میں ہوئے ہیں[2] ۔ انتظار رام پور میں پیدا ہوئے ، وہیں تعلیم پائی اور نواب فیض اللہ خاں کے صاحب‌زادوں کے مصاحب رہے ۔ اردو فارسی دونوں زبانوں میں داد سخن وری دیتے تھے ۔ شوق کے تذکرے کی ترتیب کے وقت جوان تھے ۔ [خمخانہ ۱/۴۵۲ - ۴۵۳]

چھپا گیا گل‌عذار آنکھوں میں
کیا ہی بھولی بہار آنکھوں میں[3]
مثل عینک کے آلھ گیا ہے حجاب
تو ہی ہے وار وار آنکھوں میں

گر ستاوے گی یونہیں تیری جدائی مجھ کو
کل موا ، آج اگر موت نہ آئی مجھ کو
پہنچے گا ہاتھ نہیں اپنا کبھی زلف تلک
خوب معلوم ہے طالع کی رسائی مجھ کو

ان آنکھوں سے میں دیکھوں تیرا بھی جگر خوں ہو
اللہ کرے ظالم تو بھی کہیں مفتوں ہو

---

۱ ۔ رک : ۱۸۱ کے حواشی ۵۷۴ : ۱۴
۲ ۔ رک : مرآۃ الخیال ، ریاض الافکار ، نتائج الافکار ، صبح گلشن ، کلمات الشعراء ، مجمع النفائس وغیرہ ۔ نیز مقدمہ مثنویات فانی کشمیری مرتبہ ڈاکٹر امیر حسن عابدی ، سری نگر ، ۱۹۶۴ع ۔
۳ ۔ خمخانہ جاوید جلد ۱/۱۹۶ میں یہ شعر خواجہ احمد علی احمدی دہلوی سے بھی منسوب ہوا ہے ۔

یاں تک تو ہوئی ہے ناتوانی
کرنے لگی روح بھی گرانی
شاید کہ ہوا مرا جگر خوں
آتے ہیں جو اشک ارغوانی

ایک تہمت ہر آن رکھتا ہے
مجھ پہ تو کیا گماں رکھتا ہے
مت ستا ، دیکھ ، مان لے کہنا
اور کوئی بھی جان رکھتا ہے
مٹ چکا ہے یہ مثلِ نقشِ قدم
نام کو اک نشان رکھتا ہے
کل تو تھی ہی بہار کافر پر
آج کچھ اور آن رکھتا ہے
ہو چکا انتظار ، تُو ناحق
زندگی کا گماں رکھتا ہے

نہ شکوہ تیغِ ابرو سے نہ رنجش تیرِ مژگاں سے
مری خاطر پریشاں ہے تری زلفِ پریشاں سے
خدا سے ڈر ، جھٹک مت ، رحم کر ہم خاکساروں پر
کہ رکھتے ہیں علاقہ کچھ تو ظالم تیرے داماں سے
نہیں مفتوں کسی پر ، انتظار اُس کی بلا جانے
کہ کیا گزرا دلِ نالاں پہ میرے دردِ ہجراں سے

مت اٹھا ہاتھ ، مرے دل کی دوا ہونے دے
ہے یہ بیمار بہت ، اس کو شفا ہونے دے

آہ و نالہ کا نہ مانع ہو کہ دل ٹوٹا ہے
توڑتا ہے جو تو شیشہ تو صدا ہونے دے
ڈرتے ڈرتے جو کیا دردِ دل اُس سے ظاہر
ہاتھ رکھ دل پہ مرے کہنے لگا ، ہونے دے

در قفس کا تو عبث بند کرے ہے صیاد
ہم گرفتاروں کو کب خواہشِ آزادی ہے

---

(۹) تجمل :

کسی[1] لکھنؤ کے خوش فکر شاعر کا تخلص ہے جو قدرت اللہ شوق کے تذکرے کی تیاری کے وقت وہاں بہ اطمینان زندگی بسر کرتے تھے۔ کلام سے زبان کی صفائی اور خوش گوئی ظاہر ہے ، کیا خوب کہتے ہیں : [خمخانہ ۳۹/۲]

چلے سیرِ باغ کو وہ کوئی جسے رنج و غم سے فراغ ہو
اُسے لالہ زار سے کام کیا ، جسے سینہ اپنا ہی داغ ہو
شبِ ماہتاب میں ساقیا ! لبِ آب جوے رواں نکل
عجب اک بہار ہو گر تجھے سرِ ذوقِ شربِ ایاغ ہو
گلِ داغ داغ سے ہجر کے ، مرا سینہ رشکِ بہار ہے
ذرا تو بھی اُن کے سیر کر جو ہواے گلشن و باغ ہو
یہ وہ عشقِ خانہ خراب ہے کہ زمیں پہ اہلِ غرور کو
کوئی دن میں خاک نشیں کرے اگر آسماں پہ دماغ ہو
نہ کر اے تجملِ خوش سخن کسی بد زباں سے برابری
نہیں خوب بلبلِ خوش نوا جو چمن میں ہم سرِ زاغ ہو

---

۱ - مجموعۂ نغز ۱/۱۳۷ ، سرور ۱۶۳ ، شیفتہ ۴۱ ۔

(۷) تصور :

منشی[1] سید احسان تصور ، سادات زیدیہ مقیم بنکوڑا ۔ ا
شریف خاندان کی یادگار ، حیدر حسین خاں کے بیٹے اور حضرت جر
کے تلامذہ میں مشہور تھے ۔ جناب شیفتہ نے ان کا نام حیدر حسـ
لکھا ہے ۔ قدرت اللہ شوق کے تذکرے کی ترتیب کے وقت زند
سلامت موجود تھے ۔ ۱۸۴۸ع تک زندہ تھے ۔ فلن صاحب
اپنے تذکرے میں ان کا نام حیدر علی لکھا ہے ۔ معاملہ خوب ک
تھے ۔ مہذب ، متین ، با علم نوجوان تھے ۔ ایک قلمی بیاض
کچھ کلام نظر سے گزرا ، اس کا انتخاب درج ذیل ہے :

ناصح تو کسی بت سے تو جا آنکھ لڑا دیکھ
سن میری نصیحت یہ ، ٹک اس کا بھی مزا دیکھ
کیا اس کے تصور میں تری بن گئی صورت
لے آئنہ شکل اپنی تصور تو ذرا دیکھ

دیکھے جو تری چشم سیہ مست کو اک بار
پھر حشر تلک وہ کبھی ہوشیار نہ ہووے

---

۱ ۔ مجموعہ نغز/۱۴۱ ، سرور ۱۶۴ ، ہندی ۴۶ [سید حیدر حسین نام ا
ہے] سیفتہ ۴۳ ، اسپرنگر ۵۳ ، مجمع الانتخاب (قلمی) ورق ۱۴۰ الف
"تصور ۔ میر احسان حسین...ولد سید حیدر حسین خان ،
شاگرد میاں جرأت...از فقیر بسیار ربط و اتحاد دارد ، بہ جمیع
صفت موصوف ۔ فقیر در لکھنؤ گزاشتہ آمدہ است ، حق تعالیٰ
سلامت دارد ۔ و در مسودہ فقیر بسیار غزلہائے میر معزالیہ
بودند مگر گم شدہ ۔ حالا یک مخمس و چند شعر کہ از تذکرۂ
مذکور یاد بود بہ قید قلم در آوردہ..." [مجمع الانتخاب ورق
۱۴۰ الف]

لے گئے یوں ترے کوچے سے تصور کو لوگ
جوں اٹھاویں کسی بدمست کو مے خانے سے

شب ہم جو ذکر ہجراں ، وصل میں ہونے لگے
وہ اُدھر رونے لگے اور ہم ادھر رونے لگے

مجھے بے تاب آتے دیکھ کر کوچے میں یوں بولا
بھلا کیوں دوڑ دوڑ آتا ہے یہ ، کیا اس کی سانس ہے
تصور گرم جوشی دار کی مجھ کو رُلاوے گی
بہت گرمی کا ہونا مینہ برسنے کی علامت ہے

رونا کوئی موقوف کریں ہیں مری آنکھیں
جب تک نہ تسلی کو دل آئے ، جگر آئے

صدمۂ غم متصل جب تیرے مائل پر رہے
بادھ اس مضطر کا ہردم کیوں نہ پھر دل در رہے

لگ جائے تصور کے گلے آ کے وہ بت آج
اللہ کرے اس کی یہ امید بر آئے

۸) تمکین :

میاں صلاح الدین دہلوی[۱] ، شاہ حاتم کے ہم عصر اور شعرائے

---

۱ - مراجع : دو تذکرے ۱/۹۵ ، گلشن سخن ۸۴ ، مجموعہ نغز ۱/۱۳۶ ، سرور ۱۶۴ ، شیفتہ ۴۴ ، ریاض الفصحا ۴۶ ، اشپرنگر ۴۵ ، مخزن ۵۳ ، نکات ۱۳۷ ، گردیزی ۳۳ ، حسن ۳۵ ، چمنستان ۵۴۴ ، مسرت افزا ۱۴ ، مجمع الانتخاب (قلمی) ورق ۶۵ الف -

قدیم میں تھے ۔ طبیعت اخلاقِ دنیوی سے آزاد تھی اور فقیرانہ وضع
رکھتے تھے ۔ ایک قلمی تذکرے سے ان کا کلام منتخب ہو کر
درج ذیل ہے :

حسن اور عشق کو جس روز کہ ایجاد کیا
مجھ کو دیوانہ کیا تجھ کو پری زاد کیا

نامے کا میرے لے کر اس سے جواب پھرنا
ہر واسطے خدا کے قاصد شتاب پھرنا

کہے کیا دردِ دل بلبل گلوں سے
اڑا دیتے ہیں اس کی بات ہنس کر

[خمخانہ ۲/۵۰]

---

(۹) تمکین :

میر ہدایت علی[1] متوطن قصبہ کندرکی ضلع مراد آباد ، بہت
ذہین اور طباع اور علوم و فنون عربی و فارسی میں دستگاہ تامہ
رکھتے تھے ۔ خوش نویسی میں بھی یدطولیٰ حاصل تھا ۔ چنانچہ
اکثر خطوط متداولہ نہایت عمدگی سے لکھتے تھے ۔ تمام عمر درس و
تدریس میں بسر کی ۔ فارسی شعر اکثر اور ریختہ بہت کم کم کہتے
تھے ۔ متقی ، پرہیزگار و ادیب کامل تھے ۔ قدرت اللہ شوق
تذکرے کی ترتیب کے وقت ، یعنی بارھویں صدی کے آخر تک زندہ
تھے ۔ چند شعر انھی کے تذکرے سے انتخاب کرکے درج کیے جاتے
ہیں ، جن سے تلاشِ الفاظ و مضامین اور رنگین بیانی کا پتا چلتا ہے :

---

۱ - ان کا ترجمہ متداول تذکروں میں نہیں ملتا ۔

ملاحظہ ہوں : [خمخانہ ۲/۱۲۵]

وہ مہ جبین یوسف کنعاں ہے دوسرا
اس کے مقابلے کوئی انساں ہے دوسرا ؟
پھر شورش جنوں ہے بھلا چاک کیا کروں
داماں ہے دو سرا نہ گریباں ہے دوسرا
مشہد ہے دوسرا کا دلا کوچۂ صنم
تڑپے ہے ایک واں پہ تو بےجاں ہے دوسرا (کذا)
ہر چند سب کے رہنے کی ہے گھرجگہ ولے
تمکین ! کوے یار شبستاں ہے دوسرا
اس عرصۂ جہاں میں ترے ہاتھ سے میاں
خنداں اگر ہے ایک تو گریاں ہے دوسرا

دل حزیں میرا مثل غنچہ سگفتہ ہو جائے ایک دم میں
گر اس کے کوچے میں کاش لے جائے اے صبا تو غبار میرا
ایسا نہیں ہے گر اس پری نے ، بتا تو تمکیں کدھر گیا ہے
وہ صبر میرا ، سکب میرا ، قرار اور اختیار میرا

اب نہ وہ بلبل ہے نے گلزار ، کیا تھا کیا ہوا
کچھ نہیں آتا نظر جز خار ، کیا تھا کیا ہوا

---

(۱۰) ثروت :

نواب بخش اللہ خاں مرحوم[۱] ، خلف الرشید وزیر صاحب تدبیر نواب عمادالملک غازی الدین خاں وزیر احمد شاہ عالمگیر ثانی (کذا) ۔

---

۱ ۔ ان کا ترجمہ متداول تذکروں میں نہیں ملتا ۔

خود جوان قابل ، صاحب اخلاق و مروت اور رسائی ذہن اور عالی ہمتی کے باعث اقران و اماثل میں ممتاز تھے ۔ کبھی کبھی بہ اقتضائے موزونیِ طبع زبانِ اردو میں بھی سعر کہا کرتے تھے۔ قدرت اللہ سوق کا بیان ہے کہ صاحب دیوان تھے ۔ حو کجھ کلامِ نظر سے گزرا ، اس میں سے تبرکاً چند سعر یہاں انتخاب کر کے لکھے جاتے ہیں :
[خمخانہ ۱۸۲/۲]

ادا و ناز و شوخی میں ہے وہ آتس کا پرکالہ
نگہ برقِ درخشاں اور رُو آتس کا پرکالہ
ترا چلنا ، ٹھہرنا ، دیکھنا مڑ مڑ کے اے ظالم
جسے دیکھو سو ہے سب مو بہ مو آتس کا پرکالہ
نہ ہو اس سمع رو سے ہر گھڑی بروت تو ہم محفل
غصب ہے وہ سنم گر سمع رو آدس کا پرکالہ

صنم کی بزم میں جو مے کا جام حلتا ہے
دو یاں بھی خونِ جگر ہی کے کام چلتا ہے

---

(۱۱) جمیل :

حمیل الدین نام[۱] ، سیخ بورہ نواح فرخ آباد کے رہنے والے تھے ۔ خوش کلام اور اچھا کہنے والوں میں تھے۔ میر احسان الدین موزوں کے ساگرد تھے اور بعض تذکرہ نویسوں کے قول کے بہ موجب میر نظام الدین ممنون سے بھی اصلاح لی تھی ۔ جوان قابل ، وجیہ ، عاسق مزاج اور خوش اخلاق ، رند مشرب تھے ۔ قدرت اللہ شوق کے تذکرے میں ان کا کلام نظر سے گزرا ۔ اس میں سے چند شعر

---

۱ ۔ ان کا ترجمہ متداول تذکروں میں نہیں ملتا ۔

انتخاب ہو کر درج تذکرہ کیے جاتے ہیں ۔ بعض غزلوں میں تمنا تخلص بھی کرتے تھے : [خمخانہ ۲/۲۶۵]

جبہہ سا دیکھ مجھے نقش قدم پر اپنے
سرگراں ہو کے کہا ، خاک بہ سرسار پڑا
رونا آتا ہے ہمیں دیکھ کے احوال جمیل
حالت نزع میں ہے کل سے وہ بیمار پڑا

نہ اٹھا ، کو چوایا منہ میں پانی اس کے سبنم نے
ہوا بے ہوس یاں تک دیکھ کر غنچہ دہن تیرا

آنکھوں کا اس پری کی پھڑکنا نہ جائے د
وحشی ہیں یہ غزال ، بھڑکنا نہ جائے د
تارس کو جسم تر کی کروں ضبط گو جمیل
بجلی کا آہ کی یہ کڑکنا نہ جائے د

ہم سے یوں نظریں چرانا ، خیر سے ہو چار چشم
آپ سے ہم کو یہی ہے اے بت عیّار چشم

محو صید مرغ دل ارس وہ صید انداز ہے
پنجۂ مژگان جس کا چنگل شہباز ہے
پا نہ گل حیرت سے ہے سرو گلستاں راست کہہ
کس قیامت قد کا یاں قمری خرام ناز ہے
اس کی فوج غمزہ سے ہر روز ہے یہ دو بہ دو
کچھ جمیل خستہ جاں بھی زور ہی جاں باز ہے

سرمندہ اس مژہ سے فقط اب نہ تیر ہے
ابرو کے دور میں بھی کہاں گوشہ گیر ہے
دامن سے لگ گیا ہے مگر اس کی اے نسیم
مشت غبار اپنا جو رسک عبیر ہے
کاہیدہ اس قدر ہے یہ بہار ہجر میں
آتا جو دیکھنے کو صغیر و کبیر ہے
بستر پہ جسم زار کو اس کے فتادہ دیکھ
لے جائے ہے گماں کہ تار حریر ہے

---

(۱۲) جوہر :

کوئی بزرگ[1] بریلی کے باشندے اور اوائل انیسویں صدی میں حیات تھے ۔ ایک قدیم تذکرے میں آپ کا کچھ کلام نظر سے گزرا ۔ اس میں سے یہ دو شعر پسند آئے ، درج تذکرہ کیے گئے :

[خمخانہ ۲/۲۹۶

ہے دست شانہ زلف پہ خود نسمہ پر
یا یہ چڑھا ہے حور لپٹ کر نسمہ پر

تجھ بن ہے خراب زندگانی
دل پر ہے عذاب زندگانی

---

۱ - سرور ۱۸۹ (نام دیوالی سنگھ بتایا ہے) ، اشپرنگر ۶۵ ۔

(۱۲) جھمن :

جھمن ناتھ ،[۱] قوم کے کایستھ اور دہلی کے قدیم باسندے تھے - ان کے بزرگ ہمیشہ سرکار شاہی میں ملازم رہے - نواب امیرالامراء ضابطہ خاں بہادر کی سرکار میں ان کے بڑے بھائی عہدۂ منشی گری پر مامور تھے - فن سخن میں لا ۸ جھمن ناتھ کی طبیعت نہایت موزوں و مناسب واقع ہوئی تھی - فارسی ، اردو دونوں زبانوں میں فکر سخن کیا کرتے تھے اور اکثر صنائع و بدائع میں شعر کہا کرتے تھے - اکثر غزلیں اور قطعے مدح امرا میں دو بحرین کہے ہیں - بعضوں کی مدح ایسی کی ہے کہ ہر مصرع سے اگر ایک ایک حرف لیے جاؤ تو نام ممدوح کا نکل آتا ہے اور ہر مصرع سے تاریخ سال نکلتی ہے - اور کچھ غزلیں صنعت عاطلہ اور منقوطہ میں بھی کہی ہیں - ہار دانش کو بھی منظوم کیا ہے - افسوس ہے کہ باایں ہمہ کمال ... سے بھی محتاج رہے - راجا اجیت سنگھ بہادر ہر چند چاہتے تھے کہ ان کا افلاس مبدل بہ فلاح ہو مگر ان کی وارستہ مزاجی اور بے پروا طبیعت نے قبول نہ کیا - خلقۃً نہایت مسکین اور غریب نہاد طبیعت پائی تھی - کبھی کبھی اپنے اشعار خواجہ میر درد کو بہ غرض اصلاح دکھا لیتے تھے - سنہ ۱۱۹۰ھ میں موجود تھے ، یہ ان کا کلام ہے :

[خمخانہ ۲ ۳۲۷]

دل جوں سپند عشق کی آتش سے جل گیا
اک آہ کھینچنے میں مرا دم نکل گیا

---

۱ - مراجع : مجموعۂ نغز ۱/۱۷۶ [قاسم ان کا نام جھمن لال تاتا ہے ، میرا قیاس ہے کہ مؤلف خمخانہ کا ماخذ مجموعہ نغز ہی ہے] - سرور ۱۸۴ : اشپرنگر ۶۶ -

اشک ہوتے ہی تولد اس قدر رسوا ہوا
یہ تو لڑکا حضرت مجنوں کا بھی باوا ہوا

قطعہ

یہاں مختار جو با جاہ آیا
برائے قتل خلق اللہ آیا
نہ تھے کچھ ساہ جی، نے شاہ حاجی
وہ نادر ساہ تھے یہ ساہ آیا

ہے مفتخر نہ مسند والا گلاب رائے
یہ گاؤ تکیہ رکھے ہے لالہ گلاب رائے
سب چیز بس دے جو چڑھیں لوگ اس کے گھر
بھر دیوے کف میں لؤلؤ لالہ گلاب رائے
بلبل لڑیں ہیں محل سرا اس کی میں مدام
کیا لال بیٹا ماں نے یہ پالا گلاب رائے
مانگے جو کوئی موتی کا دانہ و اس کو بھر
دیتے ہیں اپنی سونے کی مالا گلاب رائے
ساباش اس کی ماں کو جو ایسا جنا ہے پوت
جیوے وہ اس کا کھیلانے والا گلاب رائے

(۱۴) خلق :

میر احسن علی خلق ، حلف الرسید[1] میر حسن ، صاحبِ بدرمنیر

---

۱ - مراجع : مجموعۂ نغز ۱/۲۳۶ ، سرور ۲۵۲ ، سینتہ ۶۶ ، ہندی ۸۹ ، اشپرنگر ۸۲ ، شمیم ۱۲۰ -

مقیم فیض آباد لکھنؤ۔ اپنے والد مرحوم کے شاگرد اور صاحب دیوا
تھے۔ درتیب تذکرۂ شوق کے زمانے میں وجیہ و خوب رو جوا
تھے۔ خاندانی رسم کے بہ موجب مرثیہ کہتے تھے۔ میر خلیق ان کے
حقیقی بھائی تھے۔ ۱۸۰۳ع کے بعد سو برس کی عمر میں وفات پائی
[خمخانہ ۳/۳۰]

عجب عالم میں بےہوشی کے وہ مجھ کو نظر آیا
کہ ایسا بھی نہ آیا ہوش جو پوچھوں کدھر آیا

بے قراری میں کٹی رات تو یاں اپنے تئیں
چین سے زلف میں دل دیوں کے رہا ہووے گا
دل لگاتے تو لگایا پہ نہ تھا کچھ معلوم
جی نہ لیا گررے گی اور جان پہ کیا ہووے گا

---

(۱۵) راغب :

حافظ یار خاں خلف الصدق[۱] نواب ذوالفقار خاں ابن حافظ
الملک حافظ رحمت خاں نصیرجنگ۔ جواں وجیہ، صاحب حوصلہ
مجمع قابلیت، صاحب علم و فن، خوش نویس، انشا پرداز۔ کبھی
کبھی شعر فارسی اور ریختہ میں کہہ لیتے تھے۔ یہ چند شعر ان کے
کلام سے تذکرۂ قدرت اللہ شوق سے منتخب ہوئے:
[خمخانہ ۳/۷۴]

بسانِ شانہ کر کوئی کرے سو ٹکڑے اپنا دل
وہ جانے سو بہ سو احوال اس زلفِ پریشاں کا

---

۱ - ان کا ترجمہ متداول تذکروں میں نہیں ملتا -

کل مجھے دیکھ کر مرا گل‌رو
اپنی مجلس میں کیا ہی لال ہوا

میں تو اس کے عشق میں ہر لحظہ دکھ پاتا رہا
اور وہ بے درد اک بوتے نہ ترساتا رہا

مجھے محفل میں اپنی گر بٹھاؤگے تو کیا ہوگا
گھڑی دو چار اگر مکھڑا دکھاؤگے تو کیا ہوگا
نہ ہوگا فرق کچھ صاحب تمھاری قدر و عزت میں
کسی روٹھے کو اپنے گر مناؤگے تو کیا ہوگا

ہم ہوں اور تم ہو اور سب مہتاب
ہو گزک اور سراب خواری ہو
وہ ہو اور ناز و غمزہ و عشوہ
میں ہوں اور درد و آہ و زاری ہو

غیر سے چاہ جب تمھاری ہو
دیکھیے شکل کیا ہماری ہو

کیا تم سے کہوں میں نے دیا دل آپ کیسے
الفت سے ، مروت سے ، محبت سے ، نہ ایسے

(۱۶) راقم[1] :

لالہ بندرا بن صاحب راقم دہلوی ۔ ان کے سلسلۂ شاگردی کی

---

۱ - مراجع : دو تذکرے ۱/۳۲۵ ، ۳۲۶ ، گلشن‌سخن ۱۳۶ ،
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

نسبت تذکرہ نویسوں میں اختلاف ہے۔ اکثر ان کو مرزا رفیع سودا کا اور بعض مرزا مظہر کا ساگرد بتاتے ہیں۔ مگر مرزا مظہر کی ساگردی کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ البتہ اوائل مشق میں انھوں نے میرصاحب سے ضرور اصلاح لی تھی جس کی بابت خود میر تقی میر اپنے تذکرے میں اسارہ کرتے ہیں کہ:

"بندرا بن رامم از ساہ جہان آباد است، مشق سخن از مرزا رفیع می کند. قبل ازیں بافقیر نیز مشورت سعر می کرد۔"

میر صاحب کی تحریر کی تائید قدرت اللہ خاں نے بھی اپنے تذکرے میں کی ہے[۱]۔ راقم فن سخن میں کامل دست گاہ رکھتے

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاسیہ)

مجموعہ نغز ۱/۲۶۵، محزن ۵۵۵، حسن ۳۷، گلزار ۱۳۷، قاضی عبدالودود (بندرابن راقم، تحریک (دہلی) جلد ۵، شمارہ ۶، ستمبر ۱۹۵۷ع)

حمیستان ۵۱۲، سرور ۲۹۹، شمیم ۸۳، اشپرنگر ۹۵، بیاض سخن ۱۶، مجمع الانتخاب قلمی ورق ۳۲۳ ب۔

۱۔ طبقات الشعرا (قلمی) نسخہ دارالمصنفین اعظم گڈھ میں بندرا بن راقم کا ترجمہ موجود ہے، مگر نسخۂ سنٹرل رکارڈس سے غیرحاضر ہے یہاں ناظر کتب خانۂ دارالمصنفین کے شکریے کے ساتھ درج کیا جاتا ہے:

"منشی بندرا بن راقم: متوطن شاہ جہان آباد۔ ساگرد مرزارفیع السودا و پیشتر از میر محمد تقی اصلاح می گرفت۔ می گویند کہ در فن انشاپردازی و عبارت آرائی و رقم انشا و املا بےنظیر و خارج از دائرۂ تحریر بود۔ راقم مرقوم و محمد قائم کہ احوالش خواہد آمد، ہر دو ہم طرح اند۔ چند اشعار نگاشتہ قلم شیریں رقم او بہ تحریر می آید، ازوست..."

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

تھے اور سعر خوب کہتے تھے ۔ چناں چہ میر حسن نے بھی اپنے تذکرے میں ان کی رسائی طبع کا بدیں الفاظ اعتراف کیا ہے :

''بندرا بن راقم بسیار پست قد و لیکن بلند فکر است ۔''

ان کا انداز کلام خود اس بات کا شاہد ہے ۔ انتخاب ملاحظہ ہو :
[خمخانہ ۳/۳۵۴]

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)
اس میں ۱۵ شعر انتخاب ہوئے ہیں جن میں وہ بھی شامل ہیں جن پر ہم نے اوپر متن میں ستارہ (✶)کا نشان بنا دیا ہے۔ باقی ۵ شعر یہ ہیں :

میرے اعصا میں تجھ کمر سے میاں
فرق ہرگز نہیں سر مو کا

کس کے گلے کے قطرۂ خوں ہیں نہ زمیں
جیوں تکمہ روکتے ہیں گل اورنگ اے فلک

پہنچا نہ آہ درد کو میرے کوئی طبیب
یا رب عجب طرح کا کچھ آزار ہے مجھے

سنتے ہیں کہ ہوتی ہے جگ میں دوام صبح
ہوگی کبھی اے چرخ ہماری بھی شام صبح

رونے میں اس قدر تو جگر اے جگر نہ کر
دیکھا نہ دونے کچھ کہ دل و دیدہ کیا ہوئے

''بندرا بن راقم : از ساکنین شاہ جہاں آباد ، شاگرد سودا ، فکر خوش دارد و مترددف بقصد تنظیم درآوردہ اکثر در مشاعرہ غزل طرحی می خواند ۔ چندے می گذرد کہ از بود و باش وے آگاہی ندارم واللہ اعلم ، حالا کجا اسقامت پذیر است و چگونگی اوقات گذاری دارد ۔'' (عیارالشعراء (قلمی) خوب چند ذکا)

مخزن نکات (قلمی) نسخۂ انڈیا آفس کے ترجمۂ راقم میں اتنا اضافہ ہے :

''از چندے برفاقت مرہٹہ بہ دکھن رفتہ ۔''

★ نامے کو میرے اس سے لے کر جواب پھرنا
پر واسطے خدا کے قاصد شتاب پھرنا
اک وہ بھی دن تھے راقم جو تھا ہمیں میسر
گلشن میں ساتھ اس کے پیتے شراب پھرنا

★ کہے کیا درد دل بلبل گلوں سے
اڑا دیتے ہیں اس کی بات ہنس کر

★ اے عشق مجھے تو اس طرح مار
تا یار کہے کہ ہائے عاشق

★ کام شاہوں کا کچھ تجھے منظور ہی نہیں
کہنے کی ہے یہ بات کہ مقدور ہی نہیں
★ کہتا تھا کون یہ کہ خوشی ہے جہاں کے بیچ
اس بات کا تو یاں کہیں مذکور ہی نہیں

ق

★ اے باغباں نہیں ترے گلشن سے کچھ غرض
مجھ سے قسم لے چھیڑوں اگر برگ و بر کہیں
★ اتنا ہی چاہتا ہوں کہ میں اور عندلیب
آپس میں درد دل کہیں ٹک بیٹھ کر کہیں

مری بدشرابیوں سے کریں توبہ مے گساراں
زہے وہ عمل کہ ہووے سبب نجات یاراں
سنا کن نے حال میرا کہ جوں ابر وہ نہ رویا
رکھے ہے مگر یہ قصہ اثر دعائے باراں

★ یاں تک قبول خاطر کیجے تری جفا کو
تا سب کہیں کہ راقم رحمت تری وفا کو

ق

★ مژگاں سے دل بچے تو ٹکڑے کرے ہے ابرو
یہ کہہ کے میں نے اس سے جب اپنی داد چاہی
★ کہنے لگا کہ ترکش جس دم کہ ہووے خالی
تلوار گر نہ کھینچے پھر کیا کرے سپاہی

---

(۱۷) سامان :

میر محمد ناصر[۱] آپ کا اصلی وطن جون پور تھا۔ محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں وارد شاہ جہاں آباد ہوئے تھے۔ تذکرۂ شعرائے ہند شوق میں ان کے دو شعر درج ہیں جو یہ ہیں : [خمخانہ ۴/۴۵]

اٹھیں کیوں کر نہ اس دل میں بھبھوکے
کبھو ہم سی آشنا تھے ہم کسو کے
رقیب اس طرح جلتے ہیں ہمیں دیکھ
گویا رشتے میں ہیں آس شمع رو کے

---

۱ - مراجع : دو تذکرے ۱/۴۳۵ - ۴۳۶ ، سرور ۳۴۳ ، شیفتہ ۹۴ ، اشپرنگر د ۱۰ ، حسن ۷۹ ، گردیزی ۹۸ ، چمنستان ۳۹۷ ، مسرت افزا ۱۰۶ ، ریاض حسنی ۱۴۴ ، بے خزاں ۱۰۲ ، نشتر عشق (قلمی) ورق ۳۱۷ ، گل رعنا (قلمی) ورق ۲۵۱ ب
شفیق اورنگ آبادی نے سامان کا سنہ وفات ۱۱۴۷ھ بتایا ہے۔
(رک : گل رعنا ، نز خوشگو)

(۱۸) سبقت :

میرزا مغل[۱] خلف میرزا علی اکبر کشمیری ۔ آپ دہلی میں شاہ عالم ثانی کے عہد میں پیدا ہوئے اور یہیں رہے ۔ شباب میں لکھنؤ گئے تھے ۔ شیریں گفتار ، خوش فکر ، معاملہ بند شاعر تھے ۔ حضرت جرأت سے فیض سخن حاصل تھا ۔ چناں چہ آن کی جدت طرازی اور معاملہ بندی کا تصور ان کے ہاں بھی اپنی جھلک دکھا رہا ہے ۔ قدرت اللہ شوق اور شرف الدین میرٹھی کے قدیم غیر مطبوعہ تذکروں میں میرزا صاحب کا کلام نظر سے گزرا ۔ اس کا انتخاب سرمۂ چشم اطرین کیا جاتا ہے : [خمخانہ ۴/٦٩] ۔

خوباں رخ پر ڈالے زلفیں سانجھ سویرے پھرتے ہیں
دل کو اے نادان چھپا رکھ ، یاں تو لٹیرے پھرتے ہیں
دیکھ کے مجھ کو کہتا ہے وہ ، کس کس پر میں رحم کروں
تجھ سے پرساں حال دکھاتے یاں بہتیرے پھرتے ہیں
زلف کو لے کر ہاتھ میں سارے کھیلا مت کر یوں ہر ساعت
منتر پڑھتے اس ناگن پر بہت سپیرے پھرتے ہیں

غم نہیں کچھ ، شیشۂ دل گر بسے اور ٹوٹ جائے
ہے الم اس کا جو سے پتھر بسے اور ٹوٹ جائے
قصد مجھ سے بے گنہ کے ذبح کا جب دل میں ہو
کیوں نہ پھر قاتل کا نت خنجر نیے اور ٹوٹ جائے
روئے نت جوں ابر نیساں کیوں نہ پھر یہ چشم زار
اس کا ہر اک اشک جب گوہر بنے اور ٹوٹ جائے

---

۱ - نغز ۱/۲۸۸ - ۲۸۹ ، سرور ۳۵٦ ، شیفتہ ۹۴ ، ہندی ۱۳۲ ، شعرنگر ۱۰٦ ، مجمع الانتخاب (قلمی) ورق ۳٦۱ ب ۔

کر سکے احوال دل ظاہر نہ تھوڑا سا مرا
تو حباب بحر کیوں اکثر بنے اور ٹوٹ جائے
دیکھ کر رخ کی صفائی تیری اے آئینہ رو
کیا عجب ہے آئینہ سکندر بنے اور ٹوٹ جائے
پوچھے اس سے کوئی حالت کو ہمارے دل کی آہ
ایک مدت بعد جس کا گھر بنے اور ٹوٹ جائے
سوچ میں رہیے نہ کیوں کر قالب انسان کو دیکھ
خاک کے پُتلے کا یوں پیکر بنے اور ٹوٹ جائے

عالم کو کیوں نہ اس کی گفتار مار ڈالے
جنبش نے اس کی حسن کے ، دو چار مار ڈالے

سوز پروانہ ہویدا ہے سبھوں پر سبب
پر کسی پر نہیں ظاہر غمِ پنہائیِ شمع

ٹھنی ہے اب یہی دل میں کہ کم کسی سے ملیں
نہ کوئی ہم سے ملے اور نہ ہم کسی سے ملیں

اٹھا دیتی ہے بے تابی ترے بن ہم جہاں بیٹھیں
کہیں لگتا نہیں ہے جی ، کدھر جاویں ، کہاں بیٹھیں
قیامت ہو ابھی برپا ، اٹھے ہنگامۂ محشر
سر اپنا رکھ کے زانو پر جو ہم کرنے فغاں بیٹھیں

مت یاد دلاؤ وصل کی راتوں کو
پوچھو کوئی نہ ان ملاقاتوں کو

پھروں ہے نہیں بات نکلتی منہ سے
کرتا ہوں جب اس کی یاد میں باتوں کو

---

۱) سکندر :

خلیفہ محمد علی دہلوی[1] ، تلمیذ ناجی ۔ مرثیہ خوانی میں نامور
ے ۔ ۱۸۰۰ء میں وفات ہوئی ۔ ساٹھ برس کی عمر پائی ۔ شاہ مرداں
ی میں دفن ہوئے ۔ فن شاعری کے ماہر ، نکتہ طراز ، معنی‌آفریں
ن ور تھے ۔ قدرت اللہ شوق کا قول ہے کہ پنجاب کے باشندوں
، نہایت خوش طبع ، ظریف مزاج تھے ۔ شبانہ روز مخمور رہتے تھے ۔
ثیہ گوئی میں اچھی شہرت حاصل کی تھی ۔ کلام یہ ہے :
[خمخانہ ۴/۲۲۲]

قیس صحرا میں رہا ، کوہ میں فرہاد رہا
میں بگولے کی طرح دشت میں برباد رہا

گرا مانگ میں دل میرا ، آہ ڈھونڈوں کدھر
کہ آدھی رات آدھر ہے اور آدھی رات ادھر[2]

۱۔ مراجع : دو تذکرے ، ۱/۳۸۴،گلشن سخن ۱۵۸،مجموعۂ نغز ۱/۲۹۹، سرور ۳۵۰ ، شیفتہ ۹۸ ، ہندی ۱۱۶ ، اشپرنگر ۱۰۹ ، حسن ۹۳

"سکندر کہ در مرثیہ گوئی اشتہار دارد ، شاگرد میاں ناجی از فقیر در لکھنؤ اکثر ملاقات می شد در ہمیں شہر حیدر آباد از لکھنؤ آمدہ انتقال کرد . . . "

۲۔ اس شعر کے سلسلے میں ملاحظہ ہو ، ۵۹۱ : ۱ کا حاشیہ ۔

(مجمع الانتخاب قلمی ، ورق ۳۵۴ الف)

نہ دیکھا ہو جو کسی نے حباب دریا میں
وہ دیکھ لے مری چشم پُر آب دریا میں[1]

سحر گزرا چمن میں کون سا خورشید رو یا رب!
کہ شبنم گل کے منہ میں اب تلک پانی چھڑکتی ہے
کبھی فرقت میں شب کو آنکھ گر میری جھپکتی ہے
اسی دم روح کوچے میں ترے جا کر بھٹکتی ہے
مبادا آگ لگ جاوے مرے دل کی ترے دل کو
گلے لگنے سے اس دل سوز کی چھاتی دھڑکتی ہے

(۲۰) شور:

مرزا محمود بیگ[2] - دہلی کے قدیم باشندے تھے - مرزا منش اور بہت خوش مزاج شخص تھے - اٹھارویں صدی کے آخر میں قدرت اللہ شوق سے دہلی میں ملاقات کی تھی - بہت ہی پُرگو تھے - خیال کی رفعت، شوخی اور متانت کے ساتھ دست و گریباں ہوتی ہے - یہ نمونۂ کلام ہے: [خمخانہ ۶۹/۵]

پاس خاطر سے نہ چوسر کھیلنے میں کچھ کہا
جیت لی کل ہم سے بازی آپ نے ہاری ہوئی
آہ کھینچوں تو جلے عالم، نہ کھینچوں میں جلوں
زندگی اس کشمکش میں اپنی اب بھاری ہوئی
لالۂ حمرا زمیں پر، آسماں پر ہے شفق
یاں تلک اس چشم تر اپنی سے خوں باری ہوئی

---

۱ - اس شعر کے سلسلے میں ملاحظہ ہو ۱۸۱ : ۱۶ کا حاشیہ -
۲ - مجموعہ نغز ۳۵۲/۱، سرور ۳۸۲، شیفتہ ۱۱۴، اشپرنگر ۱۲۰ -

تیری خواہش جس نے کی تو اس کے سر پر چڑھ گئی
کیوں ری اے بنت العنب تو ایسی مستانی ہوئی

(۲۱) شیدا :

کسی گمنام شاعر کا تخلص ہے[1] ، جو شاہجہان آباد میں شاہ عالم ثانی کے عہد میں حلقہ بندی کا کام کرکے اپنی بسر اوقات کیا کرتا تھا ۔ میر مہندی آبدار (کذا) سے تلمذ تھا ۔ اس کے سوا حال معلوم نہ ہوا ۔ شوق کے تذکرے کی ترتیب سے قبل انتقال کر چکا تھا : [خمخانہ د/۱۳۷] ۔

لے کے دل تو دل دیا کیوں اب قسم کھاتے ہو تم
ہم نظر بازوں کے آگے سے کہاں جاتے ہو تم
اک نرالے شہر میں بانکے تمہیں پیدا ہوئے
ہر گھڑی تیغ و سپر لے لے کے دھمکاتے ہو تم
آگے ہم سے کیا توقع ہو کہ شیدا تو میاں
اک بوسے پر حجری تکرار بڑھاتے ہو تم

---

(۲۲) طالب :

طالب حسین خان[2] ابن ملا حسین عسکری ۔ جوان رعنا ، کشیدہ قامت ، خوش اخلاق ، خوش تقریر ، طبع بلند رکھتے تھے ۔

---

۱ ۔ مراجع : دو تذکرے ۲/۱۸ ، مجموعہ نغز ۱/۳۵۳ ، سرور ۳۶۸ ، شیفتہ ۱۱۵ ، ہندی ۱۳۴ ، اشپرنگر ۱۲۳ ، سخن ۱۴۷ ، مجمع الانتخاب (قلمی) ورق ۵۲۶ ب ۔

۲ ۔ مجموعہ نغز ۱/۳۶۷ ، سرور ۳۱۰ ، ہندی ۱۳۸ ، شیفتہ ۱۲۸ ، اشپرنگر ۱۳۰ ، مجمع الانتخاب (قلمی) ورق ۵۵۲ ب ۔

مرشد زادۂ مرزا سلیمان شکوہ کے ہاں خاصے کی داروغائی پر معمور (مامور) تھے۔ فن شعر میں سید انشا سے تلمذ تھا ۔ کلام میں روانی اور صفائی پائی جاتی ہے ۔ تذکرۂ شوق سے اشعار کا انتخاب کیا جاتا ہے : [خمخانہ ۵/۴۰۷]

دشت میں نالہ کیا یار جو طالب نے ترے
ایک شعلہ سا گیا خار مغیلاں سے لپٹ

———

غیر سے مل کے شعلہ‌خو ناحق
کیوں جلے کے تئیں جلاتا ہے
مژدہ اے قیس تیری وادی میں
ناقۂ لیلیٰ کا آج آنا ہے
آج طالب کا عشق میں تیرے
جلد آ، ورنہ جی ہی جانا ہے

———

(۲۳) طالب :

عاشور بیگ خان[۱] ، پسر دولت خاں بیگ دہلوی ۔ ان کے بزرگ توران سے ہندوستان آئے تھے ۔ یہ فن سخن میں میر تقی میر کے شاگرد تھے ۔ پرلطف شعر کہتے تھے ۔ معاملہ بندی ، روزمرہ ، صفائی زبان ان کے کلام کے جوہر ہیں ۔ ایک قدیم قلمی تذکرے سے چند شعر انتخاب کیے جاتے ہیں : [خمخانہ ۵/۳۹۳]

رہا مجھ کو وہاں خود کام اپنا
ہوا یاں کام اے خودکام اپنا

---

۳ - مجموعہ نغز ۱/۳٦٦ ، سرور ۳۱۰ ، اشپرنگر ۱۳۰ ۔

کہاں ملتا ہے طالب ہم سے وہ شوخ
یونہیں بدنام ہے یہ نام اپنا
رقص بسمل ہے طپش ہائے دل
تو بھی آ دیکھ تماشائے دل
ایک دم چین نہیں دیتا ہے
کاش سینے سے نکل جائے دل

---

(۲۴) عاجز :

اسمعیل خاں[1] نبیرۂ ملا شاہ نواز خاں ، متوطن موضع پسل - درب اللہ شوق اپنے تذکرے میں ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ :

"جوان خوش خلق ، یار باش ، شایستہ مزاج ہیں - اگرچہ نومشق ہیں مگر ذہن سلیم اور طبع مستقیم پائی ہے - "

ان کا کلام ہے : [خمخانہ ق ۳/ ۵۰۵]

رکھتا ہے حبیب جو کوئی آن ابھی سے
عاجز ! نہیں کچھ خوف اسے روز پسیں کا

جب سے لگن لگائی اس خوبرو سے ہم نے
جوں شمع جلتے جلتے با چشم نم رہے ہیں
آ کر کے جلد اپنے بیمار کی خبر لے
گنتی کے اب تو اس کے دو چار دم رہے ہیں

نہ ہو جاوے کہیں طوق جنوں گردن میں قمری کی
چمن میں سیر کرنے کو نہ اے سرو رواں جاؤ

---

۱ - ان کا ترجمہ متداول تذکروں میں نہیں ملا -

جو کچھ مجھ پر سب فرقت میں گزرے گا ، سو گزرے گا
یہی گر جاؤں جاؤں ہے ، تو پھر تم اے میاں جاؤ

۲۷) عاشق :

لالہ گوکل چند قوم کایستھ ، ساکن محلہ اشرف آباد لکھنؤ۔ کبھی کبھی ریختہ بھی کہہ لیتے تھے۔ مندرجہ ذیل چند اشعار تذکرۂ شوق سے انتخاب کیے جاتے ہیں : [خمخانہ ۵۳۹/۵]

آپ کا دل ہم سے شاید کچھ ملال بیزار ہے
ورنہ کیا تشریف لانا اک قدم دشوار ہے
آنکھ سے نیند اڑ گئی اور چین بھی دل کو نہیں
اے طبیبو ! دیکھیو یہ کون سا آزار ہے

اری اے آہ ، ہر دم شعلہ ساں اٹھتی ہے کیوں دل سے
خدا کا ڈر نہیں تجھ کو ، کسی کا گھر جلائے گی !

---

۲ ۔ ان کا ترجمہ متداول تذکروں میں نہیں ملتا ۔

اشاريه طبقات الشعراء

(جن اشخاص کے نام فہرست میں شامل ہیں انھیں اشاریے میں شامل نہیں کیا گیا)

(مقدمہ)

اشخاص

الف

آرام ، رائے برج ناتھ ۶۲ -
آرزو ، سراج الدین علی خان ۷ -
آزاد ، غلام علی ، بلگرامی ۲۷ -
[illegible] ، عمر شاہ خان ۳۱ ، ۳۸ -
آشنا ، محمد اکرم ۳۲ -
ابراہیم ، سید ۱۹ -
ابوالبنا ندوی ، ۳۹ -
ابواللیث صدیقی ۳۸ ، ۵۳ -
ابو محمد عمر الیافعی ۵۱ ، ۵۲ -
احسن اللہ ۶۱ -
احمد ، احمد خان ۳۱ + احمد ،
احمد علی ۳۱ -
احمد اللہ قادری ۳۸ -
احمد خان ۱۸ ، ۲۰ ، ۳۵ -
احمد ، خواجہ ۱۸ ، ۲۱
احمد گجراتی ۵۸ ، ۲ -
ادہم ، شیخ الاسلام ، حاشیہ ۳۸
ادہم ، مرزا قاسم ۵۸ -
اسحاق ، حافظ ۱۸ ، ۲۱ -
اسماعیل ، قاضی ۱۸ ، ۲۱ -
اکبر علی خان ۳۹ -
اکرم ، کرامت علی ۳۸ -
اللہ یار ، شیخ ۱۸ ، ۲۲ -
امام الدین ۶۶ -
امید ، نواب فیض اللہ خان ۳۳ -
امیر خسرو (دیکھیے خسرو) -
امیر ، نواب محمد یار خان ۲۳ ، ۳۳ ، ۴۶ ، ۶۵ ، ۶۷ -
امیر مینائی ۲۳ ، ۲۷ ، ۲۹ ، ۴۲ -
انجام ، نواب امیر خان ۶۵ -

اوحد الدین ، خواجہ ۱۸ ، ۱۹ -
اورنگ زیب ۵۹ -

ب

بابر ۲۰ -
برہان خان (شیخ برہان الدین) ۱۸ ،
۲۰ -
بلیغ ، قدرت اللہ ۳۲ -
بہلول لودی ۲۰ ، ۲۸ -
بیتاب ، محمد اسماعیل ۶۱ -
بے جان ، عزیز خان ۳۲ -
بیدار ۲۸ -
بیدل ، مرزا عبدالقادر ۵۹ ، ۶۰ -
بیرنگ ، دلاور خان ۶۱ -

پ

پدم (پدماوت) ۳۶ ، ۳۷ -

ت

تاباں ، عبدالحی ۶۱ -
تاج خان ، راجا ۲۱ -
تسلیم ، کبیر خان ۳۸ -

ث

ثاقب ، شہاب الدین ۶۲ -

ج

جلیس ، محمد جلیس ۳۴ -
جمال خان ۱۸ ، ۲۰ -
جواں بخت ، مرزا ۵۳ ، ۵۵ -

چ

چاند خان ، ۱۸ ، ۲۰ -
چاند ، شیخ ۴۵ ، ۵۲ ، ۵۴ -
چیری صاحب ۲۹ -

ح

حاتم ۵۴ -
حاتم خان ۱۸ ، ۲۰ -
حرف ، شیخ غلام علی ۳۰ -
حزیں ، محمد علی ۶۱ -
حسرت ، جعفر علی ۵۵ ، ۶۶ -
حسرت ، ذوقی رام ۶۵ -
حسن ، خواجہ ۱۸ ، ۱۹ -
حسن فرنگی محلی ، ملا ۲۶ -
حسن ، میر حسن دہلوی ۴۴ ،
۴۵ ، ۵۵ ، ۵۷ ، ۶۲ ، ۶۳ -
حشمت ، محمد علی ۶۱ -
حشمت ، میر محتشم علی خاں ۶۱ -
حیات اللہ بدایونی ۳۳ -
حیرت ، مراد علی ۳۳ -

خ

خاکسار ، محمد بلاقی ۳۳ -
خاکسار ، محمد یار ۵۶ ، ۶۱ -
خسرو ، امیر ۴ ، ۵۹ -
خضر خان ۲۰ -
خنداں ، علی محمد ۳۳ -

د

دانا ، فضل علی ٦١ -
داؤد خاں ١٨ ، ٢٠ -
داؤد ، خواجہ ١٨ ، ١٩ -
درد ، خواجہ ، میر ٢٦ ، ٢٨ -
درد ، کرم اللہ خاں ٦١ -
درد مند ، محمد فقیہ ٦١ -

ذ

ذوق ، الف خاں ٣٢ -

ر

رائے پتھورا ١٩ -
رتن سین ، راجا ٣٦ ، ٣٧ -
رحم علی خاں ٢٧ -
رحمت خاں ، حافظ ١٧ -
رستم خاں ١٨ ، ٢٠ -
رعایت اللہ ، قاضی ١٨ ، ٢١ -
رفعت ، غلام جیلانی ٣٢ ، ٣٨ -
رکن خاں ١٨ ، ٢٠ -
رند ، مہربان خاں ٦٧ -
رہیں ٢٨ -

ز

زٹلی ، میر جعفر ٦٠ -
زین الدین علی سہروردی انصاری ، شیخ ٢١ -

س

سائل ، جلیل شاہ ٣٢ -
سجاد ، میر ٦١ -
سراج ٦٠ -
سراج الدین ، شیخ ، عرف منّھن ١٨ ، ٢٠ ، ٢١ -
سرخوش ، افضل بیگ ٢٧ -
سرور ، اعظم الدولہ ٣٢ -
سعادت ، سعادت علی امروہوی ٦٥ -
سعدی دکنی ٣٠ ، ٥٩ -
سعدی شیرازی ٣٠ ، ٥٩ ، ٦٠ -
سعدی کاکوری ٦٠ -
سلطان ، نواب نصر اللہ خاں ٣٢ -
سلیمان شکوہ ٥٣ ، ٥٦ -
سودا ، مرزا محمد رفیع ٢٣ ، ٢٨ ، ٣٣ ، ٣٥ ، ٣٧ ، ٣٨ ، ٦٧ ، ٦٨ -
سوز ، میر ٣٣ ، ٦٣ ، ٦٧ -
سید حسین ، میراں ، خنگ سوار ١٩ -

ش

شاہ عالم ، بادشاہ ٢٨ -
شعوری ، جوالا پوری ٥٧ -
شمس الدین ، شیخ ١٨ ، ١٩ ، ٢٠ -
شمس اللہ قادری ٦٠ -
شمن رنگریز ٢٥ -
شوق ، احمد علی خاں ١٩ ، ٢٢ ، ٢٥ ، ٣١ -

شوق رامپوری ، قدرت اللہ ۱۷ ،
۱۸ ، ۱۹ ، ۲۲ ، ۲۳ ، ۲۴ ،
۲۵ ، ۲۶ ، ۲۷ ، ۲۹ ، ۳۰ ،
۳۲ ، ۳۴ ، ۳۵ ، ۳۸ ، ۳۹ ،
۴۰ ، ۴۳ ، ۴۵ ، ۴۸ ، ۵۴ ،
۵۶ ، ۵۷ ، ۵۸ ، ۵۹ ، ۶۰ ،
۶۱ ، ۶۲ ، ۶۳ ، ۶۴ ، ۶۵ ،
۶۶ ، ۶۷ ، ۶۸ -
شہید ، شیخ کرم اللہ (شیخ کریم اللہ) ۱۹ -
شیدا ، کاظم خان ۲۷ -
شیفتہ ، حافظ بڈھا ۳۳ -
شیفتہ ، نواب مصطفی خان ۲۳ ، ۲۹ ، ۳۰ ، ۳۸ -

ص

صدیقی ، ابواللیث ۴۸ ، ۴۵
صفا بدایونی ، عبدالحی ۱۷ -
صنعت ، کریم الدین ۳۱ -
صنعت ، میر ملھو ۲۷ -

ض

ضیاء ، میر ۵۴ -

ط

طالب ، اللہ داد عرف سبراتی ۳۱-

ع

عارف ، محمد عارف ۶۱-
عاصی ، برہان الدین ۶۱ -
عاصی ، محمد شرف ۳۲ -
عبدالرحمن ، شیخ ۲۶ -
عبدالرحیم ، شیخ ۱۸ ، ۲۱-
عبدالقادر خان ، مولوی ۵۲ (رک: غمگین)۔
عبدالکریم ، شیخ ۱۸ ، ۲۱ -
عبدالواحد ، شیخ ۱۸ ، ۲۱ -
عبرت ، حکیم ضیاء الدین ۳۴ ، ۳۶ ، ۳۷ ، ۳۸ -
عثمان خان ۲۵ (دیکھیے ، مسجد عثمان خان) ۔
عرشی ، امتیاز علی ۲۶ ، ۲۸ ، ۳۳ ، ۳۴
عزیز ، اعز الدین ۳۳ ، ۴۰ ۔
عشرت ، غلام علی ۳۴ ، ۶۵ -
عشق ، دوست علی ۳۴ -
عطا ، خواجہ ۵۹ -
علاول خان ۱۸ ، ۲۰ ، ۲۱ -
علی حیدر ، حافظ ۶۰ -
علی لطف ، مرزا ۳۴ -
عنایت اللہ ، قاضی ۲۲ -

غ

غافل ، احمد خان ۳۰ -
غلام طیب بہاری ، مولوی ۲۴ ، ۲۶ -
غلام قادر ۵۶ -
غلام محمد خان ، نواب ۳۷ -
غلام محی الدین ، حافظ ۲۷ ، ۳۷-
غمگین ، مولوی عبدالقادر ۳۲-

غمین ، حکیم عطاء اللہ خان ۲۹ -

ف

فاخر ، حکیم احمد خان ۳۱ -
فاتوم ، حارج ۲۳ -
فتح اللہ ، خواجہ ۱۸ ، ۱۹ -
فخر الدین ، مولوی ۱ --
فدوی ، فیض اللہ بیگ ۳۳ ، ۶۵ -
فرحت اللہ بیگ ، مرزا ۳۹ -
فضلی ، فضل الدین خان ۶۲ -
وظ . . ۱ معز الدین موسوی
- ۶۰
فصر اللہ خان ، نواب ۳۵ ، ۳۷ -

ق

قائم چاند پوری ۲۳ ، ۲۴ ، ۲۷ ،
۲۸ ، ۳۳ ، ۵۴ ، ۵۵ ، ۵۹ ، ۶۱ ،
۶۲ ، ۶۵ -
قادری ، احمد اللہ ۳۸
قندیل محمد ، شیخ ۱۷ ، ۱۸ ، ۲۲ -
قدرت اللہ (دیکھیے شوق)
قدرت اللہ ، صفی پوری ، شاہ ۳۴ -
قطب الدین مبارک شاہ، سلطان ۱۹ -
قلندر ، بدھ سنگھ ۶۵ -

ک

کبیر الدین ، شیخ ۱۸ ، ۲۰ ،
۲۱ -
کرم اللہ ، خواجہ ۱۷ ، ۱۸ ، ۱۹ -
کرم علی ، سید ۳۳ -
کرم ، مرزا مکھو عرف کرم خان
- ۳۱
کمال الدین ، ملا ۲۴ -
کمال ، شیخ ۱۸ ، ۲۱ -
کمترین ۶۲ -
امی ، پنڈت برج موہن دتاتریہ دہلوی
۲۸ ، ۲۹ ، ۳۰ ، ۳۱ ،
- ۳۷

ل

لطف اللہ ، شیخ ۱۸ ، ۲۱ -
لطف خان ، شیخ ۲۱ -

م

مائل ، میر حسن ۳۳ -
ماہر ، غلام محمد خان ۳۱ -
مٹھن ، شیخ سراج الدین ۱۸ ، ۲۰ ،
- ۲۱
محشر ، اکرام اللہ ۳۳ ، ۶۶ -
محمد جائسی ، ملک ۳۶ -
محمد حیات ، مولوی ۲۵ -
محمد خان (ابن شیخ شمس الدین)
۱۸ ، ۲۰ -
محمد خان (ابن حاتم خان) ۱۸ ،
- ۲۰
محمد شاہ ۴۴ -
محمد عابد ، شیخ ۱۸ ، ۲۱ ، ۲۲ -
محمد عاقل ۱۸ ، ۲۱ -

محمد عثمان خاں ۳۵ -
محمد عبدالسلام ، ہاشمی ۲۸ -
محمد علی ، ملیح آبادی ۴۹ ، ۵۰ ،
۵۱ ، ۵۳ -
محمد مقیم ۱۸ ، ۲۱ -
محمد نصیر ۳۳ -
محمد نعم ، میر ۲۷ -
محمد واصل ، شیخ ۳۲ -
محمود خاں ، ۱۸ ، ۲۰ -
محمود خاں ثانی ۱۸ ، ۲۰ -
محمود شاہ ۲۰ -
مسکین ، غلام قادر ۳۱ -
مصحفی ، غلام ہمدانی ۲۳ ، ۲۹ ،
۳۰ ، ۴۲ ، ۶۵ -
مضمون ، شرف الدین ۶۰ -
مظفر علی خاں بہادر ۲۸ -
مظہر جان جاں ، مرزا ۶۳ ، ۲۸ ،
۳۳ ، ۶۴ -
معین الدین ، شیخ ۱۸ ، ۲۰ -
مفلس ، میر محب علی ۳۱ -
مکھن پاکباز ، صلاح الدین ۶۱ -
مہدی علی خاں ۳۹ -
مہربان ، دوست محمد خاں ۵۲ -
میر ، میر تقی ۲۸ ، ۴۲ ، ۵۴ ،
۶۰ ، ۶۳ ، ۶۴ -

ن

ناصر ، سید ۱۹ -
ناصر ، ناصر خاں ۳۱ -
ناگر مل ، راجا ۴۲ ، ۵۴ -
نتھو ، شیخ ۲۶ -
نثار احمد فاروقی ۶۰ ، ۶۸ -
نجم الغنی رام پوری ۵۵ -
نحو خاں ، نواب ۳۴ ، ۳۷ -
نجیب اشرف ندوی ۵۱ -
نساخ ، عبدالغفور ۲۹ ، ۳۰ ، ۳۱ -
نسیم ، شجاعت علی ۳۸ -
نصرت خاں (ابن محمود خاں) ۱۸ ،
۲۰ ، ۵۳ -
نصرت خاں (ابن نظام خاں) ۱۸ ،
۲۰ -
نصیر الدین خواجہ ۱۹ -
نصیر الدین ہاشمی ۱۹ ، ۴۴ ،
۵۲ -
نظام خاں ۱۸ ، ۲۰ -
نظام رامپوری ۳۱ -
نور محمد ، شیخ ۱۸ ، ۲۱ -

و

والہ داغستانی ، علی قلی ۲۷ -
وحشت ، صدر الدین خاں ۳۲ -
وسعت ، مستقیم خاں ۳۲ -
وفا ، حاجی گل محمد ۲۷ -
وفا ، راجا نول رائے ۴۷ -
ولی‌اللہ ، سندیلوی ۳۳ -
ولیم بیل ۵۵ -
وہاج الدین گوپاموی ۴۳ -

ہ

ہاتفی ۶۰ -
ہمایوں ۲۱ -
ہمدم ، محمد معصوم ۳۲ -

ی

یحییٰ اماں ۳۲ -
یقین ، انعام اللہ خاں ۶۲ -
یکرنگ ، مصطفیٰ خاں ۵۳ ، ۵۹ ، ۶۰ -
یونس ، کلیم ۶۰ -

مقامات

الف

آنولہ ۲۲ ، ۲۳ -
اجاؤں ۲۱ -
اجمیر ۱۹ -
اعظم گڑھ ۴۷ ، ۴۸ ، ۵۱ ، ۶۰ -
امروہہ ۱۷ ، ۵۹ -
اودھ ۲۲ -
ایران ۲۵ -

ب

باڑی ۱۹ -
بچھرایوں ۲۲ -
بدایوں ۲۲ -
بریلی ۱۷ ، ۳۴ -
بسولی ۲۲ -
بمبئی ۵۱ -
بنارس ۵۵ -
بہار ۲۴ -
بہیڑی ۱۷ -
بیانہ ۱۹ ، ۲۰ -

پ

پٹنہ ۶۰ -
پیلی بھیت ۲۲ -

ٹ

ٹانڈہ ۲۲ -

چ

چھبڑ ۴۷ -

ح

حیدر آباد دکن ۴۶ ، ۴۹ ، ۵۰ ، ۵۱ -

د

دکن ۴۷ -
دہلی (شاہجہان آباد) ۲۲ ، ۲۳ ، ۲۴ ، ۲۶ ، ۲۸ ، ۲۹ ، ۳۶ ، ۴۷ ، ۵۶ -

ر

رام پور ۱۷ ، ۲۲ ، ۲۴ ، ۲۵ ،

۲۶ ، ۲۷ ، ۲۸ ، ۳۰ - ۳۵ ،
۳۶ ، ۳۹ ، ۴۲ ، ۴۸ -
روہیل کھنڈ ۱۷ ، ۲۳ ، ۴۲ -

س

سرولی ۲۱ -
سنبھل ۱۷ ، ۲۱ -
سنپت (سونی پت) ۱۹ -

ق

قاضی کی گلی (رام پور) ۲۲ -

ک

کاٹھر ۱۷ ، ۲۱ -
کٹیہر ۲۳ -
کمایوں (کوہ) ۲۱ -

گ

گوجرٹولہ ، محلہ ۶۶ -

ل

لکھنؤ ۲۲ ، ۲۸ ، ۵۳ ، ۵۵ ، ۵۶

م

مار ۲۱ -
محلہ حسینی علم (حیدر آباد دکن) ۵۰ -
مراد آباد ۱۷ ، ۲۲ -
مسجد عثمان خاں ۲۵ -
موئی ۱۷ ، ۲۱ ، ۲۲ -

ہ

ہندوستان ۱۹ ، ۲۵ ، ۴۷ -
ہند ، شمالی ۲۳ -

کتابیں

الف

اردوے قدیم ۶۰ -
انتخاب یادگار ، تذکرہ ۲۳ ، ۲۷ ، ۲۹ - ۳۰ ، ۳۳ -

ب

بایو ببلیو گرافی آف پرشین لٹریچر (اسٹوری) ۲۵ ، ۲۹ -
بوستان ۶۰ -

پ

پدماوت (عبرت و عشرت) ۴۳ -
پرشین لٹریچر (جلد اول) ۲۹ -

ت

تاریخ اکبری ۱۹ -
تاریخ جام جہاں نما ۱۷ ، ۲۲ ، ۲۴ ، ۲۵ ، ۲۶ -
تاریخ لطیف ۳۴ ، ۳۹ -

تاریخ مبارک شاہی ۱۹ -
تحفۃ الشعراء ۴۴ -
تذکرۂ سعادت خاں ناصر ۲۳ -
تذکرۂ سودا ۴۴ -
تذکرہ نویسی فارسی در ہند و پاکستان ۲۹ -
تکملۃ الشعرائے، جام جمشید ۲۶ ، ۲۷ ، ۲۸ ، ۳۰ -

ج

چمنستان شعراء ، تذکرہ ۴۴ -

ح

حقیقت الشعراء ، تذکرہ ۴۰ -

خ

خمخانۂ جاوید ، تذکرہ ۴۲ ، ۲۹ ، ۳۱ -

د

دستور الفصاحت ، تذکرہ ۶۶ ، ۲۹ ، ۴۳ -
دیوان زادہ ۴۵ -
دی فال آف مغل ایمپائر ۵۵ ، ۵۶ -

ر

رسالہ علم کلام ۲۱ -
روضۃ الصفا ۵۷ -
ریاض الشعراء ۴۲ ، ۲۷ ، ۲۹ -
ریاض الفصحا ۲۹ -
ریاض حسنی ۴۴ -
ریختہ گویاں ، تذکرہ ۴۴ -

س

سحر البیان ۴۵ ، ۵۵ -
سخن شعراء ، تذکرہ ۳۰ ، ۳۱ -
سرو آزاد ۲۷ -

ش

شاہ عالم اینڈ ہز کورٹ ۵۵ -
شرح وقایہ ۲۱ -
شعرائے اردو ، تذکرہ ۴۴ ، ۵۷ -
شعرائے رام پور ، تذکرہ ۴۲ -
شمیم سخن ، تذکرہ ۱۷ ، ۳۹ -

ط

طبقات السعراء (رک : تذکرہ ہندی ، حقیقت الشعراء - طبقات شعرائے ہندی) ۳ ، ۱۷ ، ۲۷ ، ۲۹ ، ۳۰ ، ۳۹ ، ۴۰ ، ۴۱ ، ۴۲ ، ۴۳ ، ۴۴ ، ۴۵ ، ۴۶ ، ۴۷ ، ۴۸ ، ۴۹ ، ۵۲ ، ۵۳ ، ۵۵ ، ۵۷ ، ۵۸ ، ۶۷ ، ۶۸ -

ع

عقد ثریا ، تذکرہ ۲۸ -

ک

کاملان رام پور ، تذکرہ ۴۲ ، ۳۰ ، ۳۲ ، ۳۴ ، ۳۸ -

نکات الشعراء ۲۷ -

گ

گلشن بے خار ، تذکرہ ۲۳ ، ۲۹ -
گلشن گفتار ، تذکرہ ۴۴ -

م

مثنوی بدماوت اُردو ۳۴ ، ۳۸ -
مجمع النفائس ۲۷ -
مخزن دو در (تکملہ جام جہاں نما)
۲۸ -
مخزن نکات ۴۳ ، ۴۴ ، ۵۷ ، ۵۹ ،
۶۰ ، ۶۱ ، ۶۲ -
مشاہیر کاکوری ، تذکرہ ٦٠ -
منتخب اللطائف ۲۷ -

ن

نکات الشعراء ، تذکرہ ۴۳ ، ۴۴ -
۵۲ ، ۵۸ ، ۵۹ ، ٦۲ ، ٦۳ -

و

وقائع : عبد القادر خانی ۲۵ ، ۳۳ -

رسائل

اورینٹل کالج میگزین (لاہور) ۱۹ ،
۲۲ ، ۲۵ ، ۲۷ ، ۲۹ ، ۴۱ -
دلی کالج میگزین ۴۳ ، ۵٦ -
معارف (اعظم گڑھ) ٦٠ -
معاصر (پٹنہ) ٦٠ -
نگار (رام پور) ۳۹ -
نوائے ادب (بمبئی) ۴۹ ، ٦٦ -
نیا دور (لکھنؤ) ٦٠ -
نیرنگ (رام پور) ۴۸ -
ہندوستانی (الہ آباد) ۴۹ ، ۲
٦٦ -

(متن)

اشخاص

(جن اشخاص کے نام فہرست میں شامل ہیں انھیں اشاریے میں شامل نہیں کیا گیا)

آ

ابرو ۳۰ ، ۳۸ ، ۳۹ ، ۴۸ ، ۵۳ ، ۵۵ ، ۶۰ ، ۲۴۵ -
آرزو ، سراج الدین علی خاں ۲۴ ، ۳۴ ، ۵۵ ، ۱۱۰ ، ۲۰۶ ، ۲۴۳ -
آزاد بلگرامی ۱۷ -
آصف الدولہ ۱۵۱ ، ۲۱۸ ، ۳۰۱ ، ۳۰۳ ، ۳۰۶ -
آصف جاہ ، نظام الملک ۲۰۴ -

الف

ابادر ۲۷۴ -
ابوالمعالی ، سید ۵ -
احقر ، محمد ملوک ۶۰۳ -
احمد خاں بنگش ، نواب ۴۸۲ -
احمد سرہندی ، شیخ ، مجدد الف ثانی ۶۵ ، ۷۶ ، ۵۹۳ -
احمد شاہ ، بادشاہ ۴۷ -
احمد علی خاں ، نواب سیف الدولہ ۱۵۱ -
ارادت خاں ۴۸۸ -
اکبر علی خاں ۵۷۸ -
اگروال ، رام بابو ۵۷۳ -
امد ، قزلباش خاں ۴۷ -
امیر الدین ۲۷۳ -
امیر خاں ، عالمگیری ۶۸ -
امیر خاں ، نوب ۷۳ -
امیر محمود ۴ -
امیر ، نواب محمد یار خاں ۱۸۲ ، ۳۷۴ ، ۵۶۹ -
امین الدولہ ، نواب ۳۷۴ -
انشاء ، انشاءاللہ خاں ۶۰۸ -
انوری ۸ -
اورنگ زیب عالمگیر ۷ ، ۱۵ ، ۱۷ ، ۱۹ ، ۲۰ ، ۳۲۴ -

ب

بڈو خاں ۵۵۵ -
بدھا ، حافظ ۴٦۷ -
برکت اللہ بلگرامی ، شاہ ۵۸٦ -
بشارت خاں عمر خیل ۴٦۷ -
بقاء اللہ ، شیخ ۳۴۷ -
بہادر خاں شاہجہاں پوری ۴۷۵ -
بیدار ، مہدی ۲۴۵ -
بیدل ، عبدالقادر ۱۷ -
بیدم ، غلام جیلانی ۵۴٦ -
[بیز رک ، رفعت]
بے نوا سنامی (حاشیہ) ٦۸ -

ت

تاباں ، عبدالحی ۹۲ -
تیمور ۳۹۵ -

ج

جان جاں ، مرزا [دیکھیے مظہر جانجاں]
جباری خاں ٦۱ -
جرأت ، قلندر بخش ۳۰۲ ، ۳۱۹ ، ۳۳٦ ، ۳۵۲ ، ۴۰۳ -
جعفر علی خاں ۵۴ -
جلال ، شاہ ۵۲ -
جوان بخت ، مرزا ۴۰۰ ، ۴۱۷ -
جہاندار شاہ ، مرزا ۴۰۸ -

ح

حاتم ۳۸٦ -
حاکم ، نصرت خاں ٦۴۰ -
حزیں ٦۲ -
حسرت ۲۸۳ ، ۳۰٦ ، ۳۲۸ ، ۳۳۵ -
حسن ، امام (علیہ اسلام) ۹۲ ، ۹۳ -
حسینی ۱۱۲ -
حشمت ، محتشم علی خاں ۵۸۴ -
حمزہ ، سید ۲۲ -
حمیدالدین ، مولوی ۲۴۹ -
حیران ۲۸۸ -
حیرت ، مراد علی ۳۷۸ ، ٦۰۰ ، ٦۰۱ -

خ

خسرو دہلوی ، امیر ۴ -

د

درد ، خواجہ میر ۱۴ ، ۱۱۵ ، ۲۴۹ ، ۲۵۳ ، ۳۴۳ ، ۳۵۹ ، ۵٦٦ -
دلیر خاں ۵۲۳ -
دلیل اللہ ، مولوی ۳۴٦ -
دوست محمد خاں ٦۴۰ -

ذ

ذوالفقار الدولہ ۴۰۷ -

ر

رحمت خاں ، حافظ ۳۵۲ ، ۳۵۳ ، ۳۷۹ ، ۳۸۰ -
رفعت ، خاں ۵۲۳ -
رفعت ، غلام جیلانی ۶۱۶ - (نیز دیکھیے بیدم)
رنگین ، ہولاس رائے ۲۵۸ -
روشن الدولہ نواب ظفر خاں ۶۷ -

س

سعادت خاں ۷۰ -
سعداللہ سورتی ، سید ۱۵ -
سعدی دکنی ۴ -
سعدی شیرازی ، شیخ ۴ ، ۱۵ ، ۵۹ ، ۷۰ -
سعد اللہ خاں ، نواب ۵۲۳ ، ۵۶۳ -
سودا ، مرزا محمد رفیع ۷۵ ، ۸۹ ، ۱۲۷ ، ۱۶۹ ، ۲۰۷ ، ۲۵۰ ، ۳۰۱ ، ۳۸۰ ، ۴۵۱ ، ۴۸۲ ، ۵۳۰ ، ۵۷۳ ، ۵۹۴ ، ۵۹۶ ، ۵۹۸ -
سوز ، میر ۳۵۹ ، ۴۱۴ ، ۴۸۲ ، ۴۸۵ -
سید احمد خاں (سر) ۵۰۲ -

ش

شاہ حسین ، سید ترمذی ، سرہندی ۵۷۲ -
شاہ عالم ، بادشاہ ۲۷۳ ، ۳۹۳ ، ۳۹۸ ، ۴۰۰ ، ۴۰۳ ، ۵۶۶ -
شاہ مدار ، بدیع الدین ۳۵۹ -
شجاع الدولہ ۴۰۱ -
شفیع ، ملا ۴۷۹ -
شفق ، لچھمی نرائن ۱۷ -
شوق ، قدرت اللہ ۲۳۳ ، ۳۰۲ -
سیرانی ، حافظ محمود خاں ۹۱ -

ص

صدرالدین خاں ۶۱۱ ، ۶۱۵ -
صفدر جنگ ، نواب منصور خاں ۴۰۱ -
صلابت خاں ۱۵۱ -

ط

طرہ باز خاں ، (دیکھیے روشن الدولہ)
طہماس علی خاں ۴۰۷ -

ع

عاصی ، محمد شریف ۴۷۰ -
عالمگیر ثانی ۱۵۰ -
عباسی ، معین الدین ۶۰۴ -
عبدالرزاق قریشی ۶۳ -
عبدالقادر گیلانی ، غوث الاعظم ۴۷۳ ، ۵۵۴ ، ۵۷۱ -
عبداللہ خاں ، نواب ۴۶۸ ، ۴۷۵ -
عبدالولی ، سید ۱۷ -

عسکری ، امام علیہ السلام ۱۴۸ -
عطا ۱۷ -
عطا علی ٦۱۱ -
عظمت اللہ خاں مراد آبادی ۹۲ ، ۳۲۸ ، ٦۰۱ ، ٦۰۵ ، ٦۰۷ -
علی (کرم اللہ وجہہ) ، حضرت ۹۲ ، ۵۵۴ -
علی قلی خاں شق انگشتی (دیکھیے والہ) -
علی محمد خاں ، نواب ۴۲۲ ، ۴۵۱ ، ۴۸۷ -
عنایت اللہ خاں ، نواب ۴۵۲ ، ۴۸۸ -

غ

غازی الدین خاں ، نواب ۱۵۰ ، ۱۵۹ ، ۲۴۲ ، ۲۴۳ ، ۴۰۵ -
غلام محی الدین ۵۷۸ -
غنی بیگ ، کشمیری ٦۵ -

ف

فاطمہ زہرا (رضی اللہ عنہا) ۹۳ -
فدوی ، فیض اللہ بیگ ۲۴۴ ، ۳۴۳ ، ۴۸۰ ، ٦۱۲ -
فراق ، ثناء اللہ ۱۱۴ ، ۱۱۵ -
فرخ سیر ۱۹ -
فریدالدین ، شیخ ، شکر گنج ۳۴ -
فغاں ۳۵۳ -
فیثا غورث ۴۲۲ -
فیروز جنگ ۴۰۲ -
فیض علی (کاتب تذکرہ) ٦۴۰ -
فیض علی ، میاں ۵٦۸ -

ق

قاسم ، قدرت اللہ ۱۱۴ -
قائم چاند پوری ۱۷ ، ۲۴ ، ۳۵ ، ۱۱۲ ، ۲۴۳ ، ۳۱۷ ، ۳۲۴ ، ۳۳۷ ، ۳۴۲ ، ۳۷۸ ، ۴۲۲ ، ۴۸۸ ، ٦۰۲ -
قدرت ، قدرت اللہ (دیکھیے شوق ، قدرت اللہ)
قطب الدین خاں ۹۲ ، ٦۰۵ -

ک

کاظم ، امام (علیہ السلام) ۱۴ -
کتھمل ، دیوان ۵۹۰ -
کدوڑی ، غلام حسین خاں ۳۱۹ -
کلیم ، محمد حسین ۳۴٦ -
کمال ، شاہ ۵۴ -
کمھاری ، خواجہ ۲۸۴ -

گ

گلشن ، شاہ ۵ -

ل

لطف ، مرزا علی ۳۲۴ -

م

ماشاء اللہ ، میر ۴۰٦ -

ان رائے دیوان ۱۱۰ ، ۵۹۱ -
بیت خاں ، نواب ۶۵۴-
د اعظم ، شاہ ۱۹، ۲۰ ، ۶۰۲ -
د افضل الہ آبادی ۵۸۹ -
د اکبر ، جلال الدین بادشاہ ۱۶ -
د جمال ، حافظ ۵۳۲ -
د شاہ (بادشاہ ، فردوس آرام گاہ)
۲ ، ۶۶ ، ۶۹ ، ۷۶ ، ۱۱۳ ،
۳۰ -
د عابد سرہندی ۶۱ -
د علی خاں ، سراج الدولہ ۴۰۴ -
د غوث گوالیاری ۲۴ -
د غوث ، میر ۵۵۵ -
د کسر ، حکیم ۵۷۳ -
د گل ۶۵ -
د ماں ۳۲۸ -
محمود شیرانی ، حافظ ۶۸ -
لص ، انند رام ۷۷ -
رتضیٰ خاں ، ایلچی ۹۲ -
صحفی ، غلام ہمدانی ۱۱۲ -
صطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) ۹۲ ،
۹ -
ضمون ۵۶ -
ظہر ، میرزا مظہر جان جاں
۶ ، ۷۶ ، ۹۰ ، ۱۰۱ ، ۴۷۵ -
عتمد خاں ، نواب ۹۲ -
ناز ، فضل علی ۴۰۳ -
وسیٰ رضا ، امام (علیہ السلام)
۱۴ -

مہدی ، امام (علیہ السلام) ۱۳۹-
میر ، میر تقی ۲۳ ، ۱۳ ، ۴۴ ،
۳۰۱ ، ۳۲۷ ، ۳۴۴ -
میر حسن ۳۲۷ -
میر ضیاء ۳۲۹ -
میمنت خاں ۶۰۵ -

ن

ناجی ۳۸ ، ۶۰ ، ۲۴۵ -
ناصر ، خواجہ ۱۷۲ -
ناصر الدین سلطان ۴ -
ناگرمل ۱۶۹ -
نثار ، ملا منو ۴۷۵ ، ۴۷۷ -
ندیم ، علی قلی ۴۷ -
نرپت سنگھ ، راجا ۱۶۹ -
نظام الدین اولیا ۴۰۵ -
نور بائی ڈومنی ۱۷ -
نور محمد بدایونی ، سید ۶۱ -
نورن ، شاہ ، رامپوری ۴۷۸ -

و

والہ (علی قلی خاں) ۴۰۴ -
وجیہ الدین خاں ۶۰۷ -
ولایت علی خاں ، میر ۵۸۴ -
ولی ۲۱ ، ۶۱۳ -

ہ

ہاشمی ، نور الحسن ۱۴ -

ﻻس رائے ۱۱۰ -
ﻻلی ۸ -

ی

کرنگ مصطفیٰ خاں ۵۰ ، ۵۹ -

دقین ، انعام اللہ خاں ۶۲ ، ۲۴۵ -
یجبلی خاں ۳۰۲ -

مقامات

آ

گرہ ۱۱۵ -
دولہ ۲۵۰ ، ۲۷۴ ، ۲۸۰ ، ۴۷۲ ، ۴۸۰ ، ۵۶۳ -

الف

تر چھینڈی ۲۸۰ -
عظم پور ۲۴۵ -
عظم گڑھ ۱ -
کبر آباد ۴ ، ۳۴ ، ۳۹ ، ۶۶ ، ۱۱۳ ، ۲۰۶ -
لون ۳۶۹ -
لہ آباد ۳۴۸ -
مروہہ ۱۷ ، ۳۸ ، ۵۶۸ ، ۵۹۹ -
ورنگ آباد ۵ -
یران ۹۲ -

ب

بنور ۳۴۲ -
بھڑاؤں ۶۰۲ -
داؤں ۱۱۵ ، ۵۶۵ -
دایوں ۲۶۲ ، ۲۷۱ ، ۲۷۳ ، ۳۴۷ ، ۵۵۸ ، ۵۵۹ ، ۵۷۰ ، ۵۹۷ ، ۶۰۰ ، ۶۱۲ ، ۶۱۳ -
رج ۱۹ -
ردوان ۳۵۳ -
ریلی ۳۷۴ ، ۴۲۲ ، ۴۷۹ ، ۵۴۶ ، ۵۶۳ ، ۵۶۶ ، ۵۹۹ ، ۶۰۴ -
سولی ۴۸۹ ، ۵۶۶ -
نارس ۳۹۴ -
نگال ۹۰ -

پ

پٹنہ ۵۸۵ -
پٹیالی ۴ -
پنجاب ۲۰۶ ، ۲۷۴ -
پنہرہ ۵۳۷ -
پورب ۵۷۱ -
پہانی ۵۵۴ -
پہلی بھیت ۴۸۰ ، ۵۰۲ -

ت

ترکستان ۴ -
تلہر ۲۸۷ -

ہالہ ٥٨٠ -

ج

باجمنو ٣٤ -
بلیسر ٥٨٩ -
بھنجہالہ ٣٧٥ -
ے نگر ٣٩٥ -

چ

چاند پور ٣٣٧ ، ٣٤٣ -
چتوڑ ٣٩٥ -

ح

حیدر آباد ، دکن ٣٢٤ -

خ

ختن ٧ -

د

دکن (ولایت) ٥ ، ٢٤ ، ٤٠٤ ،
٤٢٢ -
دہلی (شاہجہان آباد) ٥ ، ٦ ، ١٥ ،
١٩ ، ٢٤ ، ٣٠ ، ٣٤ ، ٤٨ ،
٥٦ ، ٥٧ ، ٦١ ، ٩٥ ، ٩٩ ،
١٠٩ ، ١١٠ ، ١١٤ ، ١١٥ ،
١٧٢ ، ١٧٩ ، ٢٣١ ، ٢٣٣ ،
٢٤٥ ، ٢٤٨ ، ٢٥٣ ، ٢٥٧ ،
٢٨٠ ، ٢٨٢ ، ٣٠٢ ، ٣١٧ ،
٣١٩ ، ٣٢٩ ، ٣٣٧ ، ٣٧٩ ،
٣٨٠ ، ٣٨٦ ، ٣٩٤ ، ٣٩٥ ،
٣٩٨ ، ٤٠٤ ، ٤٠٦ ، ٤٠٧ ،
٤٠٨ ، ٤١٢ ، ٤١٤ ، ٤١٧ ،
٤٧٧ ، ٤٧٩ ، ٥٣٠ ، ٥٣٥ ،
٥٦٧ ، ٥٧٧ ، ٥٧٨ ، ٥٧٩ ،
٥٨٥ ، ٥٩٥ ، ٥٩٦ ، ٥٩٨ ،
٦٠٠ ، ٦٣٩ -

ر

رام پور ٤١٧ ، ٥٣٥ ، ٥٥٤ ،
٦١١ - ٦١٣ ، ٦١٦ ، ٦١٩ ،
روم ٤٨٥ -

س

سبز وار ٢٨٧ -
سرہند ٣٨٤ -
سری نگر ٣٧٥ -
سنبھل ٣٧١ ، ٦٢٣ -
سندیلہ ٥٨٦ -
سورت ٢٤٤ -
سیس پور ٥٣٧ -
سیوہارہ ٥٥ -

ش

شام ٤٨٥ -
شاہجہان آباد (دیکھیے دہلی)
شاہدرہ ٣٦٥ -

ع

عظیم آباد ٣٣٤ ، ٥٧٤ ، ٥٧٧ ،
٥٨٥ -

غ

غازی پور زمانیہ ۵۹۴ -

ف

فرخ آباد ۵۸۹ ، ۵۹۲ ، ۵۹۸ -

ک

کابر ٦٢٣ -

کابل ٦٨ ، ٣٩٥ -

کاکوری ٢٤٩ -

کٹھرا ١١٠ ، ٥٦١ -

کربلا ٩٢ -

کشمیر ٥٧٧ -

کندرکی ٥٦٨ -

کوٹلہ فیروز شاہ ٦٥ -

گ

گجرات ٢٤ -

گوالیار ٢٤ -

گوپامئو ٤٠٤ ، ٥٧٢ -

ل

لکھنؤ ٢٨٣ ، ٢٨٤ ، ٢٨٥ ، ٢٨٨ ، ٢٩٠ ، ٢٩٧ ، ٣١٩ ، ٣٢٤ ، ٣٢٩ ، ٣٤٨ ، ٣٦٥ ، ٣٩٤ ، ٣٩٨ ، ٤٠١ ، ٤٧٩ ، ٥٦٧ ، ٥٩٦ ، ٦٠١ -

م

مارہرہ ٩٤ ، ٥٨٦ -

متھرا ١٩ -

محلہ رائے امان ٣٠٢ -

محلہ رہٹی امان ٣٠٢ -

محمد نگر ، ٹانڈا ٢٣١ -

مراد آباد ٣٥٧ ، ٥٩٧ ، ٦٠١ ، ٦٠٨ -

مغل پورہ ٦٨ -

مکن پور ٣٥٩ ، ٦٠٣ -

مئو ٢٥٣ ، ٤١٤ -

موئی ٥٥٨ ، ٦٢٣ -

ن

نانک متھ (جنگل) ٥٥ -

نگینہ ٣٤٢ ، ٦١٣ -

ہ

ہزارہ ٤ -

ہندوستان ٤ ، ٥ ، ١٥ ، ٦٤ ، ١٢٩ ، ٢٠٦ ، ٣٩٤ ، ٦٣٩ -

اصطلاحات

اردوے معلیٰ ٦ -

ایہام گوئی ٢٤ ، ٢٥ ، ٥٧ ، ٦٠ -

بلاغت ٢ ، ٣٨ -

پہیلی ٤ -

تصوف ١٧٢ -

چوبولہ ٤ -

دوبولہ ٤ -

دوہرہ ٥٣٠ -

ریختہ ۳ ، ۴ ، ۵ ، ۶ ، ۶۴ ، ۶۵ ،
۱۰۹ ، ۲۹۰ ، ۳۵۲ ، ۳۵۳ ،
۳۷۶ ، ۴۱۶ ، ۴۱۸ ، ۴۲۲ ،
۵۶۰ ، ۵۶۵ ، ۵۷۳ ، ۵۸۱ ،
۵۹۳ ، ۶۰۵ ، ۶۳۹ -
شہر آشوب ۵۷ -
فرد ۲۲۸ ، ۵۳۵ -
فصاحت ۲ ، ۳۸ -
قافیہ ۱۲۶ -
قصیدہ ۱۴۱ ، ۱۴۲ ، ۱۴۴ ،
۱۴۵ ، ۱۴۷ ، ۱۴۸ ، ۱۴۹ ،
۱۵۴ ، ۱۵۵ ، ۱۵۶ ، ۱۷۱ ،
۳۴۷ -
قطعہ ۲۵۲ ، ۵۲۰ ، ۵۲۷ -
قطعہ گوئی ۲۷۸ -
کبت ۵۳۰ -
مثنوی ۱۶۳ ، ۱۶۹ ، ۱۷۱ ،
۱۹۵ ، ۱۹۹ ، ۲۰۱ ، ۳۷۶ -
مخمس ۵۷ ، ۱۷۱ ، ۵۶۱ ، ۵۸۴ -
مدح ۱۴۵ -
مرثیہ ۹۳ ، ۹۴ ، ۱۰۹ ، ۴۵۲ ،
۵۹۰ -
مطلع ۱۵۵ -
مکرنی ۴ -
ہجو ۱۴۵ ، ۲۰۱ ، ۳۰۱ ، ۳۷۶ ،
۵۶۱ -

کتابیں

اعجاز خسروی ۴ -
اولیائے بدایوں ۲۶۳ -
تذکرۂ ریختہ گویاں ۲۷ ، ۳۰ ،
۳۶ ، ۳۷ ، ۴۰ ، ۴۲ ، ۵۰ ،
۵۴ ، ۷۹ ، ۸۰ ، ۹۸ ، ۱۱۰ ،
۱۲۰ -
تذکرۂ میر حسن ۱۵ ، ۲۶ ، ۳۰ ،
۳۱ ، ۵۴ ، ۶۰ ، ۹۸ ، ۱۰۰ ،
۱۱۱ -
تذکرۂ ہندی ۴۷ ، ۹۹ -
خالق باری ۴ -
روضۃ الصفا ۲۶۳ -
سراج اللغت ۶۴ -
سرو آزاد ۷ ، ۱۷ ،
طبقات الشعراء ۳ ، ۶۳ ، ۸۷ ،
۶۳۹ ، ۶۴۰ -
فرہنگ آصفیہ ۸۴ -
کلام مجید ۴۹۰ ، ۵۶۶ -
کلیات بحری ۱۶ -
کلیات جعفر زٹلی ۱۹ -
کلیات ولی ۱۵ -
گل رعنا ۱۷ -
گلزار ابراہیم ۴۷ ، ۸۰ ، ۸۴ ،
۸۷ ، ۱۰۹ ، ۱۱۲ -
گلشن ہند ۲۷ ، ۷۴ ، ۸۰ ، ۸۷ ،
۳۲۴ -
گل عجائب ۱۷ -
مثنوی بدر منیر ۳۲۷ -
مجموعۂ نغز ۳۷ ، ۸۲ ، ۸۳ ، ۸۹ ،

۱۱۳ -
مخزن نکات ۱۷ ، ۲۶ ، ۳۰ ، ۳۱ ، ۵۴ ، ۷۴ ، ۷۵ ، ۹۸ ، ۱۱۰ -
نکات الشعراء ۱۵ ، ۱۶ ، ۲۱ ، ۲۲ - (حاشیہ)
اورینٹل کالج میگزین ۶۸ (حاشیہ) -
دلی کالج اُردو میگزین ۹۱ (حاشیہ) -

اختتامیہ

اس کتاب کی اشاعت میں قدرے تاخیر ہو گئی ہے اور شاید غلطیاں بھی معمول سے کچھ زیادہ ہیں ۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ۱۹۶۵ع کے نصف آخر میں ، جب یہ کتاب طباعت کے مرحلوں سے گزر رہی تھی ، غیر معمولی سیاسی حالات نے مرتّب کو نہ اس کے پروف دیکھنے کا موقع دیا اور نہ ادارے سے رابطہ قائم رہ سکا ۔

اس تذکرے کے ابتدائی ڈیڑھ سو صفحات پر کہیں کہیں "ادارہ" کی طرف سے وضاحتی نوٹ یا متقاطع حوالے درج کیے گئے ہیں ۔ میں اس زحمت کا شکر گزار ہوں ، لیکن میرا ان حواشی سے متفق ہونا ضروری نہیں : میں نے متن پر جو حواسی لکھے ہیں وہ ایک علیحدہ جلد کی صورت میں سائع کیے جا رہے ہیں ۔ کوشش کی گئی ہے کہ تمام ضروری اور وضاحت طلب امور سے بحث ہو جائے ۔ پھر بھی بعض امور کے چھوٹ جانے کا احتمال ہے ۔ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مآخذ کے متقاطع حوالے بھی جہاں ضروری ہوا ہے ، فراہم کر دیے گئے ہیں ۔ جن شعراء کے سلسلے میں وقتاً فوقتاً کچھ کارآمد مضامین مختلف رسالوں میں شائع ہوتے رہے ہیں اُن کا حوالہ بھی دے دیا گیا ہے تا کہ زیادہ تفصیل سے کسی شاعر کا مطالعہ کرنے والے کو کارآمد اور بنیادی مصادر تلاش کرنے میں دشواری نہ ہو ۔ جن شعرا کے دیوان چھپ چکے ہیں ، اُن کے کم از کم ایک مشہور ایڈیشن کا ذکر کر دیا گیا ہے اور خطی نسخوں کی نشان دہی میں یہ ملحوظ

ہا ہے کہ چند قدیم ترین یا کسی زیادہ معتبر ایک نسخے کا حوالہ ے دیا جائے ۔

مطبوعہ تذکروں کے صرف حوالے درج ہوئے ہیں ، لیکن جو آخذ ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں یا کم دستیاب ہوتے ہیں ، اُن سے تعلقہ عبارت کے ضروری حصے بھی درج کر دیے گئے ہیں ۔ ممکن ہے ن حواشی میں ، پڑھنے والوں کی اکثریت کے لیے ، بعض امور نئے ور اہم ہوں ۔ بعض کتابوں سے مجھے براہ راست استفادے کا موقع ہیں مل سکا ، اُن پر فہرست مآخذ میں ایک نشان (*) بنا دیا گیا ہے ۔

اس کتاب میں املاء کا اختلاف بھی جا بجا نظر آئے گا ؛ یعنی ایک ہی لفظ دو تین مختلف صورتوں میں لکھا گیا ہے ۔ اس سلسلے میں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ مجلس ترقیٔ ادب کی بیشتر کتابوں میں ایک خاص املا کی پابندی کی جاتی ہے ، وہ ممکن ہے اس میں کہیں کہیں نہ ہو سکی ہو ، مگر لطف یہ ہے کہ جو میرا اختیار کردہ املا ہے وہ بھی اس میں ہر جگہ نہیں ہے مثلاً پاؤں ، پانوں اور پانو تین طرح لکھا ہوا ملے گا ۔ میں پانو ، گانو ، چھانو کو صحیح سمجھتا ہوں اور ان کی جمع دو واووں سے لکھتا ہوں ، یعنی پانو کی جمع پانووں وغیرہ ۔ اسی طرح فرمائش ، آرائش ، گنجائش یا آئندہ ، وغیرہ الفاظ میں ہمزے کی جگہ 'ی' ہونی چاہیے ، یعنی فرمایش وغیرہ ۔ نیز ایسے الفاظ جیسے مائل ، سائل وغیرہ ان میں 'ی' لکھنا اور اس کے نقطے لگانا درست نہیں ، یہاں ہمزہ درکار ہے ۔ یہاں یہ صرف اس لیے لکھا گیا ہے کہ قارئین مرتب کے طریق املا سے واقف رہیں ، غلط نامہ میں اس کی تصحیح نہیں کی گئی ہے ۔

شعرا کے منتخب کلام میں جو ایسے الفاظ آئے ہیں جنھیں عام طور سے اب نہیں سمجھا جائے گا ، یا کسی لفظ کی تذکیر و

تانیث یا کوئی قواعد کا نادر استعمال وغیرہ ظاہر کرتے ہیں ، اُن کی بھی ایک مختصر فرہنگ ترتیب دے کر شامل کر دی گئی ہے ۔

مجھے افسوس ہے کہ حواشی بہت قلیل مدت میں لکھے گئے ہیں ۔ اگر اس کے لیے خاطر خواہ فرصت ملتی تو ان کی ترتیب بھی بہتر ہو سکتی تھی اور بعض امور سے زیادہ واضح طور پر بحث کی جاسکتی تھی ۔ اگرچہ کتاب چھپنے کے بعد وقت کی کمی کا عذر غیر مسموع ہوتا ہے ، پڑھنے والے صرف یہ دیکھتے ہیں کہ کیا اور کیسا لکھا ہے ؟ یہ کوئی نہیں جانتا ، نہ جاننے کی خواہش کرتا ہے کہ کتنی مدت میں اور کن احوال و ظروف میں لکھا ہے ۔ مگر میں یہ بات کہہ کر محض اپنے دل کو مطمئن کرنا چاہتا ہوں ۔ فقط

مرتب

حرفِ آخر

قدرت اللہ شوق کا تذکرہ "طبقات الشعراء" اردو تذکروں میں اہم مقام رکھتا ہے ۔ نامعلوم وجوہ کی بنا پر اس تذکرے کے صرف چند نسخوں کا اب تک پتا چل سکا ہے ۔ شوق نے اپنے معاصرین کے حالات میں زیادہ کاوش سے کام نہیں لیا ، پھر بھی مقامی معاصرین (روہیل کھنڈ کمشنری) کے حالات میں یہ تذکرہ اہم دستاویز ہے ۔ شوق کو فن تاریخ اور تذکرہ سے گہرا لگاؤ تھا ۔ اس کا ثبوت "طبقات الشعرا" (اردو) اور "تکملۃ الشعرا" (فارسی) اور "جام جہاں نما" (تاریخ فارسی) سے ملتا ہے ۔ فاضل مرتب نے اس نسخے کی بنیاد حیدر آبادی نسخے پر رکھی ہے - ۱۹۶۵ء میں یہ تذکرہ طباعت کے مراحل طے کر چکا تھا لیکن فاضل مرتب کی نظر ثانی نہ ہونے کے باعث اشاعت مکمل نہ ہوسکی ۔ اس نظرثانی کے بعد مرتب کی خواہش کے مطابق تذکرے کی اشاعت اس بنا پر روک دی گئی کہ حواشی لکھے جا سکیں ۔ حواشی لکھنے میں فاضل مرتب کا بہت وقت صرف ہوا اور مکمل حواشی آنے کے بعد اندازہ ہوا کہ حواشی کو متن کا حصہ نہیں بنایا جاسکتا ۔ حواشی کی علیحدہ ایک جلد بن جاتی ہے ۔ حواشی تفصیلی لکھے گئے ہیں اور ان کی افادیت کو دیکھتے ہوئے نظرانداز کرنا ممکن نہ تھا ۔ اس لیے فیصلہ یہ کیا گیا ہے کہ متن "طبقات الشعرا" جو مکمل ہے ، پیش کر دیا جائے اور حواشی جو ایک تذکرے کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں ، انھیں بطور دوسری

جلد کے چھاپ دیا جائے۔ شوق نے حالات شعرا میں اختصار سے کام لیا ہے۔ فاضل نے مرتب دوسرے تذکروں سے اہم معلومات جمع کرکے "طبقات الشعرا" کی اہمیت میں اضافہ کر دیا ہے۔ عنقریب ہی "تعلیقات طبقات الشعرا" دوسری جلد کی صورت میں چھپ کر ارباب علم کی خدمت میں پیش ہوں گے۔ موجودہ "تذکرہ طبقات الشعراء" جلد اول کی حیثیت سے پیش کیا جا رہا ہے۔

سید امتیاز علی تاج
ناظم
مجلس ترقی ادب لاہور

تصویب

[از راہ کرم مطالعے سے پہلے ان الفاظ کی صحت کر لیں ۔ یہ لازماً کل غلطیاں نہیں ہیں]

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
سرورق	۳	نوشتۂ	نوشتہ (بغیر ہمزہ)
سرورق	٦	ضلع بدایوں	ضلع بریلی

فہرست

۲ : ۱۲	عظام	عطا
۲ : ۱۴	مرزا عبدالقادر فطرت	مرزا معز موسوی فطرت
۳ : ۹	سعادت اللہ	سعادت علی
۴ : ۱۷	متن میں انعام اللہ خاں یقین کا نمبر '۵٦' ہے اور محمد علی حزیں کا '۵۷' ہونا چاہیے مگر غلطی سے یہاں بھی '۵٦' درج ہو گیا ہے ۔ اس سے کل تراجم کے شمار میں ایک عدد کا فرق ہو جاتا ہے ۔ حواشی میں محمد علی حزیں کو '۵٦ الف' کے تحت رکھا گیا ہے ۔	
۵ : ۱۷	غافل	عاقل

مقدمہ

۱۷ : ۱۵	(حاشیہ) باشندۂ امروہہ ضلع مراد آباد	باشندۂ موضع موی پرگنہ امروہہ ضلع مراد آباد
۲۷ : ۸	رحیم علی خاں	رحم علی خاں (رک: حواشی)

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۱	۱۲	تذکرہ ہندی/	شمیم سخن/۸۹
۳۵	۴	سلمہا الرحمن	سلمہا الرحمٰن
۴۳	۱۴	تالیف اتمام	تالیف کا اتمام
۴۳	۱۵	قرائن کے	قرائن سے
۵۳	۲۴(حاشیہ)	۹ رجب ۱۲۰۱ ھ	۹ رجب ۱۲۱۰ھ
۵۴	۱	۹ رجب ۱۲۰۱ ھ	۹ رجب ۱۲۱۰ ھ
۵۴	۲۱	کھٹیر	کٹیہر (بہ وزن ہری پر)
۵۵	۲۴(حاشیہ)	FRACKL IN	FRANCKLIN
۶۰	۱	گجرات آوردند	گجرات تشریف آوردند
۶۲	۲۱	کی کی بنیاد پر	کی بنیاد پر
۶۶	۱۰	اکرم اللہ محشر	اکرام اللہ محشر
۶۹	۶	طبع ۱۹۴۰ء	طبع سہارن پور ۱۹۴۰ء
۷۰	۹	۱۸۴۸ء	۱۸۶۸ء
۷۰	۲۳	FRACKLIN	FRANCKLIN
۷۱	۹	جلد شمارہ جولائی	جلد ۴۳ شمارہ ۷ جولائی
۷۱	۹	عزیز اثری	عزیز اللہ خاں

متن

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۱۱	نقاطع مصرعین	تقاطع مصرعین
۱	۱۶	اول و آخر (ہمہ ؟) صفات (کذا)	اول و آخر ہر بود صفات (رک : حواشی)
۳	۲۰	طبقہ خاتمہ	طبقہ و خاتمہ
۵	۱۳	ودش	و دلش
۶	۹	انیندے ؟ نین	انیندے نین (رک : فرہنگ)
۷	۲	بوے [بوے] آں	بوے آں
۷	۲۱	سو جسے وہ	وہ جسے سو

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۳	۱۱	خدائی	جدائی
۱۳	۱۲	اس سے پاس	اپنے پاس
۱۳	۱۹	نہ پوحھو	نہ بوجھو
۱۵	(حاشیہ)	مجون دل	بہ خون دل
۱۶	۹	نیل کی ٹیکی	نیل کے ٹیکے (رک : فرہنگ)
۱۷	۱۴	عظام	عطا ۔ (رک : حواشی)
۱۷	۱۸	پہ	پن ۔
۱۸	۷	برق و کلہ	برق ، دگلہ (رک : فرہنگ)
۲۳	۸	نین کی	نین کے (نین بر وزن وطن)
۲۳	۱۶	کردہ اوست	کردہ ۔ ازوست
۲۳	۲۷	ادہم	اوہم
۲۴	۱۸	ایہام گو	ایہام گویاں
۲۶	۱۷	درالی ہے	رذالے بھی
۲۸	(حاشیہ)	اس کے جو ہوئی	اس کے جو ہوتی
۲۹	۱۵	سچ دم جو ہے	سح جو ہے
۳۰	۱۹	تم اک ، اک	تم ٹک ، اک
۳۳	۴	موجی ہے اپنے دل کا مجھے ندی سے (کذا)	موجی ہے اپنے دل کا مجھی نہ دے کہے سے
۳۴	۱۰	قصبہ جاجمئو	قصبہ جاجئو (رک : حواشی)
۵۱	۴	جام جم (کذا)	حام جم (رک : فرہنگ)
۵۲	۳	قسمت میں نہیں خاک	قسمت میں نہیں ہے خاک
۶۰	۱۰	رم کیا	رم گیا
۶۰	۱۱	من کے چیتی ہو گئی	من کی چیتی ہو گئی (رک : فرہنگ)
۶۲	۱۴	چونری پنکھا	چونری و پنکھا
۶۶	۲	نہیں کھانا	نہیں کھاتا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
٦٨	(حاشیہ)	اورینٹل کالج میگزین میں دیکھا جائے	'ادبی دنیا' لاہور جلد ٢٣ شمارہ ١١ (نومبر ١٩٤٥ء) میں دیکھا جائے
۷۱	١٨	پوشیدہ آمد	پوشیدہ اید
۷٢	۷	کم می شود	کم می شود
۷٢	١٢	پٹہ بریلی	پٹنہ و بریلی (رک : حواشی)
۷٢	(حاشیہ)	گلذار ابراہیم	گلزار ابراہیم
۷۴	١٦	یہ آہ مثل	یہ وہ مثل
۷۵	٨	تشنہ (کذا) کردہ	نشنہ کردہ (رک : فرہنگ)
۷۵	(حاشیہ)	"نضمین" ؟	تضمین
۷۷	١٨	اگر ہرگز	اگر مر کر
٨٠	(حاشیہ)	گلذار ابراہیم	گلزار ابراہیم
٨١	۴	قبا ہے گلگوں	قبائے گلگوں
٨٥	٢٠	مزا لیلی کے	مزے لے لے کے
٨٨	٢٢	پاؤں کے	بالوں کی
٨٩	(حاشیہ)	چھبتی ہے	چھتی ہے
٩٠	١	(٥٦)	'٥٦' الف [یہاں کے نمبر کا اندراج غلط ہو گیا ہے۔ اس سے فہرست اور متن میں ایک عدد کا فرق رہ جاتا ہے، اسے ملحوظ رکھا جائے]
٩٩	٦	ربائی	رباعی
١٠٠	١٨	چپکا	چنکا
١٠٣	٢٠	حسوں کے برات میں ۔۔۔ذوالفقار (کذا)	جھوں حیدر کے ہو ہاتھ میں ذوالفقار
١٠٦	٦	مجھے سانس میں	مجھے آس میں
١١٠	١٦	در کشیہرا ہلاس رائے	در کشیہر ہم آمدہ نوکر ہلاس رائے

صفحہ : سطر	غلط	صحیح
۱۱۰ : ۱۸	ہم آمدہ نوکر	قلم زد سمجھیے
۱۱۱ : ۶	سبک سیری	سبک ساری (رک : حواشی)
۱۱۱ : (حاشیہ)	ھننا بھی	ہنسنا بھی
۱۱۲ : ۱۷	بغاوت بردہ	بہ غارت بردہ
۱۱۳ : ۵	قالب خالی	قالب خاکی
۱۱۷ : ۲۲	روسہی	روسیہی
۱۱۹ : ۲	یار رہے	یار رہی
۱۲۲ : ۸	کارواں تنہا	ہم رہاں تنہا
۱۲۴ : ۱	بیہودہ	بے ہودہ
۱۲۸ : ۸	پیغام بر کہیں	پیغام ، بر کہیں
۱۲۸ : ۱۰	ہو گر کہیں	اگر کہیں
۱۲۸ : ۱۵	گلی نامہ میں	نامہ گلی میں
۱۲۸ : ۲۱	بہ قضا	بہ قفا
۱۲۹ : ۱۱	تمنا سے ہم آغوشی	تمنائے ہم آغوشی
۱۳۰ : ۱۶	جدا سائے سے	جدا سائے کے
۱۳۴ : ۱۰	صف اعداد	صف اعداء
۱۳۵ : ۱۵	حرص جود	حرص ، جود
۱۳۵ : ۱۹	نہ ہوں پیدا	نہ ہو پیدا
۱۳۵ : ۲۱	آب بخت	آب بحت (رک فرہنگ)
۱۳۶ : ۴	بہ نام زہر	بہ نام ، زہر
۱۵۱ : ۸	از میر بہار (کذا)	رزمیۂ بہار
۱۵۳ : ۱۶	وہ کھڑی رہے	وہ گھڑی رکھے
۱۵۶ : ۱۴	رہتا نہیں ہے	رکھتا نہیں ہے
۱۵۸ : ۶	لاٹھی کے ہالکے	لاٹھی سے ہانکے
۱۶۱ : ۱	انداز سخن	انداز ، سخن
۱۶۲ : ۱۶	آئینے کے	آئینے سے
۱۶۳ : ۵	پا سے مشابہ	پا کے مشابہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۶۳	۷	مثنوی درد	مثنوی دزد
۱۶۵	۸	ڈر سے ہے	ڈرے ہے
۱۶۹	۳	بھاگے ہیں	بھاگیں ہیں
۱۶۹	۴	لاگے ہیں	لاگیں ہیں
۱۷۴	۱	روبہ بازیاں ورنہ	روبہ بازیاں سب ، ورنہ
۱۷۵	۱۹	یہاں ہم ہیں	یاں ہم ہی ہیں
۱۷۹	۲۳	پیشۂ شاعر	پیشہ ، شاعر
۱۸۰	۸	ہر تار پیچ	ہر تار بیچ
۱۸۰	۱۱	ہو کہیں	ہو گئیں
۱۸۳	۲	ان کے کہا	ان نے کہا
۱۸۳	۵	کہے تھی بھلا	کہی تھی بھلا
۱۸۳	۱۷	غلام کہنہ نکلا (کذا)	غلام کچھ نہ نکلا
۱۹۵	۱	کہتی یہ کفش	کہتی تھی یہ کفش
۱۹۶	۱۹	ڈور میں اس کی ...ہیں ہزار	دور میں اس کے گنڈمری ہے ہزار
۱۹۷	۱	نظر پڑے...	نظر پڑے ہتھیار
۲۰۱	۱۹	گلے کو باندھ دیا	گلے کو باندھ دیا (رک : فرہنگ)
۲۰۱	۲۳	بھی سے باہر	آنکھیں بھی باہر
۲۰۲	۲۰	جکی جکی	چکی چکی (رک : فرہنگ)
۲۰۶	۱۱	مربوط و کلام۔	مربوط و کلام (مضبوط) ۔
۲۰۶	۱۲	زبان خواست	زمان خود است
۲۰۶	۱۷	محاورہ دان و متین	محاورہ دانِ متین
۲۰۹	۸	جلد مجھے	مجھ پہ جلد
۲۱۰	۶	زمیں سے	مرہ سے
۲۱۴	۱۴	ملاد	ملاذ
۲۲۵	۱۵	میر کہ جیو	کہ میر جیو

د

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۲	۸	آ کر بچھا دیا	آخر بجھا دیا
۲۳	۱۹	دو بہتر لگائیے	دوہتّر لگائیے
۲۴	۲۱	غافل	عاقل (رک : حواشی)
۲۴	۲۲		
۲۴	۲۳		
۲۴	۲		
۲۴	۱۰	میں تو	تیں تو
۲۵	۴	نگاہ مروب	نگاہ ، مروت
۸۵	۱۶	حلوالس	احوالش
۲۶	۲۳	یہی طرح دار	تم ہی طرح دار
۲۶	۵	یاد آتا ہے	یار آتا ہے
۲۶	۴	زیاں میری	زباں میری
۲۷	۲۱	تجھ کو	مجھ کو
۲۷	۱	کر کے	گھر کے
۲۷	۱۷	گوے ، و	گوے و
۲۷	۱۸	دشمنان بے معنی	وسخنان بے معنی
۲۷	۲۴	کیا کہیے	کیا لکھیے
۲۷	۹	چلتے راہ علم	چلے راہ عدم
۲۸	۲۴	پھولے ہو	بھولے ہو
۲۸	۲۴	حلتے رہے	چلتے رہے
۲۸	۲۲	تحریر می آید	بہ تحریر می آید
۲۸	۹	گرچہ نانو	گرچہ ناؤ
۳۱	۲۳	میں پیارا ہوا	من پیارا ہوا
۳۱	۷	زندگانی میں مجھے (کذا)	نوحہ خوانی میں مجھے
۳۱	۱۱	ان تن	ان بن
۳۲	(حاشیہ)	یہ ضیا	کہ ضیا (رک : حواشی)

صفحہ سطر	غلط	صحیح
۳۲۹ : ۲۲	بہ تحریر آید	بہ تحریر می آید
۳۳۲ : ۱۲	ہی نرالا	ہی نرالا ہے
۳۳۲ : ۱۷	ہوتا کیا ہوتا	ہوتا تو کیا ہوتا
۳۳۹ : ۱۹	اوپر ، گرے	اوپر گرے
۳۴۰ : ۸	رغیب	رقیب
۳۴۸ : ۱۰	متبحر وتحریر	متبحر و تحریر
۳۰۵ : ۲۰	ہمیں شراب	پئیں شراب
۳۵۱ : ۶	اسارہ کرتے ہی	اسارہ کرتی ہے
۳۵۶ : ۱۲	اس بات کی سنتے	اس بات کے سنتے
۳۵۹ : ۵	حرف می داند	حرف می زند
۳۷۳ : ۱۴	جدھر مرے بانکے نے	جدھر مرے بانکے گئے (رک فرہنگ)
۳۷۷ : ۲۱	... تھاتنگ	دروازہ تھا تنگ
۳۷۷ : ۱۳	دی دی...	دی دی بہ دی بہ دی
۳۷۹ : ۱۸	سرگراں بود	سرگرداں بود
۳۸۱ : ۱	مت پکار کر (کذا)	مت نگاہ کر
۳۸۳ : ۴	جی سا کھویا	جی کا کھویا
۳۸۵ : ۲۰	میں روز عید	ہیں روز عید
۳۹۱ : ۱۹	گل پکڑتے	گل پکڑنا
۳۹۵ : ۲۳	باز ملک موروثی	باز بہ ملک موروثی
۳۹۶ : ۱۳	بھر یک جہاں	پھر یک جہاں
۳۹۸ : ۹	مری رات	پڑی رات
۴۰۹ : ۱۴	گھر سے گھر	گھر کے گھر
۴۱۳ : ۱۱	رونے پر	روٹی پر
۴۱۳ : ۲۴	گڑا ہے (؟)	کڑا ہے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۱۷	۷	سمیلے	سجیلے
۴۱۹	۲۴	مرے ساری	تری ساری
۴۲۴	۱۲	سردار سر	سر، دارد سر
۴۲۶	۲۲	آب کو	آپ کو
۴۳۲	۲۳	رلف کی	زلف کے
۴۴۰	۱۴	کل پھول	گل پھول
۴۴۴	۱۶	بڑا وہ	پزاوہ (رک : فرہنگ)
۴۵۰	۲۱	ہم چو مکس	ہجو مگس
۴۵۱	۱۱	والسنۂ ترکی	و برالسنۂ ترکی
۴۵۲	۱۵	حرس جاوداں	حرمتش
۴۶۲	۱۱	مرنا ہے	مرتا ہے
۴۶۴	۲۴	حوسی وفاداری	خوے وفاداری
۴۶۵	۹	محبت سے	محبت نے
۴۶۹	۱۵	ڈر گوس کا	در گوش کا
۴۷۱	۵	مطالب دہلی	مطالب دلی
۴۷۱	۱۸	گرچہ ہریک کے، زمانے میں ہے اک طور پسند	گرچہ ہریک کی زمانے میں ہے اک اور پسند
۴۷۸	۵	غمزدہ	غمزہ
۴۸۰	۷	تحریر	نحریر (رک : فرہنگ)
۴۸۲	۲۲	سیحا بیتی (کذا)	پنجاہ ہزار بیتی (رک : حواشی)
۴۸۳	۱۶	چھپی سمسیر	حبھی شمشیر
۴۸۳	۲۵	سن لے او	سن بے او
۴۸۵	۱۷	یا تو اب مرنے کو	پانو اب پڑنے کو
۴۸۹	۱۸	معارف	مفارقت
۴۹۰	۱۴	ذرد	درد
۴۹۷	۵	سرہنک	سرہنگ (رک : فرہنگ)
۴۹۷	۱۱	کچھا بروے	کچھ ابروے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۹۸	۶	خریدی	خریداری
۴۹۸	۱۴	کیا میری منھ سے بات کچھ اس کے نکل گئی	کیا میرے منھ سے بات کچھ اس کی نکل گئی
۵۰۶	۲۴	بہت کج رو	بتِ کج رو
۵۰۷	۲	مہر شان	مہ وشان
۵۰۸	۹	گہر والہ	گہر دانہ
۵۱۱	۱۸	کشتی	کشتی ہے
۵۱۳	۴	پڑتے پاؤں	پڑتے تھے پانو
۵۱۷	۸	ریگ راہ	زلگ راہ (رک فرہنگ)
۵۱۷	۱۳	ہی اپنا	ہے اپنا ،
۵۱۹	۱۵	نہیں جلتا ہے	نہیں چلتا ہے
۵۲۹	۲۰	خوش لگے	خوش لگی
۵۳۶	۱	مسجد جم	مسند جم
۵۵۲	۱۸	خالی منھ پر نہیں متاع چمن	خال منھ پر نہیں ، متاع حسن
۵۵۲	۲۳	ہوتی ہے	ہوتی تھی
۵۵۳	۲	دل کا چراغ	دل کا سراغ
۵۵۵	۴	بیٹھ کر کے وہ اڑنا	ہٹ کر کے وہ اڑنا
۵۵۶	۴	حدت فہم	جدت فہم
۵۵۶	۸	کر یہ نیرے	گر یہ تیرے
۵۶۵	۱۱	حدت طبع	جدت طبع
۵۶۷	۱۰	لوٹ کی	لوٹ لی
۵۷۰	۱۷	گر چھوڑوں	کر چھوڑوں
۵۷۱	۱۰	اگر تجھ کو	اگر مجھ کو
۵۷۲	۱	ٹپکتا مرے	پٹکتا مری
۵۷۲	۸	بوندی وار	بوندی دار
۵۷۳	۱۱	شکوہ کا	شکوہ کیا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵۸۴ :	۲	دور لگی	دو رنگی
۵۸۸ :	۲۳	حلقہ وار	حلقہ دار
۵۹۱ :	(حاشیہ)	ایک درجن	آٹھ (رک : حواشی)
۵۹۳ :	۵	ہم کو دل باروں میں دیھہ	ہم ، کہ دل باتوں میں دیں
۶۰۲ :	۴	دارد ، بطرز	دارد ، (طرز او) بہ طرز
۶۰۲ :	۸	صبط	خبط
۶۰۲ :	۲۰	وشتے کا	رشتے سے
۶۰۹ :	(حاشیہ)	اپنا ند ہم	اپنا ، نہ ہم
۶۱۳ :	۷	پھر میں	میں پھیر
۶۱۶	۱۷	وانوت	راوت (رک : فرہنگ)
۶۲۵ :	(حاسیہ)	۱- پھری اصل :	۱- اصل : پھری
۶۲۷ .	۲۳	راہ میں ڈوبا	کاہ میں ڈوبا
۶۳۰ :	۴	مرد فغاں درد	میر و فغاں ، درد
۶۳۱ :	۱	وہ گل	وہ کل
۶۳۱ :	۲۰	یہ کا کل بتا تو شوق (کدا)	ہیں کاسل بتا تو شوق
۶۳۳ :	۳	گر شوق سے	کر شوق سے
۶۳۹ :	۱۱	وغیرہ ذلک ۔	وغیر ذلک ۔

———